تألیف

إمام المحدثين الحافظ الحجة محمد بن عيسى بن سورة الترمذي رحمه الله

٢٠٠ - ٢٧٩ھ

مع اردو ترجمہ وشرح

خصائلِ نبوی

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی قدس اللہ سرہ

١٣١٥ - ١٤٠٢ھ

وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ (القلم)

اور بے شک آپ اخلاق کے اعلیٰ پیمانہ پر ہیں۔

تأليف

إمام المحدثين الحافظ الحجة محمد بن عيسى بن سورة الترمذي رحمه الله

۲۰۰ — ۲۷۹ھ

مع اردو ترجمہ وشرح

خصائل نبوی

از

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی قدس اللہ سرہ

۱۳۱۵ — ۱۴۰۲ھ

تصحیح شدہ، جدید رنگین طباعت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

الحمدللہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفی

"خصائل نبوی" شمائل ترمذی کی شرح ہے جو حضرت شیخ الحدیث قطب العالم مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ نے اپنے ایک بزرگ کی فرمائش پر تحریر فرمائی۔ جب حضرت شیخ کی عمر مبارک ۲۹ برس تھی۔ اس شرح میں جن باتوں کا اہتمام کیا گیا ہے ان کی تفصیل حضرت نے تمہید کے زیر عنوان درج فرمائی ہے۔

آنحضرت سید المرسلین، وخاتم النبیین وامام المتقین، ومحبوب رب العالمین ﷺ کی ذات قدسی صفات محبوبیت کبریٰ کی حامل ہے، روئے زمین پر آپ ﷺ سے بڑھ کر کوئی بھی محبوب نہیں ہوا، اور صحابہ کرام علیہم الرضوان سے بڑھ کر کوئی عاشق جانثار چشم فلک نے نہیں دیکھا، آپ ﷺ کے اخلاق و عادات اور خصائل وشمائل، حسن ومحبوبیت کا پیکر ہیں اور آپ ﷺ کی ہر ایک ادا سے شانِ محبوبیت جلوہ گر ہے۔

حضرت نور اللہ مرقدہ کی یہ کتاب "درس محبت" ہے جس میں محبوب رب العالمین ﷺ کی شانِ محبوبیت کو اس طرح نمایاں کیا گیا ہے کہ قارئین کے قلب سے بے ساختہ محبت جھلکنے لگتی ہے۔ بقول حضرت عارفی نور اللہ مرقدہ:

یہاں تک بڑھ گئی وارفتگیٔ شوقِ نظارہ　　　حجابات نظر سے پھوٹ نکلا حسن جاناناں

بہارِ حسن کو یوں جذب کرلوں دیدہ ودل میں　　　محبت پر مرا ذوقِ نظر معیار ہوجائے

اس کتاب میں آنحضرت ﷺ کی شانِ محبوبیت کا مشاہدہ قارئین کرام ہر جگہ ملاحظہ کریں گے۔ اس لئے حضرت نور اللہ مرقدہ اپنے احباب کو اس کتاب کے مطالعہ کی بار بار تاکید فرماتے رہے۔ لھذا ضرورت ھے کہ عام مسلمان بھی اسے اپنے مطالعہ میں رکھے تا کہ آنحضرت ﷺ کی محبت اس کے دل میں جاگزیں ھو۔

"خصائل نبوی" ہند و پاک کے بہت سے مطابع سے شائع ہو رہی ہے، لیکن پاکستان کے بہت سے ناشرین نے کتاب کے عربی حواشی کو جو نہایت بیش قیمت علمی فوائد پر مشتمل تھے، حذف کر دیا جو کہ اہل علم کا بڑا نقصان تھا۔

مکتبة البشری نے اس کتاب کو از سر نو دو رنگوں میں کمپیوٹر کمپوزنگ کے ساتھ، مراجعت و تحقیق کے بعد شائع کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ اس نئی طباعت میں جن اُمور کا لحاظ کیا گیا وہ حسب ذیل ہیں:

☆ عربی و اُردو عنوانات کو سرخ رکھا گیا ہے۔

☆ متن و حاشیہ میں احادیث کے ارقام کو جو کہ ایک باب کے ذیل میں ہیں اور لفظ حدثنا، عن وغیرہ کو بھی سرخ کیا گیا ہے۔

☆ کتاب کے ہیڈر میں عنوان اور ذیلی عنوان کا اضافہ کیا گیا ہے۔

☆ بقدر ضرورت وضاحت کے لئے شرح المواہب اللدنیہ للشیخ ابراہیم الباجوری سے انتخاب کیا گیا ہے جس کے لئے [ ] کی علامت اختیار کی گئی ہے۔

(ادارۃ البشریٰ)

فہرست مضامین خصائل نبوی اُردو

شرح شمائل ترمذي مع عربي حواشي

تمہید

بسم اللہ الرحمن الرحیم. نحمده ونصلي على رسوله الكريم

حامداً و مصلیاً و مسلماً۔ بندۂ ناچیز کو اواخر سن ۱۳۴۳ھ میں بامتثال حکم حضرت اقدس آقائی و مولائی حضرت الحاج مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہٗ و برّد مضجعہ بذل المجهود فی حل ابی داؤد کی طباعت کے لئے متفرق طور پر چند روز شہر دہلی رہنے کا اتفاق ہوا۔ وہاں میرے ایک کرم فرما جناب محترم محمد عثمان خاں صاحب زاد مجدہم نے شمائل ترمذی کے مختصر سے ترجمہ کا حکم کیا۔ میں اپنی نااہلیت کا معترف ہر گز بھی اس کا اہل نہیں تھا اور اسی وجہ سے اس سے قبل کسی تحریر یا تقریر کی کبھی نوبت بھی نہیں آئی تھی، لیکن ممدوح نے اپنے حُسنِ ظن کی بنا پر میری کسی معذرت کو بھی قبول نہ کیا۔ میں اپنے عجز و قصور کی وجہ سے ہر گز بھی امتثال نہ کرتا۔ مگر چوں کہ موصوف کے میرے والد ماجد صاحب نوّر اللہ مرقدہ و برّد مضجعہ سے خصوصی مراسم تھے اور بمقتضائے حدیث

(إن من أبر البر صلة الرجل أهل ودّ أبيه بعد أن يولى. رواه مسلم)

ترجمہ: ”بہترین صلہ رحمی والد کے بعد اس کے دوستوں کے ساتھ حُسنِ سلوک ہے۔“

اس لئے مجھے اس کے بغیر چارہ کار ہی نہ ہوا کہ اپنی حیثیت کے موافق مختصر سا ترجمہ لکھ کر پیش کروں اور ناظرین سے اپنے اقرارِ عجز کے بعد عرض کروں کہ ان اوراق کی پریشانی، عبارت اور الفاظ کی غرابت، مضامین کے تشتت سے تسامح فرماتے ہوئے اصل مقصد اور آقائے عالم سید البشر نبی اکرم علیہ الف الف صلوات و تحیات کے اخلاق، اوصاف، عادات، معمولات کی طرف توجہ فرمائیں کہ عقلمند شخص بدنما برقعہ کی وجہ سے حسین چہرہ سے بے توجہی نہیں کرتا اور سمجھدار آدمی بدمزہ چھلکے کی وجہ سے لذیذ گودے کو نہیں پھینکتا۔

اس ترجمہ میں چند امور کا خاص طور سے اہتمام کیا گیا ہے۔

نمبر ۱: اکثر مضامین اکابر قدما کے کلام سے لئے گئے ہیں اور خود رائی وغیرہ سے احتراز کیا گیا۔

نمبر ۲: جمع الوسائل ملا علی قاری حنفی کی، مناوی شیخ عبد الرؤوف مصری کی، مواہب لدنیہ شیخ ابراہیم بیجوری کی، تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر عسقلانی کی، اس رسالہ کا زیادہ تر ماخذ رہی ہیں۔

نمبر ۳: ترجمہ چونکہ عوام کے لئے کیا گیا اس لئے مطلب خیز ترجمہ کیا گیا، لفظی ترجمہ کی پابندی نہیں کی گئی۔

نمبر ۴: ترجمہ سے زائد امور بطور فائدہ کے ذکر کئے گئے اور اُن کے شروع میں "فائدہ" کا لفظ بھی لکھ دیا۔

نمبر ۵: اکثر جگہ ترجمہ سے زائد امور جو ربط کے لئے بڑھائے گئے وہ (قوس) میں لکھے گئے۔

نمبر ۶: احادیث کا اگر بظاہر آپس میں تعارض معلوم ہوا تو اس کو مختصر طور سے رفع کیا گیا۔

نمبر ۷: اختلافِ مذاہب کا بھی مختصر طور پر کہیں کہیں ذکر کیا گیا، مگر مذہبِ حنفیہ کو اکثر جگہ خاص طور سے ذکر کیا ہے کہ قرب وجوار کے باشندے اکثر حنفی ہیں۔

نمبر ۸: حنفیہ کے قول کی دلیل بھی کہیں کہیں حسبِ ضرورت مختصر طریقہ سے بیان کی گئی۔

نمبر ۹: جس جگہ حدیث میں کسی غزوہ یا قصہ کی طرف اشارہ تھا فائدہ میں اس قصہ کو مختصر طور سے ذکر کر دیا گیا۔

نمبر ۱۰: جس حدیث کی باب سے مناسبت خفی تھی اس کو بھی واضح کیا گیا۔

نمبر ۱۱: جو مضامین خاص طلبہ کے لئے مفید تھے اور عوام کو کارآمد نہیں تھے ان کو عربی حاشیہ میں لکھا گیا، بالخصوص سندِ حدیث کے متعلق اگر راوی کا نام ضبط کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی یا عربی عبارت میں کسی نحوی ترکیب کے ذکر کی ضرورت سمجھی گئی۔

نمبر ۱۲: جو مضامین اختصار کی وجہ سے یہاں ذکر نہیں کئے گئے، اکثر جگہ اُن کتب کا حوالہ لکھ دیا جہاں وہ مفصل مل سکتے ہیں تاکہ شائقین کو تلاش میں سہولت رہے۔

نمبر ۱۳: اِن سب امور میں اختصار کو نہایت مد نظر رکھا گیا کہ پڑھنے والوں کی طبائع طول سے اُکتا نہ جائیں۔
وما توفيقي إلا بالله عليه توكلت وإليه أنيب ط

زکریا عفی عنہ کاندھلوی۔ مقیم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ وارد حال دہلی ۸ جمادی الاخری سن ۱۳۴۴ھ جمعہ

بسم الله الرحمن الرحيم

باب ما جاء في خَلْق رسول الله ﷺ

بفتح فسكون

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى. قال **الشيخ** الحافظ **أبو عيسى** محمد بن عيسى بن سَوْرَة **الترمذي**:

أي الثناء الحسن — صفة عباده برگزيدة — كنيته — مثلث التاء

باب۔ حضور اقدس ﷺ کے حُلیۂ مبارک کا بیان

فائدہ: مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں وہ احادیث ذکر فرمائی ہیں جو حضور اقدس ﷺ کے حُلیۂ مبارک کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ حضور اقدس ﷺ کے جمالِ مبارک کو کماحقہ تعبیر کر دینا ناممکن ہے، نورِ مجسم کی تصویر کشی قابو سے باہر ہے،

باب: [باب الأحاديث التي جاءت في خَلْق رسول الله ﷺ، أي ما ورد فيه من الأحاديث. والباب لغة: ما يتوصَّل منه إلى المقصود، واصطلاحًا: الألفاظ المخصوصة باعتبار دلالتها على المعاني المخصوصة؛ لأنها توصل إلى المقصود].

خَلْق: [الصورة والشكل، المراد هنا صورة الإنسان الظاهرة] بفتح فسكون، يستعمل في الإيجاد والمخلوق، والمراد ههنا صورة الإنسان الظاهرة المدركة بالبصر، كالبياض والطول. والخلق بضمتين: صورة الإنسان الباطنة المدركة بالبصيرة كالعلم والحلم. وإنما قدم المصنف الكلام على الأول مع أن الثاني أشرف؛ لأن الصفات الظاهرة أول ما يدرك من صفات الكمال، ولأنها كالدليل على الباطنة، فإن الظاهر عنوان الباطن، ورعاية للترقي من غير الأشرف إلى الأشرف، وللترتيب الوجودي؛ إذ الظاهر مقدم في الوجود على الباطن، وإنما كانت الصفات الباطنة أشرف من الظاهرة؛ لأن مناط الكمال إنما هو الباطن.

الحمد: اختلفت النسخ في وجود هذه الخطبة، فتوجد في بعضها ولا توجد في بعض، والأولى إبقاؤها لمايوجد في بعض النسخ، فلا يبقى إذاً حاجة الجواب عن الإشكال المشهور، إلا أنه يورد على هذه الخطبة بعضُ الإيرادات، مثل: انفراد السلام عن الصلوة على مذهب من كره ذلك، واستقلال السلام على غير الأنبياء إن أريد العموم بعباده الذين اصطفى، وهذا المختصر لا يتحملها.

الشيخ: من كان أستاذاً كاملا في فن يصح أن يقتدى به ولو كان شاباً، ولا يختص بسن دون سن، هو مصدر شاخ يشيخ، حمل عليه مبالغة، أو صفة على زنة "سيّد" فخفف، قاله المناوي. والحافظ في اصطلاحهم: من أحاط علمه بمائة ألف حديث متنا وسندا، وهو أحد المراتب الخمسة للمحدثين: أولها الطالب، وهو: المبتدي، ثم المحدث، وهو: من تحمل روايته، ثم الحافظ، وقد ذكر، ثم الحجة، وهو: من أحاط بثلاث مائة ألف حديث، ثم الحاكم، وهو: من أحاط بجميع الأحاديث المروية.

أبو عيسى: وقد ورد النهي عن التكنّي به فيحمل على أنه لم يبلغه، أو لم يصححه، أو رجح الجواز؛ لما ورد أن المغيرة بن شعبة ﷺ كناه بذلك النبي ﷺ. الترمذي: قال النووي: فيه ثلاثة أوجه: كسر التاء والميم وهو الأشهر، وضمهما، وفتح التاء وكسر الميم، وقال المناوي: في الراجح من هذه اللغات خلاف، نسبة إلى بلدة قديمة بطرف نهر بلخ المسمى بجيحون.

أخبرنا أبو رجاء قُتَيبة بن سعيد، عن مالك بن أنس، عن رَبِيعة بن أبي عبد الرحمن، **عن**[1] أنس بن مالك ﷺ: **أنه سمعه** يقول: كان رسول الله ﷺ ليس بالطويل **البَائِنِ**، **ولا** بالقَصِير،

بالفتح والمد — خبر كان — [زائد الطول]

لیکن اپنی ہمت و وسعت کے موافق حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس کو ضبط فرمایا جس کا کچھ بیان یہ ہے۔ قرطبی کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کا پورا جمال ظاہر نہیں کیا گیا، ورنہ آدمی حضور ﷺ کو دیکھنے کی طاقت نہ رکھتے:

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اُمت پر نہایت ہی بڑا احسان ہے کہ حضور ﷺ کے کمالاتِ معنوی علوم و معارف کے ساتھ ساتھ کمالاتِ ظاہری حسن و جمال کی بھی اُمت تک تبلیغ فرمائی کہ یہ "منم و خیالِ یارے" کے لئے معین و مددگار ہوتا ہے۔ نامراد عاشق جب وصال سے محروم ہوتا ہے تو محبوب کے گھر بار خدّ و خال کو یاد کر کے اپنے کو تسلّی دیا کرتا ہے اور عادات و حالات ہی سے دل بہلایا کرتا ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ان میں سے چار سو احادیث لے کر اس رسالہ کو مرتّب فرمایا اور ان چار سو احادیث کو چھپن بابوں پر تقسیم فرما کر اس بابِ اول میں چودہ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نہ بہت لمبے قد کے تھے نہ پستہ قد (جس کو ٹھگنا کہتے ہیں، بلکہ آپ کا قد مبارک درمیانہ تھا) اور نیز رنگ کے اعتبار سے نہ بالکل سفید تھے چونہ کی طرح، نہ بالکل گندم گوں کہ سانولہ پن آجائے (بلکہ چودھویں رات کے چاند سے زیادہ روشن پُر نور اور کچھ ملاحت لئے ہوئے تھے) حضور اقدس ﷺ کے بال نہ بالکل سیدھے تھے نہ بالکل پیچدار (بلکہ ہلکی سی پیچیدگی اور گھونگریالہ پن تھا) چالیس برس کی عمر ہو جانے پر حق تعالیٰ جل جلالہ نے آپ کو نبی بنایا اور پھر دس برس مکّہ مکرّمہ میں رہے (اس میں کلام ہے جیسا کہ فوائد میں آتا ہے۔ اس مدّت کے درمیان میں حضور اقدس ﷺ پر وحی بھی نازل ہوتی رہی) اس کے بعد دس سال مدینہ منوّرہ میں قیام فرمایا اور پھر ساٹھ سال کی عمر میں حضور ﷺ نے وصال فرمایا۔

أنه سمعه: أي: سمع ربيعة أنساً. والغرض أن ربيعة أخذ هذا الحديث بطريق التحديث لا بالإخبار قاله القاري، قيل: ويحتمل أن الضميرين لمالك وقتيبة قاله المناوي. قلت: ولكن فيه بعد.

البائن: [الظاهر طوله، فهو بمعنى: البعيد عن حد الاعتدال] البائن بالهمزة دون الياء من بان بمعنى: ظهر، أو بمعنى: بعد. وفي تخصيص الطول بالبائن دون القصر بمقابله إشارة إلى أنه ﷺ كان رَبعةً لكنه إلى الطول أقرب. ولا: عطف على قوله: بالطويل، و"لا" زائدة لتأكيد النفي.

ولا بالأبيض الأمْهَق، ولا **بالآدم**، **ولا بالجَعْد القَطط**، ولا **بالسَّبْطِ**، بعثه الله تعالى على رأس
شديد الجعودة
أربعين سنة، فأقام بمكّة عشْر سِنِين، وبالمدينة عشْر سِنِين، فَتَوفّاه الله تعالى على رأس **سِتّين** سنة،
رسولا بعد الهجرة
وليس في رَأسه ولِحيتِه عِشْرون شَعْرَة بَيْضَاء.

اس وقت آپ کے سر اور آپ کی داڑھی میں بیس بال بھی سفید نہ تھے (اس کا مفصل بیان "باب فی شیب رسول اللہ ﷺ" میں آئیگا۔

فائدہ: حضور اقدس ﷺ کا قد مبارک درمیانہ تھا لیکن میانہ پن کے ساتھ کسی قدر طول کی طرف کو مائل۔ چنانچہ ہند بن ابی ہالہ وغیرہ کی روایت میں اس کی تصریح ہے۔ ان دونوں روایتوں پر اس حدیث سے اشکال ہوتا ہے جس میں آیا ہے کہ حضور ﷺ جب کسی جماعت میں کھڑے ہوتے تو سب سے زیادہ بلند نظر آتے، لیکن یہ درازیٔ قد کی وجہ سے نہ تھا بلکہ معجزہ کے طور پر تھا تاکہ حضور اکرم ﷺ سے جیسا کمالاتِ معنویہ میں کوئی بلند مرتبہ نہیں ہے، اسی طرح صورتِ ظاہری میں بھی کوئی بلند محسوس نہ ہو۔ نیز حضور اقدس ﷺ کا نبوّت کے بعد مکّہ مکرّمہ میں قیام دس برس اس حدیث میں ذکر ہوا ہے اور اسی بنا پر حضور ﷺ کی عمر ساٹھ سال کی ذکر کی گئی ہے لیکن یہ روایت اُن سب روایات کے خلاف ہے جن میں حضور ﷺ کا قیام تیرہ برس بتلایا گیا ہے، اور تریسٹھ سال کی عمر ذکر کی گئی۔ بعض روایات میں پینسٹھ سال کی عمر آئی ہے، چنانچہ اواخر کتاب میں تینوں روایتیں آنے والی ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تریسٹھ سال کی روایتیں زیادہ ہیں۔

ولا بالأبيض: [أي: الشديد البياض بحيث يكون خاليا عن الحمرة والنور، فلا ينافي أنه أبيض مشرب بحمرة] الأمهق أي: شديد البياض، فالنفي راجع إلى القيد فقط، ورواية المصنف في جامعه "أمهق ليس بأبيض" مقلوبة كما ذهب إليه الحافظ، أو وهم كما قاله عياض، أو مؤوّل بأن المهقة قد يطلق على الخضرة أيضاً. **بالآدم**: [الأسمر أي: ليس بشديد السمرة] أصله "أأدم" بهمزتين على وزن أفعل، أبدلت الثانية ألفا، أي شديد الأدمة أي السمرة، فالمنفي الشدّة فلا ينافي إثبات السمرة في الخبر الآتي، ومما يؤيّد ذلك رواية البيهقي: كان أبيض بياضه إلى السمرة.

ولا بالجعد القطط: [الشعر الملتوي المنقبط] هذا وصف له ﷺ باعتبار شعره، والجعد بفتح فسكون. والقطط بفتحتين على الأشهر شديد الجعودة، وفي التهذيب: القطط: شعر الزنج، قال الزمخشري: الغالب على العرب جعودة الشعر وعلى العجم سبوطته، وقد أحسن الله لرسوله الشمائل، وجمع فيه ما تفرّق في غيره من الفضائل. **بالسبط**: [الشعر المنبسط المسترسل] **ستين**: وفي رواية: توفّي وهو ابن خمس وستين سنة، وفي أخرى: ثلاث وستين وهي أصحّها وأشهرها كما سيأتي في باب مستقل في آخر الكتاب.

حدثنا حُمَيد بن مَسْعَدَةَ البصريّ، حدثنا عبد الوهّاب الثَّقَفيّ، عن حميد، **عن**(٢) أنس بن مالك رضي الله عنه قال: كان رسول الله ﷺ **رَبْعَةً**، وليس بالطويل ولا بالقصير، **حَسَنَ الجسم**، وكان شعره ليس بجَعْدٍ ولا سَبْط، أَسْمَرُ اللَّون، **إذا مشى يَتَكفَّأُ**.

[مصغراً] [الطويل] [متوسط الطول] [خبر ثان]

علماء نے ان احادیث میں دو طرح جمع فرمایا ہے: اول یہ کہ حضور ﷺ کو چالیس سال کی عمر میں نبوت ملی اور تین سال بعد رسالت ملی۔ اس کے بعد دس سال مکّہ مکرّمہ قیام ہوا، اس بنا پر اس حدیث میں ان تین سال کا ذکر چھوٹ گیا جو نبوّت اور رسالت کے درمیان تھے۔ دوسری توجیہ یہ کی جاتی ہے کہ عموماً اعداد میں کسر کو شمار نہیں کیا جایا کرتا، اسی بنا پر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں دونوں جگہ دہائیاں ذکر کر دیں اور کسر کو چھوڑ دیا، اور پینسٹھ سال والی روایات میں سنِ ولادت اور سنِ وفات کو مستقل شمار کیا گیا۔ غرض سب روایات کا حاصل ایک ہی ہے اور چونکہ حضور ﷺ کی عمر شریف اصح قول کے موافق تریسٹھ سال کی ہوئی اس لئے باقی روایات کو بھی اسی طرف راجع کیا جائے گا۔

(۲) دوسری روایت بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ درمیانہ قد تھے، نہ زیادہ طویل نہ کچھ ٹھگنے، نہایت خوبصورت معتدل بدن والے۔ حضور ﷺ کے بال نہ بالکل پیچیدہ تھے نہ بالکل سیدھے (بلکہ تھوڑی سی پیچیدگی اور گھنگریالہ پن تھا)

مر کر کسی کی زلف پر معلوم ہو تجھے ۔۔۔ فرقت کی رات کٹتی ہے کس پیچ وتاب میں

نیز آپ گندمی رنگ تھے۔ جب حضور ﷺ راستہ چلتے تو آگے کو جھکتے ہوئے چلتے۔

ربعة: بفتح الراء وسكون الموحّدة، ويجوز فتحها، المتوسط بين الطويل والقصير، والتأنيث باعتبار النفس يقال: رجل ربعة، وامرأة ربعة. **حسن الجسم**: [معتدل الخلق، متناسب الأعضاء، لا تغلبه السمنة أو الهزال] تعميم بعد تخصيص، أو المراد بحسنه نفي غلبة السمن والهزال، قال بعضهم: الحسن عبارة عن كل مبهج مرغوب فيه حساً أو عقلاً. مناوي

إذا مشى يتكفّأ: إذا ظرفية لا شرطية، والعامل فيها الفعل بعدها، ويتكفّأ بتشديد الفاء بعده همز، وقد يترك همزه تخفيفا أي: يتمايل إلى قُدّام، وفسره بعضهم بكونه يسرع في مشيه، والأول أظهر، ويؤيّده ما في الخبر الآتي كأنما ينحطّ من صبب، فهو من قولهم: كفأت الإناء إذا قلّبته، وفي بعض النسخ: إذا مشى يتوكّأ أي: يعتمد على رجليه.

حدثنا محمد بن بشّار، يعني **العبديّ**، حدثنا محمد بن جعفر، حدثنا شعبة، عن أبي إسحاقَ قال: **سمعت**(۳) البراءَ بن عازب رضي الله عنه يقول: كان رسول الله ﷺ **رجُلاً** مربوعاً،

بضم الجيم وكسرها متكسر الشعر

فائدہ: اِس حدیث میں خود حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ مبارک کو گندمی فرماتے ہیں۔ پہلی روایت بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی تھی، اُس میں اِس کی نفی کی گئی تھی، وہاں ترجمہ میں اس کی طرف اشارہ بھی کر دیا تھا۔ دونوں میں کچھ تعارض نہیں، حاصل دونوں روایتوں کا یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ بالکل گندمی نہیں تھا کہ جس کی وجہ سے روشنی اور حُسن میں کچھ کمی آئے، بلکہ وہ چمک دمک اور خوبروئی تھی کہ اپنے ساتھ تھوڑی سی گندمیّت بھی ملائے ہوئے تھی۔ نیز اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفتار کے بارے میں یَتَکفَّأ کا لفظ واقع ہوا ہے، اس کے ترجمہ میں علماء کے مختلف اقوال ہیں: بعض لوگ جلدی چلنے کا ترجمہ فرماتے ہیں، اور بعض لوگ آگے کو جُھکنے کا ترجمہ کرتے ہیں، اور بعض شرّاح قوت سے قدم اُٹھانے کا ترجمہ کرتے ہیں، تینوں ترجمہ صحیح ہیں، اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی رفتار تینوں صفتوں کے ساتھ متّصف ہوتی تھی، اور لفظ بھی تینوں معنی کو محتمل ہے۔ حضور والا تیز رفتاری کے ساتھ چلتے تھے، محبوبینِ زمانہ کی طرح عورتوں کی چال نہیں چلتے تھے۔ نیز حضور کی عادت جُھک کر چلنے کی تھی، متکبرانہ رفتار سینہ نکال کر نہیں چلتے تھے۔ نیز مردانہ رفتار پاؤں زمین سے اُٹھا کر چلتے تھے نہ یہ کہ زمین پر پاؤں گھسیٹتے ہوئے چلیں۔

(۳) حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک مردِ میانہ قد تھے (قدرے درازی مائل، جیسا کہ

العبدي: نسبة إلى عبد قيس، قبيلة مشهورة من ربيعة. رجلا: قال البيجوري: بضم الجيم في جميع الروايات، خبر صورة توطئة لما هو خبر حقيقة؛ إذ هو المقصود بالإفادة، كقوله تعالى: ﴿ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لا يَفْقَهُونَ﴾ (الحشر: ۱۳) وهذا مبني على أن المراد بالرجل المعنى المتبادر، وهو الذّكر البالغ، وفيه أنه لا يليق بصحابي أن يصفه بذلك ولم يسمع من أحد منهم وصفه به، فالأحسن كما قاله بعضهم: أن المراد وصف شعره بالرّجولة، وهي: التكسّر القليل، يقال: شعر رجل بضم الجيم، كما يقال بفتحها وكسرها وسكونها، أي: فيه تكسر قليل. وضبطه القاري بفتح الراء وكسر الجيم، ثم قال: ووقع في الروايات المعتمدة بضم الجيم، فيحتمل أن يكون المراد منه المعنى المتبادر وهو المقابل للمرأة، ويحتمل أن يراد به شعره الأطهر، إذ الرجل بكسر الجيم وفتحها وضمها وسكونها بمعنى واحد، وهو: الذي في شعره تكسّر يسير، كما يفهم من كلام الحافظ ابن حجر في شرح البخاري، ويؤيّده ما صح في بعض النسخ بكسر الجيم، وكان هذا المعنى أصوب؛ إذ لا يليق بحال الصحابي وصفه ﷺ بالرجل.

بُعَيْدَ مابين المَنْكِبين، عظيم **الجُمَّة** إلى شحمة أُذُنيه، عليه **حُلَّة حَمْرآء**، ما رأيت **شيئاً قَطُّ** أحسنَ منه. **حدثنا** محمود بن غيلانٍ (بفتح فسكون) قال: حدثنا وكيع، حدثنا سفيان، (الثوري)

پہلے گزر چکا) آپ کے دونوں مونڈھوں (کندھوں) کے درمیان قدرے اوروں سے زیادہ فاصلہ تھا (جس سے سینہ مبارک کا چوڑا ہونا بھی معلوم ہوگیا) گنجان بالوں والے تھے جو کان کی لو تک آتے تھے، آپ پر ایک سُرخ دھاری کا جوڑا یعنی لنگی اور چادر تھی۔ میں نے آپ سے زیادہ حسین کبھی کوئی چیز نہیں دیکھی۔ **فائدہ:** اس حدیث میں رجلاً مربوعاً کا لفظ ہے جس کا ترجمہ جیم کے پیش کے ساتھ مرد کا کیا گیا، یہ صحیح ہوسکتا ہے، اس قسم کے الفاظ کلامِ عرب میں ربط کے واسطے آجاتے ہیں، لیکن چونکہ اس میں کوئی خاص صفت نہیں ظاہر ہوتی اس لئے بعض محدّثین کی رائے ہے کہ یہ لفظ جیم کے زیر کے ساتھ ہے جس کے معنی سیدھے پن اور ٹیڑھے پن کے درمیان کے ہیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اِس صورت میں یہ صفت حضور اقدس ﷺ کے بالوں کی ہوگی جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ حضور ﷺ کے بال مبارک کچھ تھوڑی سی پیچید گی لئے ہوئے تھے۔ اِس حدیث سے بعض علماء نے سُرخ کپڑے کا مرد کے لئے مطلقاً پہننا جائز قرار دیا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک اس میں تفصیل ہے، جو کپڑے کی تعیین کے بعد علماء سے تحقیق کی جاسکتی ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ صحابی نے اس حدیث میں "کسی چیز کو آپ سے زیادہ حسین نہیں دیکھا" اس لئے کہا تاکہ انسان کے علاوہ چاند سورج وغیرہ ہر چیز کو شامل ہوجائے۔

بعيد مابين المنكبين: [عريض أعلى الظهر، ويلزمه أنه عريض الصدر]. الجُمّة: [ما سقط من شعر الرأس و وصل إلى المنكبين] بضم الجيم وتشديد الميم، ما وصل من شعر الرأس إلى المنكبين، وعلى هذا يشكل قوله: إلى شحمة أذنيه، فقيل: المراد بالجمّة: الوفرة مجازاً، وقيل: الجار والمجرور متعلق بعظيم لا بجمة، والمعنى: العظيم من جمّته يصل إلى شحمة أذنيه، وما نزل عنها إلى المنكبين يكون خفيفاً على العادة من أن الشعر كلما نزل خفّ.

حلّة حمراء: [ثوب له ظهارة وبطانة، وقيل: الحلة هي إزار و رداء] قال البيجوري: أخرج ابن الجوزي من طريق ابن حبان وغيره أن النبي ﷺ اشترى حلة بسبع وعشرين ناقة فلبسها. شيئاً: قال شيئا دون إنسانا؛ ليشمل غير البشر كالشمس والقمر، وعبر بـــ"قطّ" إشارة إلى أنه كان كذلك من المهد إلى اللحد؛ لأن معنى "قط" الزمن الماضي، ولا يستعمل إلّا في النفي، وهو بفتح القاف وضم الطّاء المشددة، وقد تخفف الطاء المضمومة، وقد تضم القاف اتباعاً لضمة الطاء المشددة أو المخففة، وجاءت ساكنة الطاء، فهذه خمس لغات أشهرها الأولى، وقد صرّحوا بأن من كمال الإيمان اعتقاد أنه لم يجمع في بدن إنسان من المحاسن الظاهرة ما اجتمع في بدنه ﷺ، ومع ذلك فلم يظهر تمام الحسن و إلا لما طاقت الأعين رؤيته ﷺ. قلت: أو غيرة منه تبارك وتعالى كما حكاه الشاه ولي الله الدهلوي في الدر الثمين عن منام والده.

عن أبي إسحاق، عمرو **عن**[٤] البراء بن عازب ﷺ قال: ما رأيت من ذي **لِمَّة** في حُلَّةٍ حمراء أحسنَ من رسول الله ﷺ، له شعر يَضْرِب مَنْكبيه، بُعَيْد ما بين المنكِبيْن، لم يكن بالقصير ولا بالطويل. **حدثنا** محمد بن إسماعيل، الإمام البخاري حدثنا أبو **نعيم**، حدثنا **المسعودي**، عن عثمان بن مسلم بن **هُرْمُز**، عن نافع بن جُبير بن مطعم، **عن**[٥] عليّ بن أبي طالب ﷺ قال: لم يكن النبيّ ﷺ بالطويل ولا بالقصير،

---

(۴) حضرت براء ہی سے یہ بھی روایت ہے کہ میں نے کسی پٹھوں والے کو سُرخ جوڑے میں حضور اقدس ﷺ سے زیادہ حسین نہیں دیکھا۔ حضور ﷺ کے بال مونڈھوں تک آرہے تھے۔ آپ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان کا حصّہ ذرا زیادہ چوڑا تھا اور آپ نہ زیادہ لمبے تھے نہ ٹھگنے۔ **فائدہ:** حضور ﷺ کے بالوں کے بارے میں یہ روایت پہلی روایت سے مختلف ہوگئی، اس لئے کہ اُس میں کان کی لو تک ذکر کیا تھا۔ لیکن حقیقت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس لئے کہ بال ایک حالت پر نہیں رہا کرتے، کبھی کم ہوتے ہیں، کبھی زائد ہوجاتے ہیں، اور قصداً بھی کم کئے جاتے ہیں، کبھی بڑھائے جاتے ہیں۔

(۵) حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نہ زیادہ لمبے تھے نہ کوتاہ قد، ہتھیلیاں اور دونوں پاؤں پُر گوشت تھے (یہ صفات مردوں کے لئے محمود ہیں، اس لئے کہ قوت اور شجاعت کی علامت ہیں، عورتوں کے لئے مذموم ہیں) حضور ﷺ کا سر مبارک بھی بڑا تھا اور اعضا کے جوڑ کی ہڈیاں بھی بڑی تھیں۔ سینہ سے لے کر ناف تک بالوں کی ایک باریک دھاری تھی۔

لمة: [فهي ما جاوز شحمة الأذن، سواء وصل إلى المنكبين أولا، وقيل: إنها بين الجمة والوفرة، فهي ما نـزل عن الوفرة ولم يصل إلى الجمّة] بكسر اللام وتشديد الميم. قال القاري: الوفرة: الشعر إلى شحمتي الأذن، واللمة دون الجُمّة، سمّيت بذلك؛ لأنها ألمت بالمنكبين، والجُمّة: بضم الجيم وتشديد الميم من شعر الرأس ما سقط على المنكبين. وسيأتي في باب شعره ﷺ من البسط. وقال البيجوري: هذه الثلاثة قد اضطرب أهل اللغة في تفسيرها، وأقرب ما وفق به أن فيها لغات، وكل كتاب اقتصر على شيء منها كما يشير إليه كلام القاموس في مواضع.

نعيم: بضم نون وفتح عين مهملة فضل بن دكين مصغراً. **المسعودي:** هو عبد الرحمن بن عبد الله بن عقبة بن عبد الله بن مسعود، ولذلك نسب إليه. **هُرْمُز:** بضم أوله وثالثه وسكون ثانيه وبالزاء المعجمة، يصرف ولا يصرف.

شَثْنُ الكَفَّين والقَدَمين، ضَخْم الرأس، ضخم **الكَرَادِيْس**، طويل **المَسْرُبَة**، إذا مشى تَكَفَّأَ **تكفُّؤاً** [مشى بقوة وصلابة] كأنّما يَنْحَطُّ من صَبَبٍ، لم أَرَ قبلَه ولا بعدَه مثلَه ﷺ. **حدثنا** سفيان بن وكيع، **حدثنا** أبي، عن المسعودي بهذا الإسناد نحوه بمعناه. **حدثنا** أحمد بن عَبَدة الضبيُّ البصريّ وعليّ بن حُجر وأبو جعفر محمد بن الحسين – **وهو** ابن أبي حليمة – والمعنى واحد، قالوا: **حدثنا** عيسى بن يونس

جب حضور اقدس ﷺ چلتے تھے گویا کہ کسی اونچی جگہ سے نیچے کو اتر رہے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ جیسا نہ حضور ﷺ سے پہلے دیکھا نہ بعد میں دیکھا۔ **فائدہ:** اس قسم کی عبارت سے کہ "میں نے فلاں جیسا کبھی نہیں دیکھا" مبالغہ مقصود ہوا کرتا ہے اس کے مثل نہ ہونے میں، لیکن حضور کے اوصاف میں مبالغہ نہیں، اس لئے کہ وہاں کمالِ جمال ہی تعبیر سے باہر ہے۔ مناوی نے لکھا ہے کہ ہر شخص یہ اعتقاد رکھنے کا مکلّف ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا جسم مبارک جن اوصافِ جمیلہ کے ساتھ متّصف ہے، کوئی دوسرا اُن اوصاف میں حضور ﷺ جیسا نہیں ہو سکتا۔ اور یہ محض اعتقادی چیز نہیں ہے، سیر، احادیث و تواریخ کی کتابیں اس سے لبریز ہیں کہ حق تعالیٰ شانہ نے کمالاتِ باطنیہ کے ساتھ جمالِ ظاہری بھی علی الوجہ الاتم عطا فرمایا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دو شعر نقل کئے گئے ہیں، جن کا مطلب یہ ہے کہ زلیخا کی سہیلیاں اگر حضور اقدس ﷺ کے چہرۂ انور کو دیکھ لیتیں تو ہاتھوں کے بجائے دلوں کو کاٹ دیتیں۔ بالکل سچ فرمایا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم مرد و عورت حضور ﷺ کے عشق میں جس قدر غرق تھے اس کا کچھ شائبہ دیکھنا ہو تو میرے رسالہ "حکایاتِ صحابہ" کا باب ۸ دیکھو۔

شَثْنُ: بالرفع خبر مبتدأ محذوف، والشثن بالمثلثة كما في الشروح، وضبطه السيوطي بالمثناة الفوقية، وفسره الأصمعي كما سيأتي عند المصنف بغليظ الأصابع من الكفين والقدمين، وفسره ابن حجر: بغليظ الأصابع والراحة، وهو المتبادر قاله البيجوري. الكراديس: [هي رؤوس العظام، وقيل: مجمع العظام كالركبة والمنكب] جمع كردوس كعصفور: رأس العظم، وقيل: مجمع العظام كالركبة والمنكب. المسربة: [الشعر الدقيق الذي يبدأ من الصدر وينتهي إلى السرّة]. تكفُّؤاً: إما بالهمز فيهما فيقرأ المصدر بضمّ الفاء كتقدم تقدماً، أو بلا همز فيقرأ بكسرها كتسمي تسميا، وعلى كل فهو مصدر مؤكد، وقوله: كأنما إلخ مبالغة في التكفؤ. وهو: الضمير للحسين أو ابنه محمد مختلف عند الشراح، وكتب الرجال يؤيد الأول وكذا يؤيّده ما في جامع المصنف بلفظ: حدثنا أبو جعفر محمد بن الحسين بن أبي حليمة، وصفه به؛ لأن محمد بن الحسين أبا جعفر رجل آخر أيضاً في الرواة، كما يظهر من كتب الرجال، وهو أيضاً من هذه الطبقه، فنبه المصنف ليتميز عنه.

عن عمر بن عبد الله مولى غُفْرَةَ (أخت بلال المؤذن) قال: حدثني[٦] **إبراهيم بن محمد** – من ولد عليّ بن أبي طالب رضي الله عنه – قال: كان عليّ إذا وصف رسول الله ﷺ قال: لم يكن رسول الله ﷺ بالطويل **المُمَّغِط**، ولا بالقصير المتردِّدِ [المتناهي في القصر]، وكان رَبْعةً من القوم، ولم يكن بالجعد القطِط، ولا بالسبط، كان جعدا **رَجِلا**، ولم يكن **بالمُطَهَّم** (بلفظ المفعول فقط) ولا بالمُكَلْثَم [مدوَّر الوجه]، وكان في وَجْهه تدويرٌ (أي شيء منه)، أَبيض (خبر لمحذوف) مُشْرَبٌ، **أَدْعَج العَينَين**، أهْدَب (شديد سوادها) الأشفَار، جَلِيل **المُشَاش** والكتدِ، [طويل شعر الأجفان]

(٦) ابراہیم بن محمد جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں (یعنی پوتے ہیں) وہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب حضور ﷺ کے حلیۂ مبارک کا بیان فرماتے تو کہا کرتے تھے کہ حضور اقدس ﷺ نہ زیادہ لمبے تھے نہ زیادہ پستہ قد، بلکہ میانہ قد لوگوں میں تھے۔ حضور ﷺ کے بال نہ بالکل پیچدار تھے نہ بالکل سیدھے، بلکہ تھوڑی سے پیچیدگی لئے ہوئے تھے، نہ آپ موٹے بدن کے تھے نہ گول چہرہ کے، البتہ تھوڑی سی گولائی آپ کے چہرہ میں تھی (یعنی چہرۂ انور نہ بالکل گول تھا نہ بالکل لمبا بلکہ دونوں کے درمیان تھا) حضور کا رنگ سفید سرخی مائل تھا، آپ کی آنکھیں نہایت سیاہ تھیں اور پلکیں دراز، بدن کے جوڑوں کے ملنے کی ہڈیاں موٹی تھیں (مثلاً کہنیاں اور گھٹنے) ایسے ہی دونوں مونڈھوں کے درمیان کی جگہ بھی موٹی اور پُر گوشت تھی، آپ کے بدن مبارک پر (معمولی طور سے زائد) بال نہیں تھے (یعنی بعض آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ اُن کے

إبراهيم بن محمد: هو ابن محمد ابن الحنفية – وهي أمة لعليّ بن أبي طالب رضي الله عنه من سبى بني حنيفة – وإبراهيم هذا لم يسمع من علي بظاهره، ولذا قال المصنف في جامعه بعد إيراد الحديث: إسناده ليس بمتصل. المُمَّغط: [البائن الظاهر] بضم الميم وفتح الثانية مشددة وبكسر الغين المعجمة بعدها طاء مهملة، وأصله المنمغط، قلبت النون ميما وأدغمت في الميم، والمغط: مدّ شيء لين كذا في القاموس. وفي جامع الأصول: المحدثون يشدّدون الغين، أي مع تخفيف الميم الثانية، فهو اسم مفعول من التمغيط. رَجِلا: بكسر الجيم وقد يضمّ كما مرّ سابقا.

بالمُطَهَّم: [البادن كثير اللّحم أي: كثير البدن متفاحش السمن] الرواية فيه بلفظ اسم المفعول فقط. مشربٌ: أي: بحمرة كما في رواية، هو بالتخفيف من الإشراب، وهو: خلط لون بلون، وفي نسخة بالتشديد من التشريب، وهو مبالغة في الإشراب. أدعج العينين: [شديد سواد العينين، وقيل: شديد بياضِ البياض وسواد السواد]. المشاش: بالضم بمعجمتين بينهما ألف، جمع مشاشة بالضم والتخفيف، وهي رؤوس العظام. والكتد بمثناة فوقية تفتح وتكسر، مجتمع الكتفين، قاله المناوي.

أجْرَد، ذومَسْرُبَة، شَثْن الكفّين والقدمين، إذا مشى تَقَلّع كأنما يَنْحطّ في صَبَب، وإذا التَفَت **التفت معاً**، بين كتفيه خاتَم النُّبوة، وهو خاتم النَّبيين، أجْود الناس صدرا، وأصدق الناس **لهجة**، وألْيَنُهم عَرِيْكَة، وأكرمهم **عشيرة**، من رآه بديهة هابه، ومن خَالطَه معرفةً أحبَّه، يقول **ناعته**: لم أرقبله ولا بعده مثله ﷺ. قال أبو عيسى رحمه الله: سمعت أبا جعفر محمد بن الحسين يقول: سمعت الأصمعي يقول في تفسير صفة النبي ﷺ: المُمَّغط: الذاهِب طُولاً،

غليظ — طبيعة — أي خافه لوقاره وسكونه — شيخ المص المذكور — إمام أهل اللغة — بالطاء المهملة

بدن پر بال زیادہ ہوجاتے ہیں، حضور اقدس ﷺ کے بدن پر خاص خاص حصوں کے علاوہ جیسے بازو پنڈلیاں وغیرہ، اِن کے علاوہ اور کہیں بال نہیں تھے) آپ کے سینے سے ناف تک بالوں کی لکیر تھی، آپ کے ہاتھ اور قدم مبارک پُر گوشت تھے۔ جب آپ تشریف لے چلتے تو قدموں کو قوّت سے اُٹھاتے گویا کہ پستی کی طرف چل رہے ہیں۔ جب آپ کسی کی طرف توجہ فرماتے تو پورے بدن کے ساتھ توجہ فرماتے (یعنی یہ کہ صرف گردن پھیر کر کسی کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے، اس لئے کہ اس طرح دوسرے کے ساتھ لا پرواہی ظاہر ہوتی ہے اور بعض اوقات متکبرانہ حالت ہو جاتی ہے، بلکہ سینۂ مبارک سمیت اس طرف توجہ فرماتے۔ بعض علماء نے اس کا مطلب یہ بھی فرمایا ہے کہ جب آپ توجہ فرماتے تو تمام چہرہ سے فرماتے، کن اَنکھیوں سے نہیں ملاحظہ فرماتے تھے، مگر یہ مطلب اچھا نہیں) آپ کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوّت تھی۔ آپ ختم کرنے والے تھے نبیوں کے، آپ سب سے زیادہ سخی دل والے تھے اور سب سے زیادہ سچی زبان والے۔

أجرد: [قليل الشعر حيث لم يعمّ الشعر جميع جسده] أي: غير أشعر، وهو من يعم الشعر سائر بدنه فالأجرد خلافه، وليس المعنى أنه لم يكن على بدنه شعر؛ لأنه كث اللحية، طويل المسربة، وكان الشعر على مواضع من بدنه كما ترى، فالأجردية باعتبار أغلب المواضع. التفت معًا: [بجميع أجزائه حيث لا يلوي عنقه يمنة أو يسرة إذا نظر إلى الشيء].

لهجة: [اللسان ومراده الكلام] عشيرة: عشيرة على وزن قبيلة ومعناه، وفي بعض النسخ: عشرة بكسر أولها وسكون ثانيها أي: صحبة، ويؤيده ما سينقله المصنف عن الأصمعي، وكلا المعنيين صحيح في حقه ﷺ؛ لأن قبيلته أشرف ومخالطته أكرم.

ناعته: [أي: واصفه] الناعت اسم فاعل من نعت: إذا وصفه، قال الحافظ أبو موسى: النعت وصف الشيء بما فيه من حسن ماله الجليل، ولا يقال في المذموم إلّا بتكلّف متكلّف، فيقول نعت سوء، فأما الوصف فيقال فيهما، أي: في المحمود والمذموم.

قال: وسمعت أعرابيا يقول في كلامه: تَمَغَّط في نُشَّابَتِه أي: مدَّها مدًّا شديداً. والمتردّد: الداخل بعضه في بعض قِصَراً. وأمّا القَطِط: فالشديد الجعودة. والرَّجِل: الذي في شعره حُجُونة، أي: تَثنّ قليلا. (بضم الحاء المهملة والجيم أي انعطاف) وأما المطَهَّم: فالبَادِن الكثير اللحم. والمكلْثَم: المدوّر الوجه. والمُشْرَبُ: الذي في بَيَاضه حُمرة. و الأدعَج: الشديد سَواد العين. والأهْدَاب: الطويل الأشفار. والكَتِد: مجتمعة الكَتِفَين، وهو الكاهل. والمَسْرُبة: هو الشعر الدقيق الذي كأنّه قضيبٌ (السيف اللطيف الدقيق، وقيل: العود) من الصدر إلى السرة. والشـــثن: الغليظ الأصابع من الكَفّين والقدمين. والتقلّع: أن يمشي بقوّة.

سب سے زیادہ نرم طبیعت والے تھے اور سب سے زیادہ شریف گھرانے والے تھے۔(غرض آپ دل و زبان، طبیعت، خاندان،اوصاف ذاتی اور نسبی ہر چیز میں سب سے افضل تھے)آپ کو جو شخص یکایک دیکھتا مرعُوب ہو جاتا تھا (یعنی آپ کا وقار اس قدر زیادہ تھا کہ اول وہلہ میں دیکھنے والا رعب کی وجہ سے ہیبت میں آجاتا تھا)اوّل تو جمال و خوبصورتی کے لئے بھی رعب ہوتا ہے۔

شوق افزوں مانعِ عرض تمنّا دابِ حُسن　　　　بار ہا دل نے اُٹھائے ایسی لذت کے مزے

اس کے ساتھ جب کمالات کا اضافہ ہو تو پھر رعب کا کیا پوچھنا۔ اس کے علاوہ حضور اقدس ﷺ کو جو مخصوص چیزیں عطا ہوئیں، ان میں رعب بھی اللہ کی طرف سے عطا کیا گیا)البتہ جو شخص پہچان کر میل جول کرتا تھا وہ(آپ کے اخلاقِ کریمہ و اوصافِ جمیلہ کا گھائل ہو کر) آپ کو محبوب بنا لیتا تھا۔آپ کا حلیہ بیان کرنے والا صرف یہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے حضورِ اکرم ﷺ جیسا باجمال و باکمال نہ حضور سے پہلے دیکھا نہ بعد میں دیکھا۔(ﷺ)

قال: أي الأصمعي، و وهم من زعم أن فاعله أبوجعفر، وأبعد من جوّز احتمال الرجوع إلى المصنّف قاله القاري، وهذا استدلال الأصمعي فيما قاله قبل. كلامه: يعني يقول الأعرابي في أثناء كلامه: تمغط فلان في نشابته، أي: مدّها، والنشابة بضم النون وتشديد الشين المعجمة وموحدة وبناء التأنيث، ودونها: السهم، وإضافة المدّ إليها مجاز؛ لأنها لا تمدّ، وإنّما يمد وتر القوس. واعترض على المصنف: بأنه ليس في الحديث لفظ "التمغط" حتى يتعرض له وإنما فيه لفظ "الانمغاط". وأجيب: بأنه من توضيح الشيء بتوضيح نظيره.

والصَّبَب: الحَدُور، تقول: انحدرنا في **صَبُوبٍ** وصَبَبٍ. وقوله: جَلِيلُ المُشَاشِ: يُريد رؤوس المناكب. والعِشرة: الصُّحبة، والعشير: الصّاحب. والبداهة: المفاجأة، يقال: بَدَهْتُه بأمر أي: فَجَأْتُه. **حدثنا** سفيان بن وكيع قال: حدثنا جُمَيْع بن **عمير** بن عبد الرحمن العِجْلِي **إملاءً** علينا من كتابه، قال: أخبرني رجل من بني تميم من ولد أبي هَالَة زوج خديجة يُكْنَى أبا عبد الله، عن **ابن** لأبي هالة، **عن** الحسن بن علي رضي الله عنه قال: سألت خالي هند

(اختلف في اسمه (۷) — اختلف في اسمه أيضاً — هند — ربيب النبي ﷺ صحابي)

(۷) حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے حضور اکرم ﷺ کا حُلیۂ مبارک دریافت کیا، اور وہ حضور ﷺ کے حُلیۂ مبارک کو بہت ہی کثرت اور وضاحت سے بیان کیا کرتے تھے۔ مجھے یہ خواہش ہوئی کہ وہ اُن اوصافِ جمیلہ میں سے کچھ میرے سامنے بھی ذکر کریں تاکہ میں اُن کے بیان کو اپنے لئے حجت اور سند بناؤں، اور اُن اوصافِ جمیلہ کو ذہن نشین کرنے اور ممکن ہوسکے تو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کروں (حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی عمر حضور کے وصال کے وقت سات سال کی تھی، اس لئے حضور کے اوصافِ جمیلہ میں اپنی کم سنی کی وجہ سے تامّل اور کمالِ تحفّظ کا موقع نہیں ملا تھا) ماموں جان نے حضور اکرم ﷺ کے حُلیۂ شریف کے متعلق یہ فرمایا کہ آپ خود اپنی ذات وصفات کے اعتبار سے بھی شاندار تھے اور دوسروں کی نظروں میں بھی بڑے رتبہ والے تھے، آپ کا چہرہ مبارک ماہِ بدر کی طرح چمکتا تھا،

صَبوبٍ: أي: مكان منحدر، وهو بفتح الصاد المهملة وضمها أيضاً، ويقال: بالضم جمع صبب بفتحتين، ولم يدغم الصبب؛ لئلا يشتبه بالصب الذي بمعنى العاشق. عمير: بالتصغير فيهما على ما اختاره الحافظ ابن حجر في تقريبه، قال القاري: ووقع في نسخ الشمائل مكبّراً، وكذا أورده المزي في تهذيبه، والذهبي في ميزانه وكذا في شفاء قاضي عياض على ما في بعض الحواشي، وكتبه في تهذيب التهذيب لفظ "عمر" بلا واو، وكذا في أكثر نسخ الشمائل، قال القاري في مواضع من شرحه: صوابه عمير. إملاءً: أي: إلقاء، وهو مصدر حدثنا من غير لفظه، أو تمييز، أو حال بمعنى: ممليا علينا، قاله المناوي، والإملاء: إلقاء المحدث على الكاتب ليكتب، والإملاء قد يكون من حفظه وقد يكون بالكتاب، وفيه زيادة الاحتياط، فقيده بذلك. ابن: اسمه هند كاسم أبيه واسم جده، فهذا ممن يوافق اسمه اسم أبيه وجده، كذا في الشروح، لكن المحدثين تكلموا على هذا الإسناد.

ابن أبي هالة - وكان وصَّافا - عن حِلْية رسول الله ﷺ، وأنا أشتهي أن يصف لي منها شيئاً
حال من مفعول
أتعلّق به، فقال: كان رسول الله ﷺ **فَخْماً مُفَخَّماً**، يتلألأ وجهه تلألؤ القَمَر ليلة البدر، **أطول** من
أحفظ به — أي معظماً عند الناس — [يضيء ويشرق]
المَرْبُوع، وأقْصَرَ من **المشَذَّب**، عظيمَ الهامة، رَجِلَ الشّعر، إن انفرقت **عَقِيْقَته** فرق **وإلا** فلا،
[الرأس] [أي في شعره تكسر وتثن]

آپ کا قد مبارک بالکل متوسط قد والے آدمی سے کسی قدر طویل تھا لیکن زیادہ لمبے قد والے سے پست تھا، سر مبارک اعتدال کے ساتھ بڑا تھا، بال مبارک کسی قدر بل کھائے ہوئے تھے۔ اگر سر کے بالوں میں اتفاقاً خود مانگ نکل آتی تو مانگ رہنے دیتے ورنہ آپ خود مانگ نکالنے کا اہتمام نہ فرماتے تھے۔ (یہ مشہور ترجمہ ہے، اس بنا پر یہ اشکال پیش آتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا قصداً مانگ نکالنا روایات سے ثابت ہے، اس اشکال کے جواب میں علماء یہ فرماتے ہیں کہ اس کو ابتدائے زمانہ پر حمل کیا جائے کہ اولاً حضور ﷺ کو اہتمام نہیں تھا، لیکن بندۂ ناچیز کے نزدیک یہ جواب اس لئے مشکل ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی عادتِ شریفہ مشرکین کی مخالفت اور اہلِ کتاب کی موافقت کی وجہ سے مانگ نہ نکالنے کی تھی، اس کے بعد پھر مانگ نکالنی شروع فرمادی، اس لئے اچھا ترجمہ جس کو بعض علماء نے ترجیح دی ہے وہ یہ ہے کہ اگر بسہولت مانگ نکل آتی تو نکال لیتے تھے اور اگر کسی وجہ سے بسہولت نہ نکلتی اور کنگھی وغیرہ کی ضرورت ہوتی تو اس وقت نہ نکالتے، کسی دوسرے وقت جب کنگھی وغیرہ موجود ہوتی تو نکال لیتے) جس زمانہ میں حضور ﷺ کے بال مبارک زیادہ ہوتے تھے تو کان کی لو سے متجاوز ہو جاتے تھے۔ آپ کا رنگ نہایت چمکدار تھا اور پیشانی کشادہ۔ آپ کے ابرو خمدار، باریک اور گنجان تھے۔ دونوں ابرو جدا جدا تھے ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہیں تھے، ان دونوں کے درمیان ایک رگ تھی جو غصہ کے وقت اُبھر جاتی تھی،

فخماً: [عظيم في نفسه]. مفخَّمًا: [معظم في صدور الرجال]. أطول: من المربوع، أي: الحقيقي، فلا ينافي ما سبق من أنه ﷺ كان مربوعاً، وهذا دليل على أنه ﷺ كان مائلاً إلى الطول. المشذب: [البائن الطويل] على صيغة المفعول من التشذيب، أصله: النخلة الطويلة التي شذب عنها جريدها، أي: قطع. عقيقته: [شعر الرأس الذي على الناصية] أي: شعر رأسه، وأصل العقيقة الشعر الذي يكون على رأس المولود عند الولادة، وبه سميت الذبيحة عقيقة. قال القاري: العقيقة: الشعر الذي يولد عليه المولود قبل أن يحلق في اليوم السابع، فإذا حلق ونبت ثانيا فزال عنه اسم العقيقة، وربما سمّي الشعر عقيقة بعد الحلق أيضاً على المجاز، وبهذا جاء هذا الحديث؛ لئلا يلزم أن يكون شعره باقيا من حين ولادته؛ فإنه مستبعد جدا، اللّهم إلا أن يقال: إنه من الكرامات الإلهية؛ لئلا يذبح باسم الآلهة الصناعية، وقد ورد أنه عق عن نفسه بعد النبوّة.

يجاوز شعرُه شَحْمَةَ أذنيه إذا هو وَفّره، أزهر اللَّون، واسع الجبين، أزجّ الحَوَاجب، سَوَابغَ من غير قَرَن، بينهما عِرْق يُدِرُّه الغضب، أقْنَى العِرْنين، له نور يعلوه، يحسَبُه من لم يتأمّله أشمّ، كثّ اللّحية، سهل الخَدَّين،

(عفاه، أحسن، كشاده، پیشانی، كاملات، طول الأنف)

آپ کی ناک بلندی مائل تھی اور اس پر ایک چمک اور نور تھا، ابتداءً دیکھنے والا آپ کو بڑی ناک والا سمجھتا، (لیکن غور سے معلوم ہوتا کہ حسن و چمک کی وجہ سے بلند معلوم ہوتی ہے ورنہ فی نفسہ زیادہ بلند نہیں ہے) آپ کی داڑھی مبارک بھرپور اور گنجان بالوں کی تھی، آنکھ کی پُتلی نہایت سیاہ تھی، رخسار مُبارک ہموار ہلکے تھے، گوشت لٹکے ہوئے نہیں تھے، آپ کا دہن مبارک اعتدال کے ساتھ فراخ تھا (یعنی تنگ منہ نہ تھا) آپ کے دندانِ مبارک باریک آبدار تھے اور اُن میں سے سامنے کے دانتوں میں ذرا ذرا فصل بھی تھا، سینے سے ناف تک بالوں کی ایک باریک لکیر تھی، آپ کی گردن مبارک ایسی خوبصورت اور باریک تھی جیسا کہ مورتی کی گردن صاف تراشی ہوئی ہوتی ہے اور رنگ میں چاندی جیسی صاف اور خوبصورت تھی، آپ کے سب اعضا نہایت معتدل اور پُر گوشت تھے اور بدن گٹھا ہوا تھا۔ پیٹ اور سینہ مبارک ہموار تھا لیکن سینہ فراخ اور چوڑا تھا۔ آپ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان قدرے زیادہ فصل تھا، جوڑوں کی ہڈیاں قوی اور بڑی تھیں (جو قوّت کی دلیل ہوتی ہے) کپڑا اُتارنے کی حالت میں آپ کا بدن روشن و چمکدار نظر آتا تھا (یا یہ کہ بدن کا وہ حصہ بھی جو کپڑوں سے باہر رہتا تھا، روشن اور چمکدار تھا، چہ جائیکہ وہ حصہ جو کپڑوں میں محفوظ ہو۔ بندہ کے نزدیک یہ ترجمہ اچھا ہے)

وإلا: أي وإن لم تتفرق بنفسها فلا يفرقها بل يتركها على حالها، ثم استأنف بقوله: يجاوز شعره. أزج: [أي: استقواس الحاجبين أو دقة الحاجبين مع سبوغهما] الزجج بزاي وجيمين: دقة الحاجبين مع طول كما في القاموس، أو دقة الحاجبين مع سبوغهما كما في الفائق، وإنما قال: "أزج الحواجب" دون مزجج الحواجب؛ لأن الزجج خلقة والتزجيج صنعة، والخلقة أشرف. قرن: [اقتران الحاجبين بحيث يلتقي طرفاهما]. يدره: من الإدرار على الرواية الصحيحة أي: يجعله الغضب ممتلئا قاله القاري، أي: يصير العرق ممتلئا غضباً كما يصير الضرع ممتلئا لبنا.

أقنى العرنين: [أي: طويل الأنف مع دقة أرنبته، ومع حدب في وسطه] العرنين: قال المناوي: بكسر المهملة وسكون الرّاء وكسر النون الأولى: ما صلب من عظم الأنف أو كله أو ماتحت مجتمع الحاجبين أو أوله.

ضَلِيعَ الفم، مُفلَّج الأسنان، دقيق **المَسْرُبة،** كأنّ عُنُقَه جِيدُ دُميةٍ (الصورة المصورة) في صَفَاء الفضَّة، **معتدل الخَلْق. بَادِن، مُتَمَاسكٌ،** (يمسك بعضه بعضا) سَوَاءُ **البطنُ** والصدرُ، بَعيد مابين المنكبين، ضَخْم الكَرَادِيس،

ناف اور سینہ کے درمیان ایک لکیر کی طرح سے بالوں کی باریک دھاری تھی، اس لکیر کے علاوہ دونوں چھاتیاں اور پیٹ بالوں سے خالی تھا، البتہ دونوں بازو اور کندھوں اور سینہ کے بالائی حصہ پر بال تھے، آپ کی کلائیاں دراز تھیں اور ہتھیلیاں فراخ، نیز ہتھیلیاں اور دونوں قدم گداز پُر گوشت تھے۔ ہاتھ پاؤں کی انگلیاں تناسب کے ساتھ لمبی تھیں۔ آپ کے تلوے قدرے گہرے تھے اور قدم ہموار تھے کہ پانی اُن کے صاف ستھرا ہونے اور ان کی ملاست کی وجہ سے ان پر ٹھہرتا نہیں تھا فوراً ڈھل جاتا تھا۔ جب آپ چلتے تو قوّت سے قدم اُٹھاتے اور آگے کو جھک کر تشریف لے جاتے، قدم زمین پر آہستہ پڑتا زور سے نہیں پڑتا تھا۔ آپ تیز رفتار تھے اور ذرا کشادہ قدم رکھتے، چھوٹے چھوٹے قدم نہیں رکھتے تھے۔ جب آپ چلتے تو ایسا معلوم ہوتا گویا پستی میں اتر رہے ہیں۔ جب کسی طرف توجہ فرماتے تو پورے بدن سے پھر کر توجہ فرماتے۔ آپ کی نظر نیچی رہتی تھی، آپ کی نگاہ بہ نسبت آسمان کے زمین کی طرف زیادہ رہتی تھی۔ (اس میں یہ اشکال ہے کہ ابو داؤد شریف میں روایت ہے کہ حضور ﷺ آسمان کی طرف اکثر دیکھا کرتے تھے، دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ عادت شریفہ تو زمین ہی کی طرف نگاہ رکھنے کی تھی لیکن چونکہ وحی کا بھی انتظار رہتا تھا، اس لئے اس کے انتظار میں گاہ بگاہ آسمان کی طرف بھی ملاحظہ فرماتے تھے ورنہ عام اوقات میں عادت شریفہ نیچی نظر رہنے کی تھی۔

ضليع الفم: [أي: عظيم الفم وواسعه؛ لأن سعته دليل على فصاحته.] مفلج الأسنان: [أي: ما بين أسنانه انفراج] مفلج بصيغة المفعول، والفلج: انفراج ما بين الثنايا، والظاهر اختصاص الانفراج بالثنايا، ويؤيده إضافته إلى الثنيتين في بعض الروايات، وما قاله العصام: إنه يحتمل الانفراج مطلقا يردّه أن المقام مقام المدح، وقد صرح جمع من شرّاح الشفاء أن انفراج جميع الأسنان عيب. المسربة: بفتح الميم وسكون السين المهملة وضم الراء وتفتح: شعر ما بين الصدر والسرة.

معتدل الخَلْق: [أي: معتدل الصورة الظاهرة بحيث أن أعضاءه متناسبة غير متنافرة]. بادن: [أي: سمين سمنًا معتدلاً] الرواية إلى ههنا بالنصب، ومن ههنا إلى آخر الحديث بالرفع، قاله القاري عن الحنفي، والمعنى: أنه ﷺ كان سمينا معتدلاً، يعني لم يكن سميناً جداً ولا نحيفاً جداً. قاله البيجوري. متماسكٌ: [أي: يمسك بعضه بعضًا من غير ارتعاش وارتعاد وإن كبر في العمر.] البطن: بإضافة السواء إلى البطن والصدر وبدون الإضافة، فيكونان مرفوعين على الفاعلية.

أنور المُتَجرِّد، موصُول مابين اللَّبة والسُّرَّة بشعرٍ يجري كالخطِّ، عاري الثَديَـــين والبطن مما سوى ذلك، أشعر الذّراعَين والمنكبين وأعَالِي الصّدر، طويل الزَنْدَين، رَحْبُ الرّاحِة، شَثْن الكفَّين والقدمين، سَائِل الأطراف - **أو قال:** شَائل الأطراف - **خُمْصَان** الأَخْمَصَين، مَسِيْحُ القَدَمين يَنْبو عَنْهُما الماء، إذا زال زال **قَلْعاً**، يَخْطُو تكفّياً، ويمشي **هَوْنًا**،

(المنحر، ناف، من الشعر، عظيم الذراع، واسع الكف، ممتد الأصابع، أملسهما، رفقاً)

اِدھر قاتل کی نظریں شرم سے اوپر نہیں اٹھتیں اُدھر بسمل کھڑا ہے ہاتھ پر میت لئے دل کی

آپ کی عادتِ شریفہ عموماً گوشۂ چشم سے دیکھنے کی تھی (یعنی غایتِ شرم وحیا کی وجہ سے پوری آنکھ بھر کر نہیں دیکھتے تھے۔) چلنے میں صحابہ کو اپنے آگے کر دیتے تھے اور آپ پیچھے رہ جاتے، جس سے ملتے سلام کرنے میں خود ابتدا فرماتے۔

فائدہ: حضور ﷺ کا پیچھے رہ جانا علماء نے اس کو تواضع پر حمل فرمایا ہے۔ لیکن بندۂ ناچیز کے نزدیک اگر یہ حالتِ سفر پر محمول ہو تو انسب ہے، اس لئے کہ حضور ﷺ کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ سفر میں پسماندگان اور ضعفاء کی خبر گیری کے لئے آپ پیچھے رہا کرتے تھے۔ یہ حدیث بہت طویل ہے جس میں حضور اکرم ﷺ کا حلیہ، اخلاق، عادات جُملہ انواع مذکور ہیں۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے مضامین کی مناسبتوں سے اس کو کئی بابوں میں ذکر کیا ہے، چنانچہ اس کا کچھ حصّہ حضور ﷺ کی گفتگو کے باب میں اور کچھ حصّہ حضور ﷺ کی تواضع کے ذکر میں آئے گا۔

أنور المتجرّد: [نيّر العضو المتجرد عن الشعر أو عن الثوب]. اللبّة: [وسط الصدر، النقرة الّتي فوق الصدر، أو موضع القلادة منه].
قال: "أو قال: شائل" شك من الراوي، "وسائل الأطراف" بالمهملة، أي: طويلها، "وشائل" بالمعجمة، قريب منه، من شالت الميزان: ارتفعت، أي: كان مرتفع الأطراف بلا انقباض ولا احديداب. سائل الأطراف: [أي: طويلها طولاً معتدلاً].
خمصان الأخمصين: [أي: شديد تجافيهما عن الأرض، وهذه الشدة لا تخرجه عن حد الاعتدال] الأخمص من القدم موضع لايلصق بالأرض منها عند الوطي، والخمصان: المبالغ منه، أي: أن ذلك الموضع من أسفل قدميه شديد التجافي عن الأرض. مجمع البحار. وقال البيجوري: خمصان كعثمان، وبضمتين، وبفتح فسكون.
مسيح القدمين: [أي: أملسهما ومستويهما بلا تكسر ولا تشقق]. قلعًا: [انتزاع الشيء من أصله، أو تحويله عن محله، والمعنى: أنّه ﷺ إذا مشى رفع رجليه بقوّة كأنّه يقلع شيئًا من الأرض]بفتح القاف وسكون اللّام، أي: رفع رجله عن الأرض رفعا بائنا بقوة، لا كمن يمشي اختيالا قاله القاري، يعني: إذا زال عن موضعه وذهب ومشى رسول الله ﷺ رفع رجليه بقوة. هونًا: [الهون: الرفق واللين، أي: كان يمشي برفق ولين وتثبت].

ذريع المِشْيَةِ إذا مشى كأنما يَنْحطّ من صَبَب، وإذا التَفَتَ التَفَتَ جميعاً، خَافِضُ الطرف، نظره إلى [سريع] [البصر]
الأرض أكثرُ من نظره إلى السَّمآء، جُلُّ نظره المُلاَحَظة، **يَسُوق أصحابه، ويبدأ** من لقي بالسّلام. [معظم]
حدثنا أبو موسى محمد بن المثنّى، حدثنا محمد بن جعفر، حدثنا شعبة، عن سِمَاكِ بن حرب قال:
سمعت[۸] جابر بن سمرة ﷺ يقول: كان رسول الله ﷺ ضَلِيعَ الفم، أشْكَلَ العَين، مَنْهُوس
العَقِب، قال شعبة: قلت لسماك: ما ضَلِيع الفم؟ قال: عظيم الفَم، قلت: ما أَشْكلُ العين؟ قال:
طويل شَقّ الْعَين. قلت: ما مَنْهُوس العَقِب؟ قال: قَلِيل لحمِ العَقِب. **حدثنا هناد** بن السريّ، حدثنا
عَبْثَر بن القاسم، عن أشْعث - يعني ابن سوّار - عن أبي إسحاق، **عن**[۹] جابر بن سَمُرة ﷺ قال: [كاربع]

(۸) جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فراخ دہن تھے، آپ کی آنکھوں کی سفیدی میں سُرخ ڈورے پڑے ہوئے تھے، ایڑی مبارک پر گوشت بہت کم تھا۔ **فائدہ:** اہلِ عرب مرد کے لئے فراخ دہنی پسندیدہ سمجھتے ہیں، اور بعض لوگوں کے نزدیک اس جگہ فراخ دہنی سے فصاحت مراد ہے۔ آنکھوں کی تعریف میں جو ترجمہ کیا گیا وہ صحیح قول کے موافق لکھا گیا، ورنہ اس حدیث کے ترجمہ میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے ایک راوی سے فراخ چشم کا ترجمہ نقل کیا ہے، وہ اہلِ لغت کے نزدیک غلط ہے۔

خمار آلودہ آنکھوں پر ہزاروں میکدے قربان — وہ قاتل بے پئے ہی رات دن مخمور رہتا ہے

(۹) حضرت جابر رضی اللہ عنہ ہی سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ چاندنی رات میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہا تھا،

ذريع: [واسع الخطوة]. يسوق أصحابه: [أي: يقدمهم بين يديه]. يبدأ: من البداءة، وفي بعض النسخ: يبدر بضم الدال والراء المهملتين، والمعنى متقارب. طويل: هذا التفسير خلت عنه كتب اللغة المتداولة، ومن ثَم جعله القاضي عياض وهماً، والصواب ما اتفق عليه العلماء وجميع أصحاب الغريب: أن الشكلة حمرة في بياض العين. هناد: بتشديد النون، آخره دال مهملة، و"السري" بفتح السين المهملة المشدّدة، وكسر الراء المهملة، بعدها ياء مشدّدة. والحديث - على ما قاله النسائي- خطأ، وإنما هو مسند إلى البراء، ورُدّ بأن البخاري صحح إسناده إلى البراء وجابر كليهما.

رأيت رسول الله ﷺ في **ليلة إضْحِيَانٍ** وعليه حُلّةٌ حمراء، فجعَلتُ أنظر إليه وإلى القمر، فَلَهُو عندي أحسن من القمر. **حدثنا** سفيان بن وكيع، حدثنا حميد بن عبد الرحمن **الرُّؤَاسيّ**، عن زهير، **عن**(١٠) أبي إسحاق قال: سأل رجل البراء بن عازب: أكان وجه رسول الله ﷺ **مِثلَ السيف**؟ قال: لا، بل مِثلَ القمر. **حدثنا** أبو داود **المصاحفيّ** سُليمان بن سَلْمْ، حدثنا النضر بن شُميل، عن صالح بن أبي الأخضر، عن ابن شهاب، عن أبي سَلَمَة،

(فيه إشارة إلى أنّه كان نورانيا — ثقة — بفتح السين وسكون اللّام — ضعيف — محمد بن مسلم)

حضور ﷺ اس وقت سُرخ جوڑا زیب تن فرماتے تھے، میں کبھی چاند کو دیکھتا تھا اور کبھی آپ کو، بالآخر میں نے یہ ہی فیصلہ کیا کہ حضور اکرم ﷺ چاند سے کہیں زیادہ جمیل و حسین اور منور ہیں۔

مجھ کو تو تم پسند ہو اپنی نظر کو کیا کروں دیر و حرم میں روشنی شمس و قمر سے ہو تو کیا

(١٠) ابو اسحاق کہتے ہیں کہ کسی شخص نے حضرت براء سے پوچھا کہ کیا حضور اقدس ﷺ کا چہرۂ مبارک تلوار کی طرح شفاف تھا؟ انھوں نے کہا کہ نہیں بلکہ بدر کی طرح روشن گولائی لئے ہوئے تھا۔ فائدہ: تلوار کی تشبیہ میں یہ نقصان تھا کہ اس سے زیادہ طویل ہونے کا شبہ پیدا ہوتا تھا، نیز اس کی چمک میں سفیدی غالب ہوتی ہے نورانیت نہیں۔ اس لئے حضرت براء رضی اللہ عنہ نے تلوار سے انکار کر کے چاند سے تشبیہ دی۔ یہ تشبیہات سب تقریبی ہیں ورنہ ایک چاند کیا ہزار چاند میں بھی حضور اقدس ﷺ جیسا نور نہیں ہو سکتا۔ ایک عربی شاعر کہتا ہے کہ اگر تجھے ممدوح کو عیب ہی لگانا ہے تو اسے چودھویں رات کے چاند سے تشبیہ دے دے، اس کے عیب لگانے کے لئے یہ ہی کافی ہے۔

ليلة إضحيان: [ليلة مقمرة من أولها إلى آخرها ولا غيم فيها] "ليلة" بالتنوين و"إضحيان" بكسر الهمزة، وسكون الضاد المعجمة، وكسر الحاء المهملة، وتخفيف التحتانية، آخره نون منونة، منصرف وإن كان فيه الألف والنون زائدتين، أي: ليلة مقمرة من أوّلها إلى آخرها. الرُّؤَاسيّ: بضم الراء وفتح الهمزة آخره سين مهملة بعدها ياء منسوب لجده رؤاس، وهو الحارث بن كلاب بن ربيعة. وقيل: منسوب إلى بيع الرؤس، وهو غلط رواية ودراية.

مثل السيف: [أي: من الاستنارة والاستطالة]. المصاحفي: قال البيجوري: بفتح الميم وكسر الحاء، نسبة إلى المصاحف، لعلّه لكتابته لها أو بيعه، وكان القياس أن ينسب إلى المفرد، وهو مصحف بتثليث الميم.

عن[۱۱] أبي هريرة رضي الله عنه قال: كان رسول الله ﷺ أبيض كأنما **صِيْغَ من فِضّة**، رَجِل الشَّعْر.
اختلف في اسمه على أربعين قولا

حدثنا قتيبة بن سعيد قال: أخبرنا الليث بن سعد، عن أبي الزبير، **عن**[۱۲] جابر بن عبد الله رضي الله عنه
محمد بن مسلم

أن رسول الله ﷺ قال: **عُرِضَ عليّ** الأنبياء، فإذا موسى عليه السلام **ضَرب** من الرّجال كأنّه من رجال **شَنُوءة**، ورأيتُ عيسى بن **مريم** عليه السلام فإذا أقرب مَنْ رأيت به شَبَهًا **عُروة بن مسعود**،
قبيلة في اليمن

---

(۱۱) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر صاف شفاف حسین و خوبصورت تھے گویا کہ چاندی سے آپ کا بدن ڈھالا گیا ہے۔ آپ کے بال مبارک قدرے خمدار گھنگریالے تھے۔ **فائدہ**: سب سے پہلی روایت جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی گزر چکی ہے، اس میں بالکل سفید رنگ کی نفی کی گئی تھی اس لئے اس حدیث سے یہ مراد نہیں کہ چاندی کی طرح سے بالکل سفید رنگ تھے بلکہ سفیدی سُرخی مائل تھی اور چمک و حُسن غالب تھا۔

(۱۲) جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ مجھ پر سب انبیاء علیہم السلام پیش کئے گئے یعنی مجھے دکھائے گئے، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام کو میں نے دیکھا تو وہ ذرا پتلے دُبلے بدن کے آدمی ہیں گویا کہ قبیلۂ شنوءہ کے لوگوں میں سے ہیں، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو ان سب لوگوں میں سے جو میری نظر میں سے ہیں عروہ بن مسعود ان سے زیادہ ملتے جلتے معلوم ہوئے، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو میرے دیکھے ہوئے لوگوں میں سے میں خود ہی ان کے ساتھ زیادہ مشابہ ہوں، ایسے ہی جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا تو ان کے ساتھ زیادہ مشابہ ان لوگوں میں سے جو میری نظر میں ہیں دحیہ کلبی ہیں۔

صيغ من فضة: [أي: لأنه كان يعلو بياضه النور والإشراق]. عرض عليّ: أي: في ليلة المعراج كما يدلّ عليه رواية البخاري، أو في المنام كما يدلّ عليه روايته الأخرى. ضرب: بفتح الضاد المعجمة وسكون الراء، أي: خفيف اللّحم و"من الرجال" صفة ضرب. قاله القاري. شنوءة: بفتح المعجمة وضمّ النون، ثم واو ساكنة، ثم همزة مفتوحة بعدها تاء، قبيلة من اليمن أو من قحطان، وهم متوسّطون بين الخفة والسمن. مريم: [بنت عمران، من ذرية سليمان، بينها وبينه أربعة وعشرون أبًا.]
عروة بن مسعود: [الثقفي لا الهزلي، الّذي أرسلته قريش يوم الحديبية، فعقد معه الصلح وهو كافر، ثم أسلم سنة تسع من الهجرة] أي: الثقفي لا الهذلي كما توهم، ولا يخفى عليك أن "أقرب" مبتدأ، خبره "عروة "و"مَنْ" موصولة، عائدها محذوف، أي: أقرب الذي رأيته، و"به" متعلق بـــ "شبها" المنصوب على أنه تمييز للنسبة وصلة القرب محذوفة أي إليه أو منه.

ورأيت إبراهيم عليه السلام فإذا أقرب مَنْ رأيت به شَبَهًا صاحبكم - يعني نفسَه الكريمة - ورَأيت جِبريل عليه السلام فإذا أقرب من رأيت به شَبَهاً **دِحْيَة**. الكلبي **حدثنا** محمّد بن بشار وسفيان بن وكيع - المعنى واحد - قالا أخبرنا يزيد بن هارون، **عن** (۱۳) سعيد الجُريري نسبة لجده جرير مصغراً قال: سمعت **أبا الطّفيل** يقول: رأيت رسول الله ﷺ وما بقي على وجه الأرض أحد رآه غيري. حقيقة أو في علمه قلت: صِفْه لي، قال: كان أبيضَ **مليحاً مقُصَّداً**، صلوات الله وسلامه عليه.

فائدہ: یہ حضور اقدس ﷺ کا انبیا کو دیکھنا یا شبِ معراج میں ہوا ہے یا خواب کی حالت میں ہوا ہے۔ بخاری شریف میں دونوں طرح کی روایتیں ہیں اور اس اختلاف میں کوئی اشکال نہیں ہے، اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ دونوں مرتبہ دیکھا ہو، نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر میں ہلکے بدن کا ترجمہ اپنے نزدیک راجح قول پر کیا ورنہ بعض علماء نے اس کے ترجمہ میں اور بھی اقوال فرمائے ہیں۔ ان تین انبیا کا ذکر اس لئے فرمایا کہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام علاوہ ازیں کہ حضور ﷺ کے اجداد میں تھے جملہ عرب ان کو مانتے تھے۔

(۱۳) سعید جریری کہتے ہیں کہ میں نے ابو الطفیل رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ حضور اقدس ﷺ کے دیکھنے والوں میں اب روئے زمین پر میرے سوا کوئی نہیں رہا۔ میں نے اُن سے کہا کہ مجھ سے حضور ﷺ کا کچھ حلیہ بیان کیجئے۔ انھوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ سفید رنگ تھے ملاحت کے ساتھ یعنی سُرخی مائل اور معتدل جسم والے تھے۔

دحية: كسدرة وقد يفتح أوله، معناه في الأصل: رئيس الجند، صحابي مشهور، وكان جبرئيل عليه السلام يأتي غالباً على صورته؛ لأن عادة العرب قبل الإسلام إذا أرسلوا رسولا إلى ملك لا يرسلونه إلا مثل دحية في الجمال أو الفصاحة، فإنه كان بارعاً في الجمال حتى تضرب به الأمثال، قاله البيجوري. أبا الطفيل: عامر بن واثلة، كان من جماعة عليّ ومحبّيه، ولد عام الهجرة أو عام أحد، ومات سنة عشر ومائة على الصحيح على ما قاله البيجوري في شرح الشمائل، واختاره الحافظ في تقريبه فيصح حينئذٍ قوله: ما بقي على وجه الأرض أحد رآه غيري. مليحًا: [أي: أبيض مشرب بحمرة]. مقصداً: بتشديد الصاد المفتوحة على أنه اسم مفعول من باب التفعيل أي: متوسطاً، يقال: رجل مقصد، أي: متوسط، كما يقال: رجل قصد أي: وسط، قال تعالى: ﴿وَعَلَى اللهِ قَصْدُ السَّبِيلِ﴾ (النحل:٩)

حدثنا عبد الله بن عبد الرحمن، أخبرنا إبراهيم بن المنذر **الحِزَامِي**، أخبرنا عبد العزيز بن ثابت الزهري، كذا في النسخ، والصواب عبد العزيز بن أبي ثابت
حدثني إسماعيل بن إبراهيم ابن أخي موسى بن عُقبة، عن موسى بن عقبة، عن كريب، نعت لإسمعيل
عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: كان رسول الله ﷺ **أفلَجَ الثنيتين**، إذا تكلّم رُئِي **كالنّور** يَخرُج من بين ثَنَايَاه

فائدہ: ابو الطفیل رضی اللہ عنہ، نے صحابہ میں سب سے اخیر میں وفات پائی ہے۔ ان کی وفات ایک سو دس ہجری میں ہوئی ہے۔ اسی بنا پر انھوں نے کہا کہ اب میرے سوا کوئی دیکھنے والا نہیں رہا۔ علماء فرماتے ہیں کہ روئے زمین کی قید اس لئے لگائی کہ آسمان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ کے دیکھنے والوں میں موجود تھے۔

(۱۴) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے اگلے دانت کچھ کشادہ تھے، یعنی ان میں کسی قدر ریخیں تھیں گنجان نہ تھے۔ جب حضور اقدس ﷺ تکلّم فرماتے تو ایک نور سا ظاہر ہوتا جو دانتوں کے درمیان سے نکلتا تھا۔ **فائدہ:** علماء کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ یہ تشبیہ ہے، حضور اقدس ﷺ کے کلام کو جو دانتوں کے درمیان سے نکلتا تھا اس کو نور کے ساتھ تشبیہ دی ہے، لیکن علامہ مناوی کی رائے یہ ہے کہ کوئی حِسّی چیز تھی تشبیہ نہیں جو بطور معجزہ کے حضور اقدس ﷺ کے دانتوں کے درمیان سے نکلتی تھی۔

حیا سے سر جھکا لینا ادا سے مسکرا دینا حسینوں کو بھی کتنا سہل ہے بجلی گرا دینا

الغرض حُلیۂ مبارک میں ہر ہر چیز کمالِ حُسن کو پہنچی ہوئی تھی۔

دامانِ نگہ تنگ وگل حُسن تو بسیار گلچینِ بہارِ توز داماں گلہ دارد

یعنی جیسے آپ جمالِ معنوی میں منتہا پر تھے، ایسے ہی جمالِ ظاہری میں بھی انتہا پر تھے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ بَقَدْرِ حُسْنِهٖ وَجَمَالِهٖ

الحزامي: بحاء مهملة مكسورة وزاي بعدها ألف فميم، نسبة إلى جده حزام، فإنه إبراهيم بن المنذر بن المغيرة بن عبد الله بن خالد بن حزام القرشي. أفلج: [فرجة بين الثنايا والرّباعيات]. الثنيتين: [تثنية ثنية بتشديد الياء]. كالنور: أي: يرى شيء أبيض له صفاء، يلمع كالنور، معجزة له ﷺ، هكذا قالت الشرّاح، ولا مانع من ذلك، ولا يبعد عندي أن يكون هذا من كمالِ جماله، فمن يبلغ من الحسن أقصاه يظهر في كلامه لمعة، وهو مشاهد.

بابُ ما جاء في خاتم النبُوَّة

حدثنا قُتيبة بن سعيد، قال: أخبرنا حاتم بن إسماعيل، عن الجَعْد بن عبد الرحمن قال: سمعت[1] السائب بن يزيد يقول: ذهبت بي خالتي إلى رسول الله ﷺ فقالت: يا رسول الله!

كسعد راوي الشيخين وغيرهما

لم يدر اسمها

باب۔ حضور اقدس ﷺ کی مہر نبوّت کا بیان

فائدہ: یہ مضمون حضور اقدس ﷺ کے حُلیہ شریف کے ذیل میں ہونے کی وجہ سے پہلے باب کا جزو ہونا چاہئے تھا مگر شدّتِ اہتمام کی وجہ سے اور نیز اس وجہ سے کہ یہ معجزہ اور علاماتِ نبوّت سے بھی ہے، اس کو علیحدہ ذکر کیا جاتا ہے۔ مہر نبوّت حضور اقدس ﷺ کے بدن پر ولادت ہی کے وقت سے تھی جیسا کہ فتح الباری نے بواسطہ یعقوب بن حسن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے نقل کیا ہے اور حضور کی وفات میں جب بعض صحابہ کو شک ہوا تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے مہر نبوّت کے نہ ہونے سے وصال پر استدلال کیا کہ اس وقت وہ نہیں رہی تھی، چنانچہ مناوی نے اس قصّہ کو مفصّل نقل کیا ہے۔ اس میں اختلاف ہے کہ اس مہر نبوّت پر کچھ لکھا ہوا تھا یا نہیں۔ ابن حبان وغیرہ نے اس کی تصحیح کی ہے کہ اس پر (محمد رّسُولُ الله) لکھا ہوا تھا اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پر (سرْ فأنت المنصور) لکھا ہوا تھا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ تم جہاں چاہے جاؤ تمہاری مدد کی جائے گی۔ بعض اکابر کی رائے یہ ہے کہ یہ روایتیں ثبوت کے درجہ کو نہیں پہنچی ہیں۔ اس باب میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے آٹھ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) سائب بن یزید کہتے ہیں کہ مجھ کو میری خالہ حضور اقدس ﷺ کے پاس لے گئیں اور عرض کیا کہ یہ میرا بھانجا بیمار ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے لئے دعائے برکت فرمائی (بعض علماء کے نزدیک حضور ﷺ کا سر پر

خاتم: [أي: باب بيان ما ورد في شأنه من الأخبار، وإنما أفرده بباب مع أنه من جملة الخَلْق اهتمامًا بشأنه لتميزه عن غيره بكونه معجزة، وكونه علامة على أنه النبي الموعود به في آخر الزمان، الطابع الذي ختم به جبريل عليه السلام حين شقَّ صدره الشريف، فإنه أتى به من الجنّة علامة به حينئذٍ، فظهر بها خاتم النبوة الذي هو قطعة لحم] هو بفتح التاء وكسرها، والكسر أشهر، وإضافته للنبوة؛ لكونه من آياتها.

إن ابن أختي وَجِعٌ، فمسح رسول الله ﷺ رأسي، ودعالي بالبركة، وتوضّأ، فشربتُ من وَضوءه، وقُمتُ خلْف ظهره، فنظرتُ إلى الخاتم الّذي بين كتفيه، فإذا هو مِثل زِرّ الحَجَلَة.

ہاتھ پھیرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے سر میں کوئی تکلیف تھی۔ لیکن بندۂ ضعیف کے نزدیک اچھا یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کا اُن کے سر پر ہاتھ پھیرنا شفقت کے لئے تھا، اس لئے کہ سنہ ۲ ہجری میں ان کی ولادت ہے تو حضور اقدس ﷺ کے وصال کے وقت تک بھی ان کی عمر آٹھ نو سال سے زائد کی نہیں تھی، اس لئے یہ ہاتھ پھیرنا شفقت کا تھا جیسے کہ بزرگوں کا معمول ہوتا ہے، اور علاج کے لئے حضور اقدس ﷺ نے وضو کا پانی پلوایا، جیسا کہ آگے آتا ہے یا کوئی اور تجویز فرمائی، بالخصوص جب کہ بخاری شریف کی روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاؤں میں کوئی تکلیف تھی) اور حضور اکرم ﷺ نے وضو فرمایا تو میں نے حضور اقدس ﷺ کے وضو کا پانی پیا (حضور اقدس ﷺ کا یہ وضو ممکن ہے کہ اپنی کسی غرض سے ہو لیکن ظاہر یہ ہے کہ ان کی دوا اور پانی پلانے ہی کی غرض سے حضور ﷺ نے وضو فرمایا) میں اتفاقاً یا قصداً حضور ﷺ کے پسِ پشت کھڑا ہوا تو میں نے مہر نبوت دیکھی جو مسہری کی گھنڈیوں جیسی تھی (جو کبوتر کے بیضہ کی برابر بیضوی شکل میں اس پردہ میں لگی ہوئی ہوتی ہے جو مسہری پر لٹکایا جاتا ہے۔ علماء اس لفظ کے ترجمہ میں مختلف ہوئے ہیں،

وجع: [أي: ذو وجع، وهو يقع على كل مرض] بفتح الواو وكسر الجيم أي: ذو وجع، وكان ذلك الوجع في لحم قدمه؛ بدليل أنه وقع في البخاري في أكثر الروايات "وقع" بالقاف بدل الجيم، والوقع بالتحريك: هو وجع لحم القدم، قيل: يقتضي مسحه ﷺ لرأسه أن مرضه كان برأسه، ودفع بأنه لا مانع من الجمع. قال العسقلاني: وفي بعض الروايات "وقع" بلفظ الماضي، قال ابن بطال: المعروف عندنا بفتح القاف والعين، فيحتمل أن يكون معناه: وقع في الأرض فوصل إلى ما حصل، قاله القاري.
رأسي: خص الرأس بالمسح؛ لأنه مدار البقاء والصحة ومناط السلامة يدور على سلامة الدماغ، وبينه وبين الأعضاء الرئيسة ارتباط واشتراك، ولأنه أشرف أعضاء البدن. ومن أثر مسحه أن رأسه لم يزل أسود مع شيب ما سواه.
زر: [واحد الأزرار التي توضع في العرى التي تكون للخيمة] بتقديم الزاء المكسورة على الراء المهملة المشدّدة على ماصوّبه النووي، وقيل: بتقديم الراء المهملة. قيل: الأول أوفق بظاهر الحديث لكن الرواية لا تساعده، فعلى الأوّل "الزر" واحد الأزرار، و"الحجلة" بفتحتين، وقيل: بالضم أو بالكسر مع سكون الجيم، قبة صغيرة تعلق على السرير، وعلى الثاني "الرز": البيض، و"الحجلة": الطائر المعروف. الحَجَلَة: [قبّة صغيرة تعلق على السرير، وقيل الطائر المعروف (القبجة) وزرها بيضها.]

حدثنا سعيد بن يعقوب **الطالقاني**، أخبرنا أيوب ابن جابر، عن سِمَاك بن حَرْب، **عن**(۲) جابر بن سَمُرة رضي الله عنه، قال: رأيت الخَاتَم بين كَتِفَي رسول الله ﷺ **غُدّة** حَمْراءَ مِثْلَ بَيضَة الحَمامَة.
ثقة من العاشرة — هذا التشبيه في المقدار لا في اللون

حدثنا أبو مُصعَب المدني، أخبرنا يوسف بن الماجشون، عن أبيه، عن عاصم بن عمر بن قتادة، **عن**(۳) جدّته **رُمَيْثَة** رضي الله عنها قالت: سمعت رسول الله ﷺ
نسبة إلى مدينة الرسول — معرب ماهگون — يعقوب

جس کا میں نے یہ ترجمہ کیا ہے۔ بعض لوگوں نے اور طرح سے ترجمہ فرمایا ہے لیکن امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے جو مسلم شریف کے مشہور شارح ہیں، انہوں نے ان ہی معنی کو ترجیح دی ہے) فائدہ: اس حدیث میں اگر وضو کے پانی سے وضو کا بچا ہوا پانی مراد ہے تب تو کوئی اشکال واختلاف ہی نہیں، اور اگر وضو کا وہ پانی مراد ہے جو بدن سے دھو کر گرتا ہے جس کو ماءِ مستعمل کہتے ہیں تب بھی کوئی اشکال اس جگہ اس لئے نہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے تو فضلات تک بھی پاک ہیں پھر ماءِ مستعمل کا کیا ذکر۔

(۲) جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کی مہر نبوّت کو آپ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان دیکھا جو سُرخ رسولی جیسی تھی اور مقدار میں کبوتر کے انڈے جیسی تھی۔ فائدہ: مہر نبوّت کی مقدار اور رنگ میں روایتیں کچھ مختلف ہیں۔ قرطبی نے ان میں اِس طرح تطبیق دی ہے کہ وہ کم وزیادہ بھی ہوجاتی تھی اور رنگ میں مختلف ہوتی رہتی تھی۔ بندۂ ناچیز کے نزدیک دوسری طرح جمع یہ بھی ممکن ہے کہ حقیقت میں یہ سب تشبیہات ہیں اور تشبیہ ہر شخص کی اپنے ذہن کے موافق ہوتی ہے جو تقریبی حالت ہوتی ہے اور تقریب کے اختلاف میں اشکال نہیں ہوتا۔ بندہ کے نزدیک یہ توجیہ زیادہ مناسب ہے۔

(۳) رُمیثہ کہتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ سے یہ مضمون سُنا، اور میں اس وقت حضور اقدس ﷺ کے اتنی قریب تھی کہ اگر چاہتی تو مہر نبوت کو چوم لیتی۔ وہ مضمون یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ سعد بن معاذ کے حق میں یہ ارشاد فرمارہے تھے کہ ان کی موت کی وجہ سے حق تعالیٰ جَلَّ جَلَالُہٗ کا عرش بھی ان کی روح کی خوشی میں جھوم گیا۔

الطالقاني: بكسر اللّام وقد تفتح، نسبة إلى طالقان بلدة من بلاد قزوين. غُدّة: [قطعة اللحم، أي: لحم يحدث بين الجلد واللحم يتحرك بالتحريك، أو كل قطعة لحم صلبة تحدث عن داءٍ بين الجلد واللحم] بضم المعجمة وتشديد الدال المهملة، لحم يحدث بين الجلد واللحم يتحرك بالتحريك قاله المناوي، وكونه حمراء معناه: مائلة إلى الحمرة؛ لئلا ينافي رواية مسلم أنه كان على لون جسده ﷺ، قاله القاري. رميثة: بضم الراء المهملة وفتح الميم وسكون الياء، صحابية لها حديثان: أحدهما هذا، والثاني في صلوة الضّحى، روته عن عائشة، خرج لها النسائي، قاله البيجوري وغيره.

– ولو أشاء أن أقبِّل الخَاتَم الذي بين كتفيه من قربِه لَفَعَلْتُ – يقول **لسعد بن معاذ يوم مات:** [من أجل قربه.]

"اهْتزّله عرش الرحمن".
اضطرب

فائدہ: اس میں اختلاف ہے کہ عرش کی حرکت کی کیا وجہ اور کیا معنی۔ مشہور قول یہ ہے جس کے موافق ترجمہ لکھا گیا۔ بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ عرش کے جھومنے سے مراد اہلِ عرش ہیں۔ بعض کی رائے ہے کہ عرش سے مراد سعد کا اپنا تخت ہے وغیرہ وغیرہ۔ مگر راجح قول اول ہی ہے۔ یہ سعد بن معاذ بڑے جلیل القدر صحابہ میں ہیں اُن کے اور بھی فضائل کتبِ حدیث میں آتے ہیں۔ ہجرت سے قبل نبی اکرم ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو تعلیم و تبلیغ کے لئے مدینہ طیبہ بھیجا تھا اُن کے ہاتھ پر یہ مسلمان ہوئے، اپنی برادری کے سردار تھے اس لئے ان کے مسلمان ہوتے ہی تمام خاندان اسی روز مسلمان ہوگیا، سب سے اول جس خاندان نے مدینہ منورہ میں اسلام قبول کیا وہ یہی خاندان ہے۔ سنہ ۵ ہجری میں ان کا وصال سینتیس سال کی عمر میں ہوا۔ ستر ہزار فرشتے اُن کے جنازہ کی نماز میں شریک ہوئے تھے لیکن باوجود ان سب کے حدیث شریف میں آتا ہے کہ قبر کی تھوڑی دیر کی تنگی ان کیلئے بھی پیش آئی۔ بڑی عبرت کی جگہ ہے، آدمی کو عذابِ قبر سے کسی طرح غافل نہیں ہونا چاہئے، ہر وقت اس سے توبہ کرتے رہنا چاہئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا جب کسی قبر پر گزر ہوتا تو اس قدر روتے کہ داڑھی مبارک تر ہو جاتی تھی، کسی نے عرض کیا کہ جنّت اور دوزخ کا بھی تذکرہ ہوتا ہے اُس پر تو آپ نہیں روتے اِس پر اس قدر روتے ہیں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ سے سُنا ہے کہ قبر آخرت کی منزلوں میں سب سے پہلی منزل ہے جو اس سے نجات پالے اس کے لئے اس کے بعد کی ساری منزلیں سہل ہو جاتی ہیں اور جو اس کے عذاب سے خلاصی نہ پاسکے اس کے لئے اس کے بعد کی منزلیں اور بھی زیادہ دشوار ہوتی ہیں۔

ولو أشاء: جملة معترضة بين الحال – وهو جملة يقول إلخ – وبين صاحبها – وهو رسول الله – والغرض منه ﷺ بيان قربها منه جداً تحقيقاً لسماعها، وعبرت بالمضارع إشارة إلى أن تلك الحال كالمشاهدة. ثم الحديث لايدلّ على جواز النظر إلى الأجنبيّة فلا حاجة إلى الجواب، ولو سلم فيمكن أن يأوّل بمثل أنه كان مخصوصاً له عليه السلام. لسعد بن مُعاذ: [كان من عظماء الصحابة، شهد بدرا وثبت مع المصطفى ﷺ يوم أحد، ورُمي يوم الخندق في أكْحَله فلم يرقأ الدّم حتى مات، ودفن بالبقيع، وشهد جنازته سبعون ألف ملك]. يوم مات: يحتمل أن يكون من قوله عليه السلام، فهو ظرف لقوله: اهتز، والظاهر أنه من كلام رميثة، فظرف لقولها: يقول. اهتزّله عرش الرحمن: [استبشارا وسرورا بقدوم روحه، وقيل: حملة عرش الرحمن.]

حدثنا أحمد بن عبدة الضبي، وعليّ بن حُجر، وغير واحد قالوا: أخبرنا عيسى بن يونس، عن عمر بن عبد الله مولى غُفْرَة (بفتح معجمة وتشديد موحدة) قال: حدثني إبراهيم (٤) بن محمد من ولد علي بن أبي طالب رضي الله عنه قال: كان علي رضي الله عنه إذا وصف رسول الله ﷺ - فذكر الحديث **بِطُوله** - وقال: بين كتفيه خاتَم النّبوة، وهو خاتَم النّبيين. **حدثنا** محمد بن بشّار أخبرنا أبو عاصم، أخبرنا عَزْرَة بن ثابت، حدثني **عِلباء** بن أحمر قال: حدثني (٥) عمرو بن أخطبَ الأنصاريّ قال: قال لي رسول الله ﷺ: **يا أبا زيد!** ادن منّي فامْسَحْ ظهري، فمسحت ظهره،

نیز میں نے حضور سے یہ بھی سُنا ہے کہ میں نے جتنے مناظر دیکھے ہیں قبر کا منظر سب سے زیادہ ہولناک پایا۔(مشکوۃ) اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْه. امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی غرض اس جگہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے قصّہ سے نہیں بلکہ اس حدیث میں مہر نبوّت کا ذکر آگیا اس لئے انہوں نے ذکر فرما دیا، اور حضرت رُمیثہ کی غرض مہر نبوّت کے بیان کرنے سے اپنے قریب ہونے کا بیان ہے کہ میں بہت ہی قریب تھی جب کہ میں نے یہ مضمون سُنا، سُننے میں کسی قسم کی غلطی وغیرہ کا احتمال نہیں۔

(۴) ابراہیم بن محمد جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب حضور اقدس ﷺ کی صفت بیان کیا کرتے تو یہ یہ صفتیں بیان کرتے اور حدیث مذکورۂ سابق ذکر کی۔ منجملہ ان کے یہ بھی کہتے کہ حضور کے دونوں مونڈھوں کے درمیان مہر نبوّت تھی اور آپ خاتم النّبیین تھے۔ **فائدہ:** یہ حدیث پہلے باب میں مفصّل گزر چکی ہے اس لئے یہاں مختصر طور سے اس کی طرف اشارہ کر دیا۔ اور چونکہ اس میں مہر نبوّت کا ذکر تھا اس لئے اس کو خاص طور سے ذکر کر دیا۔ یہ وہی حدیث ہے جو باب اول کے آٹھویں نمبر پر گزری ہے۔

بطوله: قال القاري والمناوي: تقدم الحديث بطوله في الباب الأول. علباء: بكسر العين المهملة وسكون اللام بعدها موحدة ومد.
يا أبا زيد: هكذا في بعض النسخ بدون الهمزة، وفي بعضها بالهمزة، قال القاري: يكتب بغير ألف لكن يقرأ بها، قال ميرك: وقد يترك في اللفظ أيضاً تخفيفاً. والحديث أخرجه ابن سعد بهذا السند عن أبي زمعة بلفظ: قال: قال لي رسول الله ﷺ: يا أبازمعة! ادن مني، فامسح ظهري، فدنوت منه فمسحت ظهره، ثم وضعت أصابعي على خاتم فغمزتها، قلنا له: ما الخاتم؟ قال: شعر مجتمع عند كتفه. فقيل: يحتمل أن يكون أحد الطريقين وهمًا، وقيل: يحتمل أن يكون للحديث طريقان. =

فوقعتْ أصابعي على الخاتم، قلت: وما الخاتم؟ قال: شَعْرَاتٌ مُجتَمِعاتٌ. **حدثنا** أبو عَمَّار الحسين بن حُرَيث (مصغرا، بمهملة) الخُزاعِي (نسبة إلى خزاعة القبيلة)، أخبرنا علي بن حسين بن واقد، حدّثني أبي، حدّثني عبد الله بن بُريدة قال: **سمعت** أبي بُريدة (بدل من لفظ أبي)[٦] يقول: جاء سلمان الفارسي إلى رسول الله ﷺ حين قدِم المدينة **بمائدة**

(قائله علباء؛ كشداد)

(۵) عِلباء ابن احمر کہتے ہیں کہ مجھ سے عمرو بن اخطب صحابی رضی اللہ عنہ نے یہ قصّہ بیان کیا کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے مجھ سے کمر ملنے کے لئے ارشاد فرمایا، میں نے حضور ﷺ کی کمر ملنی شروع کی تو اتفاقاً میری انگلی مہر نبوّت پر لگ گئی۔ عِلباء کہتے ہیں کہ میں نے عمرو سے پوچھا کہ مہر نبوّت کیا چیز تھی؟ انہوں نے جواب دیا کہ چند بالوں کا مجموعہ تھا۔

فائدہ: یہ پہلی روایات کے خلاف نہیں ہوئی اس لئے کہ اس کے اطراف میں بال بھی تھے، انہوں نے صرف ان کا ذکر کر دیا۔

(٦) بریدۃ بن الحصیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جب مدینہ منوّرہ تشریف لائے تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ایک خوان لے کر آئے جس پر تازہ کھجوریں تھیں، اور حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ سلمان یہ کیسی کھجوریں ہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ آپ پر اور آپ کے ساتھیوں پر صدقہ ہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہم لوگ صدقہ نہیں کھاتے اس لئے میرے پاس سے اُٹھالو۔ (اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ "ہم لوگ" سے کیا مراد ہے۔ بعض کے نزدیک حضور اقدس ﷺ کی ذات اور جمع کے لفظ سے تشریفاً تعبیر فرمایا، اور بعض کے نزدیک جماعتِ انبیا مراد ہے، اور بعض کے نزدیک حضور اور حضور کے وہ اقارب جن کو زکوۃ کا مال جائز نہیں، وہ مراد ہیں۔ بندۂ ناچیز کے نزدیک یہ تیسرا احتمال راجح ہے، اور علامہ مناوی کے اعتراضات جو اِس تیسری صورت میں ہیں زیادہ وقیع نہیں) دوسرے دن پھر ایسا ہی واقعہ پیش آیا کہ سلمان کھجوروں کا طباق لائے اور حضور اقدس ﷺ کے سوال پر سلمان نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ آپ کے لئے ہدیہ ہے۔ حضور ﷺ نے صحابہ سے ارشاد فرمایا کہ ہاتھ بڑھاؤ۔ (اور حضور اقدس ﷺ نے خود بھی نوش فرمایا، چنانچہ بیجوری نے اس کی تصریح کی ہے۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کا اس طرح پر دونوں دن لانا یہ حقیقت

= وذكر القاري في جمع الوسائل: حديث ابن سعد هذا بلفظ أبي رمثة، ثم قال: قال ميرك: والظاهرأن إحدى الروايتين وهم، والمرجّح رواية الترمذي؛ لأنه أوثق من ابن سعد. وقال المناوي: قال العصام: يظهرأن إحدى الروايتين وهم، ويرجح رواية الترمذي؛ لأن عزرة حفيد أبي زيد فهو أعلم بحديثه.

مجتمِعاتٌ: [أي ذو شعرات مجتمعات.] **بمائدة:** هي خوان عليه طعام، وإلا فهو خوان لا مائدة، فهي من الأشياء التي تختلف أسماؤها باختلاف الأوصاف كالبستان، فإنه لايقال له: حديقة إلا إذا كان عليه حائط.

عليها رُطَب، فوضعَها بين يدي رسول الله ﷺ فقال: يا سلمان! ما هذا؟ فقال: صدقة **عليك** وعلى أصحابك، فقال: **ادفعها** فإنا لانأكل **الصّدقة**،

میں حضور اقدس ﷺ کے آقا بنانے کا امتحان تھا، اس لئے کہ سلمان رضی اللہ عنہ پُرانے زمانہ کے علماء میں تھے۔ اڑھائی سو برس اور بعض کے قول پر ساڑھے تین سو برس کی ان کی عمر ہوئی ہے۔ انہوں نے حضور اقدس ﷺ کی علامات میں جو پہلی کتب میں پڑھ رکھی تھیں، یہ بھی دیکھا تھا کہ وہ صدقہ نوش نہیں فرماتے اور ہدیہ قبول فرماتے ہیں اور آپ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان مہر نبوّت ہے۔ پہلی دونوں علامتیں دیکھنے کے بعد) پھر حضور اقدس ﷺ کی پُشت پر مہر نبوّت دیکھی تو مسلمان ہوگئے (سلمان رضی اللہ عنہ اس وقت یہودِ بنی قریظہ کے غلام بنے ہوئے تھے) حضور ﷺ نے اُن کو خریدا (مجازاً خریدا کے لفظ سے تعبیر کر دیا ورنہ حقیقت میں انہوں نے سلمان کو مکاتب بنایا تھا۔ مکاتب بنانا اس کو کہتے ہیں کہ آقا غلام سے یہ معاملہ کرے کہ اتنی مقدار جو آپس میں طے ہوجائے، کما کر دیدو پھر تم آزاد ہو۔ اور بدلِ کتابت بہت سے دراہم قرار پائے) اور نیز یہ کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ ان کے لئے (تین سو) کھجور کے درخت لگائیں اور اُن درختوں کے پھل لانے تک ان کی خبر گیری کریں۔

عليهارطب: لا يخالف ما رواه أحمد والبزار بسند جيد عن سلمان: فاحتطبت حطبا فبعته فصنعت به طعاماً، فأتيت به النبي ﷺ، وما رواه الطبراني: فاشتريت لحم جزور بدرهم، ثم طبخته فجعلته قصعة من ثريد فاحتملتها على عاتقي؛ لاحتمال تعدّد الواقعة، أو أن المائدة كانت مشتملة على كلها. قلت: إن كان لفظ "فآمن به" في جميع الروايات فالظاهر هو الثاني.

عليك: قيل: في التعبير بـــ"على" ههنا، و"اللام فيما" سيأتي إشارة إلى الفرق بين الصدقة والهدية بأن المقصود من الصدقة الترحم، ومن الهدية الإكرام. ادفعها: أي: فرقها بنفسك على مستحقيها، وفي نسخة: "ارفعها" بالراء، وعليها عامة الشرّاح، قال البيجوري: ظاهره أنه أمره برفعها مطلقا و لم يأكل منها أصحابه، ووجّهه بعضهم بأن المتصدق تصدق به عليه وعليهم، وحصّته لم تخرج عن ملك المتصدق وهي غير متميزة، لكن المعروف في كتب السير وهو الصحيح كما قاله الولي العراقي أنه قال لأصحابه: كلوا وأمسك. رواه أحمد والطبراني بطرق عديدة، وحمل هذا الحديث على أن المراد: ارفعها عنّي لا مطلقا، فلا ينافي أن أصحابه أكلوه، لكن بعد أن جعلها سلمان صدقة عليهم كذا قال العصام، وتعقبه المناوي بأنه لا دليل في الحديث على هذه البعدية، فالأولى أن يقال: إن من خصائصه ﷺ التصرف في مال الغير. وقال القاري: أغرب العصام، ووجه غرابته لا يخفى؛ لأن فيه وفي أمثاله يكتفي بالعلم بالمرضى. قلت: ولا إشكال على رواية "ادفعها" بالدال، أي قال له: فرقها أنت وقال لأصحابه: كلوا. الصدقة: قال القاري: الصدقة: منحة يمنحها المانح طلباً لثواب الآخرة وتكون من الأعلى على الأدنى، ففيه نوع من رؤية تذلّل الأخذ والترحم عليه، والهدية: منيحة يطلب بها التحبّب إلى الآخذ والتقرب إليه، فمفهوم الصدقة مشعر بأنه لا يليق بالنبي ﷺ.

قال: فرفعها، فجاء **الغد** بمثله، فوضعه بين يدي رسول الله ﷺ، فقال: ما هذا يا سلمان؟ فقال: هدية لك، فقال رسول الله ﷺ لأصحابه: **اُبسطوا. ثم** نظر إلى الخاتم على ظهر رسول الله ﷺ

پس حضور اقدس ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے وہ درخت لگائے، حضور کا معجزہ تھا کہ سب درخت اسی سال پھل لے آئے مگر ایک درخت نہ پھلا۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کا لگایا ہوا تھا حضورِ اقدس ﷺ کے دستِ مبارک کا نہ تھا، حضور نے اس کو نکالا اور دوبارہ اپنے دستِ مبارک سے لگایا۔ حضور کا دوسرا معجزہ یہ ہوا کہ بے موسم درخت لگایا بھی اسی سال پھل لے آیا۔ **فائدہ:** اس حدیث میں علماء نے بہت سی علمی تحقیقات فرمائی ہیں۔ مثلاً یہ کہ جب سلمان غلام تھے تو اُن کا صدقہ اور ہدیہ جائز تھا یا نہیں، نیز ہدیہ اور صدقہ میں فرق کیا کیا ہیں وغیرہ وغیرہ، طویل بحثیں ہونے کی وجہ سے اختصاراً ترک کر دی گئیں، البتہ اس حدیث سے حضور کا ایک خاص معمول معلوم ہوا کہ ہدایا میں خدّام و حضار کو شریک فرمایا کرتے تھے اور یہ حضور کا خاص معمول تھا، ہزاروں واقعات حدیث کی کتابوں میں اس معمول کے مذکور ہیں، اس مضمون میں حضور کا ایک ارشاد بھی نقل کیا جاتا ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا ہے (الهدايا مشتركة) ہدیے جو دیے جاتے ہیں وہ پاس بیٹھنے والوں میں مشترک ہوتے ہیں۔ محدّثانہ حیثیت سے اس حدیث کے الفاظ میں اختلاف ہے اور کلام بھی ہے یعنی ضعیف ہے مگر مضمون کے اعتبار سے واقعات سے تائید ہوتی ہے۔ یہ بات کہ کس قِسم کے ہدیے مراد ہیں اور پاس بیٹھنے والوں سے کون مراد ہیں، تفصیل طلب ہے۔ ملّا علی قاری نے لکھا ہے کہ ایک شیخ وقت کے پاس کوئی شخص ہدیہ لایا ایک پاس بیٹھنے والے نے عرض کیا الهدايا مشتركة۔ انہوں نے فرمایا کہ شرک کے خواہاں نہیں، ہم تو وحدت پسند کرتے ہیں، یہ سب تمہاری نذر ہے۔

الغد: [المراد من الغد: وقت آخر، وإن لم يكن هو اليوم بعد اليوم الأوّل.] اُبسطوا: [اتسعوا وأعدوا المائدة ليؤكل منها، انفرجوا ليتسع المجلس] قيل: يؤخذ منه أن يستحب للمهدي له أن يعطي الحاضرين عما أهدي إليه، وتأيد بحديث ضعيف: من أهدي له هدية فجلساؤه شركاؤه، والمراد بالشركاء الذين يداومون مجلسه لا كل من حضر، إذ ذاك قاله الترمذي في الأصول. ثم: قيل في تعبيره بـــ"ثم" إشارة إلى تراخيه من الأمرين المتقدمين كما هو مصرّح في الروايات، وفي جمع الفوائد من حديث سلمان المفصّل بعد وصوله إلى المدينة المنوّرة، قال: فأقمت بها إلى أن هاجر النبي ﷺ فأتيته بشيء عندي وهو بقباء، فقلت له: هذه صدقة، فقال ﷺ لأصحابه: كلوا وأمسك يده. فقلت في نفسي: هذه واحدة، ثم انصرفت فجمعت شيئاً وتحوّل ﷺ إلى المدينة فجئته، فقلت: هذه هدية أكرمتك بها، فأكل منها. فقلت في نفسي: هذه ثنتان، ثم جئته وهو بالبقيع جالس في أصحابه. الحديث.

فآمن به. وكان لليهود، فاشتراه رسول الله ﷺ بكذا وكذا **درهما، على أن يَغرِس** لهم نخيلا، فيعمل سلمان فيه، **حتى تُطْعِم،** فغَرَس رسول الله ﷺ

وہ مقدار میں اتنا تھا کہ ان صاحب سے اُٹھ بھی نہ سکا تو اپنے ایک خادم کو حکم دیا کہ یہ ان کے گھر پہنچا دو۔ اس نے پہنچا دیا۔ اسی طرح ایک مرتبہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں واقعہ پیش آیا کہ کچھ نقدی ہدیہ پیش کیا گیا، حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا الهدايا مشتركة۔ انھوں نے ارشاد فرمایا کہ اس سے خاص قسم کے ہدایا مراد ہیں، اور یہ فرما کر خادم سے ارشاد فرمایا کہ اس کو اٹھا کر رکھ دو۔ علماء نے لکھا ہے کہ دونوں واقعے اپنی اپنی جگہ پر نہایت ہی موزوں ہیں۔ ایک زاہد صوفی کے وہی مناسب تھا جو انھوں نے کیا اور ایک فقیہ کے یہی مناسب تھا۔ اور یہ سچ ہے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فقہ کے مشہور امام ہیں، اگر وہ ایسا نہ کرتے تو ایک شرعی مسئلہ بن جاتا کہ ہدایا میں شرکت ضروری ہو جاتی اور اُمت کو دِقّت ہوتی۔ ہمارے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتاب اپنی مبشّرات اور منامات میں لکھی، اس میں بہت سے عجیب واقعات ہیں، منجملہ اُن کے اپنے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ واقعہ بھی لکھا کہ ایک مرتبہ ابتدائی زمانہ میں مجھے شوق ہوا کہ ہمیشہ روزہ رکھا کروں، اُس کے بعد علماء کے اختلاف کی وجہ سے مجھے تردّد ہوا۔ خواب میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت ہوئی، حضور نے ایک روٹی مرحمت فرمائی، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی تشریف فرما تھے، انھوں نے فرمایا: الهدايا مشتركة میں نے وہ روٹی سامنے کر دی انھوں نے ایک ٹکڑا اس میں سے لے لیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: الهدايا مشتركة میں نے ان کے سامنے بھی پیش کر دی انھوں نے بھی ایک ٹکڑا اس میں سے لے لیا، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا الهدايا مشتركة میں نے عرض کیا کہ اگر اس کو آپ ہی حضرات نے تقسیم فرمالیا تو اِس فقیر کے لئے کیا بچے گا۔

فآمن به: [مفرّع على مجموع ما سبق من الآيات الثلاث، فلما تمت الآيات وكملت العلامات آمن به.]
وكان لليهود: [أي: والحال أنّه كان رقيقا لليهود (يهود بني قريظة) ولعله كان مشتركا بين جمع منهم، أو كان لواحد منهم]
فاشتراه: أي: تسبب في كتابة اليهود لأمره بذلك فتجوز بالشراء، وقصّة كتابته مشهورة وكان كتابته على شيئين: كذا وكذا درهما، واختلفت الروايات في تعيينها، وعلى غرس النّخل المذكور. درهما: [في بعض الروايات أنّه أربعون أوقية، قيل: من فضة، وقيل: من ذهب] على أن يغرس: [أي مع أن يغرس، فكاتبوه على شيئين: الأواقي المذكورة، وغرس النخل مع العمل فيه حتى يطلع.] حتى تطعم: [أي حتى يثمر، حتى تؤكل ثمرته.]

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابہ میں ہیں، حدیث میں آیا ہے کہ جب قرآن شریف کی آیت ﴿وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْا اَمْثَالَكُمْ﴾(محمد:۳۸) (سورہ محمد) نازل ہوئی، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اگر تم (ایمان لانے سے) روگردانی کروگے تو اللہ جَلَّ شَانُہٗ تمہاری جگہ ایک دوسری قوم کو لے آئے گا جو تم جیسی نہ ہوگی۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہوں گے جو ہماری جگہ آئیں گے؟ حضور اقدس ﷺ نے حضرت سلمان کے کندھے پر ہاتھ مار کر ارشاد فرمایا کہ یہ اور اس کی قوم۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر ایمان ثریّا پر معلّق ہوتا تو فارس کے کچھ لوگ اُس کو وہاں سے بھی لے لیتے۔ علماء نے لکھا ہے کہ یہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں بشارت ہے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ خود اپنے ایمان لانے کا مفصّل قصّہ نقل فرماتے ہیں جو حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے، اور اس میں اُن علامات کا بھی ذکر ہے جن کا انہوں نے امتحان لیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ: میں صوبہ اصبہان میں ایک جگہ کا رہنے والا ہوں جس کا نام "جے" تھا، میرا باپ اس جگہ کا چودھری اور سردار تھا، اور مجھ سے بہت ہی زیادہ اس کو محبت تھی، میں نے اپنے قدیم مذہب مجوسیت میں اتنی زیادہ کوشش کی کہ میں آتشکدہ کا محافظ بن گیا، مجھے باپ نے ایک مرتبہ اپنی جائیداد کی طرف بھیجا، راستہ میں میرا گزر نصاریٰ کے گرجے پر ہوا، میں سیر کے لئے اس میں چلا گیا، میں نے ان کو نماز پڑھتے دیکھا تو مجھے وہ پسند آگئی اور اس دین کو پسند کرنے لگا، شام تک میں وہیں رہا، ان سے میں نے دریافت کیا کہ اس دین کا مرکز کہاں ہے؟ انھوں نے کہا ملک شام میں ہے۔ رات کو میں گھر واپس آیا، گھر والوں نے پوچھا کہ تو تمام دن کہاں رہا؟ میں نے تمام قصّہ سُنایا، باپ نے کہا کہ بیٹا وہ دین اچھا نہیں ہے، تیرا اور تیرے بڑوں کا جو دین ہے وہی بہتر ہے۔

میں نے کہا ہرگز نہیں وہی دین بہتر ہے۔ باپ کو میری طرف سے خدشہ ہوگیا کہ کہیں چلا نہ جائے اس لئے میرے پاؤں میں ایک بیڑی ڈالدی اور گھر میں قید کر دیا، میں نے ان عیسائیوں کے پاس کہلا بھیجا کہ جب شام سے سوداگر لوگ جو اکثر آتے رہتے تھے، آئیں تو مجھے اطلاع کرادیں، چنانچہ کچھ سوداگر آئے اور اُن عیسائیوں نے مجھے اطلاع کرادی، جب وہ سوداگر واپس جانے لگے تو میں نے اپنے پاؤں کی بیڑی کاٹ دی اور بھاگ کر اُن کے ساتھ شام چلا گیا، وہاں پہنچ کر میں نے تحقیق کی کہ اس مذہب کا سب سے زیادہ ماہر کون ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ گرجا میں فلاں بشپ ہے۔ میں اس کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ مجھے تمہارے دین میں داخل ہونے کی رغبت ہے اور تمہاری خدمت میں رہنا چاہتا ہوں، اُس نے منظور کر لیا۔ میں اس کے پاس رہنے لگا،

لیکن وہ کچھ اچھا آدمی نہ نکلا۔ لوگوں کو صدقہ کی ترغیب دیتا اور جو کچھ جمع ہوتا اس کو اپنے خزانہ میں رکھ لیتا، غریبوں کو کچھ نہ دیتا۔ وہ مرگیا اس کی جگہ دوسرے شخص کو بٹھایا گیا وہ اس سے بہتر تھا اور دنیا سے بے رغبت تھا۔ میں اس کی خدمت میں رہنے لگا اور اس سے مجھے محبت ہوگئی۔ بالآخر وہ بھی مرنے لگا تو میں نے اس سے پوچھا کہ مجھے کسی کے پاس رہنے کی وصیّت کردو۔ اس نے کہا کہ میرے طریقہ پر صرف ایک شخص دُنیا میں ہے اُس کے سوا کوئی نہیں ہے، وہ ''موصل'' میں رہتا ہے، تو اس کے پاس چلے جانا۔ میں اس کے مرنے کے بعد موصل چلا گیا اور اس سے جاکر اپنا قصّہ سُنایا، اس نے اپنی خدمت میں رکھ لیا، وہ بھی بہترین آدمی تھا۔ آخر اس کی بھی وفات ہونے لگی تو میں نے اس سے پوچھا کہ اب میں کہاں جاؤں؟ اُس نے کہا فلاں شخص کے پاس ''نصیبین'' میں چلے جانا۔ میں اس کے پاس چلا گیا اور اس سے اپنا قصّہ سنایا، اس نے اپنے پاس رکھ لیا۔ وہ بھی اچھا آدمی تھا۔ جب اس کے مرنے کا وقت آیا تو میں نے اُس سے پوچھا کہ اب میں کہاں جاؤں؟ اُس نے کہا ''عموریا'' میں فلاں شخص کے پاس چلے جانا۔ میں وہاں چلا گیا اور اس کے پاس اسی طرح رہنے لگا، وہاں میں نے کچھ کمائی کا دھندا بھی کیا جس سے میرے پاس چند گائیں اور کچھ بکریاں جمع ہوگئیں۔ جب اس کی وفات کا وقت قریب آیا تو میں نے اس سے پوچھا کہ اب میں کہاں جاؤں؟ اس نے کہا کہ اب خدا کی قسم! کوئی شخص اس طریقہ کا جس پر ہم لوگ ہیں، عالم نہیں رہا، البتہ نبی آخر الزمان کے پیدا ہونے کا زمانہ قریب آگیا، جو دینِ ابراہیمی پر ہونگے، عرب میں پیدا ہونگے، اور ان کی ہجرت کی جگہ ایسی زمین ہے جہاں کھجوروں کی پیداوار بکثرت ہے اور اس کے دونوں جانب کنکریلی زمین ہے، وہ ہدیہ نوش فرمائیں گے اور صدقہ نہیں کھائیں گے، اُن کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوّت ہوگی (یہ اُن کی علامات ہیں اسی وجہ سے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے اُن علامات کی تحقیق کی تھی) پس اگر تجھ سے ہوسکے تو اِس سرزمین پر پہنچ جانا۔ اُس کے انتقال کے بعد قبیلہ بنو کلب کے چند تاجروں کا وہاں گزر ہوا، میں نے اُن سے کہا کہ اگر تم مجھے اپنے ساتھ عرب لے چلو تو اس کے بدلے میں یہ گائیں اور بکریاں تمہاری نذر ہیں، انھوں نے قبول کرلیا اور مجھے وادی القریٰ (یعنی مکّہ مکرّمہ) لے آئے اور وہ گائے اور بکریاں میں نے ان کو دیدیں، لیکن انھوں نے مجھ پر یہ ظلم کیا کہ مجھے مکّہ مکرّمہ میں اپنا غلام ظاہر کیا اور مجھے بیچ دیا۔ بنو قریظہ کے ایک یہودی نے مجھے خرید لیا اور اپنے ساتھ اپنے وطن مدینہ طیّبہ لے آیا۔ مدینہ طیّبہ کو دیکھتے ہی میں نے ان علامتوں سے جو مجھے عموریا کے ساتھی (پادری) نے بتائی تھیں، پہچان لیا کہ یہی وہ جگہ ہے۔ میں وہاں رہتا رہا کہ اتنے میں حضور اقدس ﷺ مکہ سے ہجرت فرماکر مدینہ طیّبہ تشریف لے گئے۔ حضور اس وقت تک قبا ہی میں تشریف فرما تھے۔ میں نے حضور کی خبر سن کر جو کچھ میرے پاس تھا وہ لے جاکر پیش کیا اور عرض کیا کہ یہ صدقہ کا مال ہے۔ حضور نے خود تناول نہیں فرمایا، صحابہ (فقرا)

النّخل إلّا نخلة واحدة، غَرَسَها عمر ﷺ **فحملت النخل من عَامِها** و لم تَحمِل **نخلة**، فقال رسول الله ﷺ: ما شأن هذه **النخلة**؟ فقال عمر: يا رسول الله! أنا غرستها،

سے کہا کہ تم کھالو۔ میں نے اپنے دل میں کہا ایک علامت تو پوری نکلی، پھر میں مدینہ واپس آگیا اور کچھ جمع کیا کہ اس دوران میں حضور بھی مدینہ منوّرہ پہنچ گئے، میں نے کچھ (کھجوریں اور کھانا وغیرہ) پیش کیا اور عرض کیا کہ یہ ہدیہ ہے۔ حضور نے اس میں سے تناول فرمایا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ دوسری علامت بھی پُوری ہوگئی۔ اُس کے بعد میں ایک مرتبہ حاضرِ خدمت ہوا اس وقت حضور اقدس ﷺ (ایک صحابی کے جنازہ میں شرکت کی وجہ سے) بقیع میں تشریف فرماتھے، میں نے سلام کیا اور پشت کی طرف گھومنے لگا، آپ سمجھ گئے اور اپنی چادر مبارک کمر سے ہٹادی۔ میں نے مہر نبوّت کو دیکھا، میں جوش میں اس پر جھک گیا، اس کو چوم رہا تھا اور رو رہا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا سامنے آؤ۔ میں سامنے حاضر ہوا اور حاضر ہوکر سارا قصّہ سُنایا۔ اُس کے بعد میں اپنی غلامی کے مشاغل میں پھنسا رہا۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے آقا سے مکاتبت کا معاملہ کرلو۔ میں نے اس سے معاملہ کرلیا اس نے دو چیزیں بدلِ کتابت قرار دیں: ایک یہ کہ چالیس اوقیہ نقد سونا (ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے اور ایک درہم تقریباً تین سے چار ماشہ کا) دوسری یہ کہ تین سو درخت کھجور کے لگاؤں اور ان کی پرورش کروں یہاں تک کہ کھانے کے قابل ہوجائیں۔ چنانچہ حضور اقدس ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے لگائے جس کا قصّہ شمائل میں موجود ہے اور اتّفاق سے کسی جگہ سے سونا حضور اقدس ﷺ کے پاس آگیا، حضور نے حضرت سلمان کو مرحمت فرمادیا کہ اس کو جاکر اپنی بدلِ کتابت میں دے دو۔ انھوں نے عرض کیا کہ حضور! یہ کیا کافی ہوگا وہ بہت زیادہ مقدار ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا حق تعالیٰ جَلَّ جَلَالُہٗ اسی سے عجب نہیں پورا فرمادیں، چنانچہ میں لے گیا اور اس میں سے وزن کرکے چالیس اوقیہ سونا اس کو تول دیا (جمع الفوائد) اس قصّہ سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ شمائل کی روایت میں حضور اقدس ﷺ کا حضرت سلمان کو خریدنا اسی لحاظ سے کہا گیا کہ ان کا بدلِ کتابت حضور ہی نے ادا فرمایا، اپنے دستِ مبارک سے درخت لگائے اور خود ہی اپنے پاس سے وہ سونا عطا فرمایا جو بدل میں قرار پایا تھا۔

عمر: قيل: إن قصّة غرس عمر وعدم حملها من عامها غير منقولة إلا عند الترمذي، وليس فيما سواه من إخبار سلمان.
فحملت النخل من عامها: [أي: أثمرت من عامها الذي غُرست فيه على خلاف المعتاد استعجالا لتخليص سلمان من الرقّ.]
نخلة: [على سنن ما هو المتعارف.] النخلة: [الذي منعها من الحمل مع صواحباتها.]

فنــــزعها رسول الله ﷺ، **فغرسها**، فحملت من عَامِه. **حدثنا** محمد بن بشّار، أخبرنا بشر بن الْوَضَّاح، أخبرنا **أبو عقيل** الدورقي، عن (٧) **أبي نضرة** قال: سألت أبا سعيد الخدريَّ عن خاتم رسول الله ﷺ - يعني خاتم النبوّة - فقال: كأن في ظهره **بِضْعَةً** پارہ گوشت **نَاشِزَةً** مرتفعة. **حدثنا** أبو الأشعث أحمد بن المقدام العجليّ منسوب إلى بني العجل البصريّ، أخبرنا حمّاد بن زيد، أخبرنا عاصم الأحول، عن (٨) عبد الله بن **سَرْجِسَ** قال: أتيتُ رسول الله ﷺ وهو في ناس من أصحابه،

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ دس سے زیادہ آقاؤں کی غلامی میں وہ رہے ہیں۔ غزوۂ خندق میں انھیں کے مشورہ سے خندق کھُدوائی گئی ورنہ عرب میں اس سے پہلے خندق کا دستور نہ تھا نہ لوگ خندق کو جانتے تھے۔

(۷) ابو نضرۃ کہتے ہیں کہ میں نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر نبوّت کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے یہ بتلایا کہ آپ کی پشت پر ایک گوشت کا اُبھرا ہو ٹکڑا تھا۔

(۸) عبد اللہ بن سرجس کہتے ہیں کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اُس وقت مجمع تھا، میں نے اِس طرح حضور کے پسِ پشت چکّر لگایا (راوی نے اس جگہ غالبًا چکر لگا کر فعلی صورت بیان کی) حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرا منشا سمجھ گئے اور اپنی پشت مبارک سے چادر اُتار دی۔ میں نے مہر نبوّت کی جگہ کو آپ کے دونوں شانوں کے درمیان مٹھی کے ہم شکل دیکھا جس کے چاروں طرف تِل تھے جو گویا مسّوں کے برابر معلوم ہوتے تھے۔ پھر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا اور میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے (یا اللہ تعالیٰ نے آپ کی مغفرت فرما دی، جیسا کہ سورۂ فتح میں اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے: **ليغفر لك الله ما تقدم من ذنبك**) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اللہ تیری بھی مغفرت فرمائے۔

فغرسها: [في غير الوقت المعلوم لغرس النخل، فهذه معجزة.] أبو عقيل: بفتح العين المهملة وكسر ثانيه. والدورقي: نسبة لدورق، بفتح الدال المهملة وسكون الواو، بلدة بفارس. أبي نضرة: بفتح نون وسكون ضاد معجمة على الصحيح، ومن ضبطه بموحدة فمهملة ساكنة فقد غلط، واسمه المنذر بن مالك.

بضعة: بالنصب على أنه خبر كان، واسمه ضمير إلى الخاتم. وهو بفتح الباء وقد تكسر، قطعة لحم، و الناشزة: المرتفعة. ناشزةً: [مرتفعة، والمقصود قطعة لحم مرتفعة في أعلى الظهر.] سرجس: كنرجس، وقيل: كجعفر منع عن الصرف؛ للعلمية والعجمة، قاله البيجوري.

فَدُرْتُ هكذا من خَلْفه، فعرف الذي أريد، فألقَى الرِّدَاء عن ظهره، فرأيت موضع الخاتَم على [فطفت] لعله إشارة إلى كيفية الدوران
كتفيه **مثل الجُمْع حولها خِيْلَان** كأنها ثآليل، فرجعت حتى استقبلته، فقلت: غفر الله لك **يا** مشت جمع خال جمع ثؤلول
رسول الله! فقال: ولك، فقال **القوم**: استَغفرَ لَكَ رَسول الله ﷺ؟ فقال: نعم ولكم، **ثم تلا** هذه الآية: ﴿وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ﴾ (محمد:١٩)

لوگوں نے مجھ سے کہا کہ حضور ﷺ نے تیرے لئے دعائے مغفرت فرمائی؟ میں نے کہا ہاں اور تم سب کے لئے بھی، اس لئے کہ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ نے حکم فرمایا ہے کہ: اے محمد (ﷺ)! مغفرت کی دعا کرو اپنے لئے بھی اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لئے بھی (اس لئے حضور تو سب ہی کے لئے دعائے مغفرت فرما چکے ہیں)

مثل الجمع: [مثل جمع الكف، وهذه هيئة الخاتم بعد جمع الأصابع، ويفهم من ذلك أن فيه خطوطا كما في الأصابع المجموعة] مثل الجمع بضم الميم، وجوّز الكسائي كسرها، هو: هيئة بعد جمع الأصابع. وخِيلَان جمع خال؛ هي: نقط تضرب إلى السواد. وثآليل كمصا بيح، جمع ثؤلول كعصفور: خراج صغير نحو الحمِّصة يظهر على الجسد، له نتوء واستدارة.
حولها خيلان: [أي حول الخاتم فقط، تضرب إلى السواد وتسمى شامات.] يا رسول الله: [شكر للنعمة التي صنعها النبي ﷺ معه.] القوم: فقيل: المراد بالقوم الصحابة، فقائل هذا القول هو عبد الله وهو الظاهر، وقيل: الذين يحدثهم عبد الله بن سرجس، فقائل هذا الكلام هو عاصم الأحول، قاله القاري. ثم تلا: يعني امتثالا لهذه الآية؛ لأنه لا يمكن أن الله تعالى أمره بشيء و لم يمتثله النبي ﷺ، هذا. وأدعيته ﷺ في الاستغفار للأمّة معروفة.

بابُ ما جاء في شَعْرِ رسول الله ﷺ

حدثنا علي بن حُجر، أخبرنا إسماعيل بن إبراهيم، عن حُميد، عن [1] أنس بن مالك رضي الله عنه قال: كان شَعْرُ رسول الله ﷺ إلى **نصف أذنيه**. **حدثنا هنّاد بن السَّرِي**، (الطويل) أخبرنا عبد الرحمن بن أبي الزناد، عن هِشَام بن عُروة، **عن أبيه**، عن [2] عائشة رضي الله عنها قالت: **كنتُ أغتسل** أنا ورسول الله ﷺ من إناء واحد،

باب حضور اکرم ﷺ کے سر مُبارک کے بالوں کا بیان

فائدہ: حضور اکرم ﷺ کے پٹھوں کی مقدار میں مختلف روایات وارد ہوئی ہیں، جیسا کہ پہلے بھی گزر چکا اور ان میں کچھ تعارض نہیں، اس لئے کہ بال بڑھنے والی چیز ہے، ایک زمانہ میں اگر کان کی لو تک تھے تو دوسرے زمانہ میں اس سے زائد، اس لئے کہ حضور ﷺ کا سر منڈانا چند مرتبہ ثابت ہے، تو جس نے قریب کا زمانہ نقل کیا اس نے چھوٹے بال نقل کئے اور جس نے بال منڈے ہوئے عرصہ ہو جانے کے وقت کو نقل کیا اس نے زیادہ بال نقل کئے۔ بعض علماء نے اِس طرح پر بھی جمع فرمایا ہے کہ سر مُبارک کے اگلے حصّہ کے بال نصف کانوں تک پہنچ جاتے تھے اور وسطِ سر کے اس سے نیچے تک اور اخیر سر کے مونڈھوں کے قریب تک۔

اس باب میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے آٹھ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے بال نصف کانوں تک تھے۔

(۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اور حضور ﷺ ایک ہی برتن میں غسل کیا کرتے، اور حضور اقدس ﷺ کے بال ایسے پٹھوں سے جو کان کی لو تک ہوا کرتے ہیں، اُن سے زیادہ تھے اور اُن سے کم تھے جو مونڈھوں تک ہوتے ہیں،

باب: [أي: باب بيان ما ورد في مقداره طولا وكثرة، وغير ذلك من الأخبار.] شعر: [هوما ينبت على الجسم، ليس من الصوف ولا وبر.] فيه روايتان، وفتح العين أفصح والسكون أشهر، واحدهما شعرة. حجر: بضم الحاء المهملة وسكون الجيم. نصف أذنيه: أي: في بعض الأحيان. قال البيجوري: وفي شرح المصابيح: لم يحلق النبي ﷺ رأسه في سنى الهجرة إلا في عام الحديبية وعمرة القضاء وحجة الوداع، ولم يقصر شعره إلا مرة واحدة كما في الصحيحين. السريّ: بتشديد النون، وقوله: "السري" بفتح السين المهملة وكسر الراء وتشديد التحتانية. عن أبيه: [أي: عروة بن الزبير، وهو أحد الفقهاء المدينة السبعة.] كنت أغتسل: أفادت الحكاية الماضية بصيغة المضارع استحضاراً للصورة، وإشارة إلى تكراره واستمراره أي: اغتسلت معه متكرراً.

وكان له شعر فوق الجُمّة و دون الوَفْرَةِ. حدثنا أحمد بن مَنيع، أخبرنا أبو قَطَن، حدّثنا شعبة، عن[3] أبي إسحاق، عن البراء بن عازب رضي الله عنه قال: كان رسول الله ﷺ مَربُوعاً،

(ما يصل إلى شحمة الأذن — كبديع — بفتحتين)

یعنی نہ زیادہ لمبے تھے نہ چھوٹے، بلکہ متوسط درجہ کے تھے۔ فائدہ: اس حدیث سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ہر دو حضرات ننگے نہاتے تھے۔ اس لئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود ہی فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کا محلِّ ستر اور حضور ﷺ نے میرا محلِّ شرم کبھی نہیں دیکھا، نیز برتن کے ایک ہونے سے بھی اس پر حُجّت نہیں، اس کی کئی صورتیں ایسی ممکن ہیں کہ غسل بھی ہوجائے اور دوسرے کے سامنے ننگا بھی نہ ہونا پڑے، نیز اس حدیث سے عورت اور مرد کا ایک برتن سے اکٹھے نہانا ثابت ہوتا ہے۔ علماء کا امام نووی کے قول کے موافق اس صورت کے جواز پر اجماع ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مرد پہلے غسل کرے اس کے بچے ہوئے پانی سے عورت غسل کر لے، یہ بھی بالاتفاق سب کے نزدیک جائز ہے۔ تیسری صورت اس کا عکس ہے کہ عورت پہلے نہائے مرد اس کے بچے ہوئے سے نہائے، یہ صورت حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ سب حضرات کے نزدیک جائز ہے، حنابلہ اس کو جائز نہیں بتلاتے، البتہ اگر عورت کے غسل کے وقت مرد وہاں موجود ہو تو وہ بھی جائز فرماتے ہیں، اُن حضرات کا استدلال اور جمہور کی طرف سے اس کا جواب علمی بحث ہونے کی وجہ سے یہاں سے ترک کر دیے گئے، مختصراً عربی حاشیہ میں ذکر کیے گئے۔ لیکن جب ایک معتمد امام کا خلاف ہے اور حدیث میں بھی اس کی ممانعت آئی ہے تو اُس میں احتیاط اولیٰ ہے۔

(۳) حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ متوسّط القامہ (درمیانے قد) تھے، آپ کے دونوں شانوں کا درمیان

الجمة إلخ: بضم الجيم وتشديد الميم: ما وصل من شعر الرأس إلى المنكبين. والوفرة: ما لم يصل إليهما. واللمّة: ما جاوز شحمة الأذن، سواء وصل إلى المنكبين أو لا، وقيل: إنها بين الجمة والوفرة، فعلى هذا ترتيبها "ولج" أي: الوفرة، ثم اللمة، ثم الجمة. وهذه الثلاثة قد اضطرب أقوال أهل اللغة في تفسيرها، وأقرب ما وفق به أن فيها لغات، كما يظهر من القاموس والجمع، وأيّاما كان فالغرض: أن شعره عليه السلام كان وسطا، لا أطول ولا أقصر. ثم في الحديث دليل على جواز فضل المرأة كما قال به الثلاثة، خلافاً للحنابلة، إذ قالوا: لا يجوز فضلها إلا أن تستعمل بمحضره؛ لرواية نهي عن فضل المرأة، وأجيب عنها: بالضعف، أو أن المراد بالفضل المستعمل، أو غير ذلك، كما بسط في بذل المجهود في حلّ أبي داود.
البراء: تقدّم حديثه مفصلاً في الباب الأول، وأعاده هناك مختصراً للترجمة فيه.

بُعَید مابین المَنْکِبین، وکانت جُمَّته تضرب شَحْمة أذنیه. **حدثنا** محمد بن بشّارٍ، أخبرنا وَهْبُ بن جَرِیر بن حَازم، حدّثني أبي، **عن**[٤] قتادة قال: قلت لأنس: کیف کان شعر رسول الله ﷺ؟ قال: لم یکن بالجَعْد ولا بالسَبْطِ، کان یــبلغ شَعرُه شَحْمة أذنیه. **حدثنا** محمد بن یحیی بن أبي عُمَر المکي، أخبرنا سفیان بن عیینة، عن ابن أبي نَجِیح، **عن** مجاهد، **عن**[٥] أمّ هانئ بنت أبي طالب قالت: قدم رسول الله ﷺ علینا مکّة قَدْمةً وله أربع **غدَائر**. **حدثنا** سوید بن نِصر، حدّثنا عبد الله بن المُبارك، عن مَعْمر، عن ثابت البُنَانيّ **عن**[٦] أنس رضي الله عنه أن شَعْر رسول الله ﷺ کان إلی أنصَافِ أذنیه.

(اسمه بشّار — شقیقة علي رضي الله عنه اختلف في اسمها — الغدیر: الذؤابة، موئ بافته — بمهملات مصغراً — ابن راشد)

وسیع تھا، آپ کے بال کانوں کی لو تک ہوتے تھے۔ فائدہ: یہ حدیث حُلیہ شریف میں مفصّل گذر بھی چکی ہے، بالوں کے ذکر کی وجہ سے یہاں پھر اس کو مختصراً ذکر کر دیا گیا۔

(۴) قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حضور اکرم ﷺ کے بال مبارک کیسے تھے؟ انھوں نے فرمایا کہ نہ بالکل پیچیدہ نہ بالکل کھلے ہوئے بلکہ تھوڑی سی پیچیدگی اور گھنگریالہ پن لئے ہوئے تھے جو کانوں کی لو تک پہنچتے تھے۔

(۵) ام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ہجرت کے بعد ایک مرتبہ مکّہ مکرّمہ تشریف لائے تو آپ کے بال چار حصہ مینڈھیوں کے طور پر ہو رہے تھے۔ فائدہ: مشہور قول کے موافق ہجرت کے بعد حضور اکرم ﷺ کی مکّہ مکرّمہ میں تشریف آوری چار مرتبہ ہوئی: اوّل عمرۃ القضا میں جو سنہ سات ہجری میں تھا، پھر فتحِ مکّہ میں سنہ آٹھ ہجری، پھر اسی سفر میں عمرۃ الجعرانۃ کے لئے، پھر سنہ دس ہجری میں حج کے لئے۔ یہ تشریف آوری جس کا اس حدیث شریف میں ذکر ہے بیجوری کے قول کے موافق فتحِ مکّہ کے وقت ہوئی اور یہی مظاہر حق میں لکھا ہے، بعض علماء نے اور اوقات بھی تحریر فرمائے ہیں۔ مردوں کے لئے عورتوں کی طرح سے مینڈھیاں مکروہ ہیں۔ اس حدیث میں مینڈھیوں سے وہی مراد لی جائیں جس میں تشبّہ نہ ہو کہ تشبّہ کی حضور نے خود ہی ممانعت فرمائی ہے۔

(۶) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے بال نصف کانوں تک ہوتے تھے۔

غدائر: [جمع غدیرة وهي الضفیرة، وکل من الغدیرة والضفیرة بمعنی الذؤابة، وهي الخُصلة من الشعر إذا کانت مرسلة.]

حدثنا سُوَيْد بن نصر، أخبرنا عبد الله بن المُبَارَكِ، عن يونس بن يزيد، عن الزهريّ، أخبرنا عبيد الله بن عبد الله بن عُتبة بن عبد الله، **عن**(۷) ابن عباس رضي الله عنهما أن رسول الله ﷺ كان **يَسْدِل** شعرَه، وكان المُشرِكون يُفرِّقون رؤوسَهم، وكانَ أهل الكتاب يسدِلُون رُؤُوسهم، وكان **يحِبُّ** موافقة أهل الكتب فيما لم يؤمر فيه بشيء، ثم **فرق** رسُول الله ﷺ رأسه. **حدثنا** محمد بن بشّار، أخبرنا عبد الرحمن بن مهديّ، عن إبراهيم بن نافع المكي، عن ابن أبي نَجيح، عن مُجاهد، **عن**(۸) أمّ هانئ رضي الله عنها قالت: رأيت رسول الله ﷺ ذا ضَفَائر أربعٍ.

(محمد بن مسلم بن شهاب) (روايتان) (لأنهم أقرب إلى الحق من عبدة الأوثان) (من باب نصر وضرب هو المشهور رواية ويُروى من التفريق)

---

(۷) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ اولاً بالوں کو بغیر مانگ نکالے ویسے ہی چھوڑ دیا کرتے تھے، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ مشرکین مانگ نکالا کرتے تھے اور اہل کتاب نہیں نکالتے تھے۔ حضور اقدس ﷺ ابتداءً اُن امور میں جن میں کوئی حکم نازل نہیں ہوتا تھا اہل کتاب کی موافقت کو پسند فرماتے تھے، لیکن اس کے بعد یہ حکم منسوخ ہوگیا اس لئے حضور اقدس ﷺ مخالفتِ اہل کتاب فرمانے لگے۔

(۸) ام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو چار گیسوؤں والا دیکھا۔ **فائدہ:** بظاہر یہ حدیث وہی حدیث ہے جو پہلے گزر چکی ہے۔

يَسدِل: [يرسل شعره حول رأسه، وقيل: على الجبين.] يحب: قيل: كان ذلك لتمسك أولئك ببقايا شرائع الرُّسُل، وهؤلآء وثنيون لا مستند لهم إلا ما وجدوا عليه آبائهم، وقيل: كان ذلك ايتلافاً لقلوبهم كما تألفهم باستقبال قبلتهم لكن غلبت عليهم الشقوة؛ فكلّما ازداد تأليفاً ازدادوا نفوراً، وقال بعضهم: إن تلك المحبة كانت قبل اشتهار الإسلام وقوته، فلما فتحت مكة واستقر الأمر أحب مخالفتهم وأمر بمخالفتهم،كما في صبغ الشيب، وصوم السبت وعاشوراء، وغير ذلك من الأحكام. فَرق: [أي: ألقى شعره إلى جانب رأسه] قالوا: الفرق سنة؛ لأنه الذي رجع إليه رسول الله ﷺ، والظاهر أنه رجع بوحي؛ لقوله: "مالم يؤمر" وقال القاضي عياض: نسخ السدل فلا يجوز فعله، قال: ويحتمل جواز الفرق لا وجوبه. قال ابن حجر: والذي يتجه أن حمل جواز السدل حيث لم يقصد به التشبه بالنساء، وإلا حرم من غير نزاع، ويؤيد جواز السدل ما روي أن من الصحابة من يسدل، ومنهم من يفرّق، و لم يُعِب بعضهم على بعض، فلو كان الفرق واجباً لما سدلوا، وقال القرطبي: إنه مستحب، وهو قول مالك والجمهور. قاله القاري.

باب ما جاء في ترجُّل رسول الله ﷺ

حدثنا إسحاق بن موسى الأنصاري، حدّثنا معن بن عيسى، حدّثنا مالك بن أنس، عن هشام بن عروة، عن أبيه، عن[1] عائشة رضي الله عنها قالت: كنت أُرَجِّلُ [أسرح] رأس رسول الله ﷺ وأنا حائض.

حدثنا يوسف بن عيسى، أخبرنا وكيع، أخبرنا الربيع بن صَبِيح، عن يزيد بن **أَبَان** هو **الرَّقَاشِي**، عن[2] أنس بن مالك قال: كان رسول الله ﷺ يكثِر **دهن رأسه** وتَسريح لِحْيته،

باب حضور اقدس ﷺ کے بالوں میں کنگھا کرنے کا بیان

فائدہ: بالوں میں کنگھا کرنا مستحب ہے، حضور ﷺ نے اس کی ترغیب بھی فرمائی ہے اور خود بھی اپنے بالوں میں کنگھا کیا کرتے تھے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں پانچ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں حضور اقدس ﷺ کے بالوں میں کنگھا کرتی تھی حالانکہ میں حائضہ ہوتی تھی۔

فائدہ: اس حدیث سے علماء نے یہ مسئلہ ثابت فرمایا ہے کہ حائضہ کو حالتِ حیض میں مرد کی خدمت کرنا جائز ہے، حیض سے اس میں کوئی کمی نہیں آتی، صحبت وغیرہ البتہ ناجائز ہے۔

(۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اپنے سر مبارک پر اکثر تیل کا استعمال فرماتے تھے، اور اپنی داڑھی مبارک میں اکثر کنگھی کیا کرتے تھے، اور اپنے سر مبارک پر ایک کپڑا ڈال لیا کرتے تھے جو تیل کے کثرتِ استعمال سے ایسا ہوتا تھا جیسے تیلی کا کپڑا ہو۔

ترجل: الترحل والترجيل: تسريح الشعر وتحسينه كما في النهاية، وفي المشارق: رجل شعره إذا مشطه بماء أو دهن ليليّن، ويرسل الثائر ويمدّ المنقبض. قال الحافظ ابن حجر نقلا عن ابن بطال: هو من باب النظافة، وقد ندب الشارع إليه بقوله: النظافة من الدين، وقال تعالى: ﴿خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ (الأعراف:٣١) ولأن الظاهر عنوان الباطن. أبان: بفتح الهمزة وتخفيف الموحدة كسحاب، وقيل: بكسر الأول وتشديد الثاني، غير منصرف عند الأكثر، وصرفه بعضهم حتى قال: من لم يصرف "أبان" فهو أتان. الرقاشي: بفتح الراء وخفة قاف وشين معجمعه، نسبة إلى رَقاش بنت ضبيعة، كذا في المغني قاله القاري، وقال المناوي: نسبة إلى بنت قيس بن ثعلبة بن عكاية، أو إلى أولادها. دهن رأسه: [أي: يكثر دهن رأسه بالزيت.]

ویکثر **القِناع** حتى كان **ثوبه** ثوب زيّات. **حدثنا** هنّاد بن السري، أخبرنا **أبو الأحوص**، عن أَشْعَثَ بن أَبي الشعثاء، عن أبيه، عن مسروقٍ، **عن**[٣] عائشة رضي الله عنها قالت: **إنْ كان** رسول الله ﷺ لَيُحِبُّ التَّيمُّنَ في طُهُوره إذا تَطَهَّر، وفي تَرَجُّله إذا تَرَجَّل، وفي انتِعالِه إذا انْتَعَل. **حدثنا** محمد بن بشّار، أخبرنا يحيى بن سعيد، عن هشام بن **حسان**، عن الحسن البصري،

كرجال — اسمه سليم — [الابتداء باليمين] — الأنصاري

فائدہ: یعنی تیل سے چونکہ کپڑے خراب ہوجاتے ہیں جو حضور انور ﷺ کی نظافت کے خلاف ہے اس لئے اس کی حفاظت کیلئے حضور ﷺ ایک کپڑا سر پر ڈال لیتے تھے تاکہ عمامہ وغیرہ خراب نہ ہو۔

(۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ اپنے وضو کرنے میں، کنگھی کرنے میں، جوتا پہننے میں (غرض ہر امر میں) دائیں کو مقدم رکھتے تھے، یعنی پہلے دائیں جانب کنگھا کرتے پھر بائیں جانب۔ **فائدہ:** ان تین چیزوں کی جو حدیث میں ذکر کی گئی ہیں کچھ قید نہیں، بلکہ حضور اقدس ﷺ ہر چیز کو دائیں سے ابتدا کرنا پسند فرماتے تھے اسی وجہ سے ترجمہ میں ہر چیز کا اضافہ کر دیا۔ اور اس کا اصل قاعدہ یہ ہے کہ: جس چیز کا وجود زینت اور شرافت ہے اس کے پہننے میں دایاں مقدم ہوتا ہے جیسے کپڑا، جوتا اور نکالنے میں بایاں مقدم۔ اور جس چیز کا وجود زینت نہیں اس کے کرنے میں بایاں مقدم کرنا چاہئے جیسے بیت الخلا جانا کہ اس میں جاتے وقت بایاں پاؤں مقدم ہونا چاہئے اور نکلتے وقت دایاں، برخلاف مسجد کے کہ اس کا قیام شرافت اور بزرگی ہے اس لئے مسجد میں داخل ہوتے وقت دایاں پاؤں اول داخل کرنا چاہئے اور نکلتے وقت بایاں پاؤں اول نکالنا چاہئے۔

القناع: [خرقة توضع على الرأس حين استعمال الدهن؛ لتقي العمامة منه.] ثوبه: المراد بذاك الثوب القناع، لا مطلق الثوب، فلا ينافي نظافته ﷺ. وقال الجزري: الربيع بن صبيح كان عابدا لكنه ضعيف في الحديث، وقال ابن حبان: كان عابداً، ولم يكن الحديث من صناعته، فوقع في حديثه المناكير، قيل: ومن مناكيره في هذا الحديث: كان ثوبه ثوب زيّات، لكن قال القاري والمناوي: له شواهد، وذكرا شواهده بعِدَة طرق. أبو الأحوص: بحاء وصاد مهملتين، قيل: اسمه عون بن مالك، والمشهور سلام بن سليم بتخفيف اللّام في الأول والتصغير في الثاني كما ضبطه القاري، قال المناوي: سلام ككلام.
إن كان: مخففة من الثقيلة؛ بدليل اللّام الفارقة بين المخففة والنافية، وضمير الشأن بعدها محذوف. حسان: صيغة مبالغة من الحسن فيصرف؛ لأن نونه حينئذٍ أصلية، فان كان من الحسّ بتشديد السين فلا يصرف؛ للعلمية وزيادة الألف والنون، ونظيره ما قيل لبعض: انصرف عفان؟ قال: نعم إن هجَوتَه، لا إن مدَحتَه، يعني لأنه على الأول من العفونة، وعلى الثاني من العفة.

عن[٤] عبد الله بن مُغفّل رضي الله عنه قال: نهى رَسُول الله ﷺ عن التَّرجُّل إلّا غِبًّا. **حدثنا** الحسن بن
بمعجمة ففاء كمحمد
عَرَفة قال: حدّثنا عبد السلام بن حَرْب، عن يزيد بن أبي خالد، عن أبي العلاء الأوديّ،
بمهملات كحسنة بفتح الحاء وسكون الراء المهملتين نسبته إلى أود بن مصعب
عن[٥] حميد بن عبد الرحمن، عن **رجل** من أصحاب النبي ﷺ، أن النبي ﷺ كان يترَجَّل غِبّا.

---

(۴) عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کنگھی کرنے کو منع فرماتے تھے مگر گاہے گاہے۔

فائدہ: قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ گاہے گاہے سے مراد تیسرا دن ہے۔ ابو داوٗد شریف میں ایک حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی روزانہ کنگھا کرنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ یہ ممانعت جب ہے جب کوئی ضرورت اس کی مقتضی نہ ہو، ورنہ کچھ مضائقہ نہیں ہے۔

(۵) حمید بن عبد الرحمٰن ایک صحابی سے نقل کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گاہے گاہے کنگھی کیا کرتے تھے۔

إلّا غِبًّا: بمعجمة مكسورة وموحدة مشدّدة، ورود الإبل الماء يوماً وتركه يوماً، ثم استعمل في فعل الشيء حينا وتركه حينا، والمراد نهي دوام التسريح. قال ابن العربي: موالاته تصنّع، وتركه تدنّس، وإغبابه سنّة.

عن رجل: لم يسم، وإبهام الصحابي لا يضرّ لِعَدَالَتِهم. واختلف في اسمه فقيل: هو الحكم بن عمرو، وقيل: عبد الله بن سرجس، وقيل: عبد الله بن مغفّل.

باب ما جاء في شَيْب رسول الله ﷺ

حدثنا محمد بن بشّار، أخبرنا **أبو داود**، أخبرنا همّام، **عن**[1] قتادة قال: قلت لأنس بن مالك: **هل خَضَب** رسول الله ﷺ؟ قال: لم يبلغ ذلك، إنما كان شيباً في **صُدْغيه**، ولكن أبو بكر رضي الله عنه خضب بالحنّاء **والكتم**.

[1] بكسر المهملة وتشديد النون

باب حضور اقدس ﷺ کے سفید بال آجانے کا ذکر

فائدہ: اس باب میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے آٹھ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حضور اقدس ﷺ خضاب کیا کرتے تھے؟ انھوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ کے بالوں کی سفیدی اس مقدار ہی کو نہ پہنچی تھی کہ خضاب کی نوبت آتی۔ سفیدی حضور اقدس ﷺ کے صرف دونوں کنپٹیوں میں تھوڑی سی تھی البتہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حنا اور کتم سے خضاب فرمایا کرتے تھے۔ **فائدہ:** کتم ایک گھاس ہے جس سے خضاب کیا جاتا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ صرف کتم کا خضاب سیاہ ہوتا ہے اور مہندی کے ساتھ ملا کر سُرخ ہوتا ہے، اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ صرف کتم کا خضاب سبز ہوتا ہے اور مہندی کے ساتھ ملا کر مائل بسیاہی ہو جاتا ہے۔

شيب إلخ: هو ابيضاض الشعر المسودّ كما في المصباح، ويطلق على بياض الشعر والشعر الأبيض أيضاً. قال البيجوري تبعا للمناوي: إنما أخره عن الترجّل؛ لأن الترجل عمل يقتدى به فيه بخلاف الشيب، وقدم الشعر عليهما؛ لأنهما من عوارض الشعر.
أبو داود: الطيالسي، وهمام بهاء مفتوحة ثم ميم مشدّدة، ابن يحيى العوذي. هل خضَب: [أي: هل غيّر بياض رأسه ولحيته ولوّنه بالحناء ونحوه؟ الخضب كالخضاب بمعنى: تلوين الشعر بحمرة]. صدغيه: [تثنية صدغ، وهو ما بين لحاظ العين إلى أصل الأذن، ويسمى الشعر الذي تدلى على هذا الموضع.

والكتم: قال القاري: بفتحتين، والتاء مخففة، وقال أبوعبيد: بتشديد التاء، والمشهور التخفيف. واختلفوا في تفسيره: ففي بعض كتب اللغة: هو ورق يشبه ورق الأس يصبغ به، وفي المهذب: هو الوسمة، وفي الصحاح: هو نبت يخلط مع الوسمة للخضاب، وفي النهاية: يشبه أن يكون معنى الحديث: خضب بكل منهما منفرداً عن الآخر، فإن الخضاب بهما يجعل الشعر أسود، وقد صح النهي عن السواد، فالواو بمعنى أو. وقال العسقلاني: الكتم الصِرف يوجب سوادًا مائلا إلى الحمرة، والحناء توجب الحمرة، فاستعمالهما يوجب مابين السواد والحمرة، قالوا: وعلى أصله، وفي المغرب عن الأزهري: الكتم: نبت فيه حمرة، ومنه حديث أبي بكر رضي الله عنه: كان يخضب بالحناء والكتم، وقال الجزري: قد جرب الحناء والكتم جميعاً فلم يسود، بل يغير صفرة الحناء وحمرتها إلى الخضرة.

حدثنا إسحاق بن منصور ويحيى بن موسى قالا: حدثنا عبد الرزاق، عن معمر، عن ثابت، **عن**(٢) أنس بن مالك رضي الله عنه قال: ما عَدَدْتُ في رَأس رسول الله ﷺ ولحيته إلا **أربع عشْرة** شعرة بيضاء. **حدثنا** محمد بن المثنّى، أخبرنا أبو داود، أخبرنا شعبة، عن سِماك بن حَرْب قال: **سمعت** جابر بن(٣) سَمُرة، يُسأل عن شيب رسول الله ﷺ،

إما تمييز أو مستثنى منه

ببناء المجهول

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ غلبہ کا اعتبار ہوتا ہے، اگر غلبہ کتم کا ہوتا ہے تو خضاب سیاہ ہو جاتا ہے اور اگر غلبہ مہندی کا ہوتا ہے تو سُرخ۔ الغرض خضاب دونوں سے جائز ہے مگر سیاہ نہیں ہونا چاہئے اس لئے کہ سیاہ خضاب کی ممانعت احادیث سے ثابت ہے۔

(٢) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کے سر مبارک اور داڑھی شریف میں چودہ سے زائد سفید بال نہیں گنے۔ **فائدہ:** حضور ﷺ کے سفید بال بہت ہی کم تھے لیکن ان کی تعداد میں اختلاف ہے، اس روایت سے چودہ معلوم ہوتے ہیں، بعض روایات سے سترہ، اٹھارہ اور بعض سے تقریباً بیس معلوم ہوتے ہیں۔ یہ کچھ ایسا اختلاف نہیں مختلف زمانوں پر بھی محمول ہو سکتی ہیں اور گننے کے فرق پر بھی حمل کی جاسکتی ہیں۔ سفید بالوں کی قلت سب میں مقصود ہے۔

(٣) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کسی نے حضور اقدس ﷺ کے سفید بالوں کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے فرمایا کہ جب حضور اقدس ﷺ تیل کا استعمال فرماتے تھے تو وہ محسوس نہیں ہوتے تھے ورنہ کچھ سفیدی کہیں کہیں محسوس ہوتی تھی۔ **فائدہ:** تیل کے استعمال کے وقت میں چونکہ سب بال چمکنے لگتے تھے اس لئے بالوں کی سفیدی تیل کی چمک میں مخلوط ہو جاتی تھی، یا اس وجہ سے کہ تیل کی وجہ سے بال جم جاتے تھے تو سفید بال اپنی قلت کی وجہ سے مستور ہو جاتے تھے، اور جب تیل لگا ہوا نہیں ہوتا تھا تو وہ منتشر ہونے کی وجہ سے ظاہر ہو جاتے تھے۔

أربع عشرة: بفتح الجزئين للتركيب، والشين ساكنة، قال الحنفي: هذا لا ينافي ما صدر عنه في صدر الكتاب: ليس في رأسه ولحيته عشرون شعرة بيضاء؛ لأن هذا السلب عام، قال المناوي: ولا ينافي حديث ابن عمر الآتي: إنما كان شيبه نحوا من عشرين؛ لأن الأربع عشرة نحواً من العشرين؛ لكونها أكثر من نصفها، نعم روى البيهقي عن أنس نفسه: ما كان في رأسه ولحيته إلاسبع عشرة أو ثمان عشرة شعرة بيضاء، وجمع باختلاف الأزمان، وبأن الأول إخبار عن عده، والثاني إخبار عن الواقع.

فقال: كان إذا **دَهَن** رأسَه **لم يُرَ منه** شيب، وإذا لم يدهن رُئِيَ منه. **حدثنا** محمد بن عمر بن الوليد
مضارعه بالحركات الثلاث
الكندي الكوفيّ، أخبرنا يحيى بن آدم، عن شريك، عن عبيد الله بن عمر، عن نافع، **عن**[٤] ابن عمر
بن عبد الله بن أبي شريك — ابن حفص ابن عاصم بن عمر بن الخطاب
قال: إنما كان شيب رسول الله ﷺ نحوًا من عشرين شعرةً بيضاء. **حدثنا** أبو كريب محمد بن
مصغراً
العلاء، أخبرنا معاوية بن هشام، عن شَيْبان، عن أبي إسحاق، عن عِكْرِمة، **عن**[٥] ابن عباس رضي الله عنهما
صدوق

---

(۴) ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے سفید بال تقریباً بیس تھے۔ **فائدہ:** یہ پہلے گذر چکا کہ یہ روایت اوروں کے کچھ خلاف نہیں۔

(۵) ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ بوڑھے ہوگئے (اس کی کیا وجہ؟ حالانکہ آپ کا اعتدال اس کا مقتضی تھا کہ آپ جوان ہی رہتے، یا آپ کی عمر شریف کا مقتضیٰ یہ تھا کہ آپ اس وقت تک جوان ہوتے) حضور نے ارشاد فرمایا کہ مجھے سورۂ ہود، سورۂ واقعہ، سورۂ مرسلات، سورۂ عم یتساءلون، سورۂ اذا الشمس کورت، ان سورتوں نے بوڑھا بنادیا۔ **فائدہ:** ان سورتوں کی قید نہیں، ان کے علاوہ سورۂ حاقہ، سورۂ قارعہ، سورۂ غاشیہ وغیرہ کا بھی ذکر آیا ہے۔ مقصود وہ سب سورتیں ہیں جن میں دہشت اثر امور کا ذکر ہے۔ جیسے قیامت، جہنم، صور، شقی لوگوں کا انجام وغیرہ وغیرہ۔ اسی لئے ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو امور میں جانتا ہوں اگر تمہیں معلوم ہو جاتے تو ہنسنا بہت ہی کم کر دیتے اور اکثر اوقات روتے رہا کرتے، حتی کہ بیبیوں کے پاس جانا بھی چھوڑ دیتے۔ (او كما قال)

دهن: قال المناوي عن القسطلاني: كذا وقع في أصل سماعنا من الثلاثي المجرد، وكذا قوله: لم يدهن، وفي بعض النسخ: ادهن من الافتعال، وعلى التقديرين يكون رأسه مفعولاً، لكن في المغرب: دهن رأسه إذا طلاه بالدهن، وادهن من غير ذكر المفعول، وادهن شاربه خطأ. وأطال الكلام فيه القاري في جمع الوسائل. لم يرمنه: قال القاري والمناوي وغيرهما: لم يرمنه؛ لالتباس بياضه بلمعان الشعر من الدهن، والأوجه عندي ما قال الطيبي: إنه عند الادهان كان يجمع شعره، ويضم بعضه إلى بعض، وكانت الشعرات البيض من قلتها لا تبين، فإذا شعث رأسه ظهرت.

الكِندي: بكسر الكاف نسبة لكندة، محلة بالكوفة، لا القبيلة كما توهم، قاله البيجوري تبعاً للمناوي. قلت: قال السمعاني في الأنساب: نسبة إلى كندة: قبيلة مشهورة باليمن، وعد منها رجالا ليس هذا منه، وقال القاري: منسوب إلى كندة: قبيلة من قبائل العرب، ومحلة بالكوفة.

قال: قال أبو بكر: يا رسول الله! **قد شِبتَ**، قال: "**شَيَّبتني هُود**، والواقعة، والمرسلات، وعم يتساءلون، وإذا الشمس كُوِّرت". **حدثنا** سفيان بن وكيع، أخبرنا محمد بن بشر، عن عليّ بن صالح، عن أبي إسحاق، **عن**(٦) **أبي جُحَيفة** قال: قالوا: يا رسول الله! نراك قد شِبْتَ. قال: شيّبتني هود وأخواتها. **حدثنا** عليّ بن حُجر، أنبأنا شُعيب بن صَفوان، عن عبد الملك بن عُمير،

بكسر الموحدة وسكون المعجمة — أشباهها — كعطشان — مصغراً

شرح سنة میں لکھا ہے کہ ایک صاحب کو حضور ﷺ کی خواب میں زیارت ہوئی، انھوں نے پوچھا: یارسول اللہ! مجھے یہ حدیث پہنچی کہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ سورۂ ہود نے مجھے بوڑھا بنادیا، کیا بات ہے؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا اس میں ایک آیت ہے، ﴿وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ﴾ (الشوریٰ) یعنی دین پر ایسے مستقیم رہو جیسا کہ حکم ہے، اور ظاہر ہے کہ حکم کے موافق پوری استقامت بہت ہی مشکل امر ہے۔ اسی لئے صوفیاء نے لکھا ہے کہ استقامت ہزار کرامتوں سے افضل ہے۔

(٦) ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ پر کچھ ضُعف وغیرہ اثر بڑھاپے کا محسوس ہونے لگا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے سورۂ ہود جیسی سورتوں نے ضعیف کر دیا۔ **فائدہ**: ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ دولت کدہ سے تشریف لا رہے تھے اور داڑھی مبارک پر ہاتھ پھیر رہے تھے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے یہ منظر دیکھ کر عرض کیا: یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، کس قدر جلدی آپ پر بڑھاپا آگیا اور یہ کہہ کر رونے لگے، آنسو جاری ہو رہے تھے۔

قد شِبتَ: [أي: قد ظهر فيك الشيب، ومراده: السؤال عن السبب المقتضي للشيب، مع أن مزاجه اعتدلت فيه الطبائع، واعتدالها يستلزم عدم الشيب] بكسر الشين المعجمة وسكون الموحدة وتاء الخطاب، أي: ظهر فيك آثار الشيب من الثقل وضعف البدن قبل أوانه، وهو لا ينافي ما سبق من نفي الشيب؛ لأن القصد به نفي احتياجه إلى الخضاب.
شيبتني: النسبة مجازية؛ لكونها سببا من باب: أنبت الربيع البقل، والمعنى: ما في هذه السور من أحوال القيامة وأهوالها.
قال التوربشتي: يريد أن اهتمامي بما في هذه السور من أهوال يوم القيامة والمثلات النوازل بالأمم السابقة أخذ مني ما أخذه حتى شِبْت قبل أوان المشيب، قال المناوي: زاد الطبراني في رواية: والحاقة، وزاد ابن مردويه في أخرى: وهل أتاك حديث الغاشية، زاد ابن سعيد في أخرى: والقارعة، وسأل سائل، وفي أخرى: واقتربت الساعة. أبي جحيفة: بضم جيم ثم حاء مهملة مصغراً هو وهب السواي‌ء يحبّه علي ﷺ وجعله على بيت المال وسماه وهب الخير.

عن **إياد** بن لقيط العِجْليّ، **عن** (۷) أبي رِمْثة التيميّ - **تيم الرِّباب**- قال: أتيت النبي ﷺ **ومعي ابن لي،**

حضور نے فرمایا سورۂ ہود جیسی سورتوں نے مجھے بوڑھا کر دیا۔ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں میں نے ایک کتاب میں دیکھا ہے کہ ایک شخص شام کے وقت بالکل سیاہ بال جوان تھا، ایک ہی رات میں بالکل سفید ہوگیا، لوگوں نے پوچھا تو اس نے کہا کہ میں نے رات قیامت کا منظر دیکھا ہے کہ لوگ زنجیروں سے کھینچ کر جہنم میں ڈالے جارہے ہیں، اس کی دہشت مجھ پر کچھ ایسی غالب ہوئی کہ اس نے ایک ہی رات میں مجھے اس حالت پر پہنچا دیا۔ اللہ اکبر۔

(۷) ابو رمثہ تیمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے بیٹے کو ساتھ لئے ہوئے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ لوگوں نے مجھے حضور ﷺ کا بتلایا (کہ یہ تشریف فرما ہیں، غالبًا یہ پہلے سے پہچانتے نہ ہونگے) میں نے حضور ﷺ کو دیکھا تو مجھے معاً یہ کہنا پڑا کہ واقعی یہ اللہ کے سچے نبی ہیں، اس وقت حضور نے دو سبز کپڑے پہن رکھے تھے (یعنی حضور کی لنگی بھی سبز تھی اور چادر بھی سبز) اور آپ کے چند بالوں پر کچھ بڑھاپے کے آثار غالب ہوگئے تھے لیکن وہ بال سُرخ تھے۔

فائدہ: چہرۂ انور پر جو آثار ہیبت و وقار اور انوارِ نبوّت تھے ان کو دیکھ کر بے اختیار آدمی کی زبان سے اس قسم کے الفاظ نکل جاتے تھے کہ بیشک یہ اللہ کے رسول ہیں، بلا شبہ یہ شخص جھوٹا نہیں ہوسکتا وغیرہ وغیرہ۔

إياد: بكسر الهمزة وتخفيف المثناة التحتية ثم دال مهملة، ولقيط بفتح اللام وكسر القاف كبديع، وأخرجه المصنف في جامعه برواية عبيد الله عن إياد وقال: غريب، لا نعرفه إلامن حديث عبيد الله. تيم الرباب: منصوب بتقدير: أعني، وقال القاري: مجرور في أصل سماعنا، واحترز به عن تيم قريش قبيلة من بكر. والرباب: بكسر الراء وتخفيف الموحدتين، وضبطه الحافظ في شرح البخاري بفتح الراء، وهم خمس قبائل: ذبة، وثور، وعكل، وتيم، وعدي، غمسوا أيديهم في رب، وهو ثفل السمن، وتحالفوا عليها فصاروا يدًا واحدة.

ابن لي: اضطربت روايات أبي رمثة في أن إتيانه عند النبي ﷺ كان مع ابنه كما في رواية الشمائل، أو مع أبيه كما في روايات أبي داود؛ إذ روي عنه قال: انطلقت مع أبي نحو النبي ﷺ فإذا هو ذو وفرة، بها ردع حناء، وعليه بردان أخضران، وفي رواية: قال له أبي: أرني هذا الذي بظهرك فإني رجل طبيب، وفي أخرى: قال له ﷺ من هذا؟ قال: ابني قال: لا يجني عليك ولا تجني عليه. وبكلا السياقين أخرجه أحمد بطرق عديدة، في بعضها: أن الكلام في الطب والولد كله كان مع والد أبي رمثة، وفي أخرى: أنه كان مع أبي رمثة بنفسه، ووجه القاري في جمع الوسائل بالتعدد، إذ قال: والظاهر المغايرة بينهما بأن رواية الترمذي تكون عن الأب ورواية أبي داود والنسائي عن الابن، وحينئذ لا تنافي بينهما. ويؤيد ذلك أن في بعض الروايات إتيانه بمكة، وفي أخرى بالمدينة، لكن يأباه اتحاد ألفاظ الروايتين، فتأمل.

قال: **فأُريته**، فقلت لمّا رأيته: هذا نبيّ الله، وعليه ثوبان أخضران، وله شَعَر، وقد علاه الشيب، تصديقاً
وشيبه أحمر. حدثنا أحمد بن منيع، أخبرنا سُريج بن النعمان، أخبرنا حماد بن سَلَمة، **عن** سِمَاك
أي بذاته أو بالخضاب — مصغراً بالجيم
بن حَرْب قال: قيل لجابر[٨] بن سَمُرة: أما كان في رأس رسول الله ﷺ شيب؟ قال: لم يكن في رأس رسول الله ﷺ شيب إلاشعَرَات في مفرق رأسه، إذا ادّهن وَارَاهُنّ الدُّهن.
من المواراة: وهو الإخفاء

متعدد حضرات صحابہ سے اس قسم کے الفاظ ابتدائی نظر میں حدیث کی کتابوں میں نقل کیے گئے ہیں۔ حدیثِ بالا میں حضور اقدس ﷺ کے سرخ بالوں کا بھی ذکر ہے۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ حضور ﷺ نے خضاب فرمایا یا نہیں۔ بعض خضاب کے قائل ہیں، وہ اس سرخی کو خضاب پر محمول فرماتے ہیں اور بعض لوگ قائل نہیں وہ فرماتے ہیں کہ بال جب سفید ہوتا ہے تو اکثر مرتبہ اول سرخ ہوتا ہے، یہ سُرخی اصلی تھی خضاب کی نہیں تھی۔ خضاب کا بیان مستقل دوسرے باب میں آنے والا ہے۔

(٨) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ حضور ﷺ کے سر مُبارک میں سفید بال تھے؟ انھوں نے کہا کہ صرف چند بال مانگ پر تھے جو تیل لگانے کی حالت میں ظاہر نہیں ہوتے تھے۔ فائدہ: یہ روایت بظاہر اس روایت کے کچھ خلاف ہے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے شروع باب میں گزری ہے۔ لیکن کوئی ایسا اشکال نہیں اس لئے کہ وہ دو چار بال مانگ میں تھے جو بالوں میں مستور ہو جاتے تھے اور تیل نہ ملنے کے وقت ظاہر ہوتے تھے۔ اس لئے اگر کسی روایت میں ان کا ذکر نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔

فأريته: بالبناء للمجهول أي: أراني وعرّفني بعض الحاضرين رسول الله ﷺ. ويحتمل أن يكون بالبناء للفاعل، أي أريت ابني رسول الله ﷺ. والأول أوجه. وشيبه أحمر: [أي: والشعر الأبيض منه مصبوغ بالحمرة بناء على ثبوت الخضب منه ﷺ. ويحتمل أن المراد: أن شعره الأبيض يخالطه حمرة في أطرافه، لأن العادة أن الشعر إذا قرب شيبه احمرّ ثم ابيضّ.]

باب ما جاء في خضاب رسول الله ﷺ

حدثنا أحمد بن منيع، أخبرنا هشيم، أخبرنا عبد المَلك بن عُمير، عن إياد بن لَقِيط قال: أخبرني أبو رِمثة[1] قال: أتيت رسول الله ﷺ مع ابن لي فقال: ابنك هذا؟ فقلت: نَعَمْ، **اشهد به**. قال: **لا يَجْنِيْ عليك، ولا تجني عليه**، قال: وَرَأيت **الشيب أحمر**.

مصغراً — بمهملات مصغراً

باب حضور اقدس ﷺ کے خضاب فرمانے کا ذکر

فائدہ: اس بارے میں مختلف روایتیں ہیں، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ان میں سے چار حدیثیں اس باب میں ذکر فرمائی ہیں۔ ان ہی روایاتِ مختلفہ کی بناء پر علماء میں بھی اختلاف ہوا ہے کہ حضور ﷺ نے خضاب فرمایا یا نہیں۔ اکثر حضرات کے نزدیک امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا میلان خضاب نہ کرنے کی طرف ہے، حنفیہ بھی اسی طرف مائل ہیں، چنانچہ دُرِّ مختار میں اس کی تصریح کی ہے کہ حضور ﷺ کا خضاب نہ کرنا زیادہ صحیح ہے اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی یہی وجہ بتلائی ہے کہ حضور ﷺ کی داڑھی اور سر مبارک میں بخاری وغیرہ کی روایت کے موافق سترہ بال سفید تھے۔ اور بیجوری شافعی شارح شمائل اس کے قائل ہوئے ہیں کہ حضور ﷺ نے کبھی کبھی خضاب فرمایا اور اکثر نہیں کیا۔

خضاب: مصدر بمعنى التلوين كما في عامة الشروح، وزعم ابن حجرأنه بعيد، واستقرب قول القاموس: الخضاب ككتاب، ما يخضب به، أي: يلون به، وليس كما زعم؛ إذ المبوب به إنما هو بيان تلوين شعره، لا بيان عين ما يلونه؛ لأنه ليس فيه إلاحديث واحد ومعظم ما في الباب الأول. اشهد به: قال ميرك: يروى بصيغة الأمر من الثلاثي المجرد، أي: كن شاهداً على اعترافي بأنه ابني، وفي بعض النسخ بصيغة المتكلم من المجرد أيضاً، أي: أعترف بذلك، قال القاري: فقول الحنفي: روي على صيغة المضارع وعلى صيغة الأمر أيضاً بناء على زعمه أو على وهمه من عدم الفرق بين الرواية والنسخة، والعجب أنه قدم النسخة على الرواية. قلت: وعامّة من ضبط من شراح الحديث بصيغة الأمر.

لا يجني عليك ولا تجني عليه: [أي: بل جنايته عليه وجنايتك عليك، ولا تؤاخذ بذنبه ولا يؤاخذ هو بذنبك؛ لأن الشرع أبطل قاعدة الجاهلية، قال تعالى: ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرَى﴾ (الأنعام:١٦٤)] الشيب أحمر: وفي رواية الحاكم: وشيبه أحمر، مخضوب بالحناء.

قال أبو عيسى: هذا **أحسن** شيء رُوي في هذا الباب **وأفسره**، لأنّ الروايات الصحيحة أن النبي ﷺ **لم يبلغ** الشيب.

مسئلہ: علماء حنفیہ کے نزدیک خضاب مستحب ہے، لیکن مشہور قول کے موافق سیاہ خضاب مکروہ ہے، اور علماء شافعیہ کے نزدیک خضاب سنت ہے مگر سیاہ خضاب حرام ہے۔

(۱) ابو رمثہ کہتے ہیں کہ میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں اپنے ایک لڑکے کو ساتھ لے کر حاضر ہوا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ کیا تیرا یہ بیٹا ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ ہاں حضرت! یہ میرا بیٹا ہے آپ اس کے گواہ رہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس کی جنایت کا بدلہ تجھ پر نہیں اور تیری جنایت کا بدلہ اس پر نہیں (فائدہ میں اس کی وضاحت آئے گی) ابو رمثہ کہتے ہیں کہ اس وقت میں نے حضور ﷺ کے بعض بالوں کو سُرخ دیکھا۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ خضاب کے بارے میں یہ حدیث سب سے زیادہ صحیح اور واضح ہے۔ **فائدہ**: زمانۂ جاہلیت کا دستور تھا کہ بیٹا باپ کے جرم میں ماخوذ ہو جاتا تھا۔ ابو رمثہ نے اسی قاعدہ کی بناء پر یہ عرض کیا تھا کہ اگر کبھی اس امر کی ضرورت پیش آئے تو آپ اس کے گواہ رہیں کہ واقعی یہ میرا بیٹا ہے۔

أحسن: كثيرا ما يقول المصنف في جامعه: هذا أصح شيء في الباب، ولا يلزم من هذه العبارة كما قاله النووي في الأذكار صحة الحديث، فإنهم يقولون: هذا أصح ما في الباب وإن كان ضعيفا، ومرادهم أنه أرجح ماورد في الباب.
وأفسره: [من التفسير بمعنى الكشف والإيضاح.] لم يبلغ: أي: لم يصله و لم يظهر البياض في شعره كثيراً بحيث يحتاج إلى الخضاب، فينبغي أن يفسر شيبه بالحمرة. قال ميرك: وأشار المصنف بهذا الكلام إلى أن الروايات المصرحة بالخضاب في طريق أبي رمثة لم تصح عنده، أو هي مؤولة، قال ابن حجر: كذا قيل، وليس بظاهر؛ لأن الترمذي قائل بالخضاب؛ بدليل سياقه لأحاديثه الآتية، ولأن هذا لو كان مراده لم يسق هذا الحديث في هذا الباب أصلاً، بل كان يقتصر على سياقه في الباب الأول؛ لأن كونه أحمر لا يضره؛ لأن مراده حمرته الذاتية التي هي مقدمة الشيب، فذكره له بتمامه في البابين يدل على أن له مناسبة بكل منهما، وهي أن فيها إثبات الشيب، وهو المناسب للباب السابق، وأنه كان أحمر بالخضاب، وهو المناسب لهذا الباب، وأما الروايات الصحيحة: أنه ﷺ لم يشب، فمعناها: لم يكثر شيبه مع أنه كان يستره بالحمرة في بعض الأحيان. قال القاري: هو كلام حسن لكن فيه أنه لا دلالة على أن الترمذي قائل بالخضاب؛ لإمكان ترجيح عدم عنده، بل هو ظاهر من قوله هذا. قلت: ويؤيد ابن حجر أن الترمذي ذكر أبا رمثة في جامعه في من روى في باب الخضاب، وهو نص رواية الحاكم المتقدمة قريباً، إلّا أن تعليله بالروايات الصحيحة يدل على أنه لم يترجح عنده خضابه ﷺ.

وأبو رمثة: اسمه رفاعة بن يَثربِيّ التيميّ. **حدثنا** سفيان بن وكيع، أخبرنا أبي، عن شريك، عن **عُثمان** بن عبد الله بن مَوْهَبٍ، قال: سُئِل أبو[2] هــريرة: هل خضب رسول الله ﷺ؟ قال: نعم. قال **أبو عيسى** وروى أبو عوانة هذا الحديثَ عن عثمانَ بن عبد الله بن مَوهَبٍ، فقال: عن أم سلمة. **حدثنا** إبراهيم بن هارون، أنبأنا النضر بمعجمة بن زُرَارَة، عن **أبي جَنَابٍ**، عن إياد بن لَقِيط، **عن**[3] **الجَهْذَمَةِ** امرأة بشير بن **الخَصَاصِيَة**، قالت: أنا رأيت رسول الله ﷺ يخرج من بيته، ينفض رأسه، وقد اغتسل، وبرأسه رَدْع،

حضور ﷺ نے زمانۂ جاہلیت کی اس رسم کو رد فرماتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ اسلام کا یہ قاعدہ نہیں کہ "کوئی کرے اور کوئی بھرے" ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرَى﴾ (الأنعام:١٦٤) کوئی شخص دوسرے کے بوجھ کا ذمہ دار نہیں۔

(٢) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کسی شخص نے پوچھا کہ حضور ﷺ نے خضاب کیا؟ انھوں نے کہا کہ ہاں کیا۔

(٣) جہذمہ جو بشیر بن خصاصیہ کی بیوی ہیں، وہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو مکان سے باہر تشریف لاتے ہوئے دیکھا کہ حضور نے غسل فرما رکھا تھا اس لئے سر مبارک کو جھاڑ رہے تھے، اور آپ کے سر پر حنا کا اثر تھا۔

يثربي: قال القاري: نسبة إلى يثرب، وهو من أسماء الجاهلية للمدينة، والتيمي نسبة إلى قبيلة تيم، واختلف فيه، فقيل: هكذا، وقيل: التميمي بميمين كما في التهذيب وغيره، اختلف في اسمه أيضا على أقوال. عثمان: منسوب إلى جده؛ لأنه عثمان بن عبد الله بن موهب بكسر الهاء أو بفتحها قولان للعلماء، ورجح شراح الشمائل فتحها. قال أبو عيسى: يعني أن أبا عوانة جعل الحديث من مسانيد أم سلمة بدل أبي هريرة، والغرض بيان الاختلاف بين شريك وأبي عوانة تلميذي عثمان، وحقق القاري: أن ما وقع فيه من شريك وهم، والصواب رواية أبي عوانة، يعني كونها من مسانيد أم سلمة، فتأمل.

أبو جناب: بجيم مفتوحة فنون كسحاب، هو يحيى بن أبي حية الكلبي، كذا في الشروح وكتب الرجال، فما في النسخ من غيره غلط. الجهذمة: بفتح الجيم وسكون الهاء وفتح الذال المعجمة بعدها ميم، امرأة بشير بفتح أوله كبديع، وقال المناوي: جهذمة صحابية، غيّر النبي ﷺ اسمها فسماها ليلى، وبشير سماه به النبي ﷺ تغييرًا لاسمه زحما. الخصاصية: بفتح المعجمة وبصادين مهملتين وتخفيف التحتية، والتشديد لحن، كذا نقل عن صاحب القاموس رداً على ابن الأثير، وتعقبه شراح الشمائل: بأن اللحن إذا كان الخصاصية مصدراً، أما إذا كان الخصاصة بمعنى الفقر والياء للنسبة فلا مانع، لكنهم جزموا بأن الرواية بالتخفيف.

– أو قال: رَدْغٌ – من حنّاء، شَكَّ في هذا **الشيخ**. **حدثنا** عبد الله بن عبد الرحمن، أخبرنا عمرو بن عاصم، أخبرنا حماد بن سَلَمَة، أخبرنا حميدٌ، **عن**(٤) أنس ﷺ قال: رأيت شَعْر رسول الله ﷺ **مخضوبا**. قال حماد: وأخبرنا عبد الله بن محمّد بن عقيلٍ قال: رأيت شَعْر رسول الله ﷺ عند أنس بن مالك مخضوبا.

---

(۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کے بالوں کو خضاب کیا ہوا دیکھا۔ **فائدہ**: حضور اقدس ﷺ کے خضاب میں مختلف روایتیں ہیں جیسا کہ مفصّل گزر چکا ہے، لیکن اس روایت میں ایک خاص اشکال ہے وہ یہ کہ اس سے پہلے باب کی سب سے پہلی حدیث میں خود حضرت انس رضی اللہ عنہ سے خضاب کی نفی مذکور ہو چکی ہے لیکن دونوں روایتیں اگر صحیح مان لی جائیں تو مختلف اوقات پر محمول ہو سکتی ہیں۔

أو قال: يعني شك شيخي إبراهيم في هذا اللفظ في أنه أ سمعه من شيخه بالعين المهملة أو بالغين المعجمة، لكن قال القسطلاني: اتفق المحققون على أن الردغ بالمعجمة غلط في هذا الموضع؛ لإطباق أهل اللغة على أنه بالمهملة لطخ من زعفران. قال الحافظ: هو بمهملة: الصبغ، وبمعجمة: الطين الكثير، وقال السيوطي: ضبطوه في كتب اللغة بمهملات.
ردغ: [الردغ: هو تغيير اللون بالصبغ من حناء أو غيره.] الشيخ: أي: شيخ المصنف، وفي نسخة: الشك هو لإبراهيم بن هارون. مخضوباً: قال القاري: قد مرّ في الأحاديث الصحيحة عن أنس أنه ﷺ لم يخضب، فلعله أراد بالنفي أكثر أحواله، وبالإثبات إن صح عنه الأقل، ويجوز أحدهما على الحقيقة والآخر على المجاز.

باب ما جاء في كُحل رسول الله ﷺ

(١) **حدثنا محمّد** بن حميدٍ **الرّازي**، أنبأنا أبو داود الطيالسي، عن عبّادٍ بن منصور، عن عِكْرمَة، **عن** ابن عباس رضي الله عنهما أن النبي ﷺ قال: اِكتَحِلُوا **بالإثمد**، فإنه يجلو الْبصَرَ، **ويُنْبِت الشعر**.

باب حضور اقدس ﷺ کے سُرمہ کا بیان

فائدہ: سُرمہ آنکھ میں ڈالنا مستحب ہے، آدمی کو چاہئے کہ ثواب کی نیت سے سُرمہ ڈالے کہ اس میں آنکھ کو فائدہ پہنچنے کے علاوہ اتباع کا ثواب بھی ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں پانچ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اثمد کا سرمہ آنکھوں میں ڈالا کرو، اس لئے کہ وہ آنکھ کی روشنی کو بھی تیز کرتا ہے اور پلکیں بھی زیادہ اگاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ یہ بھی کہتے تھے کہ حضور ﷺ کے پاس ایک سرمہ دانی تھی جس میں سے تین تین سلائی ہر رات آنکھوں میں ڈالا کرتے تھے۔

فائدہ: اثمد ایک خاص سرمہ کا نام ہے جو سیاہ سرخی مائل ہوتا ہے، بلادِ مشرقیہ میں پیدا ہوتا ہے، بعض اکابر اس سے اصفہانی سُرمہ مراد بتلاتے ہیں اور بعض نے توتیا بتلایا ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ اس سے مراد تندرست آنکھوں والے اور وہ لوگ ہیں جن کو موافق آجائے ورنہ مریض آنکھ اس سے زیادہ دکھنے لگتی ہے۔ سرمہ کا سوتے وقت ڈالنا زیادہ مفید ہے کہ آنکھ میں دیر تک باقی بھی رہتا ہے اور مسامات میں سرایت اس وقت زیادہ کرتا ہے۔ سلائی کے بارے میں بھی مختلف روایتیں ہیں، بعض روایات میں دونوں آنکھ میں تین تین وارد ہوئی ہیں جیسا کہ ابھی گذرا ہے، اور بعض روایات میں دائیں آنکھ میں تین اور بائیں میں دو وارد ہوئی ہیں۔ یہ مختلف اوقات پر محمول ہیں کہ بعض مرتبہ حضور ﷺ ایسا فرماتے تھے اور بعض مرتبہ ایسا۔

الكحل: بالضم: كل ما يوضع في العين للاستشفاء، وبالفتح: جعل الكحل في العين، قال القسطلاني: المسموع من الرواة الضم، وإن كان للفتح وجه بحسب المعنى. الرازي: نسبة إلى الري، مدينة كبيرة مشهورة من بلاد الديلم، وزادوا الزاي في النسب إليها. بالإثمد: [كحل معدني معروف، ومعدنه بالمشرق، وهو أسود يضرب إلى حمرة.]
وينبت الشعر: [أي: يقوي طبقات شعر العينين التي هي الأهداب.] الشعر: بفتح العين للازدواج وهو الرواية.

وزعم أن النبي ﷺ كانت له **مُكْحُلَة** يكتحل منها كُلَّ ليلة، ثلاثةً في هذه، وثلاثةً في هذه.

حدثنا عبد الله بن **الصَّبَّاح** الهاشميّ البصريّ، أخبرنا عبيد الله بن موسى، أخبرنا إسرائيل، عن عبّاد بن منصور. ح وحدثنا عليّ بن حُجْر، حدثنا يزيد بن هارون، أنبأنا عبّاد بن منصور، عن عِكْرِمة، **عن** (٢) ابن عباس رضي الله عنهما قال: كان النبي ﷺ يكتحل قبل أن يَنام بالإثمد ثلاثا في كلّ عين.

حافظ ابن حجر اور ملا علی قاری رحمہما اللہ وغیرہ حضرات نے پہلی صورت کو راجح فرمایا ہے، چنانچہ نبی اکرم ﷺ سے بھی متعدد احادیث میں یہی صورت نقل کی گئی ہے، جیسا آئندہ روایات میں آرہا ہے۔

(۲) ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ سونے سے قبل ہر آنکھ میں تین سلائی اثمد کے سُرمہ کی ڈالا کرتے تھے، اور ایک روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہ ہی سے منقول ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے پاس ایک سُرمہ دانی تھی جس سے سونے کے وقت تین تین سلائی آنکھ میں ڈالا کرتے تھے۔

وزعم: [المراد بالزعم هنا مجرد القول، وإن كان أكثر ما يستعمل في الشك، وقيل: المراد هنا: القول المحقق] أي ابن عباس كما يفهم من رواية ابن ماجه، ويصرح به الروايات الآتية، وقيل: محمد بن حميد. و"الزعم" قد يطلق على القول المحقق وإنكان أكثر ما يستعمل فيما يشك فيه، فإن كان الضمير لابن عباس فالمراد به: القول المحقق، وإن كان لمحمد على ماجوزه بعضهم فالزعم على معناه المتبادر، فإشارة إلى ضعفه بإسقاط الوسائط بينه وبين النبي ﷺ، لكن فيه أنه لو كان القائل ابن عباس لقيل: "وإن النبي ﷺ"، ولم يكن لذكر "زعم" فائدة، إلا أن يقال: إنه أتى لطول الفصل، كما يقع إعادة "قال" في كثير من العبارات، وإيماء إلى أن الأول مرفوع والثاني موقوف، والأول قولي والثاني فعلي، وأما قول العصام: الأوجه نسبة الزعم إلى ابن حميد، ويؤيده نسبة هذا القول في الحديث الثاني إلى يزيد بن هارون، فغير صحيح؛ لأن المراد بقول المصنف في الحديث الآتي: قال يزيد في حديثه، أي: حديثه الذي يرويه عن ابن عباس، لا أنه في حديث نفسه، والمقصود المغايرة اللفظية من الرواة قاله القاري، وجزم البيجوري أيضاً: أن فاعل "زعم" ابن عباس، وقال المناوي: زعم، أي: محمد بن حميد كما هو المتبادر من لفظ الزعم؛ إذ أكثر إطلاقه على ما يشك، وتطرق الشك ههنا من حيث أنه لم يسنده، أو الضمير لا بن عباس كما أفهمته رواية ابن ماجه، فالمراد بالزعم مجرد القول.

مكحلة: [وهي آلة الكحل، وهي: ما يوضع فيه الكحل] بضم الأول والثالث، وكان القياس الكسر؛ إذ هو اسم آلة، فهو من النوادر. ثلاثةً في هذه: [أي: ثلاثة متواليات في اليمنى وثلاثة في اليسرى.] الصَّبّاح: بفتح الصاد المهملة وتشديد الموحدة.

ح: هذه علامة التحويل من سند إلى سند آخر، فإنهم يكتبون عند الانتقال من سند إلى آخر لفظ "ح" روماً للاختصار، وهي في كتب المتأخرين أكثر من كتب المتقدمين. ثم هي مختصرة من التحويل، أو من الحائل، أو من صح، أو من الحديث أقوال للعلماء، وأيضاً هل ينطق بها مفردة ثم يمر في قراءته، أو ينطق بلفظ ما رمز بها له، أو لا ينطق بها أصلاً، ثلاثة أقوال لأهل الأصول، والجمهور على الأول. وملتقى السندين ههنا عبّاد بن منصور.

وقال يزيد بن هارون في حديثه: إن النّبي ﷺ كانت له مُكْحُلَة يكتَحِل منها عند النوم ثلاثًا في كل عين. **حدثنا** أحمد بن منيع، أنبأنا محمد بن يزيد، عن محمد بن إسحاق، عن محمد بن المنكدر، **عن**[۳] جابر — هو ابن عبد الله– قال: قال رسول الله ﷺ: عليكم **بالإثمد عند النوم**، فإنه يجلو البصر، ويُنبِت الشَّعر. **حدثنا** قتيبة بن سعيد، قال: أخبرنا بِشْرُ بن المُفَضَّل، عن عبد الله بن عثمان بن **خُثَيم**، عن سعيد بن جُبير، **عن**[٤] ابن عباس رضي الله عنهما قال: قال رسول الله ﷺ: إنّ خيرَ أَكْحا لكم الإثمد، يجلو البصر، ويُنْبِت الشعر. **حدثنا** إبراهيم بن **المستمرّ** البصريّ، حدثنا أبو عاصم، عن عثمان بن عبد الملك، عن سالم، **عن**[٥] ابن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله ﷺ: عليكم بالإثمد، فإنه يجلو البصر، وينبت الشعر.

ضحاك بن مخلد

أي: خذوا

(۳) حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اثمد کا سُرمہ ضرور ڈالا کرو، وہ نگاہ کو روشن بھی کرتا ہے اور پلکیں بھی خوب اگاتا ہے۔

(۴) ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ تمہارے سب سُرموں میں سُرمہ اثمد بہترین سُرمہ ہے، آنکھ کو بھی روشنی پہنچاتا ہے اور پلکیں بھی اگاتا ہے۔ **فائدہ**: اس حدیث کے راویوں میں بشر بن مفضل کے متعلق علماء نے لکھا ہے کہ ان کا معمول چار سو رکعات نفل روزانہ پڑھنے کا تھا اور ایک دن افطار اور ایک دن روزہ، یہ دائمی معمول تھا۔

(۵) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بھی حضور اقدس ﷺ سے یہی نقل کیا کہ اثمد ضرور ڈالا کرو، وہ نگاہ کو بھی روشن کرتا ہے اور پلکیں بھی اگاتا ہے۔ **فائدہ**: ان سب روایتوں میں اثمد کی ترغیب ہے لیکن ان سے وہی آنکھیں مراد ہیں جن کو موافق آجائے ورنہ بعض عوارض کی وجہ سے بعض لوگوں کو یہ سُرمہ موافق نہیں آتا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ علماء نے ان ارشادات اور معمولات کی وجہ سے لکھا ہے کہ سُرمہ ڈالنا سنت ہے اور خاص اثمد کا سُرمہ افضل ہے، لہٰذا اگر اثمد کے علاوہ کوئی اور سرمہ ڈالے تب بھی سنت ادا ہو جائے گی البتہ فضیلت اس کے لئے ہے۔

وقال يزيد إلخ: ليس بمعلق ولا مرسل كما توهم، بل هذا بيان اختلاف الرواة في رواية ابن عباس، فهو موصول بالإسناد السابق. وقد أخرج المؤلف في الجامع طريق يزيد بن هارون عن علي بن حجر بالإسناد المذكور، وبهذا تبين بطلان قول عصام فيما سبق من الكلام، قاله القاري. عند النوم: [لأنه حينئذ أدخل وأنفع.] خثيم: بخاء معجمة فمثلثة مصغراً، كذا ضبطه المناوي والبيجوري، فما في النسخ "خيثم" غلط، وكذا سعيد بن جبير بجيم مضمومة فموحدة مفتوحة وسكون ياء كما في المغني. المستمرّ: بصيغة اسم الفاعل من الاستمرار.

بَابُ مَا جَاءَ فِي لباس رسُول الله ﷺ

ما يلبس به

حدثنا محمد بن حميد الرازي، أنبأنا الفضل بن موسى وأبو تُمَيلةَ وزَيد بن حُبَابٍ، عن عبد المؤمن ابن خالد، عن عبد الله بن بُرَيدَة، عن أم[1] سلمة قالت: كان أحب الثياب إلى رسول الله ﷺ القميص. حدثنا عليّ بن حُجر، حدثنا الفضل بن موسى، عن عبد المؤمن بن خالد، عن عبد الله بن بُريدة، عن[2] أم سلمة قالت: كان أحب الثياب إلى رسول الله ﷺ القميص.

باب حضور اقدس ﷺ کے لِبَاس کا ذکر

فائدہ: اس باب میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے سولہ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔ لباس کے بارے میں علماء فرماتے ہیں کہ آدمی کا لباس کوئی واجب ہوتا ہے، کوئی مستحب، کوئی حرام، کوئی مکروہ اور کوئی مباح۔ آدمی کو لباس کے وقت اہتمام سے مندوبات کی طرف رغبت اور مکروہات سے اجتناب ہونا چاہئے۔ واجب وہ مقدارِ لباس ہے جس سے ستر عورت کیا جائے۔ اور مندوب وہ ہے جس کے پہننے کی شریعت میں ترغیب آئی ہو، جیسے عمدہ کپڑا عید، بقرعید کے لئے اور سفید کپڑا جمعہ کے لئے۔ مکروہ وہ ہے جس کے نہ پہننے کی ترغیب آئی ہو، جیسے غنی کے لئے ہمیشہ پھٹے پُرانے کپڑے پہننا۔ حرام وہ ہے جس کے پہننے کی ممانعت آئی ہو، جیسے مرد کے لئے ریشمی کپڑا بلا عذر پہننا۔

(۱،۲) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ حضور اقدس ﷺ سب کپڑوں میں کُرتے کو زیادہ پسند فرماتے تھے۔

لباس: [ما يستر الجسم.] أبو تميلة: بالمثناة الفوقانية مصغراً، ووهم من قال بالمثلثة. هو يحيى بن واضح الأنصاري، أخرج حديثه الستة. حُباب: بمهملة وموحدتين بينهما ألف كتراب، أبو الحسين العكلي الخراساني. عبد المؤمن: يعني أن الفضل وأبا تميلة وزيداً كلهم يروون عن عبد المؤمن، وعبد المؤمن ليس له عند المصنف إلّا هذا الحديث. أحب: [لأنه أستر للبدن من غيره وأخف على البدن.] القميص: المشهور في الرواية أن لفظ "أحبّ" اسم لـ"كان" فيكون مرفوعاً، و"القميص" خبره، فيكون منصوباً، وروي عكسه أيضاً. قال البيجوري: القميص: اسم لما يلبس من المخيط الذي له كمّان وجيب، يلبس تحت الثياب، ولا يكون من صوف، كذا في القاموس، ماخوذ من التقمّص بمعنى التقلّب؛ لتقلب الإنسان فيه، وقيل: باسم الجلدة التي هي غلاف القلب، فإن اسمها القميص. علي بن حجر: لم يختلف متن الرّواية في هذه الأحاديث الثلاثة، وإنّما كرّرها؛ لاختلاف السند من مبدأه، وفي الطريق الثالث زيادة لفظ "يلبسه".

حدثنا زياد بن أيوب **البغداديّ**، حدثنا أبو تُميلَةَ، عن عبد المؤمن بن خالد، عن عبد الله بن بُريدة، **عن**(۳) **أمه**، عن أم سَلَمة قالت: كان أحب الثياب إلى رسول الله ﷺ يلبسه القميص.

فائدہ: حضور اقدس ﷺ کے کُرتے کو زیادہ پسند فرمانے کی وجوہ علماء نے مختلف تحریر فرمائی ہیں، بعض کہتے ہیں کہ اس سے بدن اچھی طرح ڈھانکا جاتا ہے بخلاف لنگی وغیرہ کے، اس لئے وہ پسند تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ کم قیمت ہونے اور بدن پر بوجھ نہ ہونے کی وجہ سے بخلاف چادر وغیرہ کے۔ بعض کی رائے ہے کہ اس سے تکبّر نہیں پیدا ہوتا برخلاف بعض اور کپڑوں کے۔ بندۂ ناچیز کے نزدیک اس کی وجہ بظاہر یہ ہے کہ کُرتے میں ستر عورت بھی اچھی طرح سے ہوجاتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ تجمّل اور زینت بھی اچھی ہوجاتی ہے، برخلاف اور کپڑوں کے کہ اُن سے یا تجمّل میں کمی رہے گی جیسے لنگی، یا ستر عورت میں جیسے چادر۔ اس باب کی آٹھویں حدیث بظاہر اس حدیث کے مخالف ہے، اس کے ساتھ تطبیق اُسی جگہ ذکر کی جائے گی۔

(۳) ایسے ہی ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بعض لوگوں نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کو پہننے کے لئے سب کپڑوں میں سے کُرتا زیادہ پسند تھا۔ **فائدہ:** مُلا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے دمیاطی سے نقل کیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا کُرتا سوت کا بنا ہوا تھا جو زیادہ لمبا بھی نہ تھا اور اس کی آستین بھی زیادہ لمبی نہ تھی۔ بیجوری نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ کے پاس صرف ایک ہی کُرتا تھا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ کا معمول صبح کے کھانے میں سے شام کے لئے بچا کر رکھنے کا نہ تھا، نہ شام کے کھانے میں سے صبح کے لئے بچانے کا تھا، اور کوئی کپڑا کُرتا یا چادر یا لنگی یا جُوتا دو عدد نہ تھے۔ مناوی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ حضور کا کُرتا زیادہ لمبا نہ ہوتا تھا، نہ اس کی آستینیں لمبی ہوتی تھیں۔ دوسری حدیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ حضور کا کُرتا ٹخنوں سے اونچا ہوتا تھا۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ نصف پنڈلی تک ہونا چاہئے۔

زياد: بكسر زاي فمثناة تحتية كعماد. البغداديّ: نسبة إلى البلد المشهور وهو مدينة السلام، قيل في وجه تسميته: أن "بغ" اسم لصنم لأهل المشرق، و"داد" بمعنى العطية، أي: عطية صنم بغ، ولذا كره ذاك الاسم بعض العلماء.

أمّه: قال الزين العراقي: يحتاج الحال إلى معرفتها، و لم أرمن ترجمها. قال المناوي: وهكذا سكت عن حالها غير واحد من شرّاح الشمائل، و لم يذكرها الحافظ في المبهمات ولا الكنى، وذكر في مشائخ ابن بريدة أباه دون أمه.

قال أبو عيسى: هكذا قال زياد بن أيوب في حديثه: عن عبد الله بن بُريدة، عن أمه، عن أم سَلَمة، وهكذا رَوى غيرُ واحدٍ عن أبي تُمَيلَة مثل رواية زياد بن أيوب، **وأبو تُمَيلة** يزيد في هذا الحديث "عن أمه" وهو أصح. **حدثنا** عبد الله بن محمد بن الحَجَّاج،

---

(۴) حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ کے کُرتے کی آستین پہونچے تک ہوتی تھی۔ **فائدہ:** یہ روایت بظاہر اس روایت کے خلاف ہے جس میں آستین کا پہونچے سے نیچا ہونا وارد ہوا ہے۔ علماء نے ان دونوں روایتوں کو چند طریق سے جمع کیا ہے اولاً یہ کہ تعدّدِ اوقات پر حمل کی جائیں کہ کبھی ایسی ہوتی تھیں اور کبھی اس طرح۔ دوم یہ کہ آستین جس وقت میں سُکڑی ہوتی تھی تو پہنچے تک اور جس وقت کہ سیدھی ہوتی تھی تو پہنچے سے نیچے تک بھی ہو جاتی تھی۔ بعض لوگوں نے دونوں روایتوں کو تخمینہ پر حمل فرمایا ہے اس صورت میں کوئی اشکال ہی نہیں۔ مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بذل المجہود میں تحریر فرمایا ہے کہ پہونچے تک کی روایات افضلیت پر محمول ہیں اور زیادہ کی روایت بیانِ جواز پر۔ علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ کُرتے کی آستین میں سنت یہ ہے کہ پہونچے تک ہو اور کُرتے کے علاوہ چوغہ وغیرہ میں نیچے تک، لیکن انگلیوں سے متجاوز نہ ہو۔

قال أبو عيسى: غرض المصنف بهذا الكلام: أن عبد المؤمن روى عنه الفضل بن موسى وزيد بن حباب فقالا: عن عبد الله بن بريدة عن أم سلمة، و لم يذكرا واسطة أم بريدة، وروى عنه أبو تميلة أيضاً، لكن اختلف عليه في إسناده، فروى عنه ابن حميد بدون ذكر الواسطة، وروى عنه زياد بن أيوب بواسطة الأم، وتابع زياداً على هذه الزيادة غير واحد، فالراجح وجود الواسطة في هذه الرواية، وحكى المصنف في جامعه عن البخاري: أن حديث ابن بريدة عن أمه عن أم سلمة أصح، كما سيأتي.

وأبو تُمَيلة: قال البيجوري: الذي قرّره العصام أن قوله: "وهو أصح" مفعول "يزيد" فقوله: "عن أمه" ليس مفعول "يزيد" وإنما أتى به تعييناً لمحل الزيادة، والمعنى على هذا: أن أبا تميلة يزيد في هذا الحديث لفظ "وهو أصح" ومحل هذه الزيادة بعد قوله: "عن أمه"، وقرّر بعضهم: أن المزيد هو قوله: "عن أمه" وجعل قوله: "وهو أصح" من كلام الترمذي، والمعنى على هذا: أن أبا تميلة يزيد في هذا الإسناد لفظ "عن أمه"، و هذا الإسناد الذي فيه زيادة "عن أمه" أصح من الإسناد الذي فيه إسقاطها، وهذا التقرير هو المتبادر، لكن أورد عليه: أن قوله: "وأبو تميلة يزيد" إلخ معلوم مما سبق، فهو زيادة لا فائدة فيها، واعتذر عنه: بأنه تأكيد لما سبق. قلت: واختار القاري والمناوي أيضاً ما قرره العصام، والظاهر عندي الثاني، وما أوردوا عليه من: أنه تكرار لا فائدة فيه، غير صحيح؛ لأنه لم يعرف مما سبق أن الزيادة من أبي تميلة، أو من الرواة عنه، ولذا قال المصنف في الجامع: وروى بعضهم هذا الحديث عن أبي تميلة، عن عبد المؤمن، عن عبد الله بن بريدة، عن أُمّه، عن أم سلمة، وسمعت محمد بن إسماعيل قال: حديث ابن بريدة عن أمه عن أم سلمة أصح، وإنما يذكر فيه أبو تميلة عن أمه. فهذا قوله: "إنما يذكر أبو تميلة" مثل قوله: "أبو تميلة يزيد" لا فرق بينهما.

حدثنا مُعَاذ بن هشام، حدثني أبي، عن بُدَيل العُقَيليّ، عن شهر بن حَوْشَب، عن[٤] أسماء بنت يزيد قالت: كان كُمُّ قميص رسول الله ﷺ إلى الرّسغ. حدثنا أبو عمّار الحسين بن حُرَيث، أخبرنا أبو نعيم، أخبرنا زهير، عن عُروة بن عبد الله بن قُشَير، عن معاوية بن قُرّة، عن[٥] أبيه قال: أتيت رسول الله ﷺ في رهط من مُزَينَة لنبايعه، وإنّ قميصَه لَمُطلَقٌ - أو قال:

كفلس — كجعفر — مصغراً — قبيله وگروه — كشاده

(۵) قُرّة بن ایاس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں قبیلہ مزینہ کی ایک جماعت کے ساتھ بیعت کے لئے حاضر ہوا تو حضور ﷺ کے کُرتے کا تکمہ کھلا ہوا تھا، میں نے آپ کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر تبرکاً مہر نبوّت کو چھوا۔ **فائدہ:** ان کی حاضری جس وقت ہوئی تو نبی اکرم ﷺ کا گریبان کھلا ہوا تھا، اسی حالت میں ان کو زیارت ہوئی۔ محبت کا لازمہ ہے کہ محبوب کی ہر ادا دل میں گھپ جائے۔ عروہ جو اس حدیث کے راوی ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میں نے معاویہ کو اور ان کے بیٹے کو کبھی بھی گریبان کی گھنڈی لگائے نہیں دیکھا، گرمی ہو یا سردی ہمیشہ ان کی گھنڈیاں کھلی رہتی تھیں۔ ان حضرات کے اسی عشق کی بدولت آج نبی کریم ﷺ کی ایک ایک ادا اُمت کے پاس محفوظ ہے۔ جزاهم الله عنا وعن سائر الأمة أحسن الجزاء.

بديل: بدال مهملة مصغراً، هو ابن ميسرة كما في نسخة. والعقيلي مصغراً، نسبة إلى عقيل بن كعب بن عامر. كُمُّ: [مدخل اليد ومخرجها من القميص والثوب.] الرسغ: [مفصل ما بين الكف والساعد من الإنسان] بضم الراء وسكون السين أو الصاد لغتان، ثم غين معجمة، وهو: مفصل ما بين الكف والساعد، والحكمة فيه: أنه إن جاوز اليد منع لابسه سرعة الحركة والبطش، وإن قصر عن الرسغ تأذي الساعد بالحر والبرد.

قشير: بقاف وشين معجمة مصغراً، وكذلك "الحسين" و"حريث" و"نعيم وزهير" كلهم مصغرون، و"قرة" بضم القاف وتشديد الراء. رهط: [اسم جمع، لا واحد له من لفظه، وهو من ثلاثة إلى عشرة أو إلى أربعين، ويطلق على مطلق القوم.] مزينَة: [بالتصغير، قبيلة من مُضر، وأصله اسم امرأة] بضم ميم وفتح زاء وسكون تحتية، قبيلة معروفة من مضر. قاري. مسماة باسم إحدى جدهم، والجار والمجرور صفة لـ "رهط". لنبايعه: أي على الإسلام، وهو متعلق بقوله: "أتيت".

أو قال: قال حنفيّ: الشك من معاوية أو ممن دونه، وتعقبه العصام فقال: الشك من معاوية، ومن قال: منه أو ممن دونه، فقد ارتاب، وتبعه ابن حجر، وردهما ميرك بقوله: الشك من شيخ الترمذي، وحققه القاري لروايات: منها ما أخرجه ابن سعد وابن ماجة عن أبي نعيم بهذا السند بغير شك.

زِرّ قميصه مُطْلَقٌ – قال: فَأدخلت يدي في جيب قميصه، فمَسسْت الخاتم. **حدثنا** عبد بن حُمَيْد، حدثنا محمد بن الفَضْل، أخبرنا حماد بن سَلَمة، عن حبيب بن الشَّهيد، عن الحسن، **عن** أنس[(٦)] بن مالك رضی اللہ عنہ أن النبي ﷺ خرج، وهو **متكئ** على أسامة بن زيد، عليه ثوب **قِطْرِيّ**، **قد تَوَشَّح به**، فصلّى بهم. وقال عبد بن حميد: قال محمد بن الفضل: سألني يحيى بن مَعين عن هذا الحديث أوّل مَا جَلَسَ إليّ، فقلت: حدثنا حمّاد بن سَلَمة، فقال: **لوكان** من كتابك! فقمت لأخرج كتابي،

(بفتح التاء) (التوشح قلادہ در گردن افگندن) (بفتح الميم) (من المجلس) (من بيتي)

(٦) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ حضرت اسامہ پر سہارا لگائے ہوئے مکان سے تشریف لائے، اس وقت حضور اقدس ﷺ پر ایک یمنی منقّش کپڑا تھا جس میں حضور اقدس ﷺ لپٹے ہوئے تھے، پس حضور ﷺ نے باہر تشریف لاکر صحابہ کو نماز پڑھائی۔ **فائدہ:** یہ قصہ حضور اقدس ﷺ کی بیماری کا ہے چنانچہ دار قطنی نے اس کی تصریح کی ہے، اسی لئے حضور ﷺ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ پر سہارا لگا رکھا تھا، اور غالب یہ ہے کہ مرض الوفات کا قصہ ہے کہ اس قسم کے واقعات اس میں پیش آئے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ کے کسی چیز پر ٹیک لگانے کے باب میں بھی یہ حدیث آئے گی۔ اس حدیث کی سند کے متعلق ایک عجیب قصّہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمایا ہے جس سے حضرات محدثین رحمہم اللہ کا حدیث کے ساتھ شدّتِ اشتیاق اور ان کی نگاہ میں دُنیا کی بے ثباتی معلوم ہوتی ہے۔ محمد بن الفضل کہتے ہیں کہ یحیی بن معین (جو علمِ حدیث کے بڑے جلیل القدر امام ہیں، حتی کہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ انھوں نے دس لاکھ حدیثیں اپنے ہاتھ سے لکھی ہیں) نے بیٹھتے ہی اس حدیث کو مجھ سے دریافت کیا، میں نے سُنانا شروع کیا تو وہ فرمانے لگے کہ کاش! اپنی کتاب سے سُناتے تاکہ زیادہ قابلِ اطمینان ہوتی۔

مُتَكئ: [الاعتماد على الغير لضعف الإنسان من مرض أو غيره] اسم فاعل من الاتكاء، وفي نسخة: "متوكّئ" من التوكأ، وكلاهما بمعنى واحد وهو: الاعتماد، قاله القاري. واختلف في إسناد هذا الحديث كما يأتي في باب اتكائه ﷺ.

قِطري: بكسر القاف وسكون الطاء بعدها راء ثم ياء النسب، نسبة إلى القطر بالكسر، وهو نوع من البرود اليمنية، يتخذ من قطن، وفيه حمرة وأعلام مع خشونة، أو نوع من حلل جياد، يحمل من بلد بالبحرين اسمها قطر بفتحتين، فكسرت القاف وسكنت الطاء على خلاف القياس، وقال الحافظ ابن حجر: ثياب من غليظ القطن ونحوه.

قد توشّح به: [أي: وضعه فوق عاتقيه، أو اضطبع به كالمحرم، أو خالف بين طرفيه وربطهما بعنقه.] لو كان: إن كان للشرط فجوابه محذوف، أي: لكان أحسن؛ لما فيه من زيادة التثبت، وإن كان للتمني فلا يحتاج إلى الجواب.

فقَبض على ثوبي، ثم قال: **أمِلّه عليّ**، فإني أخاف أن لا ألقاك، قال: فأمليتُه عليه، ثم أخرجت كتابي فقرأت عليه. **حدثنا** سُويد بن نصر، أخبرنا عبد الله بن المبارك، عن سعيد بن إياس الجُريريّ، عن **أبي نضرة عن**(٧) أبي سعيد الخدريّ ؓ قال: كان رسول الله ﷺ إذا **اسْتَجَدّ** ثوبا **سَمّاه باسمه** عمامة، أو قميصاً،

بكسر الهمزة وتخفيف الياء
بكسر العين

محمد بن فضل کہتے ہیں کہ میں کتاب لینے کے لئے اندر جانے لگا تو یحیی بن معین ؓ نے میرا کپڑا پکڑ لیا اور یہ کہنے لگے کہ پہلے مجھے حفظ ہی لکھاتے جاؤ موت حیات کا کچھ اعتبار نہیں، ممکن ہے کہ میں پھر مل سکوں نہ مل سکوں، کتاب دیکھ کر دوبارہ سُنا دینا۔ محمد بن فضل کہتے ہیں کہ اول میں نے حفظ سُنائی اور پھر کتاب لاکر دوبارہ دیکھ کر سُنائی۔ اللہ اکبر! ان کو طرفین کی حیات کا اس قدر بھی اطمینان نہیں تھا کہ اندر سے کتاب لانے تک زیست کا یقین ہو اور حدیث کا شغف کہ اس کے فوت ہو جانے کا بعید خطرہ بھی گوارہ نہ ہوا۔

(۷) ابو سعید خدری ؓ فرماتے ہیں کہ جب حضور اقدس ﷺ کوئی کپڑا پہنتے تو اظہارِ مسرّت کے طور پر اس کا نام لیتے، مثلاً اللہ تعالیٰ نے یہ کرتا مرحمت فرمایا، ایسے ہی عمامہ چادر وغیرہ، پھر یہ دعا پڑھتے: **اَللّٰهُمّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا كَسَوْتَنِيْهِ، أسْأَلُكَ**

فقبض على ثوبي: [أي: ضمّ عليه أصابعه، ومنه مقبض السيف، وغرضه من ذلك: منعه من دخول الدار؛ لشدة حرصه على حصول الفائدة خشية فوتها.] **أمِلّه**: بلام مشددة مفتوحة مع كسر الميم من الإملال، وهو بمعنى: الإملاء، أو بسكون الميم وكسر اللام المخففة من الإملاء، يقال: أمللت الكتاب وأمليته إذا ألقيته على الكاتب ليكتب، [وفي نسخة: أمِلْله بلامين.] والمعنى حدثني بالإملاء أوّلا قبل أن تجيء بالكتاب، وفيه كمال التحريض على تحصيل العلم.

أبي نضرة: بنون مفتوحة وضاد معجمة ساكنة، وتقدم في باب الخاتم فارجع اليه. **استجد**: أي: لبس ثوبا جديداً، وقوله: سماه باسمه، زاد في بعض النسخ: عمامة أو قميصاً أو رداءً أو غيرها، أي: يقول: "هذه عمامة" مثلا، وتعقب: بأن كلامه ؑ تصان عن الخلو عن الفائدة، وهذه لا فائدة فيه، وأجيب: بأن القصد إظهار النعمة، أو يقول: "كساني الله هذا القميص" مثلا. قلت: والأوجه عندي ما قال المظهر: أنه بيان لضمير "كسوتنيه"، أي: يقول في القميص مثلاً: اللّٰهم لك الحمد كما كسوتني هذا القميص، وكذا في غير القميص من العمامة وغيره، ويؤيده لفظ جمع الفوائد: إذا استجد ثوبا قال: اللّٰهم لك الحمد أنت كسوتني هذا، ويسميه باسمه إما قميصا وإما عمامة، الحديث. لكن فيه أنه روى الحديث عن أبي داود والترمذي، ولفظهما في أصليهما مثل الشمائل، فتأمل. **سمّاه باسمه**: [أي: يقول: هذا ثوب، وهذه عمامة إلى غير ذلك، أو يسمّيه باسم يميزه عن غيره.]

أو رداءً ،ثم يقول: اللّٰهُمَّ لَكَ الحَمْدُ كَمَا كَسَوْتَنِيْهِ، أَسْأَلُكَ خَيْرَه وَخَيْرَمَا صُنِعَ لَه، وأعُوذُبكَ مِنْ شَرّه وَشَرّمَا صُنِعَ لَه. حدثنا هشام بن يونس الكوفيّ، أنبأنا القاسم بن مالك المزنيّ، عن الجُرَيرِيّ، عن أبي نضرة، عن أبي سعيد الخدريّ، عن النبي ﷺ نحوه.

ثقة من العاشرة — من التكبر والخيلاء

خَيْرَه وَخَيْرَمَا صُنِعَ لَه وأعُوذُبِكَ مِنْ شَرّه وشَرّمَا صُنِعَ لَه. ترجمہ: اے اللہ! تیرے ہی لئے تمام تعریفیں ہیں اور اس کپڑے کے پہنانے پر تیرا ہی شکر ہے، یا اللہ تجھ ہی سے اس کپڑے کی بھلائی چاہتا ہوں (کہ خراب نہ ہو ضائع نہ ہو) اور ان مقاصد کی بھلائی اور خوبی چاہتا ہوں جن کے لئے یہ کپڑا بنایا گیا ہے، اور تجھ ہی سے اس کپڑے کے شر سے پناہ مانگتا ہوں، اور ان چیزوں کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جن کے لئے یہ کپڑا بنایا گیا۔ کپڑے کی بھلائی بُرائی تو ظاہر ہے اور جس چیز کے لئے بنایا گیا کا مطلب یہ ہے کہ گرمی سردی زینت وغیرہ، جس غرض کے لئے پہنا گیا اس کی بھلائی یہ ہے کہ اللہ کی رضا میں استعمال ہو، عبادت پر معین ہو، اور اس کی بُرائی یہ ہے کہ اللہ کی نافرمانی میں استعمال ہو، عُجب وتکبّر وغیرہ پیدا کرے۔

(۸) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کو یمنی منقش چادر کپڑوں میں زیادہ پسندیدہ تھی۔ فائدہ: یہ حدیث بظاہر باب کی پہلی حدیث کے مخالف ہے جس میں کرتے کا سب سے زیادہ پسندیدہ ہونا بیان کیا گیا ہے۔ علماء نے اس کی مختلف توجیہیں فرمائی ہیں، سب سے زیادہ سہل تو یہ کہ ان میں کچھ منافات ہی نہیں، وہ بھی زیادہ پسند تھا اور یہ بھی، یا یہ کہا جائے کہ پہننے کے کپڑوں میں کُرتا زیادہ پسند تھا اور اوڑھنے کے کپڑوں میں چادر۔ بعض لوگوں نے ثبوت کے لحاظ سے اس حدیث کو زیادہ قوی بتایا ہے، بعض لوگوں نے اس پہلی حدیث کو اقسامِ لباس پر حمل کیا ہے کہ کپڑوں کی سب قسموں میں کرتا زیادہ پسند تھا اور اس حدیث کو الوان پر، یعنی رنگ کے لحاظ سے منقّش چادر کا رنگ پسند تھا۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ چادریں سبز رنگ کی ہوتی تھیں۔ اور مقصود یہ ہے کہ رنگ کے اعتبار سے سبز رنگ پسند تھا کہ جنتی لباس سبز رنگ کا ہوگا۔

كما كسوتنيه: الكاف للتعليل، أي: لك الحمد على كسوتك لي إياه، أو للتشبيه في الاختصاص، أي: الحمد مختص بك كاختصاص الكسوة. خيره: [في ذاته، وهو بقاؤه ونقاؤه.] وخير ما صنع: [أي: والخير الذي صنع لأجله من التقويّ به على الطاعة وصرفه فيما فيه رضاك، نظراً لصلاح نية صانعه.] شرّه: [في ذاته، وهو ضدّ الخير في ذاته.]
وشرما صنع: [نظراً لفساد نية صانعه.] حدثنا: هكذا ذكر المصنف هذا السند بعد الأول في الجامع أيضاً، والظاهر عندي أن غرضه تقوية الاتصال؛ فإن أبا داود ذكر عدة من أرسله.

حدثنا محمد بن بَشّار، أنبأنا مُعَاذ بن هِشَام، حدثني أبي، عن قتادة، **عن**[٨] أنس بن مالك رضي الله عنه قال: كان أحب الثياب إلى رسول الله ﷺ **يلبسه الحِبَرَة**. **حدثنا** محمود بن غَيْلان، أنبانا عبد الرزاق، أنبانا **سفيان**، عن عون بن **أبي جُحَيفة**، **عن**[٩] أبيه قال: **رأيت** النبي ﷺ وعليه حُلَّة حَمْراء، كأني أنظر إلى **بَرِيقِ سَاقَيه**.

جبة من برود اليمن — بفتح المهملة — فيه خطوط حمراء — أي لمعان ساقيه

(٩) ابو جحیفہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو سُرخ جوڑا پہنے ہوئے دیکھا۔ حضور اکرم ﷺ کی دونوں پنڈلیوں کی چمک گویا اب میرے سامنے ہے، سفیان جو اس حدیث کے راوی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں جہاں تک سمجھتا ہوں وہ سُرخ جوڑا منقش جوڑا تھا۔ **فائدہ**: یہ قصہ حجۃ الوداع کا ہے، جیسا کہ بخاری وغیرہ کی روایت میں بالتصریح موجود ہے۔ سفیان اس روایت کی مراد میں منقش جوڑا اس لئے بتلاتے ہیں کہ سرخ کپڑے کی ممانعت آئی ہے، اسی وجہ سے علماء کا اس میں اختلاف ہے، چنانچہ حنفیہ کے بھی اس میں مختلف اقوال ہیں۔ سب سے پہلے باب میں بھی گزر چکا ہے کہ اس میں تفصیل ہے جو کپڑے کی تعیین کے بعد علماء سے تحقیق کیجا سکتی ہے۔ حضرت قطب ارشاد مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاوی میں بکثرت یہ مضمون ہے کہ سرخ رنگ مرد کے لئے فتوی کی رُو سے جائز ہے تقوی کے لحاظ سے ترک کرنا اولیٰ ہے کہ علماء میں مختلف فیہ ہے۔

يلبسه: الضمير لـ "أحب الثياب"، وفي نسخ: يلبسها، فالضمير إلى الثياب، والجملة حال على ما قاله المناوي، وصفة لأحب، أو الثياب، على ما قاله القاري. الحبرة: [برد يماني من قطن محبّر، أي: مزيّن محسّن، والظاهر أنه إنما أحبّها للينها، وحسن انسجام صنعتها، وموافقتها لجسده الشريف] بالنصب خبر "كان"، و"أحب" بالرفع اسمهما، على ما صحح في أكثر نسخ الشمائل، ويجوز عكسه، وهو الذي ذكره الزمخشري في تصحيح المصابيح. والحبرة كعنبة: برد يماني من قطن محبّر، أي: مزين، ولا يعارض ما تقدم من كون القميص أحب الثياب؛ لما اشتهر في مثله من أن المراد أنه من جملة أحب الثياب أو هما باعتبار الوقتين، مثلا: كان القميص أحب حين يكون عليه السلام عند نسائه، والحبرة حين يكون بين أصحابه.
سفيان: أي: الثوري؛ لما في نسخة، وقيل: ابن عيينة.أبي جحيفة: بضم الجيم وفتح حاء مهملة وسكون ياء وبفاء، هو وهب الخير، تقدم في باب الشيب. رأيت: وهذه الرواية وقعت له في بطحاء مكة في حجة الوداع، كما صرح به في رواية البخاري. بريق ساقيه: [أي لمعانهما، وإنما نظر إلى بريق ساقيه لكون الحلة كانت إلى أنصاف ساقيه الشريفتين.]

قال سفيان: **أُراها** حِبَرةً. **حدثنا** عليُّ بن **خَشْرمٍ**، أخبرنا عيسى بن يونس، عن إسرائيل، عن أبي إسحاق، **عن** (۱۰) البراء بن عازب رضي الله عنه قال: ما رأيت أحدا من الناس أحْسَنَ في **حُلّة** حَمْـــرَاء من رسول الله ﷺ، إن كانت **جُمّتُه** لتضرب قريــــبا من منكبيه. **حدثنا** محمد بن بشّار، حدثنا عبد الرحمن بن مهديّ، أنبأنا عبيد الله بن إياد، عن أبيه، **عن** (۱۱) أبي **رِمْثَة** قال: رأيت النبي ﷺ وعليه بُرْدَان **أخضَران**. **حدثنا** عبد بن حُميد، قال: أخبرنا عفّان بن مسلم، قال: أنبأنا عبد الله بن حسَّان العَنْبريّ،

بمعنى مطلق الشعر — بالكسر — البرد: ثوب مخطط — مصغراً — يصرف ويمنع

---

(۱۰) حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی کسی سرخ جوڑے والے کو حضور اقدس ﷺ سے زیادہ حسین نہیں دیکھا، اس وقت حضور اقدس ﷺ کے پٹھے حضور کے مونڈھوں کے قریب تک آرہے تھے۔

فائدہ: یہ حدیث پہلے باب میں گزر چکی ہے، یہاں سُرخ جوڑے کی وجہ سے مکرّر ذکر کی گئی۔

(۱۱) ابو رمثہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو دو سبز چادریں اوڑھے ہوئے دیکھا۔ **فائدہ**: یہ حدیث پہلے بھی دو جگہ گزر چکی ہے، لباس کی وجہ سے اس باب میں مختصر طور پر ذکر کی گئی۔

أراها: على صيغة المضارع المجهول، يعني: أظن الحمراء حبرة، قاله القاري، واحتاج إلى هذا التأويل؛ لورود النهي عن لبس الحمراء. واختلف العلماء في ذلك على أقاويل كثيرة، ذكر منها الحافظ في الفتح، والقاري في جمع الوسائل سبعة مسالك للعلماء، واختلف أقوال الحنفية أيضاً في ذلك، وفي الدر المختار: للشرنبلالي فيه رسالة، نقل فيها ثمانية أقوال: منها أنه مستحب. خشرم: كجعفر، بخاء وشين معجمتين، منصرف على ما في القاموس، وضبط في نسخة بفتح الميم على عدم الصرف، ولعل علّته الأخرى العجمة، قاله القاري. حلة: قال القاري: بيان للواقع لا للتقييد. قلت: ويؤيده ما تقدم من سياقه في باب خلقه ﷺ بلفظ: "عليه حلة حمراء، مارأيت شيئًا قط أحسن منه".

جمّته: [أي: خصلة من شعره.] رمثة: تقدم الحديث في باب شيبه ﷺ، وفي باب خضابه ﷺ، وأعاده ههنا؛ لمناسبة الثياب. وقال المصنف في الجامع: هذا حديث غريب، لا نعرفه إلا من حديث عبيد الله.

أخضرانِ: قال عصام: أي: ذو خطوط خضر. واعترض عليه ابن حجر: بأنه إخراج اللفظ عن ظاهره، وأجيب بأن البرد عند أهل اللغة ثوب مخطط، فتعقيبه بالخضرة يدل على أنه مخطط بها، ولو كان أخضر بحتاً لم يكن برداً.

عن جَدّتيهِ دُحَيْبَة وعُلَيْبَةَ، عن (۱۲) قَيلةَ بنتِ مَخْرمةَ قالت: رأيت النبي ﷺ وعليه أسمال مُلَيّتَيْنِ كانتا بزَعْفَرَانٍ،
بالتصغير فيهما — أي مصبوغتين

(۱۲) قیلہ بنت مخرمہ کہتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو اس حال میں دیکھا کہ حضور والا پر دو پُرانی لنگیاں تھیں جو زعفران میں رنگی ہوئی تھیں۔ لیکن زعفران کا کوئی اثر ان پر نہیں رہا تھا اور اس حدیث میں ایک طویل قصّہ بھی ہے۔
فائدہ: زعفران کے رنگے ہوئے کپڑوں کی حدیث میں ممانعت بھی آئی ہے، اسی لئے اس حدیث میں اس طرف اشارہ کر دیا ہے کہ اس زعفران کا اثر باقی نہیں رہا تھا تاکہ ان احادیث سے اختلاف واقع نہ ہو۔ حضور اکرم ﷺ کا پُرانی دو چادریں پہننا تواضع کی وجہ سے تھا، اسی وجہ سے صوفیا نے شکستگی کی حالت کو اختیار فرمایا کہ یہ تواضع کی طرف لے جانے والی ہے اور تکبّر سے دور کرنے والی ہے، لیکن ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ اگر یہ مقصود حاصل نہ ہو تو پھر شکستگی کی حالت محمود نہیں، چہ جائیکہ بجائے اس نفع کے اور مضرّت حاصل ہو، جیسا کہ اس زمانے میں ہو رہا ہے کہ بسا اوقات اس اظہارِ شکستگی کو اظہارِ کمال کا ذریعہ بنایا جاتا ہے اور زبانِ حال سے سوال ہوتا ہے۔ حضرت ابو الحسن شاذلی قدس سرہٗ کا جو اکابر صوفیا میں ہیں، قصہ مشہور ہے کہ وہ ایک مرتبہ نہایت عمدہ لباس میں تھے، کسی شکستہ حال نے ان پر اعتراض کیا تو آپ نے جواب میں یہ ارشاد فرمایا کہ میری یہ ہیئت حق تعالیٰ جَلَّ جَلَالُہٗ کا حمد و شکر ظاہر کر رہی ہے اور تیری یہ حالت صورت سوال بن رہی ہے، تو اپنی زبانِ حال سے لوگوں سے سوال کر رہا ہے۔ الغرض بہ نیتِ تواضع لباسِ فاخرہ نہ پہننا افضل ہے، بشرطیکہ کسی اور مضرّت کی طرف نہ پہنچ جائے۔

جدّتيه: قال القاري: إحداهما من قبل الأب، والثانية من قبل الأم، وقيلة جدّة أبيهما: أم أمّه، وكانت ربّتهما.
دحيبة: بالضم على المشهور، وقيل: بالفتح، و"عليبة" كذا في النسخ، والصواب بدله "صفية" كما حققه الشرّاح، وهما بنتا عليبة، وبالصواب أخرجه المصنف في جامعه، ونصه: عن عبد الله بن حسان أنه حدثته جدتاه صفية بنت عليبة ودحيبة بنت عليبة، حدثتاه عن قيلة بنت مخرمة وكانتا ربيبتيها،وقيلة جدة أبيهما: أم أمه، أنها قالت: قدمنا على رسول الله ﷺ، الحديث. وهكذا بالصواب أخرجه أبو داود، ولفظه: عن عبد الله بن حسان حدثتني جدتاي: صفية ودحيبة ابنتا عليبة إلخ.
أسمال: جمع سمل محركة، كأسباب جمع سبب. والسمل: الثوب الخلق، والمراد بالجمع: ما فوق الواحد، فيصدق بالاثنين، وهو المتعين ههنا لإضافته إلى "المليتين"، وقيل: وصفه بالجمع باعتبار أجزاء الثوب، بل قال المزني: أرادت كانتا تقطعتا حتى صارتا قطعا فلا إشكال في الجمع، والإضافة بيانية، كـــ "جرد قطيفة". مليّتين: "المليّة بتشديد الياء تصغير "الملاءة" بالضم والمد، لكن بعد حذف الألف وإلا يقال: مليئة. والملاءة: الإزار، وقيل: الرَّيطة أي: الملحفة، وفي القاموس: هي كل ثوب لم يضم بعضه إلى بعض بخيط، بل كله نسج واحد.

وقد **نَفَضَتْه**. وفي الحديث **قصّة طويلة**. **حدثنا** قُتَيبة بن سَعِيْد، حدثنا بِشْر بن المُفَضَّل، عن عبد الله بن عثمان بن **خُثَيمٍ**، عن سعيد بن جُبيرٍ،

اس کے بالمقابل اگر کوئی دینی مصلحت مقتضی ہو، مثلاً کسی ہدیہ دینے والے مخلص کی دلداری مقصود ہو یااور کسی قِسم کی دینی منفعت اس پر مرتّب ہوتی ہو تو عمدہ لباس پہننا بھی افضل اور مندوب ہو جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ ستائیس اونٹنیوں کے بدلہ میں ایک جوڑا خرید فرمایااور پہنا۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ یہ ایک وقتی اور عارضی چیز تھی ورنہ عام لباس میرے آقا کا نہایت معمولی ہوتا تھا۔ اسی وجہ سے اکثر مشائخِ تصوف کا یہی معمول رہا ہے، البتہ حضراتِ نقشبندیہ اور شاذلیہ کا معمول اچھے لباس کا رہا ہے اور صورت سوال سے تحفظ کی رعایت اہم رہی، جیسا کہ حضرت ابو الحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ نفس کے دھوکہ سے احتراز دونوں جانبوں میں ضروری ہے شکستہ حالت میں شہرت، اور تواضع کے اظہار میں رِیا، اور عُمدہ لباس میں تکبّر اور نخوت خطرناک امور ہیں۔
اس حدیث میں ایک طویل قصّہ ہے جس کو حضور ﷺ کے لباس سے کوئی تعلق نہیں تھا اسی لئے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اختصار کی وجہ سے ترک کر دیا۔ قصہ تقریباً دوورق کا ہے، شراح نے بھی اس کو اختصاراً چھوڑ دیا، اس میں قیلہ کے ابتدائی اسلام کا قِصہ اور اس کی کیفیت ہے، البتہ مشہور روایات میں اتنا اور بھی ہے کہ حضور اکرم ﷺ اس پُرانے لباس میں غریبانہ نشست کے ساتھ تشریف فرما تھے، ایک کھجور کی چھڑی حضور ﷺ کے دستِ مُبارک میں تھی، ایک شخص حاضر ہوئے اور حضور ﷺ کی یہ فقیرانہ ہیئت دیکھ کر رعب کی وجہ سے کانپنے لگے، حضور اقدس ﷺ نے ان کی اس حالت کو خود ملاحظہ فرمایا یا کسی نے عرض کیا، اس پر حضور ﷺ نے ان سے ارشاد فرمایا کہ سکون اختیار کرو۔ حضور ﷺ کا یہ ارشاد فرمانا تھا کہ ان پر سے سب خوف وغیرہ جاتا رہا۔

نفضته: أي: الأسمال، وفي نسخة: نفضتا، أي: نفضت المليتان لون الزعفران و لم يبق منه أثر، وحذف المفعول شائع، ويجوز أن يكون من قولهم: نفض الثوب نفضا، أي: ذهب بعض لونه من الصفرة والحمرة، فلا يحتاج إلى حذف المفعول. قصة: [والقصة: أن رجلا جاء فقال: السلام عليك يا رسول الله! فقال: وعليك السلام ورحمة الله، وعليه أسمال مليتين، قد كانتا بزعفران، فنَفَضتا، وبيده عسيبُ نخل، فقعد ﷺ القُرفُصاء، فلما رأته على تلك الهيئة، أُرْعِدت من الفرَق - أي: الخوف- فقال جليسه: يا رسول الله! أرعدت المسكينة، فنظر إليَّ، فقال: عليك السّكينة، فذهب عنيٍّ ما أجد من الرعب.] طويلة: قصته طويلة، أخرجها الطبراني بسند لا بأس به مختصرا، وأخرجها أيضاً الطبراني من طريق حفص بن عمر في معجمه الكبير بطولها قريب من ورقتين، قاله القاري. قلت: وذكرها الحافظ في الإصابة في ترجمة قيلة.
خُثيم: بضم خاء معجمة فمثلثة مفتوحة وسكون تحتية مصغراً، تقدم في باب الكحل.

عن[١٣] ابن عباس رضي الله عنهما قال: قال رسول الله ﷺ: **عليكم** بالبَيَاض من الثّياب، ليَلبَسْها **أحياؤكم**، وكفِّنوا فيها **موتاكم**، فإنها من خيار ثيابكم. **حدثنا** محمد بن بَشّارٍ، أنبأنا عبد الرحمن بن مهديّ، أخبرنا سفيان، عن حبيب بن أبي ثابت، عن ميمون بن أبي شبيب، **عن**[١٤] سَمُرَة بن جندب رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: البسوا **البياض**، فإنها **أطهر** وأطيب، وكفِّنُوا فيها موتاكم. **حدثنا** أحمد بن مَنِيْعٍ، أنبأنا يحيى بن زكريا بن أبي زائدة، أنبأنا أبي، عن **مُصْعَب** بن شيبة، عن **صفيّة** بنت شيبة،

هو ابن عيينة

مده أكثر من قصره

بعض احادیث سے یہ قصّہ خود قیلہ ہی کا معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور ﷺ کی نشست کے بیان میں اس کا تھوڑا سا ذکر بھی فرمایا ہے اور قیلہ ہی کی طرف قصہ کی نسبت کی ہے جیسا کہ حضور ﷺ کی نشست کے باب میں آرہا ہے۔

(۱۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے تھے کہ سفید کپڑوں کو اختیار کیا کرو کہ یہ بہترین لباس میں سے ہے، سفید کپڑا ہی زندگی کی حالت میں پہننا چاہئے اور سفید ہی کپڑے میں مردوں کو دفن کرنا چاہئے۔
فائدہ: اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ کے سفید لباس پہننے کا ذکر نہیں اس لئے اس کو شمائل میں ذکر کرنا مخفی ہے، لیکن یہ توجیہ کی جاسکتی ہے کہ جب حضور ﷺ نے اس کی ترغیب فرمائی تو خود پہننا بھی نکل آیا۔ چنانچہ بخاری وغیرہ میں حضور ﷺ کا سفید لباس زیبِ تن فرمانا بالتصریح ثابت ہے۔

(۱۴) سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سفید کپڑے پہنا کرو اس لئے کہ وہ زیادہ پاک صاف رہتا ہے اور اسی میں اپنے مردوں کو کفنایا کرو۔ **فائدہ:** زیادہ پاک صاف رہنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر ذرا سا دھبّہ کسی چیز کا پڑ جائے تو فوراً محسوس ہو جاتا ہے، بخلاف رنگین کپڑے کے کہ اس میں تھوڑا سا دھبّہ کم محسوس ہوتا ہے۔

عليكم: اسم فعل بمعنى "ألزموا" وحمل البياض على المبالغة أو على حذف المضاف كما سيأتي. ومن الثياب بيان له. أحياؤكم: [ويحسن في صلاة الجمعة، وحضور المسجد، والمجالس التي فيها مظنَّةُ لقاء الملائكة، كمجالس القراءة والذكر.] موتاكم: [لمواجهة الميت للملائكة.] البياض: أي: الثياب البيض، بولغ فيها فكأنها نفس البياض، أو البسوا ذا البياض على حذف المضاف. أطهر: لأن الثوب المصبوغ إذا وقعت عليه نجاسة لا يظهر عليها مثل ظهورها إذا وقعت على ثوب أبيض، وقال الطيبي: لأن البيض أكثر تأثرا من الثياب الملونة فيكون أكثر غسلا فيكون أكثر طهارة. صفية: لها رواية وحديث، وإنكار الدار قطني إدراكها يردّه تصريح البخاري بسماعها من النبي ﷺ، ومن ثم جزم في الفتح: بأنها من صغار الصحابة.

عن[١٥] عائشة رضي الله عنها قالت: خرج رسول الله ﷺ ذات غداةٍ، وعليه **مِرْطٌ** من شَعَرٍ أسود. **حدثنا** يوسف بن عيسى، أنبأنا وكيع، أنبأنا **يونس** بن أبي إسحاق، عن أبيه، عن **الشعبيّ**، عن عروة بن المُغِيرة بن شبعة، **عن**[١٦] أبيه: أن النبي ﷺ لَبِس **جُبّةً رُومِيّةً** ضَيِّقَة الكُمّين.

---

(١٥) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ایک مرتبہ صبح کو مکان سے باہر تشریف لے گئے تو آپ کے بدن پر سیاہ بالوں کی چادر تھی۔

(١٦) مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک رومی جُبّہ زیب تن فرما رکھا تھا جس کی آستینیں تنگ تھیں۔ **فائدہ:** یہ قصہ غزوۂ تبوک کا ہے۔ علماء نے ایسی ہی احادیث سے استنباط فرمایا ہے کہ کفّار کی بنائی ہوئی چیزیں ناپاک نہیں ہوتیں جب تک کہ کسی خارجی طریقے سے اُن کے ناپاک ہونے کا یقین نہ ہو، اس لئے کہ روم میں اس وقت تک لوگ مسلمان نہیں ہوئے تھے، اُن کے بُنے ہوئے کپڑے حضور اکرم ﷺ نے زیب تن فرمائے ہیں۔

مرطٌ: بكسر فسكون، والجملة حالية، وهو: كساء طويل واسع من خزّ أو صوف أو شعر. ولفظ "من شَعَر" بإثبات "مِن" وفي بعض النسخ الصحيحة: "مرط شعر" بالإضافة، وهي ترجع إلى الأولى أيضا؛ لأن الإضافة بيانية. والحديث أخرجه مسلم وأبو داود بلفظ: خرج النبي ﷺ ذات غداة وعليه مرط مرجل من شعر أسود.

يونس: قال المناوي: يونس بن أبي إسحاق الشيباني الذي سيصرح به المصنف، وقول الشارح: "السبيعي" سهو. والظاهر عندي أنه وهم من العلامة المناوي، والصواب قول الشارح: إنه سبيعي، والذي سيصرح المصنف به في باب خفه ﷺ رجل آخر. وجزم الشيخ في البذل أنه سبيعي، وقال القاري: وفي نسخة: ابن إسحاق، وهي غير صحيحة.

الشعبيّ: هو نسبة لشعب، كفلس، بطن من همدان بسكون الميم: هو عامر بن شراحيل، والشعبي بالضم، هو معاوية بن حفص، والشعبي بالكسر: هو عبد الله بن مظفر، وكلهم محدثون، فتميز.

جُبّةً: [الجبة: ثوب سابغ، واسع الكمين، يلبس فوق الثياب] بضم الجيم وتشديد الموحدة. قيل: هي ثوبان بينهما قطن، وقد تقال لما لا حشوله، إذا كانت ظِهارته من صوف.

روميّةً: هكذا في رواية المصنف في الجامع، وفي أبي داود: جبة من صوف من جباب الروم، لكن وقع في أكثر روايات الصحيحين: جبة شامية، ولا منافاة بينهما، فإن الشام حينئذٍ داخل تحت حكم قيصر ملك الروم، فكأنهما واحد من حيث الملك، ويمكن أن يكون نسبة هيئتها، المعتاد لبسها إلى أحدهما، ونسبة خياطتها إلى الأخرى، قاله القاري.

بَابُ مَاجَاءَ فِي عيش رسُول الله ﷺ

حدثنا قتيبة بن سعيد، حدثنا حماد بن زيد، عن أيوب، **عن**(١) محمد بن سيرين قال: كنا عند أبي هريرة

باب حضور اقدس ﷺ کے گزارہ کے بیان میں

فائدہ: یہ باب شمائل کے موجودہ نسخوں میں دو جگہ ملتا ہے، ایک یہاں دوسرے اواخر کتاب میں۔ لیکن دو جگہ مذکور ہونے کی کوئی خاص وجہ نہیں، اسی لئے بعض نسخوں میں ہر دو باب کی احادیث کو ایک ہی جگہ جمع کر دیا ہے، تاہم چونکہ اکثر نسخوں میں دو جگہ پایا جاتا ہے اس لئے یہ توجیہ کی جاسکتی ہے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا مقصود اس جگہ صرف نفسِ تنگی کو بیان کرنا ہے، اور اس جگہ حضور اقدس ﷺ نے تنگی کی حالت میں جو جو چیزیں استعمال یا نوش فرمائی ہیں ان کا ذکر مقصود ہے، اسی وجہ سے یہاں صرف دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں اور اُس جگہ زیادہ۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں اس چیز کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہو کہ گذشتہ باب میں جو لباس میں بعض ایسی چیزیں گزری ہیں جیسا پُرانی لنگی یا تنگ آستین کا جُبّہ وغیرہ جو عام معمول کے خلاف تھا، یہ اس وقت کی عام تنگ حالی کی وجہ سے تھا کہ ابتداءً عُسرت زیادہ تھی، پس الفاظ ترجمہ کے اگرچہ ایک ہیں لیکن مقصود علیحدہ ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھے، اُن پر ایک لنگی اور ایک چادر تھی، وہ دونوں

عيش: [كيفية معيشته حال حياته. العيش: الحياة، والمعيشة: مكسب الإنسان الذي يعيش به، أهل الحجاز يسمون الزرع والطعام عيشا] هو الحياة وما يكون به الحياة، وفي القاموس: هو الحياة وما يعاش به والخبز. قال القاري: وقع في أصل سماعنا هذا الباب الصغير، وسيأتي في آخر الباب باب طويل في عيشه ﷺ، ووقع في بعض النسخ ههنا باب طويل، وعلى التقديرين إيراد باب العيش بين بابي اللباس والخف غير ملائم، والظاهر أنه من تصرف النساخ. كتبه الفقير جمال الدين الحسيني. هكذا وجدته بخط ميرك شاه علن هامش نسخة، وقال الحنفي: وفي بعض النسخ: الطويل بعد القصير، ويتجه على كلتا النسختين أن جعلهما بابين غير ظاهر، ورد ابن حجر على من أبدى لذلك وجوها، والظاهر في الجواب: أن المراد بهذا الباب ما يدل على ضيق عيش بعض الأصحاب مع عيشه ﷺ في كل باب. وأحاديث ذلك الباب دالة على ضيق عيشه المخصوص به وبأهل بيته، أو هذا الباب يدل على ضيق عيشه في أول أمره، وذلك يدل على آخر أمره، قاله القاري، وقال المناوي: المبوب له ههنا بيان صفة حياته وما اشتملت عليه من الضيق والفقر، والمبوب له ثَم بيان أنواع المأكولات. هذا أقصى ما اعتذر به الشارح عن التكرار، والإنصاف أن الأصوب: جعلهما بابا واحداً.

وعليه ثوبان **مُمَشَّقَان** مِنْ كَتَّانٍ، فتَمَخَّطَ في أحدهما فقال: **بخْ بخْ**، يَتمخّط أبو هريرة في **الكتان**، **لقد** رأيتُني وإني **لأخِرُّ** فيما بين منبر رسول الله ﷺ وحجرة عائشة ﷺ **مَغْشِيًّا** عليّ، فيجيء الجائي فيضع رجلَه على عُنُقِي، يُرى أن بي

کتان کی تھیں اور گیروی رنگ میں رنگی ہوئی تھیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان میں سے ایک سے ناک صاف کی پھر تعجب سے کہنے لگے کہ اللہ اللہ! آج ابو ہریرہ کتان کے کپڑوں سے ناک صاف کرتا ہے اور ایک وہ زمانہ تھا کہ جب میں منبر نبوی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کے درمیان شدتِ بھوک کی وجہ سے بیہوش پڑا ہوا ہوتا تھا اور لوگ مجھ کو مجنون سمجھ کر میری گردن کو پاؤں سے دباتے تھے اور حقیقتاً مجھے جنون وغیرہ کچھ نہیں تھا بلکہ صرف شدّت بھوک کی وجہ سے یہ حالت ہو جاتی تھی۔
فائدہ: کتان ایک عمدہ قسم کا کپڑا ہوتا ہے۔ صاحب لغات الصراح نے لکھا ہے کہ ایک باریک قسم کا کپڑا ہے جو گھاس کے چھڑے سے بنتا ہے اور صاحب محیط اعظم نے لکھا ہے کہ کتان کو ہندی میں "السی" کہتے ہیں، اس کی چھال سے کپڑا بھی بُنا جاتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی گردن کو پاؤں سے دبانا اس وجہ سے تھا کہ اس زمانہ میں مجنون کی گردن پاؤں سے علاجاً دبائی جاتی تھی تاکہ افاقہ پائے۔ اس حدیث کو حضور ﷺ کے حالات میں اس لئے ذکر کیا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جیسے خواص خدّام کا جب یہ حال تھا تو اس سے آپ کی تنگی کا حال خود معلوم ہو گیا کہ یہ حضرات اہل صفہ حضور ﷺ کے مہمان شمار ہوتے تھے اور جو کچھ آتا تھا وہ ان حضرات پر تقسیم ہوتا تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک آیت کے متعلق کچھ تحقیق کیا، وہ بتا رہے تھے اور میں ساتھ ساتھ چل رہا تھا کہ چل نہ سکا اور گر کر بے ہوش ہو گیا۔

ممشقان: بتشديد الشين المعجمة المفتوحة، أي: مصبوغان بالمشق بالكسر، وهو الطين الأحمر، وقيل: المِغرة، قاله القاري، وقال المناوي: وفي المصباح: امشقت الثوب امشاقا: صبغته بالمشق، فالمفعول على بابه. وقالوا: ثوب ممشق بالتشديد والفتح، ولم يذكروا فعله. بخ بخ: بسكون آخره فيهما، وقيل: بكسره غير منون فيهما، وفيه لغات آخر. وهذه كلمة تقال عند الرضا بالشيء والفرح لتفخيم الأمر وتعظيمه، وقد تستعمل للإنكار كما ههنا. الكتان: [نبات زراعيّ حوليّ يتخذ من ألياقه النسيج المعروف.]
لقد: اللام في جواب قسم مقدر، أي: والله لقد، قاله القاري. لأخِرّ: بصيغة المتكلم من المفرد، من باب ضرب، مشتق من الخرور، أي: أسقط على الأرض. مغشيًّا: [مستوليا عليّ الغشي، وهو: تعطل القُوى الحساسة لضعف القلب؛ بسبب جوع مفرط، أو وجع شديد، أو نحو ذلك.]

جنونا وما بي جنون، وما هو إلا الجوع. **حدثنا قُتَيبة**، حدثنا جعفر بن سُليمان **الضُّبَعيّ**، عن[2] **مالك بن دينار** قال: ما شبع رسول الله ﷺ من **خُبزقَطّ**،

آج مسلمانوں کی تنگ حالی کا شور ہے اور روٹی کا سوال اتنا اہم ہے کہ اس کی خاطر ہر قسم کی بد دینی کو اختیار کیا جاسکتا ہے لیکن کیا ان حالات کے عشر عشیر بھی ہمارے حالات ہیں اور یہ حضرات ان مصائب پر بھی کسی قسم کی دینی مداہنت برداشت نہ کر سکتے تھے۔

(۲) مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے کبھی روٹی سے اور نہ گوشت سے شکم سیری فرمائی مگر حالتِ ضفف پر۔ مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک بدوی سے "ضفف" کے معنی پوچھے تو اس نے لوگوں کے ساتھ کھانے کے معنی بتائے۔ فائدہ: ضفف کے معنی خفی تھے چنانچہ اب بھی اہلِ لغت اس میں مختلف ہیں، اسی وجہ سے مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بدوی سے دریافت کیا ہے۔ اجتماعی حالت میں پیٹ بھر کر کھانے کا مطلب بعض لوگوں نے یہ بیان کیا کہ اگر کسی جگہ دعوت وغیرہ میں نوبت آتی تو شکم سیر ہو کر نوش فرماتے، ویسے کبھی نوبت نہ آتی تھی۔ اس پر بعض علماء نے بڑے زور سے رد فرمایا ہے، وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی طرف ایسے امر کی نسبت کرنا جس کو اگر آج کسی کی طرف نسبت کیا جائے تو سخت ناگوار ہو، نہایت بے ادبی ہے۔ مگر بندۂ ناچیز کے نزدیک اس مطلب میں کوئی مانع نہیں، اس لئے اس زمانہ میں اگر کسی کی طرف اس امر کی نسبت کی جاتی ہے کہ اپنے گھر پیٹ بھر کر نہیں کھاتا تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ شخص بخیل ہے اور اُس زمانہ میں آنحضرت ﷺ کی طرف اس کی نسبت کرنے میں اس کا ایہام نہیں ہے، اس لئے کہ اس وقت کی تنگ حالی معلوم ہے کہ کئی کئی وقت مسلسل فاقوں کی نوبت آتی تھی، اور اس کے ساتھ حضور اکرم ﷺ کا سخا اور جود کہ جو ہدیہ میں کہیں سے کچھ آجاتا تھا وہ اصحابِ صفّہ پر تقسیم کیا جاتا تھا،

جنونا: [أي: يظن ذلك الجائي أنّ بي نوعا من الجنون، وهو الصرع.] **الضبعي**: بضم الضاد المعجمة وفتح الموحدة وكسر العين المهملة، نسبة لقبيلة بني ضبيعة. **مالك بن دينار**: تابعي جليل، فالحديث مرسل، وقيل: معضل، لأنه سمعه عن الحسن البصري، وهو تابعي أيضاً، فقال: حدثنا الحسن قال: لم يشبع رسول الله ﷺ الحديث. أخرجه أبو موسى وغيره. **خُبزقَطّ**: بفتح القاف وتشديد الطاء المهملة، أي: أصلا، وفي زمن من الزمان. وهل المراد أنه ما شبع من أحدهما كما أفهمه توسط "قط" بينهما، أو منهما معا؟ كما يأتي في الباب الطويل: عن أنس أن النبي ﷺ لم يجتمع عنده غداء ولا عشاء من خبز ولحم إلا على ضفف؟ محل تردّد.

ولا لحم إلاعلى **ضَفَفٍ**، قال مالك: سألت رجلا من أهل **البادية**: ما الضفف؟ فقال: أن **يتناول** مع النّاس.

ایسی صورت میں پیٹ بھرنے کی نوبت کہاں آسکتی تھی۔ لیکن شرّاح حدیث اس مطلب کو غلط بتاتے ہیں اور ان کا ارشاد حجّت ہے، اس لئے اگر یہ مطلب غلط ہو تو اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ اپنے لطف سے معاف فرما دیں أعوذ بالله أن أقول في حقه ما لا يليق بشانه. بالجملہ جن علماء نے اس مطلب کو نا پسند فرمایا ہے وہ حدیث کا مطلب یہ بتاتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ حالتِ میزبانی میں تو شکم سیر ہو کر نوش فرماتے تاکہ مہمان حضور ﷺ کے ساتھ جلد نہ اُٹھ جائیں اور بھوکے نہ رہیں، نیز اس وقت جب کہ آپ کے یہاں کوئی مہمان ہوتا تھا تو اس کے لئے حضور اقدس ﷺ باوجود عسرت اور تنگی کے بھی فکر فرما کر کچھ نہ کچھ مہیا فرماتے تھے۔ اور ہو سکتا ہے کہ مجمع کے ساتھ کھانا مراد ہو، عام ہے کہ اپنے گھر ہو یا کسی دوسری جگہ، اس کی وجہ یہ ہے کہ جس مجمع میں حضور اقدس ﷺ تشریف فرما ہوں اس میں حضور اقدس ﷺ کے ہاتھ کھینچ لینے کے بعد مجمع کا ہاتھ کھینچ لینا بدیہی ہے۔ تنبیہ: آنحضرت ﷺ کا شکم سیر ہونا جس جس جگہ وارد ہوا ہے ان سب مواضع میں وہی دو تہائی پیٹ بھر کر نوش فرمانا مراد ہے کہ یہ حالت بھی حالتِ مہمانی میں ہوتی تھی ورنہ بالکل شکم سیر ہونا کسی وقت نہیں ہوتا تھا، نہ حالتِ مہمانی میں نہ حالتِ تنہائی میں۔

ضفف: [أي: ما شبع في زمن من الأزمان إلّا إذا نزل به الضيوف فيشبع حينئذ؛ لضرورة الإيناس والمحابرة] هو بفتح الضاد المعجمة والفائين أولا هما مفتوحة، وفي الفائق: روي خفف وشظف، والثلاثة في معنى ضيق المعيشة وقلتها، يعني: لم يشبع ﷺ إلا والحال خلاف الخصب والرخاء، وقيل: معناه كثرة الأيدي واجتماع الآكلين، كما فسر في الحديث. قال البيجوري تبعاً للمناوي: أي: إلا إذا نزل به الضيوف فيشبع حينئذ بحيث يأكل ثلثي بطنه؛ لضرورة الإيناس والمحابرة. هذا هو المتعين في فهم هذا المقام، وما ذكره بعض الشراح: من أن المعنى لم يشبع في بيته بل مع الناس في الولائم والعقائق، فهو هفوة لا يليق ذلك بجنابه ﷺ؛ إذ لوقيل في حق الواحد منا ذلك لم يرتضه، فما بالك بذلك الجناب الأفخم والملاذ الأعظم.

البادية: لأنهم أعرف باللغات. أن يتناول: قال القاري: بضم أوّله، وفي نسخة بفتحه، ومعنى الخبر على هذا: أنه ﷺ لم يشبع منهما إذا أكل وحده، ولكن شبع منهما إذا كان يأكل مع الناس، ثم قيل: معناه: أنه يأكل مع أهل بيته، أو مع الأضياف، أو في الضيافات والولائم والعقائق.

بَابُ مَاجَاءَ فِي خُفِّ رسُول الله ﷺ

حدثنا هَنَّاد بن السَّرِيِّ، حدثنا وكيع، عن دَلْهَم بن صالح، عن **حُجَيْر** بن عبد الله، **عن**[1] **ابن بُرَيْدَة**، عن أبيه،

بمهملات كجعفر

باب حضور اقدس ﷺ کے موزہ کے بیان میں

فائدہ: حضور اقدس ﷺ نے چند قسم کے موزے استعمال فرمائے ہیں۔ موزے کے آداب میں سے دایاں موزہ پہلے پہننا ہے۔ نیز موزہ کا پہننے سے قبل جھاڑ لینا ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ معجزات میں طبرانی نے ایک روایت موزہ کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ جنگل میں ایک موزہ پہنا اور دوسرا پہننے کا قصد فرمارہے تھے کہ ایک کوّا آکر وہ دوسرا موزہ اُٹھا کر لے گیا اور اوپر لے جاکر اس کو پھینک دیا، اس میں ایک سانپ گھسا ہوا تھا جو اس گرنے کی چوٹ سے باہر نکلا۔ حضور اقدس ﷺ نے حق تعالیٰ کا شکر ادا کیا، اور آدابِ موزہ سے ایک قانون فرمادیا کہ ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ جب موزہ پہننے کا ارادہ کرے تو اس کو جھاڑ لیا کرے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) بریدہ کہتے ہیں کہ نجاشی نے حضور ﷺ کے پاس سیاہ رنگ کے دو سادے موزے ہدیۃً بھیجے تھے، حضور اقدس ﷺ نے ان کو پہنا اور وضو کے بعد اُن پر مسح بھی فرمایا۔ **فائدہ:** "نجاشی" حبشہ کے ہر بادشاہ کا لقب ہوتا تھا جیسا کہ "شریف" والیٔ مکہ کا لقب ہوتا ہے۔ ان نجاشی کا نام اصحمہ تھا، یہ مسلمان ہوگئے تھے۔ علماء نے اس سے استنباط فرمایا ہے کہ کافر کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے۔ اس لئے کہ یہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، البتہ چونکہ دُوسری حدیث میں کافر کے ہدیہ سے انکار بھی آیا ہے اس لئے علماء نے مختلف طرح سے دونوں کو جمع کیا ہے۔

خف: [ما يلبس في الرجل داخل المنــزل] معروف، وجمعه خفاف ككتاب، وخف البعير جمعه أخفاف، كقفل وأقفال.
حجير: بضم حاء مهملة ففتح جيم فسكون ياء آخره راء، له هذا الحديث الواحد، أخرجه أبو داود والترمذي وابن ماجة، قاله القاري. ابن بريدة: هو عبد الله، وفي بعض النسخ: أبي بريدة، قال القسطلاني: هو غلط فاحش، قال القاري: وقد يوجه بأنه كنيته. قلت: لكن أهل الرجال ذكروا كنيته أبا سهل.

أنّ **النجاشي** أهدى **للنبي** ﷺ خُفّين أسودين **سَاذجَين**، فلبسهما ثم توضّأ ومسح عليهما.

حدثنا قتيبة بن سعيد، أخبرنا يحيى بن زكريا بن أبي زائدة، عن الحسن بن عيَّاش، عن أبي إسحاق، عن الشعبيّ (هو عامر) قال: قال المغيرة (۲) بن شُعبة: أهدى **دِحْيَة** للنبي ﷺ خُفَّين، فلبسهما.

- وقال **إسرائيل**: عن جابر، عن عامر (الشعبي) - **وَجُبَّةً**،

(۲) مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دحیہ کلبی نے دو موزے حضور ﷺ کی نذر کیے تھے۔ ایک دوسری روایت میں موزوں کے ساتھ جُبّہ کے پیش کرنے کا بھی ذکر ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے ان کو پہنا یہاں تک کہ وہ پھٹ گئے۔ حضور اقدس ﷺ نے یہ بھی تحقیق نہیں فرمایا کہ وہ مذبوح جانور کی کھال کے تھے یا غیر مذبوح۔

النجاشي: [لقب ملك الحبشة، اسمه أصحمة، وقيل: مكحول بن صعصة. ولّما مات أخبرهم النبي ﷺ بموته يوم موته، وخرج بهم وصلى عليه، وصلوا معه] كسر أوله أفصح من فتحه، وتشديد الياء أفصح من تخفيفها، وتشديد الجيم خطأ، قاله البيجوري تبعاً للمناوي، وقال القاري: تشديد الجيم خطأ، وهو بفتح النون وتكسر، وقول ابن حجر: "كسر النون أفصح" غير صحيح. لقب لملوك الحبشة، كالتبّع لليمن، وكسرى للفرس، وقيصر للروم، وهرقل للشام، وفرعون لمصر، ألقاب جاهلية، واسم هذا الملك أصحمة. وقد أرسل ﷺ إليه عمرو بن أمية الضمري، يدعوه إلى الإسلام فأسلم، ومات سنة تسع من الهجرة عند الأكثر على ماصرح به العسقلاني، قاله القاري، وفي البذل: قبل فتح مكّة، وصلى عليه النبي ﷺ بالمدينة، كما هو المشهور في كتب الحديث. للنبي ﷺ: وفي نسخة: إلى النبي ﷺ واستعمال "أهدي" باللام وإلى شائع.
ساذجين: [خالصين في السواد، وليس فيهما نقوش] بفتح الذال المعجمة، معرب "ساده" على ما في القاموس، أي: غير منقوشين، أو لا شية فيها تخالف لونهما، أو بحردين عن الشعر، كما في قوله: نعلين جرداوين. **دحية**: بكسر أوله عند الجمهور، وقيل: بالفتح. صحابي مشهور ذوجمال حتى كان يأتي جبرئيل عليه السلام في صورته كثيرًا، و وجهه تقدم.
وقال إسرائيل: هو من كلام الترمذي، فإن كان من قبل نفسه وهو الظاهر، فهو معلّق، وإن كان من قتيبة فلا يكون معلقا، وقال ميرك: يحتمل أن يكون مقولا ،ليحيى فيكون عطفاً بحسب المعنى على قوله: عن الحسن بن عياش، قاله القاري.
وجُبَّةً: بالنصب عطفا على خفين، قال ميرك: والحاصل أن يحيى روى قصة إهداء الخفين فقط عن الحسن، وروى قصة إهداء الخفين مع الجبة عن إسرائيل، ويحتمل أن يكون تعليقا عن الترمذي، و لم أر من خرج الحديث غير المؤلف، فإنه ذكره في جامعه بهذا السياق بلا تفاوت، ثم رأيت الحديث مخرجاً في أخلاق النبي ﷺ لأبي شيخ بن حبان الأصبهاني، فإنه أخرجه من طريق هيثم بن جميل، عن زبير بن معاوية، عن جابر الجعفي، عن عامر، عن دحية الكلبي أنه أهدى لرسول الله ﷺ جبة من الشام وخفين، ويفهم من هذا السياق تقوية احتمال التعليق، قاله القاري.

فلبسهما حتّى تخرّقا، لا يدري النبي ﷺ **أذَكيٌّ** هما أم لا. قال أبو عيسى: هذا هو أبو إسحاق
أي مذبوح أصلهما أم لا
الشَّيْبَانِيّ، واسمه سُليمان.

فائدہ: اس اخیر لفظ سے حنفیہ کے اس قول کی تائید ہوتی ہے کہ دباغت کے بعد مذبوح اور غیر مذبوح کی کھال دونوں استعمال کرنی جائز ہیں۔ بعض ائمہ کا اس میں اختلاف ہے جس کی بحث کتب فقہ سے تعلق رکھتی ہے۔

فلبسهما: أي: الخفين والجبة، وثني الضمير؛ لأن الخفين في الحقيقة ملبوس واحد، ويحتمل أن يكون الضمير إلى الخفين فقط كما في الرواية الأولى، ويؤيده قوله: لا يدري. أذكِيٌّ: [أي: أ مذبوح بتذكية شرعية أم لا، والمعنى: لم يعلم أن هذين الخفين كانتا متخذتين من جلد مذكى أم من الميت.] الشيباني: بمعجمة وتحتية وموحدة، نسبة إلى شيبان، قبيلة معروفة في بكر بن وائل، وهو شيبان جميل بن ثعلبة، قاله السمعاني. والغرض أن أبا إسحاق هذا ليس بسبيعي كما يوهمه كون إسرائيل الراوي من ولده.

بَابُ مَاجَاء في **نعل** رسُول الله ﷺ

حدثنا محمد بشار، حدثنا أبو داود (الطيالسي)، حدثنا همّام، **عن** قتادة[1] قال: قلت لأنس بن مالك: كيف كان نعل رسول الله ﷺ؟ قال: لهما **قِبَالَانِ**. **حدثنا** أبو كريب (مصغراً) محمد بن العلاء، حدثنا وكيع، عن **سفيان**، عن خالد الحذّاء، عن عبد الله بن الحارث،

باب حضور اقدس ﷺ کے نعلین (جوتے) شریف کے ذکر میں

فائدہ: اس میں حضور اقدس ﷺ کے جوتے کی ہیئت اور اس کے پہننے اور نکالنے کا طریقہ ذکر فرمایا ہے۔ نعل شریف کا نقشہ اور اس کے برکات و فضائل حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی مدظلہم کے رسالہ "زاد السعید" کے اخیر میں مفصل مذکور ہیں، جس کو تفصیل مقصود ہو اس میں دیکھ لے۔ مختصر یہ ہے کہ اس کے خواص بے انتہا ہیں، علماء نے بارہا تجربے کیے ہیں، حضور کی زیارت میسّر ہوتی ہے، ظالموں سے نجات حاصل ہوتی ہے، ہر دلعزیزی میسّر ہوتی ہے۔ غرض ہر مقصد میں اس کے توسل سے کامیابی ہوتی ہے۔ طریقِ توسل بھی اُسی میں مذکور ہے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں گیارہ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ حضور کے نعل شریف کیسے تھے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ ہر ایک جوتے میں دو دو تسمے تھے۔ **فائدہ:** عرب میں جوتا ایسا نہیں ہوتا تھا جیسا کہ یہاں ہند میں متعارف ہے بلکہ ایک چمڑے کی چپٹی پر دو تسمے ہوتے تھے۔ جس کا نقشہ یہ ہے۔ (نعلین مبارک کا نقشہ کتاب کے آخر میں صفحہ ۵۰۴ پر ملاحظہ فرمائیں)

نعل: [كل ما وقيت به القدم عن الأرض] النعل قد يجيء مصدراً وقد يجيء اسما، وهو محتمل للمعنيين ههنا، والثاني هو الأظهر، قاله القاري. **قبالان:** تثنية قبال بكسر القاف وبالموحدة: زمام النعل، وقال المجد: زمام بين الإصبع الوسطي والتي تليها، وكان عليه السلام يضع أحد القبالين بين الإبهام والتي تليها، والأخرى بين الوسطى والتي تليها.

سفيان: قال القاري: أي: الثوري لا ابن عيينة؛ لأنه لم يرو عن خالد الحذّاء، خلافا لمن وهم من الشراح. وكذا تعقب المناوي وغيره على من قال: إنه ابن عيينة.

عن ابن[۲] عباس رضی اللہ عنہما قال: كان لنعل رسول الله ﷺ **قِبَالَانِ مُثَنّى شِراكهما. حدثنا أحمد** بن منيع ويعقوب بن إبراهيم، حدثنا أبو أحمد **الزُّبيريّ**، حدثنا عيسى[۳] بن **طَهْمَان** قال: أخرج الينا أنس بن مالك نعلين **جَرْدَاوَيْنِ** لهما قِبَالَان. قال: فحدثني ثابت بعد عن أنس: أنهما كانتا نعلي رسول الله ﷺ. **حدثنا** إسحاق **بن موسى** الأنصاريّ،قال:

بمهملات كعطشان — أي عيسى بن طهمان — بعد هذا المجلس

---

(۲) ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے نعلین شریف کے تسمے دوہرے تھے۔ **فائدہ**: یعنی ہر ہر تسمے میں دو دو تسمے تھے، یعنی ہر تسمہ دوہرا تھا۔ اس حدیث کی سند میں ایک راوی خالد حذاء ہیں۔ حذاء کے معنی موچی کے ہیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ یہ صاحب خود موچی نہیں تھے، لیکن نشست و برخاست اور تعلقات موچیوں سے تھے اس لئے ان کا لقب خالد موچی پڑ گیا تھا کہ اسی سے پہچانے جاتے تھے۔ جس قسم کے آدمیوں سے تعلقات ہوتے ہیں ان کے ظاہری اور باطنی اثرات رنگ لائے بغیر نہیں رہتے۔

(۳) عیسی کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ہمیں دو جوتے نکال کر دکھلائے، ان پر بال نہیں تھے۔ مجھے اس کے بعد ثابت نے یہ بتایا کہ وہ دونوں آنحضرت ﷺ کے نعلین شریف تھے۔ **فائدہ**: اکثر چمڑے کو بغیر بال اتارے بھی عرب میں جوتا بنا لیا جاتا تھا، اس لئے راوی نے بالوں کا ذکر فرمایا۔

مثّنى: بضم ميم وفتح مثلثة ونون مشددة على أنه اسم مفعول من التثنية، وفي نسخة صحيحة: بفتح ميم فسكون فكسر فتحية مشددة على أنه اسم مفعول من الثني، قاله القاري، وجعلهما المناوي روايتين. شراكهما: [تثنية شراك، وهو أحد سيور النعل. والمعنى: كان شراك نعله مجعولا اثنين من السيور.] الزبيري: نسبة لجده زبير بالزاي مصغراً، واسمه محمد بن عبد الله بن الزبير.

جرداوين: الجرداء مؤنث أجرد، وهي: التي لا شعر عليها، استعير من أرض جرد لانبات فيها، وقيل: معناه خلقين.

ابن موسى: كذا في النسخ، قال المناوي وتبعه البيجوري: إسحاق بن موسى كذا في نسخ، وفي بعضها: إسحاق بن محمد وهو الصواب. قال بعض الحفاظ: هذا هو الذي خرج له في الشمائل، وليس هو إسحاق بن موسى الذي خرج له في جامعه، قال في التقريب: إسحاق بن محمد مجهول. وهذا عندي وهم منهما، والصحيح إسحاق بن موسى كما في النسخ الموجودة عندي، ويؤيد كتب الرجال أيضاً كونه ابن موسى؛ إذ ذكروا رواية الترمذي عن ابن موسى بدون الواسطة، وعن ابن محمد بواسطة، وأيضاً ذكروا في تلامذة معن بن موسى: هذا ابن موسى دون ابن محمد، وإسحاق بن محمد الذي أخرج له الترمذي في الشمائل، وقال صاحب التقريب فيه: إنه مجهول، هو رجل آخر، راوي حديث الاحتباء، يأتي حديثه في باب جلسته ﷺ فتأمل.

أخبرنا معن، حدثنا مالك، عن سعيد بن أبي سعيد **المَقْبُرِيّ، عن** [٤] عُبيد بن جُرَيج أنه قال لابن عمر: رأيتك تلبس النِّعال **السِّبتِية**؟ قال: إني رأيت رسول الله ﷺ يلبس النّعال التي ليس فيها شَعرٌ،

---

(۴) عبید بن جریج نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ بغیر بالوں کے چمڑے کا جوتا پہنتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو ایسا ہی جوتا پہنتے ہوئے اور اس میں وضو فرماتے ہوئے دیکھا ہے، اس لئے میں ایسے ہی جوتے کو پسند کرتا ہوں۔

فائدہ: منشا سوال کا یہ تھا کہ عرب میں اس وقت تک تنعم و تمدن ایسا نہ تھا، اس لئے بالوں سمیت چمڑے کا جوتا عام طور سے بنا لیا جاتا تھا۔ اسی لئے بخاری شریف کی مفصّل حدیث میں ہے کہ عبید نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں چند چیزیں آپ کے معمولات میں ایسی دیکھتا ہوں جو دوسرے صحابہ کے معمولات میں نہیں دیکھتا، منجملہ ان کے یہ بھی ذکر کیا کہ آپ صاف شدہ چمڑے کا جوتا پہنتے ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اتباع کے شدّتِ اہتمام میں اس کا لحاظ فرماتے تھے، دوسرے حضرات عام دستور کے موافق ویسے ہی چمڑے کا بنا لیتے تھے۔ حدیثِ بالا میں اس میں وضو کرنے کا مطلب یہ ہے کہ عرب کے جوتے میں چونکہ پنجہ نہیں ہوتا، نیچے چپتی اوپر تسمہ، اس لئے جوتا پہنے ہوئے بھی وضو ہو سکتا ہے اور بے تکلف پاؤں دُھل سکتا ہے، اس لئے حضور کبھی کبھی تعلیم و جواز کے واسطے ایسا بھی کر لیتے تھے۔ بعض علماء نے اس میں وضو کا مطلب یہ بتایا ہے کہ وضو کے بعد فوراً نعلین شریف پہن لیتے تھے، پاؤں کے خشک ہونے کا انتظار نہ فرماتے تھے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ فوراً تر پاؤں میں جوتا پہننے سے وضو میں کوئی نقص نہیں آتا۔

المقبري: نسبة للمقبرة لكثرة زيارته لها، أو لحفظها، أو لكون عمر ولّاه لحفرها. السِبتية: [التي لا شعر عليها، نسبة إلى سبت، وهو جلود البقر المدبوغة لأن شعرها سُبِتَ وسَقط عنها بالدباغ، ومراد السائل: أن يعرف حكمة اختيار ابن عمر لبس السبتية] بكسر السين المهملة وسكون الموحدة: منسوبة إلى السبت، قال أبو عبيد: هي المدبوغة، ونقله عن الأصمعي، وقيل: إنها هي التي حلقت عنها وأزيل شعرها، قاله القاري، وقال العيني رحمه الله: نسبة إلى سبت بكسر السين وسكون الموحدة، وهو جلد البقر المدبوغ بالقرظ، وقال أبو عمر: كل مدبوغ فهو سبت، وقال أبو زيد: هي السبت مدبوغة أو غير مدبوغة، وقيل: السبتية التي لا شعر عليها، وقيل: التي عليها الشعر إلى آخر ما بسطه، وجواب ابن عمر رضي الله عنه يدل علي أن المراد التي لا شعر عليها. قال الحنفي: وإنما اعترض عليه؛ لأنها نعال أهل النعمة والسعة، قال ابن حجر: ومن ثم لم يلبسها الصحابة كما أفاده حديث البخاري: عن عبيد بن جريج أنه قال لابن عمر رضي الله عنه: رأيتك تصنع أربعا لم أر أحداً من أصحابك يصنعها. الحديث.

ویتوضّأ فیها، فأَنا أُحِبّ أن ألبسَها. **حدثنا** إسحاق بن منصور، حدثنا عبد الرزاق، عن معمر، عن ابن أبي ذِئب، عن صالح مَوْلى **التَّوأمة، عن**(۵) أبي هريرة ﷺ قال: كان لنعل رسول الله ﷺ قِبَالان. **حدثنا** أحمد بن منيع، حدثنا أبو أحمد قال: أخبرنا سفيان، عن **السُّدِيّ** (محمد بن عبد الرحمن) قال: حدثني **مَنْ سمع** عمرو(٦) بن حُرَيثٍ يقول: رأيت رسول الله ﷺ يُصلّي في نعلين **مخصوفتين**. **حدثنا** إسحاق بن موسى الأنصاريّ، أخبرنا معن، أخبرنا مالك، عن أبي الزِّناد، عن الأعرج، **عن**(۷)

---

(۵) ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ بھی یہ ہی نقل فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے نعلین شریف کے دو تسمے تھے۔

(٦) عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو ایسے جوتوں میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے جن میں دوسرا چمڑا سلا ہوا تھا۔ **فائدہ**: یعنی اس کی تلی دوہری تھی، اوپر نیچے دو تہہ چمڑے کی تھیں، یا یہ مطلب ہے کہ ٹوٹے ہوئے ہونے کی وجہ سے چمڑے کے پیوند لگے ہوئے تھے۔

(۷) ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک جوتا پہن کر کوئی نہ چلے، یا دونوں پہن کر چلے یا دونوں نکال دے۔ **فائدہ**: اس حدیث کو شمائل میں ذکر کرنے سے یہ مقصود ہے کہ حضور کی عادتِ شریفہ ایک جوتا پہننے کی نہیں تھی، اس لئے کہ جب حضور دوسروں کو منع فرمارہے ہیں تو خود ایسا کیوں کرتے۔ بظاہر اس حدیث میں ممانعت

یتوضأ فيها: أي: يلبسها بعد الوضوء ورجلاه رطبتان، كما في المجمع، واختاره النووي، وقيل: يتوضأ والرجل في النعل، واختاره البيجوري.

التوأمة: كالدحرجة بفتح مثناة وسكون واو وفتح همزة. هي امرأة لها صحبة، سميت بذلك؛ لأنها كانت مع أخت في بطن.

السدي: بمهملة مضمومة فمهملة مشددة مكسورة: نسبة إلى السدة، وهو باب الدار، نسب إليها إسماعيل بن عبد الرحمن لبيعه المقانع بباب مسجد الكوفة، وهو السدي الكبير وحفيده السدي الصغير، والمراد ههنا الكبير.

من سمع: قال القسطلاني: لم أر التصريح باسمه، وأظنه عطاء بن السائب.

مخصوفتين: عامة الشراح على أنها كانتا مخروزتين بحيث ضم طاق إلى طاق، لكن قال القاري: وفي شرح أن المراد به المرقعة، وهذا أوجه عندي؛ لما سيأتي من قول الأنصاري: ياخير من يمشي بنعل فرد.

أبي هُريرة رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ قال: **لا يَمشِينّ** أحدكم في نعل واحدة، **ليُنْعِلْهُمَا** جميعا، أو **ليحفهما** جميعًا. **حدثنا قُتيبَة**، عن مالك بن أنس، عن أبي الزّناد، نحوه. **حدثنا** إسحاق ابن موسى، أخبرنا معن، أخبرنا مالك، عن أبي الزبير، **عن**(۸) جابر رضي الله عنه،

سے مقصود عادۃً ایسا کرنا ہے، لہٰذا اگر کسی عارض کی وجہ سے تھوڑی بہت دیر ایسے چلے مثلاً جوتا ٹوٹ جائے یا کوئی اور عارض پیش آجائے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ اس حدیث کے ذیل میں علماء نے ایک موزہ اور ایک آستین پہننے کو بھی داخل فرمایا ہے۔ غرض معتاد طریقہ پر ہر چیز کو پہننا چاہئے، تکلف اور بے تمیزی سے احتراز کرنا چاہئے۔

(۸) حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص بائیں ہاتھ سے کھائے یا ایک جوتا پہنے۔ **فائدہ:** جمہور علماء کے نزدیک یہ ارشادات استحبابی ہیں یعنی حرام نہیں ہے۔ لیکن بعض اصحابِ ظاہر نے ناجائز بتایا ہے۔

لا يمشين: [نفيٌ صورة ونهيٌ معنًى، فيكره ذلك من غير عذر؛ لما فيه من المثلة، وعدم الوقار، وتمييز إحدى جارحتيه عن الأخرى.] أشكل عليه بوجهين: الأول بما في الجامع عن عائشة من أن المصطفى ﷺ ربما مشى بنعل واحدة، وأجيب: بأن موضع النهي استدامة المشي في فردة، أما لو انقطع نعله فمشى خطوة أو خطوتين فليس بقبيح ولا منكر، أو النهي للإرشاد والفعل للجواز، وكفى بفعل عليّ وابن عمر جوازاً، والثاني بما في الصحيحين أن أنصاريا شكى إليه ﷺ فقال: يا خير من يمشي بنعل فرد، وأجيب: بأن الفرد ههنا التي لم تخصف و لم تطارق، وإنما هي طاق واحد، والعرب تمتدح برقة النعال، وحكى النووي الإجماع على ندب لبس النعلين جميعاً، وأنه غير واجب، ونوزع بقول ابن حزم: لايحل.

لينعلهما: أي: القدمين بلام الأمر، ضبطه النووي بضم أوله من أنعل، وتعقب بأن أهل اللغة قالوا: أنعل وانتعل أي: لبس النعل، لكن قال أهل اللغة أيضاً: أنعل رجله ألبسها نعلا. قال الحافظ ابن حجر: والحاصل أن الضمير إن كان للقدمين جاز الضم والفتح، وإن كان للنعلين تعين الفتح. ليحفهما: [وهو الإعراء عن الرِجل.]

قتيبة إلخ: قال المناوي: السند مرسل أو منقطع لإسقاط الأعرج وأبي هريرة. وتبعه البيجوري في ذلك، وحكاه القاري عن العصام، وهذا كله ليس بذلك، بل المعنى بسنده نحوه، كما هو المتعارف عند المحدثين؛ والدليل على ذلك: أن المصنف رحمه الله أخرجهما في جامعه، ونصه: حدثنا قتيبة، عن مالك ح وحدثنا الأنصاري، حدثنا معن، حدثنا مالك، عن أبي الزناد إلخ، والفرق بين الروايتين أن في الثانية حصل للمصنف العلو.

أن النبي ﷺ نهى أن يأكل -**يعني الرجل**- بشماله، أو يمشي في نعل واحدة. **حدثنا** قُتيبة عن مالك ح وأخبرنا إسحاق بن موسى، أخبرنا معن، أخبرنا مالك، عن أبي الزِّناد، عن الأعرج، **عن**[(٩)] أبي هريرة رضي الله عنه أن النبي ﷺ قال: إذا انتعل أحدكم فليبدأ باليمين، وإذا نزع **فليبدأ بالشمال**، فلتكن اليمنى أوّلهما تُنعَل، وآخرُهما تُنـــزَع. **حدثنا أبو موسى** محمد بن المثنى، أخبرنا محمد بن جعفر قال: أخبرنا شعبة قال: حدثنا أشعث - **وهو ابن** أبي الشّعثاء - عن أبـــيه، عن مسروق، **عن**[(١٠)] عائشة رضي الله عنها قالت: كان رسول الله يُحبّ التيمّن ما **استطاع في ترجّله** وتنعّله وطهوره.

ذكر بتأويل العضو — تمشط شعر [لبس نعله] [استعمال طهوره]

(۹) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص تم میں سے جوتا پہنے تو دائیں سے ابتداء کرنی چاہئے، اور جب نکالے تو بائیں سے پہلے نکالے۔ دایاں پاؤں جوتا پہننے میں مقدّم ہونا چاہئے اور نکالنے میں مؤخر۔ **فائدہ**: چونکہ جوتا پاؤں کے لئے زینت ہے اس لئے دیر تک پاؤں میں رہنا چاہئے، جیسا کہ پہلے بھی گذر چکا۔ ایسے ہی ہر وہ چیز جس کا پہننا زینت ہو اس کے پہننے میں دائیں کو مقدم کرے اور نکالنے میں بائیں کو، جیسے کُرتا، پاجامہ، اچکن وغیرہ۔

(۱۰) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اپنے کنگھی کرنے میں اور جوتا پہننے میں اور اعضاءِ وضو کے دھونے میں حتی الوسع دائیں سے ابتدا فرمایا کرتے تھے۔ **فائدہ**: ان تین کی تخصیص نہیں بلکہ ہر چیز کا یہی حکم ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے، اور حتی الوسع سے اس طرف اشارہ ہے کہ اگر کوئی ضرورت بائیں کے ابتدا کی لاحق ہو تو مضائقہ نہیں۔

يعني الرجل: يعني زاد لفظ "يعني" أبو الزبير أو من دونه لنسيان ألفاظ الشيخ. والرجل ليس باحتراز عن المرأة، بل المراد الشخص بطريق العموم. فليبدأ: قال الحافظ ابن حجر: نقل القاضي عياض وغيره الإجماع على أن الأمر فيه للاستحباب. بالشمال: [لأن النـــزع من باب التنقيص، واليمين مختار الله ومحبوبه في الأشياء.] أبو موسى: هو محمد ابن المثنى المذكور، فما في بعض النسخ من لفظ "نا" بينهما غلط. وهو ابن: الغرض أن شعبة اقتصر على لفظ "أشعث" فقط فزاد بعض من دونه نسبه. استطاع: [أي: يختار تقديم اليمين مدة استطاعته، بخلاف ما إذا كان ضرورة فلا كراهة في تقديم اليسار حينئذٍ.] في ترجله: [أي: في تسريح شعره] ذكر الثلاثة ليس للحصر، بل للإشارة إلى أنه عليه السلام كان يراعي التيمّن من الفرق إلى القدم في باب العبادات والعادات.

حدثنا محمد بن مَرْزُوق أبو عبد الله، حدثنا عبد الرحمن بن قيس أبو معاوية، أنبأنا هِشَام، عن محمد، عن[ابن سيرين] (۱۱) أبي هريرة رضي الله عنه قال: كان لنعل رسول الله ﷺ قِبَالان، وأبي بكر وعمر رضي الله عنهما، وأوّلُ من عقد عقدًا واحدًا[جعل قبالا واحداً] عثمانُ رضي الله عنه.

(۱۱) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے نعلین شریف کے دو تسمے تھے۔ ایسے ہی حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے جوتا میں بھی دوہرا تسمہ تھا۔ ایک تسمے کی ابتدا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمائی ہے۔

فائدہ: غالبًا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسی لئے اس کو اختیار فرمایا کہ دو تسموں کا ہونا ضروری نہ خیال کر لیا جائے۔

هشام: قال العصام: المسمى بهشام في أسانيد الشمائل خمسة، قال المناوي: هذا هشام ابن حسان، وهو الراوي عن ابن سيرين. عن محمد: [أي: ابن سيرين، رأى ثلاثين صحابيا، وكان يعبر الرؤيا.]

بَابُ مَاجَاء في ذكر خاتم رسُول الله ﷺ

حدثنا قُتَيبة بن سعيد وغير واحد، عن عبد الله بن وهب، عن يونس، عن ابن شهاب، **عن**[1] أنس بن مالك رضي الله عنه قال: كان خاتم النّبي ﷺ من **ورِق**،

باب حضور اقدس ﷺ کی انگوٹھی کا ذکر

فائدہ: اس باب میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے آٹھ احادیث ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی انگوٹھی چاندی کی تھی اور اس کا نگینہ حبشی تھا۔

فائدہ: چاندی کی انگوٹھی جمہور کے نزدیک جائز ہے، باقی پیتل لوہے وغیرہ کی حنفیہ کے نزدیک ناجائز ہے۔ حضور ﷺ نے ابتداءً انگوٹھی نہیں بنوائی تھی، مگر جب معلوم ہوا کہ سلاطینِ عجم بغیر مہر کے خطوط کی قدر نہیں کرتے اور تبلیغی خطوط سلاطین کے پاس ارسال کرنے شروع فرمائے تو سنہ ۶ یا سنہ ۷ ہجری میں مہر بنوائی۔ اس میں علماء کے اقوال مختلف ہیں کہ انگوٹھی کا حکم کیا ہے۔ بعض علماء نے مطلقاً سنت فرمایا ہے، بعض علماء نے غیر سلطان اور قاضی کے لئے مکروہ بتلایا ہے۔ علماء حنفیہ (کثر اللہ تعالی جمعهم وشكر سعيهم) کی تحقیق شامی کے قول کے موافق یہ ہے کہ بادشاہ، قاضی، متولّی وغیرہ، غرض جن کو مہر کی ضرورت پڑتی ہو اُن کے لئے تو سنت ہے اور ان کے علاوہ دوسروں کے لئے جائز تو ہے لیکن ترک کرنا افضل ہے۔ اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بھی اُسی وقت بنوائی جب سلاطین کو خطوط لکھنے کے لئے اس کی ضرورت پیش آئی،

ذكر: زاد لفظ "ذكر" للتنبيه على تميز هذه الترجمة من الترجمة المتقدمة، فإن المراد في الأولى: هي البضعة الناشزة عند الكتف، والمراد هناك الطابع الذي يختم به الكتب. وفي لفظ "الخاتم" خمس لغات، وقيل: عشر، والأفصح كسر التاء. قال الزين العراقي: لم ينقل كيف كانت صفة خاتمه الشريف هل كان مربعا أو مثلثا أو مدوراً؟ وعمل الناس في ذلك مختلف، وفي كتاب "أخلاق النبوة" أنه لا يُدرى كيف هو. قالوا: والخاتم حلقة ذات فص من غيرها، فإن لم يكن لها فص فهي فتخة، قاله البيجوري. واختلف في حكم الخاتم كما بسط في المطولات، وفي الدر المختار: ترك التختم لغير السلطان والقاضي وذي حاجة إليه كمتول أفضل، قال ابن عابدين: أشار إلى أن التختم سنة لمن يحتاج إليه كما في الاختيار.

ورق: بفتح الواو وكسر الراء المهملة وتسكن تخفيفاً، أي: فضة وفي الأصل: النقرة المضروبة. وقيل: النقرة مطلقا، مضروبة أو لا.

وكان **فَصُّه حَبَشيًا**. **حدثنا** قتيبة، أخبرنا أبو عوانة، عن أبي بِشْر، عن نافع، **عن**(۲) ابن عمر رضي الله عنهما أن النبي ﷺ **اتخذ** خاتَما من فضة، فكان يَختِم به، **ولا يَلبَسه**. **قال** أبو عيسى: أبو بشر: اسمه جعفر بن أبي **وحشية**. **حدثنا** محمود بن غيلان،

چنانچہ حدیث ② میں آرہا ہے۔ ابو داؤد شریف وغیرہ میں نبی کریم ﷺ سے بادشاہ کے علاوہ کو انگوٹھی پہننے کی ممانعت بھی آئی ہے، مگر چونکہ حضور ﷺ کے سامنے اکثر صحابہ سے پہننا بھی ثابت ہے اور حضور ﷺ کی اجازت بھی دوسری احادیث میں آئی ہے، اس لئے اس ممانعت کو اسی خلافِ اولی پر حمل کیا ہے۔

(۲) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی تھی، اس سے خطوط وغیرہ پر مہر فرماتے تھے، پہنتے نہیں تھے۔ فائدہ: حضور اقدس ﷺ کا انگوٹھی کو پہننا رواياتِ متعددہ سے ثابت ہے اس لئے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی علماء نے چند توجیہات فرمائی ہیں۔ بعض نے یہ توجیہ کی ہے کہ مقصود استمرار ہے کہ ہمیشہ نہیں پہنتے تھے، بعض کی رائے ہے کہ حضور ﷺ کی دو انگوٹھیاں تھیں، ایک یہ مہر والی، اس کو مہر کے کام میں لاتے تھے اور پہنتے نہیں تھے، دوسری پہننے کے استعمال میں لاتے۔ ایسے ہی اور بھی مختلف طریق سے جمع کیا گیا ہے۔ لیکن بندہ کے نزدیک اولیٰ یہی ہے کہ ہر وقت اس کو نہیں پہنتے تھے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نماز پڑھ رہے تھے، دائیں ہاتھ میں انگوٹھی تھی، نماز میں اس پر نگاہ پڑ گئی تو اس کے بعد سے پہننا چھوڑ دیا تھا۔

فصُّه: بتثليث أوله، ووهم القاموس الصحاح في جعله الكسر لحناً، وللفص معان كثيرة، والمراد ههنا: ما ينقش فيه اسم صاحبه.
حبَشيا: أي حجراً منسوباً إلى الحبش؛ لأنه معدنه، وقيل: كان فصّه عقيقاً كما في خبر، وقيل: كان جزعاً. وقال حبشيًا؛ لأنه يؤتى بهما من بلاد اليمن وهو كورة الحبشة، أو معنى حبشيا: جيء به من الحبشة، أو كان أسود على لون الحبشة، أو صانعه أو صانع نقشه من الحبشة، وبه يحصل الجمع بينه وبين ما سيأتي: "من فضّة فصّه منه" إذ لم يثبت تعدّد خاتمه، وهي رواية البخاري، ومن ثَم قال ابن عبد البر: إنها أصح، قاله القاري، زاد المناوي أو مصنوعاً كما يصنعه الحبشة، كما فسركون سيفه حنفيًا بكون زيه على سيوف بني حنيفة. اتخذ: [واتخاذه ﷺ الخاتم كان في أواخر السادسة وأوائل السابعة]
ولا يلبسه: أي: استمراراً ودواماً، فلا ينافي ما سيأتي في آخر الباب عن ابن عمر ﷺ بنفسه: أنه كان في يده.
وحشية: هكذا بالهاء في آخره في النسخة الأحدية، وهكذا في التهذيب وغيره، وفي نسخ الشروح: وحشي.

حدثنا حفص بن عمر بن عبيد -هو **الطَّنافِسِيّ**- أخبرنا زهـــير، **عن** حُميد، **عن**(۳) أنس ﷺ قال: كان خاتم رسول الله ﷺ من فضّةٍ، **فصُّه منه. حدثنا** إسحاق بن منصور، أخبرنا معاذ بن هشام قال: حدثني أبي، عن قتادة، **عن**(٤) أنس بن مالك ﷺ قال: لما أراد النبي ﷺ

احادیث میں ایک منقّش کپڑے کے متعلق بھی اس قسم کا واقعہ آتا ہے کہ نماز میں اس پر نگاہ پڑ گئی تو حضور ﷺ نے اس کو نکال دیا تھا اور اس کے بدلہ میں ایک معمولی کپڑا پہن لیا تھا۔ انگوٹھی چونکہ ضرورت کی چیز تھی اس لئے مطلقاً تو اس کا ترک مشکل تھا اس لئے عام طور پر اس کا پہننا ترک فرما دیا ہو، یہ اقرب ہے، چنانچہ دوسرے باب کی چھٹی حدیث میں آرہا ہے کہ اکثر اوقات حضرت معیقیب کے پاس رہتی تھی۔

(۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی انگوٹھی چاندی کی تھی اور اس کا نگینہ بھی اس ہی کا تھا۔

فائدہ: یہ حدیث بظاہر اس روایت کے خلاف ہے جس میں حبشی نگینہ وارد ہوا ہے۔ جو لوگ دو انگوٹھیوں کے قائل ہوئے ہیں وہ خود اس حدیث کو بھی دو ہونے پر قرینہ بتاتے ہیں، چنانچہ بیہقی وغیرہ کی یہی رائے ہے، ان کے نزدیک تو کوئی اشکال ہی نہیں۔ لیکن جو حضرات ایک انگوٹھی کے قائل ہیں وہ ان دونوں میں اس طرح جمع فرماتے ہیں کہ حبشی ہونے کے معنی یہ ہیں کہ حبشی رنگ یا حبشی طریقہ کا تھا، یا اس کا بنانے والا حبشی تھا۔ بندہ کے نزدیک تعدّد پر حمل اقرب ہے کہ مختلف اوقات میں مختلف انگوٹھیاں ہونا متعدّد احادیث سے ثابت ہے کہ ایک انگوٹھی حضور نے خود بنوائی پھر ہدیہ میں خدّام نے پیش کیں، جیسا کہ جمع الوسائل کی مختلف روایات سے یہ مضمون ثابت ہوتا ہے۔

(۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے جب اہلِ عجم کو تبلیغی خطوط لکھنے کا ارادہ فرمایا تو لوگوں نے عرض کیا کہ عجم بلا مہر والے خط کو قبول نہیں کرتے، اس لئے حضور نے انگوٹھی بنوائی، جس کی سفیدی گویا اب میری

الطنافِسي: بفتح الطاء وكسر الفاء، نسبة لطنافس كمساجد، جمع طنفسة بضم أوله وثالثه، وكسرهما، وكسر الأول وفتح الثالث: بساط له خَمْل، أي وبر، نسب إليها؛ لأنه كان يعملها أو يبيعها. **فصّه منه:** هذا يخالف ما تقدم من قوله "وكان فصّه حبشيا" وتقدم الجمع بينهما، والأوجه عندي التعدد، وإليه مال النووي والبيهقي وابن العربي والقرطبي وغيرهم، كما حكاه عنهم المناوي، وبسط الروايات في ذلك القاري.

أن يكتب إلى **العجَم**، قيل له: إن العَجَمَ لا يقبلون إلا كتابًا عليه خاتم، **فاصطنع** خاتمًا، فكأنّي **أنظر** إلى بياضه في كفّه. **حدثنا** محمّد بن يحيى، أخبرنا محمد بن عبد الله الأنصاري، حدثني أبي، عن **ثُمَامة، عن**(٥) أنس بن مالك ﷺ قال: كان نقش خاتم النبي ﷺ: **محمّد: سطر**، ورسول: سطر، والله: سطرٌ. **حدثنا** نصر بن عليّ **الجَهْضَمِيّ** أبو عمرو، أنبأنا نوح بن قيس، عن خالد بن قيس، عن قتادة،

نظروں کے سامنے پھر رہی ہے۔ فائدہ: اس اخیر کے جملہ سے اس قصہ کے خوب یاد ہونے کی طرف اشارہ ہے اور سفیدی سے اس کے چاندی کی ہونے پر اشارہ ہے۔

(۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی انگوٹھی کا نقش "محمد رسول اللہ" تھا اس طرح پر کہ "محمد" ایک سطر میں تھا، "رسول" دوسری سطر میں، لفظ "اللہ" تیسری سطر میں۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس کی صورت (اللہ / رسول / محمد) تھی کہ اللہ کا پاک نام سب سے اوپر تھا، مگر محققین کی رائے یہ ہے کہ کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا، بلکہ ظاہر الفاظ سے (محمد / رسول / اللہ) معلوم ہوتا ہے۔

العجم: [أي: إلى عظمائهم وملوكهم يدعوهم إلى الإسلام، والمراد بالعجم ماعدا العرب، فيشمل الروم وغيرهم.] فاصطنع: [فلأجل ذلك أمر بأن يُصطنع له خاتم.] من باب قولهم: "بنى الأمير المدينه"، والصانع كان يعلى بن أُمية. أنظر: [إشارة إلى كمال إتقانه واستحضاره لهذا الخبر حال الحكاية، كأنه يخبر عن مشاهدة.] ثمامة: بضم المثلثة وتخفيف ميمه: هو عم عبد الله الراوي. قال المناوي: ظاهره أن "محمدا" سطره الأول، و "رسول" سطره الثاني، و"الله" سطره الثالث، وقول الأسنوي: كانت تقرأ من الأسفل؛ ليكون اسم الله فوق الكل وتأييد ابن جماعة بأنه اللائق بكمال أدبه مع ربه، ردّ نقلا وتوجيها، أما الأول: فقد ذكر الحافظ ابن حجر: أنه لم يره في شيء من الأحاديث قال، بل رواية الإسماعيلي يخالف ظاهرها ذلك، إذ قال: "محمد" سطر، والسطر الثاني: "رسول"، والسطر الثالث: "الله". وأما الثاني: فإن العصام تعقبه بأنه يخالف وضع التنـزيل؛ إذ جاء فيه: ﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ﴾ (الفتح: ٢٩) على هذا الترتيب إلى آخرما بسطه المناوي. [وأما الثالث: فلأنه إنما عوّل فيه على العادة، وأحواله خارجة عن طورها، وبالجملة: فلا يصار إلى كلام الأسنوي.] الجهضمي: بفتح الجيم وسكون الهاء وفتح الضاد المعجمة في آخره ميم: نسبة للجهاضمة، محلة بالبصرة، وتلك المحلة تنسب إلى الجهاضمة بطن من الازد، قاله البيجوري.

عنْ (٦) أنس ﷺ: أن النبي ﷺ كتب إلى كِسْرى وقَيصرَ والنَّجاشِي، فقيل له: إنهم لا يقبلون كتابا إلا بخاتم،

(۶) حضرت انس ﷺ سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے کسریٰ اور قیصر اور نجاشی کے پاس تبلیغی خطوط لکھنے کا قصد فرمایا تو لوگوں نے عرض کیا کہ حضور! یہ لوگ بدون مہر کے خطوط کو قبول نہیں کرتے۔ اس لئے حضور اقدس ﷺ نے ایک مہر بنوائی جس کا حلقہ چاندی کا تھا اس میں ”محمد رسول اللہ“ منقوش تھا۔ فائدہ: کسریٰ ملکِ فارس کے بادشاہ کا لقب ہے، اور قیصر ملکِ روم کے، اور نجاشی ملکِ حبشہ کے بادشاہ کا۔ کسریٰ شاہِ فارس کے پاس حضور نے اپنا والا نامہ عبد اللہ بن حذافہ سہمی ﷺ کے ہاتھ روانہ فرمایا تھا، کسریٰ نے آپ کے والا نامہ مبارک کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ حضور نے سن کر بد دعا فرمائی کہ حق تعالیٰ جل جلالہ اس کے ملک کو ٹکڑے ٹکڑے فرما دے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ شاہِ روم کے پاس دحیہ کلبی ﷺ کے ہاتھ گرامی نامہ اقدس ارسال ہوا، وہ باوجود یقین نبوّت کے ایمان نہیں لایا۔ نجاشی شاہِ حبشہ کے پاس عمرو بن امیہ ضمری کے ہاتھ خط لکھا جیسا کہ مواہب لدنیہ وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے۔ یہ وہ نجاشی نہیں جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے، جن پر حضور ﷺ نے صلوٰۃ الجنازہ پڑھی، یہ اور نجاشی ہیں۔ ان کے اسلام کے حال جیسا کہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے معلوم نہیں ہوا۔

حضور اکرم ﷺ کے والا نامہ جات تو متعدد ہیں جو کتب سیر وحدیث میں مفصل مذکور ہیں۔ گرامی نامہ جات کو بعض لوگوں نے مستقل تصانیف میں جمع بھی کر دیا ہے۔ حدیثِ بالا میں تین والا نامہ جات کا ذکر ہے، جن کا مختصر ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ایک والا نامہ کِسریٰ کے نام ہے، فارس کے ہر بادشاہ کا لقب کسریٰ ہے جو بھی ہو، اس کسریٰ کا نام پرویز تھا،

كتب: أي: أراد أن يكتب للرواية السابقة، وذلك حين رجع من الحديبية.

كسرى: بكسر الكاف وفتحها: لقب ملوك فارس، وفي المغرب: كسرى بالفتح أفصح، لكن في القاموس: كسرى ويفتح ملك الفرس، معرّب "خسرو" أي: واسع الملك، قاله القاري، وقال المناوي: النسبة إليه كسروي وإن شئت كسرى، وعن أبي عمر: جمع كسرى أكاسرة على غير قياس. وقيصر: تقدم في باب الخف أن قيصر لقب لملك الروم، زاد القاري: كما أن تبّع لمن ملك حمير، واليمن وخاقان لمن ملك الترك.

فصاغ رسول الله ﷺ خاتما حلقته فضة، **وَنَقَشَ** فيه: مُحمّدٌ رَّسُولُ اللهِ. **حدثنا** إسحاق بن منصور،
مشعر بأن فصه لم يكن من فضة

جو نوشیرواں کا پوتا تھا۔ والا نامہ کا مضمون حسب ذیل تھا:۔

بسم الله الرحمن الرحيم. من محمد رسول الله إلى كسرى عظيم فارس. سلام على من اتبع الهدى وآمن بالله ورسوله، وشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأن محمدا عبده ورسوله، أدعوك بدعاية الله، فإني أنا رسول الله إلى الناس كافة لينذر من كان حيا ويحق القول على الكافرين، أسلم تسلم، فإن توليت فإن عليك إثم المجوس. (زرقاني)

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اللہ کے رسول محمد (ﷺ) کی طرف سے کسریٰ کے نام جو فارس کا بڑا (اور سردار) ہے۔ سلامتی اس شخص کے لئے ہے جو ہدایت اختیار کرے اور اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور اس بات کا اقرار کرے کہ اللہ وحدہ لا شریک لہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میں تجھ کو اللہ کی پکار (یعنی کلمہ) کی دعوت دیتا ہوں، اس لئے کہ میں اللہ کا وہ رسول ہوں جو تمام جہان کی طرف اس لئے بھیجا گیا ہے کہ ان لوگوں کو ڈرائے جن کے دل زندہ ہیں (یعنی ان میں کچھ عقل ہے کہ بے عقل آدمی بمنزلہ مردہ کے ہے) اور تا کہ اللہ کی حجت کافروں پر پوری ہو جائے۔ (اور کل قیامت میں یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ ہم کو علم نہ ہو سکا) تو اسلام لے آتا کہ سلامتی سے رہے ورنہ تیرے اتباع مجوس کا بھی وبال تجھ پر ہو گا کہ وہ تیری اقتدا میں گمراہ ہو رہے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن حذافہ کو یہ خط دے کر روانہ فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ کسریٰ کا گورنر جو بحرین میں رہتا ہے اس کے ذریعہ سے کسریٰ تک پہنچا دیں، چنانچہ اسی ذریعہ سے وہاں تک خط لے کر پہنچے۔ کسریٰ نے یہ والا نامہ پڑھوا کر سُنا اور اس کو چاک کر دیا اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دیا۔ حضور ﷺ کو اس کا علم ہوا تو حضور ﷺ نے اس کے لئے بد دعا فرمائی اور اس کے بیٹے شیرویہ نے بُری طرح سے اس کو قتل کیا جس کا قصہ کتبِ تواریخ میں مذکور ہے۔ دوسرا والا نامہ جس کا حدیثِ بالا

فصاغ: [أي أمر بصوغه، وهو تهيئة الشيء على أمر مستقيم.] ونقشَ: قال القاري: ضبط مجهولاً في النسخ المعتمدة، وقال الحنفي: روي معلوماً ومجهولاً، فالله أعلم بصحّته، وقال ميرك: ضبط في أصل سماعنا بالمجهول، وضبطنا في البخاري بالمعروف على أن ضمير الفاعل إلى النبي ﷺ، والإسناد مجازي.

میں ذکر ہے قیصر کے نام تھا، جو روم کا بادشاہ تھا۔ اس کا نام موّرخین کے نزدیک ہرقل ہے۔ یہ والا نامہ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا گیا۔ مسلمان تو قیصر بھی نہیں ہوا لیکن حضور کے والا نامہ کو نہایت اعزاز واکرام سے رکھا۔ حضور ﷺ کو جب ان دونوں واقعات کا علم ہوا تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسریٰ نے اپنے ملک کے ٹکڑے کر لیے اور قیصر نے اپنے ملک کی حفاظت کر لی۔ اس والا نامہ کا مضمون حسب ذیل تھا:

بسم الله الرحمن الرحيم. من محمد عبد الله ورسوله إلى هرقل عظيم الروم. سلام على من اتبع الهدى.-أما بعد فإني أدعوك بدعاية الإسلام. أسلم تسلم، يؤتك الله أجرك مرتين، فإن توليت فإن عليك إثم اليريسيّين، ويا أهل الكتاب تعالو إلى كلمة سواء بيننا وبينكم أن لا نعبد إلا الله ولا نشرك به شيئًا ولا يتخذ بعضنا بعضا أربابًا من دون الله فإن تولوا فقولوا اشهدوا بأنا مسلمون. (بخاري، إعلام السائلين) (يا اهل الكتاب سے اخیر تک قرآن پاک کا مضمون ہے جو سورہ آل عمران کے چھٹے رکوع میں ہے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ محمد (ﷺ) کی طرف سے جو اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، ہرقل کی طرف، جو روم کا بڑا (اور سردار ہے)۔ سلامتی اس شخص کے لئے ہے جو ہدایت اختیار کرے۔ حمد وصلوٰۃ کے بعد میں تجھ کو اسلام کے کلمہ (یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ) کی طرف دعوت دیتا ہوں، تو اسلام لے آ تاکہ سلامتی سے رہے اور حق تعالیٰ شانہ دوہرا اجر تجھ کو عطا فرمائے (کہ اہل کتاب کے لئے دوہرا اجر ہے، جیسا کہ کلام پاک میں بھی سورہ حدید کے ختم پر اس کا ذکر ہے) اور اگر تو روگردانی کرے گا تو تیرے ماتحت زراعت پیشہ لوگوں کا وبال بھی تجھ پر ہوگا۔ اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسے کلمہ کی طرف جو ہم میں اور تم میں مشترک ہے اور وہ توحید ہے کہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ کریں، اللہ کا کسی کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے کوئی آپس میں ایک دوسرے کو رب نہ بنائے (جیسا کہ احبار اور رہبان کو بنایا جاتا تھا) اگر اس کے بعد بھی وہ اہل کتاب روگردانی کریں تو مسلمانو! تم ان سے کہہ دو کہ تم اس کے گواہ رہو کہ ہم تو مسلمان ہیں (ہم تو اپنے مسلک کا صاف اعلان کرتے ہیں، اب تم جانو تمہارا کام)

حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ جب اس والا نامہ کو لے کر گئے اور قیصر کے سامنے پڑھا گیا تو اس کا بھتیجا بھی وہاں موجود تھا، وہ نہایت غصہ میں بھر گیا اور کہنے لگا کہ اس خط کو مجھے دو۔ چچا یعنی قیصر نے کہا تو کیا کرے گا؟ اس نے کہا یہ خط پڑھنے کے قابل نہیں ہے، اس میں آپ کے نام سے ابتدا نہیں کی، اپنے نام سے کی ہے، پھر آپ کو بادشاہ کے بجائے روم کا بڑا آدمی لکھا ہے وغیرہ وغیرہ۔ قیصر نے کہا: تو بے وقوف ہے، یہ چاہتا ہے کہ میں ایسے شخص کے خط کو پھینک دوں جس کے پاس

ناموسِ اکبر (یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام) آتے ہوں، اگر وہ نبی ہیں تو ان کو ایسے ہی لکھنا چاہئے۔ اس کے بعد حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کو بڑے اعزاز و اکرام سے ٹھہرایا۔ قیصر اس وقت سفر میں تھا، واپسی پر اس نے اپنے ارکان و امراءِ سلطنت کو جمع کیا اور جمع کر کے اُن سے کہا کہ میں تم کو ایک ایسی بات کی طرف متوجہ کرتا ہوں جو سراسر خیر و فلاح ہے اور ہمیشہ کے لئے تمہارے ملک کے بقا کا ذریعہ ہے، بیشک یہ نبی ہیں ان کا اتباع کر لو اور ان کی بیعت اختیار کر لو۔ اس نے ایک بند مکان میں جہاں سب طرف کو کواڑ بند کرادیے گئے تھے، اس مضمون پر ایک لمبی تقریر کی۔ وہ لوگ اس قدر متوحّش ہوئے کہ ایک دم شور و شغب ہوگیا، اِدھر اُدھر بھاگنے لگے مگر کواڑ سب بند تھے، دیر تک ہنگامہ برپا رہا۔ اس کے بعد اُس نے سب کو چُپ کیا اور تقریر کی کہ درحقیقت ایک مدّعی نبوّت پیدا ہوا ہے، میں تم لوگوں کا امتحان لینا چاہتا تھا کہ تم اپنے دین میں کس قدر پختہ ہو، اب مجھے اس کا اندازہ ہوگیا۔ وہ لوگ اس کے سامنے اپنی عادت کے موافق سجدے میں گر گئے۔ اس کے بعد ان کو شاباشی وغیرہ دے کر رخصت کیا۔ بعض روایات میں ہے کہ اُس نے خط کو پڑھ کر چُوما، سر پر رکھا اور ریشمی کپڑے میں لپیٹ کر اپنے پاس رکھ لیا اور پوپ کو طلب کیا اُس سے مشورہ کیا، اس نے کہا: بیشک یہ نبی آخر الزمان ہیں، جن کی بشارتیں ہماری کتاب میں موجود ہیں۔ قیصر نے کہا: مجھے بھی اس کا یقین ہے، مگر اشکال یہ ہے کہ اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو یہ لوگ مجھے قتل کر دیں گے اور سلطنت جاتی رہے گی (اعلام السائلین) جس وقت یہ والا نامہ سفر کی حالت میں قیصر کے پاس پہنچا تھا وہ اس وقت اپنی مذہبی ضرورت کے لئے بیت المقدس آیا ہوا تھا، وہاں مکہ مکرّمہ کا ایک بڑا تجارتی قافلہ بھی گیا ہوا تھا۔ اس نے تحقیقِ حالات کیلئے اس قافلہ کے سرداروں کو بھی طلب کیا تھا، جس کا مفصّل قصّہ بخاری شریف میں موجود ہے۔ یہ اس زمانہ کا قصّہ ہے جب عمرہ حدیبیہ کے بعد حضور اقدس ﷺ کے درمیان اور اہل مکہ کے درمیان چند سال کے لئے ایک عہد نامہ اور صلح نامہ تیار ہوا تھا کہ آپس میں لڑائی نہ کی جائے۔ ابو سفیان رضی اللہ عنہ جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، کہتے ہیں کہ اس صلح کے زمانہ میں ملک شام میں گیا ہوا تھا کہ اس اثنا میں ہرقل کے نام حضور کا والا نامہ بھی گیا جس کو دحیہ کلبی لے کر گئے، ہرقل کے پاس جب وہ گرامی نامہ پہنچا تو اس نے اپنے لوگوں سے پوچھا کہ یہاں اس شہر میں کوئی شخص اس کا واقف ہے جو مدّعی نبوّت پیدا ہوا ہے؟ ان لوگوں نے کہا کہ ہاں کچھ لوگ آئے ہوئے ہیں، اس پر ہماری طلبی ہوئی۔ چنانچہ میں قریش کے چند لوگوں کے ہمراہ اس کے پاس گیا، اس نے ہم سب کو اپنے پاس بٹھایا اور پوچھا کہ اُس شخص کے ساتھ جو

نبوّت کا دعویدار ہے، تم میں سب سے زیادہ قریب رشتہ داری کس کی ہے؟ میں نے کہا کہ میں سب میں زیادہ قریب ہوں۔ اس نے مجھے اپنے قریب بُلایا اور باقی ساتھیوں کو میرے پیچھے بٹھایا اور ان سے یہ کہا کہ میں اس سے چند سوالات کرتا ہوں، تم سب غور سے سُنتے رہنا اور جس بات کا جواب جھوٹ بتائے تو تم اس کو ظاہر کر دینا۔ ابو سفیان رضی اللہ عنہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور سخت ترین دشمن تھے، کہتے ہیں کہ خدا کی قسم! اگر مجھے اپنی بدنامی کا اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ بعد میں مجھے جھوٹ سے بدنام کرینگے تو میں ضرور جھوٹ بولتا مگر خوفِ بدنامی نے سچ بولنے پر مجبور کیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے ترجمان کے ذریعہ سے مجھ سے حسب ذیل سوالات کئے:۔

سوال: یہ مدّعی نبوّت نسب کے اعتبار سے تم میں کیسے شخص سمجھے جاتے ہیں؟

جواب: ہم میں بڑا عالی نسب ہے۔

سوال: ان کے بڑوں میں کوئی شخص بادشاہ ہوا ہے؟

جواب: کوئی نہیں ہوا۔

سوال: نبوّت کے دعوی سے قبل تم کبھی ان کو جھوٹ بولنے کا الزام دیتے تھے؟

جواب: کبھی نہیں۔

سوال: ان کے متبعین قوم کے شرفاء ہیں یا معمولی درجے کے آدمی؟

جواب: معمولی درجہ کے لوگ۔

سوال: ان کے متبعین کا گروہ بڑھتا جارہا ہے یا کم ہوتا جاتا ہے؟

جواب: بڑھتا جاتا ہے۔

سوال: ان کے دین میں داخل ہونے کے بعد اس سے بددل ہو کر دین سے پھر بھی جاتے ہیں یا نہیں؟

جواب: نہیں۔

سوال: تمہاری اُن کے ساتھ کبھی جنگ ہوئی یا نہیں؟

جواب: ہوئی ہے۔

سوال: جنگ کا پالا کیسا رہا؟

جواب: کبھی وہ غالب ہو جاتے، کبھی ہم غالب ہو جاتے۔

سوال: وہ کبھی بد عہدی کرتے ہیں؟

جواب: نہیں، لیکن آج کل ہمارا اور ان کا ایک معاہدہ ہے، نہ معلوم وہ اس کو پورا کریں گے یا نہیں۔ ابو سفیان کہتے ہیں کہ اس ایک کلمہ کے سوا کسی چیز میں بھی مجھے موقع نہ ملا کہ کچھ اپنی طرف سے مِلا دوں۔

سوال: ان سے قبل کسی نے نبوّت کا دعویٰ کیا؟

جواب: نہیں۔

بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ ہرقل نے پوچھا کہ بد عہدی کا کیوں خوف ہے؟ تو ابو سفیان نے کہا کہ میری قوم نے اپنے حلیفوں کی اس کے حلیفوں کے خلاف مدد کی ہے۔ اس پر ہرقل نے کہا کہ جب تم ابتدا کر چکے ہو تو تم زیادہ بد عہد ہوئے۔ اس کے بعد ہرقل نے از سر نو سلسلہ شروع کیا اور کہا کہ میں نے تم سے ان کے نسب کے بارے میں سوال کیا، تم نے عالی نسب بتایا۔ انبیا اپنی قوم کے شریف خاندان ہی میں پیدا ہوتے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ اُن کے بڑوں میں کوئی شخص بادشاہ ہوا ہے؟ تم نے کہا نہیں۔ مجھے یہ خیال ہوا تھا کہ شاید اس بہانے سے اس بادشاہت کو واپس لینا چاہتے ہیں۔ میں نے ان کے متبعین کے بارے میں سوال کیا کہ شرفا ہیں یا کمزور لوگ؟ تم نے جواب دیا کہ کمزور لوگ ہیں۔ ہمیشہ سے انبیا کا اتباع کرنے والے ایسے ہی لوگ ہوا کرتے ہیں (کہ شرفاء کو اپنی نخوت دوسرں کی اطاعت سے روکتی ہے) میں نے سوال کیا تھا کہ اس دعوی سے قبل تم دروغ گوئی کا الزام ان پر لگاتے تھے یا نہیں؟ تم نے انکار کیا۔ میں نے یہ سمجھا تھا کہ شاید لوگوں کے متعلق جھوٹ بولتے بولتے اللہ پر بھی جھوٹ بولنا شروع کر دیا ہو (مگر جو شخص لوگوں کے متعلق جھوٹ نہ بولتا ہو وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق کیا جھوٹ بول سکتا ہے) میں نے سوال کیا تھا کہ اس کے دین میں داخل ہو کر اس سے ناراض ہو کر کوئی مرتد ہوتا ہے؟ تم نے اس سے انکار کیا۔ ایمان کی یہی خاصیت ہے جب کہ اس کی بشاشت دلوں میں گھس جائے۔ میں نے پوچھا تھا کہ وہ لوگ بڑھتے رہتے ہیں یا کم ہوتے جاتے ہیں؟ تم نے کہا کہ بڑھتے جاتے ہیں۔ ایمان کا خاصہ یہی ہے حتی کہ دین کی تکمیل ہو جائے۔ میں نے ان سے جنگ کے بارے میں سوال کیا تھا، تم نے کہا کبھی وہ غالب کبھی ہم غالب۔ انبیا کے ساتھ ہمیشہ یہی برتاؤ رہا لیکن بہتر انجام انھیں کے لئے ہوتا ہے۔ میں نے بد عہدی کے متعلق سوال کیا، تم نے انکار کیا۔ یہی

انبیا کی صفت ہوتی ہے کہ وہ بد عہد نہیں ہوتے۔ میں نے پوچھا تھا کہ ان سے قبل کسی نے نبوت کا دعوی کیا؟ تم نے اس سے انکار کیا۔ میں نے خیال کیا تھا کہ اگر کسی نے ان سے قبل یہ دعوی کیا ہوگا تو میں سمجھوں گا کہ یہ اُسی قول کی تقلید کرتے ہیں جو اُن سے پہلے کہا جاچکا ہے۔ اس کے بعد ہرقل نے ان لوگوں سے پوچھا کہ ان کی تعلیمات کیا ہیں؟ ان لوگوں نے کہا کہ نماز پڑھنے کا، صدقہ کرنے کا، صلہ رحمی کا، عفت و پاکدامنی کا حکم کرتے ہیں۔ ہرقل نے کہا اگر یہ سب امور سچ ہیں جو تم نے بیان کئے تو وہ بلا شبہ نبی ہیں۔ مجھے یہ تو یقین تھا کہ وہ عنقریب پیدا ہونے والے ہیں مگر یہ یقین نہیں تھا کہ تم میں سے ہوں گے۔ اگر مجھے یقین ہوتا کہ میں ان تک پہنچ سکتا ہوں تو ان کے ملنے کی خواہش کرتا (مگر اپنے قتل اور سلطنت کے زوال کے خوف سے جا نہیں سکتا) اور میں ان کے پاس ہوتا تو ان کے پاؤں دھوتا۔ بلا شبہ ان کی سلطنت اس جگہ تک پہنچے والی ہے جہاں میں ہوں۔ ہرقل کے اور بھی بہت سے قصے حدیث کی کتابوں میں ہیں۔ یہ اپنی کتاب کا بھی ماہر تھا اور نجوم میں بھی مہارت رکھتا تھا اس لئے اس کو پہلے سے اس قسم کے خیالات ہو رہے تھے اور تحقیقات کر رہا تھا۔ بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ اس نے اس والا نامہ کو نہایت احتیاط سے صندوق میں سونے کی ایک نلکی میں محفوظ رکھا جو نسلاً بعد نسل اسی طرح اس کی اولاد میں منتقل ہوتا چلا آیا۔

تیسرا والا نامہ جس کا حدیث بالا میں ذکر ہے، نجاشی کے نام تھا۔ یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ حبشہ کے بادشاہ کا لقب نجاشی ہے۔ حضور ﷺ کے زمانہ میں دو بادشاہ حبشہ میں گزرے ہیں، پہلے کا نام اصحمہ تھا یہ مسلمان ہوگئے تھے۔ ابتدائے اسلام میں صحابۂ کرام نے ان کی سلطنت حبشہ میں اُس وقت ہجرت کی تھی جب کہ یہ مسلمان بھی نہ ہوئے تھے جس کا قصہ "حکایات صحابہ" کے پہلے باب کے نمبر⑩ پر کچھ مختصر سا گزر چکا ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے عمرو بن امیہ ضمری کے ہاتھ ان کے پاس بھی خط بھیجا تھا، جس کا مضمون یہ تھا۔

بسم الله الرحمن الرحيم. من محمد رسول الله إلى النجاشي ملك الحبشة، سلّم أنت فإني أحمد إليك الله الذي لا إله إلا هو الملك القدوس السلام المؤمن المهيمن، وأشهد أن عيسى بن مريم عليه السلام	بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اللہ کے رسول محمد (ﷺ) کی طرف سے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے نام۔ تم صلح پسند ہو، میں اُس اللہ کی تعریف تمہارے پاس پہنچاتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، وہ بادشاہ ہے، سب عیبوں سے پاک ہے، ہر قسم کے نقص سے محفوظ ہے (یا بندے اس کے ظلم سے محفوظ ہیں) امن دینے والا ہے، نگہبان ہے (کہ بندوں کی آفات سے حفاظت فرماتا ہے) اور میں اس کا اقرار کرتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام

روح الله وكلمته ألقاها إلى مريم البتول الطيبة الحصينة فحملت به فخلقه من روحه ونفخه كما خلق آدم بيده، وإني أدعوك إلى الله وحده لا شريك له والموالاة على طاعته وإن تتبعني وتؤمن بالذي جاءني فإني رسول الله، وإني أدعوك وجنودك إلى الله عزوجل وقد بلغت ونصحت فاقبلوا نصيحتي. والسلام على من اتبع الهدیٰ.

اللہ کی ایک روح اور اس کے وہ کلمہ تھے جس کو اللہ جل شانہ نے پاک وصاف کنواری مریم کی طرف بھیجا تھا پس وہ حاملہ بن گئیں۔ حق تعالیٰ شانہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی ایک خاص روح سے پیدا کیا اور ان میں جان ڈال دی جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو (بغیر باپ کے) اپنے دست مبارک سے پیدا فرمایا۔ میں تمہیں اسی وحدہ لاشریک لہ کی بندگی کی دعوت دیتا ہوں اور اس کی اطاعت پر تعاون کی طرف بُلاتا ہوں اور اس بات کی طرف بُلاتا ہوں کہ تم میرا اتباع کرو، اور جو شریعت میں لے کر آیا ہوں اس پر ایمان لاؤ۔ بلا شبہ میں اللہ کا رسول ہوں اور اللہ کی طرف تم کو اور تمہارے سارے لشکروں کو بُلاتا ہوں۔ میں حق بات تم تک پہنچا چکا ہوں اور نصیحت کر چکا، تم میری نصیحت قبول کر لو اور سلام (یا سلامتی) اس شخص پر جو ہدایت کا اتباع کرے۔

محدثین کی ایک جماعت کی تحقیق یہ ہے کہ یہ نجاشی پہلے سے مسلمان ہو چکے تھے۔ اس والا نامہ پر انھوں نے اپنے اسلام کا اظہار کیا اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ اسی وقت مسلمان ہوئے، بہر حال انھوں نے اس والا نامہ کے جواب میں ایک عریضہ لکھا جس میں اپنے ایمان کا اقرار کیا اور اس کا اقرار کیا کہ آپ نے حضرت عیسی علیہ السلام کے متعلق جو کچھ لکھا وہ حرف بحرف صحیح ہے اور اپنے لڑکے کے ہاتھ ساٹھ نفر کی ایک جمعیت کے ساتھ اپنا عریضہ خدمتِ اقدس میں بھیجا، مگر افسوس کہ راستہ میں وہ کشتی سمندر میں غرق ہوگئی اور ان میں سے کوئی بھی خدمتِ اقدس میں نہ پہنچ سکا۔ خود ان نجاشی کا وصال بھی حضور کی حیات ہی میں ہوگیا تھا اور حضور ﷺ نے غائبانہ ان کے جنازہ کی نماز پڑھی (غائبانہ نماز کا مسئلہ ایک فقہی بحث ہے جس کی یہ جگہ نہیں ہے، بہت سی وجوہ سے حنفیہ کے نزدیک ان کی خصوصیت تھی) ان کے بعد ان کی جگہ دوسرا نجاشی ہوا، اس کے پاس بھی حضور اقدس ﷺ نے والا نامہ ارسال فرمایا جو حسبِ ذیل ہے:۔

هذا كتاب من النبي ﷺ إلى النجاشي عظيم الحبشة. سلام على من اتبع الهدى وآمن بالله ورسوله.

یہ خط اللہ کے نبی محمد (ﷺ) کی طرف سے نجاشی کے نام ہے جو حبشہ کا بڑا اور سردار ہے۔ سلام اس شخص پر جو ہدایت کا اتباع کرے اور اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور اس کا اقرار کرے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ذات ہے۔

أنبأنا سعيد بن عامر والحجّاج بن مِنْهَال، عن همام، عن ابن جُرَيج، عن الزُّهريّ،

وشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له، لم يتخذ صاحبة ولا ولداً وأن محمدا عبده ورسوله، وأدعوك بدعاية الله فإني أنا رسوله فأسلم تسلم, يا أهل الكتاب تعالوا إلى كلمة سواء بيننا وبينكم أن لا نعبد إلا الله ولا نشرك به شيئًا ولا يتخذ بعضنا بعضاً أربابا من دون الله،فإن تولوا فقولوا اشهدوا بأنا مسلمون، فان أبيت فعليك إثم النصارى.

نہ کوئی اس کا شریک، نہ بیوی ہے اس کے لئے نہ اولاد۔ اور اس کا اقرار کرے کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں اللہ کی پکار یعنی کلمہ لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تجھ کو دعوت دیتا ہوں، تو مسلمان ہو جا! سلامتی سے رہے گا۔ اے اہل کتاب! آؤ ایسے کلمہ کی طرف جو ہم میں اور تم میں مشترک ہو، وہ یہ کہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کی پرستش نہ کریں، اللہ کا کسی کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو رب نہ بنائے اللہ کے سوا۔ اگر اس کے بعد بھی اہل کتاب روگردانی کریں تو مسلمانوں! تم کہہ دو کہ تم لوگ گواہ رہو اس کے کہ ہم مسلمان ہیں (بے دھڑک اپنے ایمان کا اعلان کرتے ہیں) اے نجاشی! اگر تو میری دعوت کے قبول کرنے سے انکاری ہے تو نصاریٰ کا گناہ بھی (بوجہ اس کے کہ وہ تیرے متبع ہیں) تجھ پر ہوگا۔ فقط۔

اس خط میں غالبًا حسبِ معمول بسم اللہ بھی ہوگی مگر میں نے جہاں سے نقل کیا ہے اس میں نہیں ہے۔ ان نجاشی کے متعلق یہ محقّق نہیں ہوسکا کہ یہ اسلام لائے یا نہیں، ان کا کیا نام تھا۔ اکثر محدثین کی رائے یہ ہے کہ حدیثِ بالا میں تیسرا خط جو نجاشی کے نام ہے وہ یہی نجاشی ہیں، چنانچہ بعض روایات میں نجاشی کے نام کے ساتھ یہ لفظ بھی ہے کہ وہ نجاشی نہیں ہیں جن کے جنازہ کی نماز حضور ﷺ نے پڑھی۔ اور یہی صحیح ہے اگرچہ بعض محدثین نے صرف پہلے ہی نجاشی کے خط کا ذکر کیا اور بعض نے صرف دوسرے کا۔

والحجّاج: بفتح حاء مهملة وتشديد الجيم الأولى. ومنهال بكسر الميم فسكون نون. همام: بتشديد الميم الأولى: ابن يحيى بن دينار. اتفق الشيخان علي الاحتجاج به ووثقه غير واحد كما حكاه القاري، وقال الحافظ في التقريب: ثقة، ربما وهم، وبسط القاري في نصوص من ضعف الحديث وصححه، وممن تكلم عليه أبو داود فقال: هذا الحديث منكر، والوهم فيه من همام و لم يروه إلا همام، وقال الترمذي في جامعه: حسن صحيح غريب، وقال الحاكم في مستدركه: صحيح على شرط الشيخين، وصححه ابن حبان، قاله القاري. قلت: ولمشائخ الحديث في الكلام على هذا الحديث تقارير بسيطة، لا يسعها هذا المختصر، وبسطه شيئًا حضرة الشيخ في بذل المجهود لحل أبي داود، فارجع إليه. جُرَيْج: بجيمين مصغراً: هو عبد الملك بن عبد العزيز بن جريج. [أحد الأعلام، أوّل من صنف في الإسلام على قول.]

عن [٧] أنس بن مالك رضي الله عنه: أن النّبي ﷺ كان إذا دخل الخَلَاء نزع خَاتَمه. حدثنا إسحاق بن منصور، أخبرنا عبد الله بن نُمَير، أخبرنا عبيد الله بن عمر (مصغراً)، عن نافع، عن [٨] ابن عمر رضي الله عنهما قال: اتخذ رسول الله ﷺ خاتَما من ورق، فكان في يده،

---

(٧) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جب بیت الخلا تشریف لے جاتے تو اپنی انگوٹھی نکال کر تشریف لے جاتے۔ فائدہ: چونکہ اس میں اللہ جل جلالہ عم نوالہ کا اسم شریف لکھا ہوا تھا اس لئے حضور اقدس ﷺ وہ پہنے ہوئے استنجے نہ جاتے تھے۔ اسی بنا پر علماء نے اس انگوٹھی کو پہنے ہوئے بیت الخلا جانے کو مکروہ لکھا ہے جس میں کوئی متبرک نام یا عبارت ہو۔

(٨) ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی انگوٹھی حضور کے دستِ مبارک میں رہی، پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رہی، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے، پھر ان ہی کے زمانہ میں بیر اَریس میں گر گئی تھی۔ اُس انگوٹھی کا نقش "محمد رسول اللہ" تھا۔ فائدہ: بیر اَریس قبا کے قریب ایک کنواں ہے۔ یہ انگوٹھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں چھ برس تک اُن کے پاس رہی، اس کے بعد اتفاق سے اس کنویں میں گر گئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ہر چند اس کنویں میں تلاش فرمایا، تین دن تک اس کا پانی نکلوایا مگر ملی نہیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ اس انگوٹھی کے گرتے ہی وہ فتن اور حوادث شروع ہوگئے تھے جو حضرت عثمان کے اخیر زمانہ میں بکثرت ظہور پذیر ہوئے ہیں۔

اس حدیث میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ خود حضور اقدس ﷺ کے دستِ مبارک میں موجود ہونے کو بیان فرماتے ہیں اور اسی باب کی دوسری حدیث میں خود ابن عمر رضی اللہ عنہ انگوٹھی پہننے کی نفی بھی فرما چکے ہیں جس کا بیان پہلے گذر چکا ہے۔ اس حدیث کے تعارض کا ایک خاص جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضور ﷺ کے دستِ مبارک میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حضور کے قبضہ میں رہتی تھی، حضور کے پاس رہتی تھی، پہننا اس کو لازم نہیں۔ چنانچہ آئندہ باب میں آرہا ہے کہ حضرت معیقیب کے پاس رہتی تھی۔

نزع: قال القاري: لاشتماله على لفظ "الله"، فاستصحابه في الخلاء مكروه، وقيل: حرام. في يده: أي: حقيقة بأن كان لابسه، أو في تصرفه بأن كان عنده للختم، وعلى هذا فلا ينافي ما تقدم عن ابن عمر رضي الله عنه بنفسه أنه كان يختم به ولا يلبسه، ويؤيد الأول ما في البخاري عن ابن عمر: فلبس الخاتم بعد النبي ﷺ أبو بكر وعمر وعثمان إلى آخره. والأظهر أنهم لبسوه أحيانا للتبرك به، وكان في أكثر الأوقات عند معيقيب جمعاً بين الروايات، قاله القاري.

ثم كان في يد أبي بكر، وعمر، ثم كان في يد عثمان ﷺ حتى **وقع في بئر أريْس**، نقشه:
بالصَّرف و عدمه
محمّد رسول الله. (ﷺ)

وقع: ظاهره أنه وقع من يد عثمان، وهو نص حديث البخاري عن أنس: فلما كان عثمان ﷺ جلس على بئر أريس فأخرج الخاتم، فجعل يعبث به فسقط، الحديث. وأوضح منهما ما في البخاري عن ابن عمر ﷺ: أنه وقع من عثمان في بئر أريس، وسيأتي في الباب الآتي أنه سقط من معيقيب، وكذا في بعض طرق عند مسلم، قاله القاري.

بئر أريْسَ: [إلى أن سقط في أثناء خلافة عثمان في بئر أريس، بوزن أمير، بالصرف وعدمه. وبئرأريس: بئر بحديقة قريبة من مسجد قباء، ونسب إلى رجل من اليهود اسمه أريس، بمعنى الفلاح بلغة أهل الشام]

باب ما جاء في أن النبي ﷺ كان يتختم في يمينه

حدثنا محمد بن **سَهْل** بن عسكر **البغداديّ** وعبد الله بن عبد الرحمن قالا: أخبرنا يحيى بن **حسّان**، أخبرنا سليمان بن بلال، عن شريك بن عبد الله بن أبي **نَمِر**، عن إبراهيم بن **عبد الله بن حنين**، عن أبيه، **عن** [۱] عليّ بن أبي طالب رضي الله عنه،

باب۔ اس بیان میں کہ حضور اقدس ﷺ انگوٹھی کو دائیں ہاتھ میں پہنا کرتے تھے

فائدہ: پہلے باب میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے انگوٹھی کی کیفیت بتلائی تھی اور اس باب میں اس کے پہننے کی کیفیت بتلانا مقصود ہے۔ اس باب میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے نو حدیثیں ذکر کی ہیں۔

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ انگوٹھی دائیں ہاتھ میں پہنا کرتے تھے۔

باب: [القصد من هذا الباب بيان كيفية لبسه، ومن الباب السابق بيان حقيقة الخاتم.] باب ما جاء: اختلف النسخ في ذكر هذه الترجمة، ففي النسخ الموجودة عندنا هكذا بلفظ: "كان يتختم في يمينه" وهكذا في عامة الشروح من المناوي والبيجوري وغيرهما، ولم يختر القاري لفظ: "في يمينه" في الترجمة ولفظها: "باب ما جاء في تختم رسول الله ﷺ" وكذا في النسخة المكتوبة القلمية، وهو الأوجه عندي؛ لئلا يتكلّف في توجيه الرواية التي فيها ذكر اليسار، وأما على النسخة الموجودة فقد قال ميرك: فيه إشعار بأن المصنف كان يرجح روايات تختمه في يمينه على الروايات الدالة في التختم على اليسار؛ فلذا لم يخرج في الباب حديثا، فيه التصريح بكونه ﷺ تختم في يساره. قلت: وهو كذلك، فإنه ذكره من حديث أنس فقط، وتكلّم عليه، وقال: لا يصح، وأما أثر الحسنين رضي الله عنهما فهو موقوف، وجلّ الروايات المرفوعة في الباب في التختم في اليمين.

سهل: بفتح المهملة وسكون الهاء، فما في بعض النسخ بلفظ التصغير غلط، ليس في الرواة أحد اسمه محمد بن سهيل. البغدادي: بالمعجمة والمهملة في الدال الثاني على ما في النسخ، قاله القاري. حسان: يصرف ولا يصرف على أنه فعال أو فعلان. نمر: بفتح النون وكسر الميم آخره راء مهملة.قاري. عبد الله بن حنين: بضم الحاء المهملة ونونين، مصغراً.

أن النبي ﷺ كان **يلبس** خاتَمه في **يمينه**. **حدثنا محمد بن يحيى**، أخبرنا أحمد بن صالح، حدثنا عبد الله بن وهب، عن سليمان بن بلال، عن شريك بن عبد الله بن أبي نَمِر نحوه. **حدثنا أحمد بن منيع**، أخبرنا يزيد بن هارون،

فائدہ: اس بارے میں روایات مختلفہ وارد ہوئی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے یا بائیں میں۔ بعض علمائے محدّثین اس میں ترجیح کی طرف مائل ہوئے ہیں، چنانچہ امام بُخاری و امام ترمذی رحمہما اللہ وغیرہ کی رائے یہی ہے کہ دائیں ہاتھ میں پہننے کی روایات راجح ہیں۔ بعض علماء نے اس طرح جمع کیا ہے کہ اکثر داہنے دستِ مبارک میں پہنتے تھے اور گاہے گاہے بائیں میں بھی پہن لیتے تھے۔ علماء کے درمیان میں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ انگوٹھی کون سے ہاتھ میں پہننا افضل ہے۔ خود علماء حنفیہ میں بھی اختلاف ہے، بعض نے بائیں ہاتھ میں پہننے کو افضل بتایا ہے اور بعض نے دونوں کو مساوی بتایا ہے۔ شامی نے یہی دو قول لکھے ہیں۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے حنفیہ کا ایک قول دائیں کے افضل ہونے کا لکھا ہے، لیکن مذہب کے لحاظ سے راجح وہی قول ہے جو علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں میں بلا کراہت جائز ہونے پر علماء کا اجماع نقل کیا ہے، مالکیہ نے بائیں ہاتھ میں پہننے کو افضل بتایا ہے۔ الغرض احادیث سے بھی دونوں فعل ثابت ہیں اور علماء بھی ترجیح کے اعتبار سے دونوں طرف گئے ہیں۔ دُرِّ مختار میں قہستانی سے نقل کیا ہے کہ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی کا پہننا روافض کا شعار ہوگیا ہے اس لئے اُس سے احتراز واجب ہے۔ صاحبِ دُرِّ مختار لکھتے ہیں کہ ممکن ہے اس زمانہ میں روافض کا شعار ہو اب نہیں ہے۔ حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ سے کوکب دری میں نقل کیا گیا ہے کہ بائیں ہاتھ میں انگوٹھی چونکہ روافض کا شعار ہے اس لئے مکروہ ہے۔ حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بذل المجہود میں یہی تحریر فرمایا ہے اور یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ روافض کے کفر میں اگرچہ اختلاف ہے لیکن ان کے فاسق ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور فساق کے ساتھ تشبہ سے بھی احتراز ضروری ہے۔

يلبس: بفتح الموحدة من اللبس بضم اللام. يمينه: [لأن التختم فيه نوع تكريم، واليمين به أحق.] محمد بن يحيى: هذا طريق آخر لحديث شريك المتقدم، والظاهر عندي أن الغرض منه تقوية الاتصال؛ فإن الحديث روي عن شريك مسنداً ومرسلاً، فإن أبا داود أخرجه من طريق أحمد بن صالح عن ابن وهب بهذا السند متصلاً، ثم قال: وقال شريك: أخبرني أبو سلمة بن عبد الرحمن أن النبي ﷺ كان يتختم في يمينه. وهذا مرسل، وهكذا بالطريقين مسنداً ومرسلاً أخرجه النسائي في سننه. أحمد بن منيع: هذا الحديث أخرجه المصنف في الجامع بهذا السند، ثم قال: قال محمد: وهذا أصح شيء روي عن النبي ﷺ في هذا الباب.

عن [۲] حمّاد بن سَلمَة قال: رأيت ابن أبي رافع يَتَختّم في يمينه، فسألته عن ذلك؟ (عن سببه) فقال: رأيت عبد الله بن جعفر يَتَختّم في يمينه، وقال عبد الله بن جعفر: كان النبي ﷺ يَتَختّم في يمينه.

حدثنا يحيى بن موسى، أنبأنا عبد الله بن نُمَير، أنبأنا إبراهيم بن الفضل، عن عبد الله بن محمد بن عقيل، عن [۳] عبد الله بن جعفر، أنّ النبيّ ﷺ كان يَتَختّم في يمينه.

---

(۲) حماد بن سلمہ کہتے ہیں کہ میں نے عبد الرحمن بن ابی رافع کو داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنے دیکھا۔ میں نے ان سے اس کی وجہ پوچھی تو انھوں نے کہا کہ میں نے عبد اللہ بن جعفر کو داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنے دیکھا اور وہ یہ کہتے تھے کہ حضور اقدس ﷺ داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔

(۳) عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے دوسرے طریقہ سے بھی یہی نقل کیا گیا کہ حضور اقدس ﷺ داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے۔ فائدہ: ایک حدیث میں اس کے ساتھ یہ بھی نقل کیا گیا کہ زینت دائیں ہاتھ کے ساتھ زیادہ موزوں ہے، اسی لئے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ جو فنِ حدیث کے امام ہیں، وہ کہتے ہیں کہ مجھے احادیث کے دیکھنے سے جو محقّق ہوا وہ یہ کہ اگر زینت کے ارادہ سے پہنے تو دایاں ہاتھ موزوں ہے اور اگر مہر لگانے کے ارادہ سے پہنے تو بایاں ہاتھ موزوں ہے کہ دائیں ہاتھ سے اس کو نکال کر مہر لگانے میں سہولت ہے۔ اور احادیث میں دونوں ہاتھوں میں پہننا وارد ہے۔

أبي رافع: هكذا عند المصنف في الجامع والنسائي في سننه بالكنية. قال المناوي وتبعه البيجوري: إنه عبد الرحمن، وكذا حكي اسمه في الحواشي عن العصام وهو الصواب، فما في جمع الوسائل: اسمه "عبد الله" وهم، وذكر الحافظ هذا الحديث في تهذيبه في ترجمة عبد الرحمن بن أبي رافع، وقال في ذيل الكنى: ابن أبي رافع عن عبد الله بن جعفر هو عبد الرحمن ، ولم أجد ترجمة عبد الله بن أبي رافع في التهذيب وغيره. عبد الله بن جعفر: [صحابيّ كأبيه، وهو أوّل مولود ولد في الإسلام بأرض الحبشة، ومات بالمدينة المنورة، خرّج له الستة.]

يحيى بن موسى: كذا في المكتوبة، وهكذا في الشروح الثلاثة وهو الصواب، فما في النسخ الهندية "موسى بن يحيى" غلط؛ ليس في رواة الصحاح أحد اسمه موسى بن يحيى، فتأمل. إبراهيم بن الفضل: قال العصام: لم أجد ترجمته، وقال القاري: لم أطلع على ترجمته، قال المناوي: هو قصور، إذ هو إبراهيم بن الفضل بن سليمان المخزومي. قلت: رقم عليه الحافظ للترمذي وابن ماجة، وذكر في شيوخه عبد الله بن عقيل، وفي تلامذته ابن نمير، فهو المتعين.

حدثنا أبو الخطّاب زياد بن يحيى، أخبرنا عبد الله بن ميمون، عن **جعفر** بن **محمد**، عن أبيه، **عن**(٤) جابر بن عبد الله: أن النبي ﷺ كان يَتختّم في يمينه. **حدثنا** محمد بن حُميد الرازيّ، حدثنا جَرير، عن محمد بن إسحاق، **عن**(٥) **الصَّلْت** بن عبد الله قال: كان ابن عباس يَتختّم في يمينه ولا **إخاله** إلا قال: كان رسول الله ﷺ يَتختّم في يمينه.

(۴) جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے۔

(۵) صَلت بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے اور مجھے جہاں تک خیال ہے یہ کہا کرتے تھے کہ حضور اقدس ﷺ بھی داہنے ہاتھ میں پہنتے تھے۔ **فائدہ:** امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو مختصر نقل کیا ہے، ابو داؤد شریف میں ذرا تفصیل سے ہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ میں نے صلت کو دائیں ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی (کن انگلی جس کو چھنگلا انگلی بھی کہتے ہیں) میں پہنے دیکھا۔ میں نے اس کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو ایسے ہی پہنے دیکھا اور اس کے نگین کو اوپر کی جانب کر رکھا تھا اور جہاں تک خیال ہے وہ حضور اقدس ﷺ کے متعلق ذکر کرتے تھے کہ آپ بھی اسی طرح پہنتے تھے۔ اس حدیث میں دو مضمون ہیں: ایک یہ کہ نگین کو اوپر کی جانب کر رکھا تھا۔ بذل المجہود میں مرقاۃ الصعود سے نقل کیا ہے کہ نگین کا ہاتھ کے اندر کے حصہ یعنی ہتھیلی کی طرف رکھنا زیادہ صحیح ہے اور اکثر روایات میں وارد ہے، چنانچہ شمائل میں بھی آئندہ روایت میں آرہا ہے۔ علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہی افضل ہے، اس میں نگین کی حفاظت بھی ہے اور عجب وتکبّر سے حفاظت بھی ہے۔

جعفر: [أي: الصادق، لقب به؛ لكمال صدقه وورعه، وأمّه أم فروة بنت القاسم بن محمد بن أبي بكر، قال: أبو حنيفة ما رأيت أفقه منه.] محمد: [أي: محمد الباقر، لقب ذلك لأنه بقر العلم أي: شقه، وعرف خفيّه وجليّه، وهو ابن علي بن سيدنا الحسين بن علي.] الصَّلْت: بتشديد الصاد المهملة مفتوحة وسكون اللام. إخاله: هو بكسر الهمزة أفصح من فتحها، والقياس الفتح، وقيل: الثاني أفصح، وفي القاموس: الفتح لغة، وهو من أفعال الشك متكلم يخال أي: لا أظنه، والظاهر أنه مقولة الصلت، ويحتمل أن يكون لواحد ممن قبله، ولم توجد هذه الجملة في بعض الأصول، قاله القاري. والحديث أخرجه أبو داود برواية يونس بن بكير عن ابن إسحاق، وفي آخره قال: ولا يخال ابن عباس إلا قد كان يذكر أن رسول الله ﷺ كان يلبس هكذا.

حدثنا ابن أبي عمر، أخبرنا سفيان، عن أيوب بن موسى، عن نافع، **عن**(٦) ابن عمر رضي الله عنهما: أن النبي ﷺ اتخذ خاتما من فضة، وجعل فصَّه **مما يلي كفّه**، ونَقَش فيه: "محمد رسول الله" ونهى أن يَنقُش أحد **عليه**، وهو الذي سقط من **مُعَيقِيب** في بئر أرِيس.

دوسرا مضمون یہ ہے کہ انگوٹھی کو سب سے چھوٹی انگلی میں پہننا، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے سنت ہونے پر اجماع نقل کیا ہے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ انگوٹھی اسی انگلی میں ہونا چاہئے، اور نگین مردوں کی انگوٹھی میں ہتھیلی کی طرف ہونا چاہئے، اور عورتوں کی انگوٹھی میں اوپر کی جانب کہ ان کا پہننا زینت کے لئے ہوتا ہے۔

(٦) ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک چاندی کی انگوٹھی بنوائی، اس کا نگینہ ہتھیلی کی جانب میں رہتا تھا، اس میں "محمد رسول اللہ" کندہ کرایا تھا۔ اور لوگوں کو منع فرما دیا تھا کہ کوئی شخص اپنی انگوٹھی پر یہ کندہ نہ کرائے۔ یہ وہی انگوٹھی تھی جو معیقیب سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیر اَرِیس میں گر گئی تھی۔ فائدہ: حضور ﷺ نے اوروں کو اس لئے منع فرما دیا تھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کمالِ اتباع میں اگر یہی کندہ کرا لیتے تو حضور اقدس ﷺ کی مہر دوسروں کی مہر کے ساتھ مخلوط ہو جاتی۔ معیقیب رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے جو حضور سرورِ کائنات ﷺ کے زمانہ سے انگوٹھی کے محافظ تھے۔ حضور کے زمانہ میں بھی جن اوقات میں کہ حضور انگوٹھی پہنے ہوئے نہیں

مما يلي كفه: [أي: مما يلي باطن كفه.] عليه: أي: على وفق هذا النقش؛ لئلا يلتبس ختمه بختم الغير، وما قيل: إن نقش خاتم معاذ رضي الله عنه كان هكذا، يحمل على قبل النهي أو على بعد وفاته ﷺ، وهذا كله على تقدير ثبوته، وإلا فهو لم يثبت عند المحدثين، صرح به البيجوري. قال المناوي: أو يحمل على الخصوصية، وقال ابن جماعة والزين العراقي: يظهر أن النهي خاص بحياته ﷺ أخذاً بالعلة، فقول القرطبي: لا يجوز لمن كان اسمه "محمد" النقش عليه مطلقاً، في حيز المنع، نعم! لو قيل يمنع النقش على اسم الإمام الأعظم مطلقاً؛ لوجود العلة لم يبعد.

معيقيب: [اسم صحابي، أسلم قديما، وشهد بدرا، وهاجر إلى الحبشة، وكان يلي خاتم المصطفى ﷺ، وكان به علة من جذام] بضم الميم وفتح العين المهملة وسكون التحتيتين بينهما قاف مكسورة وآخره باء موحدة، ابن أبي فاطمة البدريّ، أسلم قديما، وهاجر إلى الحبشة الهجرة الثانية. كان على خاتم النبي ﷺ بالمدينة، واستعمله أبو بكر وعمر وعثمان على بيت المال. وأما قول ابن بحر: إن معيقيباً غلام عثمان، فغير صحيح، قاله القاري.

حدثنا قتيبة بن سعيد، قال: أخبرنا حاتم بن إسماعيل، عن جعفر بن محمد، **عن**(۷) **أبيه** (محمد الباقر) **قال: كان الحسن** والحسين رضي الله عنهما يَتَختَّمان في يَسَارهما. **حدثنا** عبد الله بن عبد الرحمن،

ہوتے تھے، اس وقت میں معیقیب رضی اللہ عنہ کے پاس محفوظ رہتی تھی، ایسے ہی پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں رہا، اور ایسے ہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانۂ حکومت میں، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی یہی صورت تھی۔ اسی دوران میں ایک مرتبہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو انگوٹھی دے رہے تھے یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے لے رہے تھے کہ اس حالت میں انگوٹھی گری اور کنویں میں جا پڑی۔ اس میں روایات مختلف ہیں کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس سے گری یا حضرت معیقیب رضی اللہ عنہ کے پاس سے۔ علماء نے یہی صورت جمع کی تجویز فرمائی ہے جو اوپر لکھی گئی۔ اس صورت میں دونوں روایتیں صحیح ہیں اس لئے کہ جب درمیان میں گری تو اس کی نسبت ہر ایک کی طرف صحیح ہے۔

(۷) امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہما اپنے بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے۔

فائدہ: یہ حدیث امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے باب کی سُرخی کے خلاف ہوگئی، اس لئے کہ باب داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کا منعقد فرمایا تھا۔ اس کی توجیہ یہ کی جاسکتی ہے کہ مقصود اس قسم کی روایات سے جب کہ اس باب میں بہت سی روایات اس کے خلاف ہیں،

عن أبيه: [أي: محمد الباقر، وهو لم ير سيدنا الحسن أصلا، فهذا الأثر مرسل بالنسبة إلى سيدنا الحسن، وأمّا بالنسبة لسيدنا الحسين، فيمكن كونه رآه في يساره، فإنه كان له يوم الطَّفِ أربع سنين، فلا يكون الأثر مرسلا بالنسبة إليه، ويحتمل أنه سمع من أبيه زين العابدين أنّه رآه كذلك، فيكون مرسلا بالنسبة إليهما.]

كان الحسن: لعلّ غرض المصنف بإيراد هذا الأثر على خلاف ترجمته إشارة إلى شذوذه، أو إلى أن هذا موقوف، والروايات المرفوعة كلها مصرحة باللبس في اليمين، قاله الشراح. قلت: لكن يشكل عليه تصحيح المصنف هذا الحديث في جامعه، فالأوجه عندي في غرض المصنف أن هذا الحديث روي موقوفاً بفعلهما ومرفوعاً بلفظ: كان رسول الله ﷺ وأبو بكر وعمر وعلي والحسن والحسين رضي الله عنهم يتختمون باليسار، أخرجه البيهقي في الأدب وأبو الشيخ في الأخلاق، فغرض المصنف بذكر هذا الموقوف ترجيحه على المرفوع، والله أعلم. وهذا كله على تقييد الترجمة باليمين، وأما على إطلاقه فلا حاجة له كما تقدم. ثم هذا الأثر منقطع؛ لأن محمداً الباقر لم يدرك الحسن والحسين رضي الله عنهما، قاله القاري، وتبعه المناوي، وقيل: مرسل باعتبار الحسن رضي الله عنه، ويمكن الاتصال باعتبار الحسين رضي الله عنه، فتأمل.

أخبرنا محمد بن عيسى – وهو ابن **الطَّبَّاع** – حدثنا **عَبّاد بن العوّام**، عن سعيد بن أبي عَرُوبة، عن قتادة، **عن** (۸) أنس بن مالك رضي الله عنه: أن النبيّ ﷺ تختّم تَختّم في يمينه. (قال **أبو عيسى**: هذا حديث غريب،

اشارہ اس کے ضعف کی طرف ہے۔ بندۂ ناچیز کے نزدیک باب میں داہنے ہاتھ کی قید بیانِ افضلیت کے لئے ہے اور اس نوع کی روایات بیانِ جواز کے واسطے ہیں۔ بعض اکابر نے یہ بھی توجیہ فرمائی ہے کہ ترجمہ میں حسبِ عادتِ محدثین کلمہ **(أم في يساره)** محذوف ہے، یعنی حضور ﷺ انگوٹھی داہنے ہاتھ میں پہنا کرتے تھے یا بائیں میں۔ اس توجیہ پر کوئی روایت ترجمہ کے غیر مطابق نہ ہوگی۔

(۸) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی جاتی ہے کہ حضور اقدس ﷺ داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے یہ بھی بعض لوگوں نے نقل کیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔

الطباع: بتشديد الموحدة أي: الحكّاك، ونقاش الخاتم، قاله القاري. عَبّاد بن العوّام: بتشديد الموحدة والواو. قال أحمد: حديثه عن سعيد بن أبي عروبة مضطرب. قال أبو عيسى: ليس هذا الكلام في النسخة القلمية، وليس أيضاً عند أحد من الشراح الثلاثة كما يظهر من كلامهم، فإنهم نقلوه عن جامع المصنف، وغرضه كما يظهر من كلام القاري: أن حديث أنس في التختم في اليمين أو التختم في اليسار لا يصح من هذا الطريق، وإلا فقد صح من طريق أخرى التختم فيهما، وقد أخرج مسلم من طريق حماد بن سلمة عن ثابت عن أنس رضي الله عنه قال: كان خاتم النبي ﷺ في هذه، وأشار إلى الخنصر اليسرى. قلت: وما يخطر في البال أن غرض المصنف عدم الجزم بالترجيح في روايات قتادة عن أنس في هذا الباب، فإن الذين رووا هذا الحديث عن أنس مختلفة. قال العيني في شرح البخاري: وقد اختلفت الرواة عن أنس، هل كان يتختم في يمينه أو يساره؟ وقد رواه عنه ثابت البناني وثمامة وحميد وشريك على الشك فيه وعبد العزيز بن صهيب وقتادة والزهري، فأما ثمامة وحميد وشريك وعبد العزيز فليس في رواياتهم تعرض لذكر اليمين أو اليسار، وأما رواية ثابت وقتادة والزهري ففيها التعرض لذلك، ثم قال: وأما قتادة فاختلف عليه فيها فقال سعيد بن أبي عروبة عنه عن أنس: كان يتختم في يمينه. وقال شعبة وعمرو بن عامر عن قتادة عن أنس كان يتختم في يساره. وفي علل لابن أبي حاتم: سألته عن حديث رواه سعيد بن بشير عن قتادة عن أنس: أن النبي ﷺ اتخذ خاتماً، الحديث. قال أبي: أما قوله: "اتخذ خاتماً من فضة ونقش عليه"، فهو صحيح عن النبي ﷺ، وأما قوله: "فكان يلبسه في شماله" فلا أعلم أحداً رواه إلا مارواه عباد بن العوام عن سعيد عن قتادة عن أنس عن النبي ﷺ، وروى بعضهم عن حماد بن سلمة عن ثابت عن أنس عن النبي ﷺ، والحفاظ ترويه عن سعيد عن قتادة عن أنس عن النبي ﷺ، لا يقولون: إنه لبس في يساره. فالظاهر أن ذكر اليد يمينا كان أو يساراً ليس عندهم في هذا الحديث.

لا نعرفه من حديث سعيد بن أبي عَرُوبة، عن قتادة، عن أنس رضي الله عنه، عن النبي ﷺ نحو هذا إلا من هذا الوجه، وروى بعض أصحاب قتادة عن قتادة، عن أنس رضي الله عنه أن النبي ﷺ تختّم في يساره، وهو حديث لا يصحّ أيضاً. **حدثنا** محمد بن عبيد **المُحَارِبي**، حدثنا عبد العزيز بن أبي حازم، عن موسى بن عُقبة، عن نافع، **عن** (٩) ابن عمر رضي الله عنهما قال: اتخذ رسول الله ﷺ خاتما **من ذهب**،

فائدہ: امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ یہ دونوں روایتیں صحیح نہیں ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہاتھ کی تعیین نہیں ہے۔ یہ محدّثین کی غایتِ احتیاط ہے کہ وہ حدیث کے ہر ہر ٹکڑے پر گہری نظر ڈالتے ہیں کہ کون سی حدیث میں کون سا مضمون صحیح ہے اور کونسا ایسا ہے جو اس حدیث میں صحیح نہیں ہے، دوسری حدیثوں میں اگرچہ صحیح طور پر ثابت ہو۔ یہی وہ چیز ہے جس کی بدولت حدیث شریف کا فن آج تک نہایت پختگی اور نورانیت و چمک کے ساتھ دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ حضور اقدس ﷺ کا انگوٹھی دائیں اور بائیں دونوں ہاتھوں میں پہننا روایاتِ متعددہ سے ثابت ہے۔ داہنے ہاتھ کی روایات اس باب میں گزر چکی ہیں، اور بائیں ہاتھ کی روایات بھی ابو داؤد و مسلم وغیرہ میں موجود ہیں، چنانچہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں قسم کی روایات کو صحیح بتایا ہے، لیکن محدّثین کا قاعدہ یہ ہوتا ہے کہ باوجود متن حدیث کے صحیح ہونے کے اگر کسی خاص طریقہ سے قواعدِ محدّثین کے موافق صحیح نہیں ہوتی تو اس خاص طریقہ پر کلام فرماتے ہیں، اس لئے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کلام کیا ہے۔

(۹) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے سونے کی انگوٹھی بنوائی جس کو اپنے داہنے ہاتھ میں پہنا کرتے تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی اتباعاً سونے کی انگوٹھیاں بنوائیں۔ حضور اقدس ﷺ نے اس کے بعد وہ انگوٹھی پھینک دی اور یہ فرمایا کہ میں اس کو کبھی نہیں پہنوں گا۔

المحاربي: بضم أوله وبمهملة وكسر راء وموحدة، نسبة لبني محارب: قبيلة من العرب، و"محمد بن عبيد" هذا بدون الإضافة إلى اسم الجلالة. من ذهب: قال الزين العراقي نقلا عن البيهقي في الأدب: وهذا الخاتم هو الذي كان فصه حبشيًا. قال ابن حجر: هذا هو الناسخ لحله مع قوله ﷺ في الأحاديث الصحيحة: وقد أخذ ذهبًا في يد وحريراً في يد وقال: هذان حرامان على ذكور أمتي حل لإناثها، والأئمة الأربعة على تحريمه المنهي عنه في الصحيحين وغيرهما، قال القاري: =

فكان يلبسه في يمينه، فاتخذ الناس خواتيم من ذهب، **فطَرَحَه** رسول الله ﷺ وقال: لا ألبسَه أبدا، فطرح النّاس خواتيمَهم.

فائدہ: سونا ابتداءِ اسلام میں جائز تھا، پھر مردوں کے لئے حرام ہوگیا۔ اس کی حرمت پر جمہور کا اتفاق ہے، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی حرمت پر اجماع نقل کیا ہے۔ فقہی بحث اس مسئلہ میں طویل ہے جس کا یہ محل نہیں۔

= جمهور السلف على حرمة التختم بخاتم الذهب للرجال دون النساء، والاعتبار بالحلقة عند الحنفية، فلا بأس بمسمار الذهب على الخاتم، خلافا للشافعية، قال المناوي: فتحريمه مجمع عليه الآن في حق الرجال كما أفاده العراقي تبعاً للنووي حيث قال: أجمعوا على تحريمه للرجال إلا ما حكي عن ابن حزم أنه أباحه، وعن بعضهم: أنه مكروه لا حرام، وهذان باطلان، وقائلهما محجوج بالأحاديث التي ذكرها مسلم مع إجماع من قبله على تحريمه. قال الزين العراقي: لا يصح **نقل** الإجماع، فقد لبسه جمع من الصحب والتابعين، قال القاري: فقول عياض: أن الناس مجمعون على تحريمه غير سديد، إلا أن يقال: أراد "بالناس" الجمهور، ويقال: انقرض قرن من قال بكراهة التنـــزيه، واستقر الإجماع بعد على التحريم.

فطرحه: هذا هو المعروف عند المحدثين أن المطروح خاتم الذهب، وقد أخرج أبو داود برواية الزهري عن أنس: أنه رأى في يد النبي ﷺ خاتما من ورق يوما واحداً، فصنع الناس فلبسوا، وطرح النبي ﷺ فطرح الناس. قال القرطبي: هو وهم من الزهري عند جميع أهل الحديث، وإنما اتفق ذلك له ﷺ في خاتم الذهب كذا في البذل، وحكى الشيخ توجيهات رواية الزهري فارجع إليه. وحكى القاري عن غيره: الأقرب أنه ﷺ اتخذ خاتما من ذهب فاتخذوه، فألقاه حين وافق تحريمه فألقوه، ثم اتخذ خاتما من ورق ونقش فيه "محمد رسول الله ﷺ" فتبعه الناس في ذلك، فرمى به حتى رمى الناس كلهم؛ لئلا تفوت مصلحة الختم بالاشتراك، ثم رجع إلى خاتمه الخاص به فصار يختم به، قال القاري: والأظهر أنه ﷺ بعد تحريمه خاتم الذهب لبس خاتم الفضه على قصد الزينة فتبعه الناس، فرأى أن في لبسه ما يترتب عليه من التعجب والكبر والخيلاء فرماه ورموا، فلما احتاج إلى لبسه لأجل الختم به لبسه وقال: إنا اتخذنا خاتما ونقشنا فيه نقشًا فلا ينقش عليه أحد.

بابُ ما جاء في صفة سَيْف رسول الله ﷺ

حدثنا محمد بن بشّار، أخبرنا وهب بن جرير، أنبأنا أبي، عن قتادة، **عن**[1] أنس رضي الله عنه قال: **كان قَبِيْعَة** سيف رسول الله ﷺ من فضة. **حدثنا** محمد بن بشّار، أخبرنا مُعَاذ بن هشام، حدثني أبي، عن قتادة،

باب۔ حضور اقدس ﷺ کی تلوار کا بیان

فائدہ: علماء کہتے ہیں کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے انگوٹھی کے بعد اس لئے ذکر کیا کہ حقیقتاً اس سے ایک خاص نظام العمل اور دستور السلطنت کی طرف اشارہ ہے کہ اول تبلیغی خطوط سلاطین کے پاس ارسال کیے جائیں، اگر وہ مسلمان ہو جائیں تو منافع دین اور دنیوی کے مالک ہیں ہی، ورنہ پھر وہ اور تلوار۔ حضور اقدس ﷺ کے پاس چند تلواریں رہیں ان کے خاص خاص نام تھے۔ سب سے پہلی تلوار ماثور تھی، جو وراثت میں آپ نے اپنے والد سے پائی تھی۔ ایک کا نام قضیب، اور ایک کا قلعی، ایک کا بتار، ایک کا ذوالفقار وغیرہ وغیرہ تھا۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں چار حدیثیں نقل فرمائی ہیں۔

(۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی تلوار کے قبضہ کی ٹوپی چاندی کی تھی۔

فائدہ: علامہ بیجوری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ ذوالفقار کا ذکر ہے۔ فتح مکہ میں حضور اقدس ﷺ کے پاس یہی تلوار تھی۔

الصفة: الوصف والكشف والتبيين. والسيف بفتح السين المهملة، جمعه سيوف وأسياف. وبدأ به في آلات الحرب؛ لأنه أغلبها استعمالاً، وأردف باب الخاتم بباب السيف؛ لما علم أنه ﷺ اتخذ الخاتم ليختم به رسائله إلى، الملوك، إشارة إلى أنه دعاهم إلى الإسلام أولاً، فلما امتنعوا حاربهم. صفة سيف: [المراد بصفة السيف حالته التي كان عليها.]

كان: هكذا بصيغة التذكير في النسخ الهندية والمصرية من الشمائل، وفي الشروح بلفظ: "كانت" بصيغة التأنيث، وهكذا في رواية أبي داود والترمذي وغيرهما من حديث جرير. قبيعة: [قبيعة السيف: ما على طرف مقبضه من فضة أو حديد، يعتمد الكّف عليها؛ لئلا يزلق] بفتح القاف وكسر الموحدة: ما على رأس مقبض السيف من فضة أو حديدة على من قاله الجوهري وقيل: غير ذلك. قاري.

عن [۲] **سعيد بن أبي الحسن** قال: كانت قَبِيْعَة سيف رسول الله ﷺ من فضة. **حدثنا** أبو جعفر محمد بن **صُدْرَان** البصريّ، أخبرنا طالب بن **حُجَيْرٍ**، عن هود -وهو ابن **عبد الله بن سعيد**- عن [۳] **جده** قال: دخل رسول الله ﷺ مكّة يوم الفتح،

---

(۲) سعید بن ابی الحسن رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ کی تلوار کی موٹھ چاندی کی تھی۔

(۳) ہود کے نانا مزیدہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ فتح مکہ کے دن جب شہر میں داخل ہوئے تو حضور کی تلوار پر سونا اور چاندی تھا۔ طالب جو اس حدیث کے ایک راوی ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے اُستاد سے پوچھا کہ چاندی کس جگہ تھی؟ انھوں نے فرمایا کہ قبضہ کی ٹوپی چاندی کی تھی۔

فائدہ: تلوار میں سونا لگانا جمہور علماء کے نزدیک جائز نہیں ہے، اور اس حدیث سے اس لئے استدلال نہیں ہو سکتا کہ محدّثین نے اس حدیث کو ضعیف بتایا ہے۔ علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے استدلال نہیں کیا جاسکتا اس لئے کہ اس کی سند قابلِ اعتماد نہیں ہے، البتہ چاندی کی ٹوپی وغیرہ جیسا کہ پہلی روایتوں میں آیا، جائز ہے۔ کہتے ہیں کہ چونکہ سونا ناجائز تھا اس لئے راوی نے صرف چاندی کی تحقیق کی کہ کس جگہ تھی، سونے کو دریافت بھی نہیں کیا کہ کہاں تھا۔

سعيد بن أبي الحسن: هو أخو الحسن البصري، تابعي، فالحديث مرسل، وأخرجه المصنف في جامعه من طريق جرير بهذا السند المذكور في الشمائل، ثم قال: هذا حديث حسن غريب، وهكذا روي عن همام عن قتادة عن أنس، وقد روى بعضهم عن قتادة عن سعيد بن أبي الحسن قال: كانت قبيعة سيف رسول الله ﷺ من فضة. وظاهره: أن المصنف مال إلى ترجيح المسند؛ إذ ذكر له متابعة، لكن بعضهم رجحوا المرسل، كما بسط الشيخ في البذل. صُدران: بمهملات كغفران: هو محمد بن إبراهيم بن صدران، منسوب إلى جده. حُجَيْرٍ: بضم حاء مهملة وفتح جيم وسكون تحتية آخره راء مهملة.

عبد الله بن سعيد: هكذا في نسخ الشمائل بالتحتية بعد العين، قالت الشراح: هكذا في بعض نسخ الشمائل المصححة المقروءة، وصوابه: "سعد" بغير ياء كما في بعض النسخ الآخر، وعليه المحققون من علماء أسماء الرجال. قلت: وهكذا بدون الياء في الجامع. جده: أي: لأمه، كما في نسخة، اسمه: مَزْيَدَة، قال القاري: ضبط الأكثر بفتح الميم وإسكان الزاي وفتح الياء، واختاره الجزري في "تصحيح المصابيح"، وهو المشهور عند الجمهور، وخالفهم العسقلاني فقال في التقريب: مزيدة بوزن كبيرة.

وعلى سيفه **ذهب وفضة.** قال طالب: فسألته عن الفضة، فقال: كانت قَبِيْعَة السيف فضة.

حدثنا محمد بن شجاع البغداديّ، أخبرنا أبو عُبَيدة الحداد، عن عثمان بن سعد، **عن**[٤] ابن سيرين قال: صنعت سيفي على سيف سَمُرَة بن جُنْدُب، وزعم سَمُرة أنه صنع سيفه على سيف رسول الله ﷺ، **وكان حَنَفِيًا. حدثنا عُقْبة بن مُكْرَم** البصريّ، حدثنا محمد بن بكر، عن عثمان بن سعد، بهذا الإسناد نحوه.

---

(۴) ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کہتے تھے کہ میں نے اپنی تلوار سمرۃ رضی اللہ عنہ کی تلوار کے موافق بنوائی، اور وہ کہتے تھے کہ ان کی تلوار حضور اقدس ﷺ کی تلوار کے موافق بنوائی گئی ہے، اور وہ قبیلۂ بنو حنیفہ کی تلواروں کی طریق پر تھی۔ **فائدہ:** بنو حنیفہ عرب کا ایک قبیلہ ہے جو تلواروں کے عمدہ بنانے میں بہت مشہور ہے۔ یہ سب لوگ یکے بعد دیگرے حضور ﷺ کے اتباع میں ویسی ہی تلوار بناتے رہے۔

ذهب وفضة: يخالف مسلك الحنفية، إذ قال الشامي: ولا يتحلى الرجل بذهب وفضة إلابخاتم ومنطقة وحلية سيف منها، أي، من الفضة لا من الذهب. وكذلك عند الشافعية وغيرهم. قال القاري: لا يعارض هذا ما تقرر من حرمته بالذهب؛ لأن هذا الحديث ضعيف، ولا يصح الجواب: بأن هذا قبل ورود النهي عن تحريم الذهب؛ لأن تحريمه كان قبل الفتح على ما نقل. قلت: لا حاجة إلى الجواب بعد أن قال فيه ابن القطان راداً على تحسين الترمذي: إنه ضعيف لا حسن، وقال أبو حاتم: منكر، قال في الميزان: صدق ابن القطان وهذا منكر، وما علمنا في حلية قبيعته ذهبًا، قال التوربشتي: هذا الحديث لا تقوم به حجة، وذكر ابن عبد البر في استيعابه: أنه ليس بقوي.

وكان حنفيًا: [أي: وكان سيفه حنفيا، نسبة لبني حنيفة، وهم قبيلة مسيلمة، لأهم معروفون بحسن صنعة السيوف] مقولة ابن سيرين على الإرسال، أو مقولة سمرة. هذا إذا أرجع الضمير إلى سيفه ﷺ، ويحتمل أن يكون المراد به سيف سمرة، فيكون من كلام ابن سيرين لا غير. عقبة بن مكرم: عقبة بضم فسكون. ومكرم ببناء المجهول من الإكرام، قاله القاري. قال المناوي: و وهم من جعله ببناء الفاعل.

بابُ ما جاء في صفة دِرع رسول الله ﷺ

حدثنا أبو سعيد عبد الله بن سعيد الأشَجّ، أخبرنا يونس بن بُكَير، عن محمّد بن إسحاق، عن يحيى بن عبّاد بن عبد الله بن الزبير، عن أبيه (عباد)، عن جده عبد الله بن الزبير، **عن**[1] **الزبير بن العوّام** رضي الله عنهما قال: كان على النبي ﷺ

باب۔ حضور اقدس ﷺ کی زرہ کا بیان

فائدہ: حضور اکرم ﷺ کے پاس سات زرہ تھیں، جن کے نام حسبِ ذیل ہیں: ذات الفضول، جو اپنی وسعت کی وجہ سے اس نام کے ساتھ مشہور تھی، اور یہی وہ زرہ ہے جس کا قصہ حدیث کی کتابوں میں آتا ہے، جو ابوالشحم یہودی کے پاس رہن تھی۔ اور باقی چھ کے نام یہ ہیں: ذات الحواشی، ذات الوشاح، فضہ، سُغدیہ، بتراء، خرنق۔

اس باب میں دو حدیثیں ذکر کی ہیں۔

(۱) حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے بدن مبارک پر اُحد کی لڑائی میں دو زرہ تھیں (ایک ذات الفضول۔ دوسری فضہ) حضور اقدس ﷺ نے ایک چٹان کے اوپر چڑھنے کا ارادہ فرمایا مگر (وہ اونچی تھی، اور دو زرہوں کا وزن، نیز غزوہ اُحد میں وہ تکلیفیں جو حضور ﷺ کو پہنچی تھیں کہ جن کی وجہ سے چہرۂ مبارک خون آلودہ ہو گیا تھا، غرض ان وجوہ سے) حضور ﷺ اس چٹان پر چڑھ نہ سکے۔ اس لئے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو نیچے بٹھا کر ان کے ذریعے سے اس چٹان پر چڑھے۔

صفة درع: بحذف المضاف أي: صفة لبسه، ليوافق حديثي الباب، وهو بدال مهملة مكسورة فراء ساكنة: جنة من حديد، تصنع حلقا حلقا، تلبس للحرب. درع: [هو قميص من ذو حلقات من الحديد متشابكة، يلبس وقاية من السلاح.]

الزبير بن العوّام: هكذا في نسخ الشمائل، قال ميرك: هكذا وقع في بعض نسخ الشمائل، وكذا وقع في أصل سماعنا ملحقا بصح، وحذف في بعض النسخ ذكر الزبير، واقتصر على عبد الله بن الزبير، وهو خطأ، والصواب إثباته في الإسناد؛ لأنه هكذا ذكره المصنف في جامعه، وبذكره يكون الحديث مسنداً متصلاً، وبحذفه يكون مرسلاً، فإن عبد الله بن الزبير لم يحضر وقعة أحد، قاله القاري، وهكذا حكى المناوي عن الحافظ بن حجر وزاد: وبذكر الزبير يصح قوله في الحديث: "قال: فسمعت النبي ﷺ يقول: أوجب طلحة" بـــ "الفاء" الدالة على التعقيب، وعلى حذف الزبير يكون هذا كذبا محضاً؛ لأن مولد ابن الزبير في السنة الثانية من الهجرة، وأحد في الثالثة.

يوم أُحُد **دِرْعان** فنهض **إلى** الصَّخْرَة **فلم يستطع**، فأقعد طلحة **تحته**، **فصعد** النبي ﷺ حتى استوى على الصخرة، قال: سمعت النبي ﷺ يقول: **أوجب طلحة**. **حدثنا** ابن أبي عمر، (محمد بن يحيى) حدثنا سفيان بن عيينة، **عن يزيد بن خُصَيفَة**،

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ طلحہ نے (جنت کو یا میری شفاعت کو) واجب کر لیا۔

فائدہ: جنگِ اُحد میں لڑائی کی حالت نہایت خطرناک تھی، حتی کہ حضور ﷺ کے وصال کا واہمہ بعض لوگوں کو ہو گیا تھا۔ حضور اقدس ﷺ اس اونچی جگہ اس لئے تشریف لے گئے تھے تاکہ سب صحابہ حضور ﷺ کو دیکھ کر مطمئن ہو جائیں اور بعض اکابر نے لکھا ہے کہ کفار کے دیکھنے کے لئے چڑھتے تھے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اُس دن کمالِ شجاعت سے حضور ﷺ کا ساتھ دیا تھا، حتی کہ صحابہ رضی اللہ عنہم جب غزوۂ اُحد کا ذکر فرماتے تو کہتے تھے کہ یہ دن تمام کا تمام طلحہ کا ہے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو حضور ﷺ کی ڈھال بنا رکھا تھا۔ اسّی سے زائد زخم ان کے بدن پر آئے اور حضور ﷺ کا ساتھ نہیں چھوڑا، حتی کہ ان کا ہاتھ بھی شَل ہو گیا تھا۔

درعان: قال ميرك: هما ذات الفضول والفضة، كما رواه بعض أهل السير عن محمد بن مسلمة.

إلى: أي: متوجهًا إليها ليستعليها فيراه الناس فيعلمون حياته، ويجتمعون عنده. فلم يستطع: [فلم يقدر على الارتفاع على الصخرة، قيل: لما حصل منْ شجّ رأسه وجبينه الشريفين، واستفراغ الدم الكثير منهما، وقيل: لثقل درعيه، وقيل: لعلوها.] تحته: [أي: أجلسه فصار طلحة كالسُّلم.] فصعد: [أي: فوضع رجله فوقه وارتفع.] أوجب: أي: لنفسه الجنة، أو الشفاعة، أو المثوبة العظيمة بفعله هذا، أو بما فعل ذلك اليوم، حيث جعل نفسه فداء رسول الله ﷺ حتى شلت يده.

طلحة: [أي: فعل فعلا أوجب لنفسه بسببه الجنة، وهو إعانته له ﷺ على الارتفاع على الصخرة، ويحتمل أن ذلك الفعل هو جعله نفسه فداءً له ﷺ ذلك اليوم، حتى أصيب ببضع وثمانين طعنة.] عن يزيد: هكذا في ابن ماجة برواية هشام بن عمار، حدثنا سفيان بن عيينة عن يزيد بن خصيفة إلخ وأخرجه أبو داود بالشك، ولفظه: حدثنا مسدد أو سفيان قال: حسبت أني سمعت يزيد بن خصيفة إلخ. خصيفة: بخاء معجمة وصاد مهملة مصغراً، ويزيد ابن عبد الله بن خصيفة منسوب إلى جده.

عن[۲] **السائب** بن يزيد رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ كان عليه يوم أحد درعان، قد **ظاهر** بينهما.

---

(۲) سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے بدن مبارک پر جنگ اُحد میں دو زرہیں تھیں، جن کو اوپر نیچے پہن رکھا تھا۔ فائدہ: حضور اقدس ﷺ کا دو زرہ پہننا یہ حضور کے کمالِ توکل کے منافی نہیں، اس لئے کہ اول تو کمالِ سلوک خود صوفیا کے یہاں بھی رجوع الی البدایت ہے، یعنی عام معاملات میں عام لوگوں جیسا برتاؤ ہو لیکن شریعت کی پابندی طبیعت بن جائے۔ دوسرے یہ بات ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے معمولات میں اس قسم کے امور اُمت کو تعلیم کے لئے ہوا کرتے ہیں اور یہ ظاہر بات ہے۔ تیسری بات یہ بھی ہے کہ اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوا ثُبَاتٍ أَوِ انْفِرُوا جَمِيعًا﴾ (سورہ نساء:) اے ایمان والو! (کافروں کے مقابلہ میں) اپنی تو احتیاط رکھو (یعنی ان کے داؤ گھات سے بھی ہوشیار رہو اور مقابلہ کے وقت سامان ہتھیار ڈھال وغیرہ سے بھی درست رہو) پھر (ان سے مقابلہ کے لئے) متفرق طور پر یا مجتمع طور پر (جیسا موقع ہو) نکلو۔ (بیان القرآن) اس لئے حفاظت کا حسب موقع سامان لینا آیتِ شریفہ کا امتثال ہے اور حضور ﷺ سے زیادہ اللہ جل جلالہ کے ارشادات پر عمل کرنے والا کون ہو سکتا ہے۔ اسی سلسلہ میں زرہ خود وغیرہ جملہ احتیاطی سامان کا استعمال ہے۔

السائب: الحديث مرسل، فإن سائبا لم يكن في أحد حضر حجة الوداع مع أبيه وهو ابن سبع سنين، قاله القاري، وقد أخرجه أبو داود عنه عن رجل، وبسط الشيخ في البذل الكلام على هذا المبهم، فارجع إليه. ظاهر: أي: لبس إحداهما فوق الأخرى. فيه تعليم وإشعار بأن التوقّي من الأعداء لا ينافي التوكل والرضاء والتسليم، وقدروي عنه ﷺ: اعقلها وتوكل.

بابُ ما جاء في صفة مِغْفَر رسول الله ﷺ

بكسر الميم وسكون المعجمة وفتح الفاء

حدثنا قتيبة بن سعيد، حدثنا مالك بن أنس، عن ابن شهاب، **عن** (۱) أنس بن مالك رضي الله عنه، أن النبي ﷺ دخل مكّة عند الفتح **وعليه مِغْفَر، فقيل** له: هذا **ابن خَطَل!** متعلّق بأسْتَار الكعبة، فقال: اقتلوه.

حدثنا عيسى بن أحمد، حدثنا عبد الله بن وهْب، حدثني مالك بن أنس، عن ابن شِهَاب،

باب۔ حضور اقدس ﷺ کی خَود کا ذکر

فائدہ: خَود لوہے کی بنی ہوئی ٹوپی ہوتی ہے، جو لڑائی کے وقت سر کی حفاظت کے لئے اوڑھی جاتی ہے۔ مصنف رحمہ اللہ علیہ نے اس باب میں دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ فتح مکہ کے دن جب شہر میں داخل ہوئے تو آپ کے سر مبارک پر خَود تھی (حضور جب خَود اُتار چکے اور اطمینان ہو گیا تو) کسی نے آکر عرض کیا کہ یارسول اللہ! یہ ابن خطل کعبہ کا پردہ پکڑے ہوئے ہے۔ حضور نے فرمایا کہ اس کو قتل کر دو۔

فائدہ: حضور اقدس ﷺ فتح کے لئے جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے ہیں تو اہل مکّہ پر ایک ایسی دہشت اور گھبراہٹ سوار تھی

مغفر: بكسر الميم وفتح الفاء، يلبس تحت البيضة، ويطلق على البيضة أيضاً، كذا في المغرب، وقيل: هي حلقة تنسج من الدرع على قدر الرأس، وفي المحكم: هو ما يجعل من فضل درع الحديد على الرأس كالقلنسوة، وقيل: هو أخرف البيضة [كمنبر من الغفر وهو الستر، والمراد به هنا: زَرَدٌ من حديد يُنسج بقدر الرأس، يُلبس تحت القلنسوة، وهو من جملة السلاح؛ لأن السلاح يطلق على ما يُقتل به، وعلى ما يدافع به]. وعليه مغفر: قال الحافظ: ذكر ابن بطال: أنه أنكر على مالك قوله: وعليه المغفر، وإنه تفرّد به، والمحفوظ أنه دخل وعليه عمامة سوداء. ثم أجاب عن دعوى التفرد بأنه وجد في كتاب حديث الزهري تصنيف النسائي: هذا الحديث من رواية الأوزاعي عن الزهري مثل ما رواه مالك، وعن الحديث الآخر: بأنه دخل وعلى رأسه المغفر، وكانت العمامة فوقه. وذكر الحافظ: أن بضعة عشر نفساً رووه عن الزهري غير مالك، وبين مخارجها.

فقيل: قال المناوي: يعني قال له سعيد بن حريث. قلت: وهذا يخالف ما يأتي في الحديث الآتي. ابن خطل: بمعجمة فمهملة مفتوحتين، كان اسمه عبد العزى، وكني بجده فأسلم فسمي عبد الله، وكتب الوحي ثم ارتد والعياذ بالله، وقتل مسلما، واتخذ جاريتين تغنيان بهجائه ﷺ فأهدر دمه.

عن[۲] أنس بن مالك رضي الله عنه: أن رسول الله ﷺ دخل مكة عام الفتح، وعلى رأسه المِغْفَر،

جس کی کوئی انتہا نہ تھی، نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔ حضور اکرم ﷺ نے غایتِ شفقت اور مہربانی کی وجہ سے یہ فرما دیا تھا کہ جو شخص بیت اللہ میں داخل ہو جائے وہ مامون ہے، اور جو اپنے گھر میں داخل ہو جائے وہ مامون ہے، جو ہتھیار ڈال دے وہ مامون ہے وغیرہ وغیرہ۔ البتہ گیارہ مرد اور چھ عورتیں ایسی تھیں کہ حضور اقدس ﷺ نے اس وجہ سے کہ ان کے جرائم ناقابل عفو تھے، ان کے خون ہدر کر دیے تھے، اور اس معافی کے عام اعلان سے ان کو مستثنیٰ کر دیا تھا اور ارشاد فرما دیا تھا کہ ان لوگوں کو امن نہیں ہے۔ ان میں سے بھی سات مرد اور دو عورتیں مسلمان ہو کر معافی میں آگئے تھے، باقی چار مرد اور چار عورتیں قتل کیے گئے۔ منجملہ اُن آٹھ کے ابن خطل تھا۔ یہ شخص اول مدینہ منوّرہ حاضر ہو کر مسلمان ہوا اور عبد اللہ نام رکھا گیا۔ حضور اقدس ﷺ نے کسی قبیلہ کی زکوۃ لینے کے لئے اس کو بھیجا، اس نے اپنے ایک غلام کو اس جرم میں جان سے مار ڈالا کہ اس نے کھانا پکانے میں کچھ دیر کر دی تھی، اور خود اس خوف سے کہ مدینہ منوّرہ لوٹا تو قصاص میں قتل کر دیا جاؤں گا، مرتد ہو کر مکہ مکرمہ چلا آیا تھا۔ وہاں پہنچ کر حضور اقدس ﷺ کی ہجو کرتا تھا، اور دو باندیاں گانے والیاں خریدیں جو حضور ﷺ کی ہجو کے اشعار سے اس کو خوش کیا کرتی تھیں۔ حضور اکرم ﷺ نے منجملہ ان آٹھ کے اس کا بھی خون ہدر کر دیا تھا۔ اسی لئے باوجود بیت اللہ میں داخل ہونے کے اس کو قتل کر دیا گیا۔ اس کے قاتل میں محدّثین کے بہت سے اقوال ہیں کہ کس نے قتل کیا۔ اس حدیث میں ایک فقہی بحث بھی ہے کہ حدود و قصاص حرم میں قائم ہو سکتی ہیں یا نہیں؟ مسئلہ تفصیل طلب ہے اور عام ضرورت بھی اس سے متعلق نہیں اس لئے اختصاراً ترک کر دیا گیا۔ لیکن ایسے مواقع پر اس لئے تنبیہ کر دی جاتی ہے کہ اگر علم دوست حضرات یا طلبہ میں سے کوئی دیکھے تو وہ اس تنبیہ کے بعد مراجعتِ مشائخ سے تحقیق کر لے۔ اسی طرح اس حدیث سے مکّہ مکرّمہ میں بغیر احرام کے داخل ہونے کا جواز معلوم ہوتا ہے جس کا بیان دوسری حدیث میں آرہا ہے۔

(۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ جب حضور اقدس ﷺ فتح مکہ کے وقت شہر میں داخل ہوئے تو حضور کے سر مبارک پر خَود تھی، جب حضور نے اس کو اتار دیا تو ایک آدمی آیا اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! ابن خطل کعبہ کے پردہ سے لپٹا ہوا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ امن والوں میں نہیں، اس کو قتل کر ڈالو۔ زہری رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات معلوم ہوئی کہ حضور اقدس ﷺ اس روز محرم نہیں تھے۔

قال: فلما نــزعه، جاءه **رجل** فقال: ابن خَطَل **متعلّق** بأستار الكعبة! فقال: **اقتلوه**. قال ابن شهاب: وبلغني أن رسول الله ﷺ لم يكن يومئذ **مُحرِمًا**.

فائدہ: یہ اخیر جملہ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک فقہی مسئلہ کی طرف اشارہ ہے وہ یہ کہ حنفیہ کے نزدیک مکّہ مکرّمہ میں بلا احرام داخل ہونا جائز نہیں، اس لئے کہ حدیث شریف میں میقات سے بدون احرام کے تجاوز کرنے کی ممانعت آئی ہے اور شافعیہ کے نزدیک اس حدیث کی بنا پر جائز ہے۔ حنفیہ کے نزدیک یہ حدیث اس لئے حجت نہیں بن سکتی کہ حضور اقدس ﷺ کے لئے فتح مکہ کی غرض سے اس دن کی حرمت اُٹھا دی گئی تھی، چنانچہ بخاری وغیرہ کی روایات میں اس کی تصریح ہے کہ حضور ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ میرے لئے آج کے دن یہ حلال تھا کسی اور کے لئے نہیں ہے۔ ابن خطل کا کعبہ کے پردہ سے لپٹنا ممکن ہے آہ و زاری اور دعا کی غرض سے ہو کہ اس کو چونکہ امن نہیں دیا گیا تھا اور اپنی تمام حرکات بھی یاد تھیں کہ میں نے مرتد ہو کر کیا کچھ نہیں کیا، اس لئے دعا کی غرض سے ایسا کرتا ہو کہ کعبہ کی تعظیم و تکریم تو یہ لوگ کرتے ہی تھے، اور اقرب یہ ہے کہ سابقہ دستور کے موافق اس وجہ سے امن کی اُمید ہو کہ کعبہ کی تعظیم کی وجہ سے مجرموں کو اس حال میں قتل نہیں کیا جاتا تھا۔

رجل: قال الحافظ: لم أقف على تسميته، وزعم الفاكهي في شرح العمدة أنه فضيلة بن عبيد أبو بردة الأسلمي، قاله المناوي، قال الحافظ: وكأنه لما رجح عنده أنه هو الذي قتله رأى أنه هو الذي جاء مخبرا بقصته، ثم بسط الاختلاف في قاتله، وجزم به العيني إذ قال: هو أبو برزة الأسلمي بفتح الموحدة وسكون الراء وفتح الزاي، اسمه فضلة بن عبيد، وجزم به الكرماني والفاكهي. وهذا يخالف ما تقدم في الحديث السابق عن المناوي. متعلق: قال عصام وتبعه المناوي: إنه تعلق بها متمسكاً بقوله تعالى: ﴿وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِناً﴾ (آل عمران:۹۷) وتعقبه القاري بأن التمسك غير صحيح؛ فإنه لم يكن مؤمنا، وإنما تعلق بما هو من عادة الجاهلية: أنهم كانوا يعظمون من تمسك بذيلها في كل جريمة.

اقتلوه: واختلف فيمن قتله على أقوال، بسطها الحافظ في الفتح. محرما: لم يكن محرما، اختلف العلماء في جواز دخول مكة بغير إحرام، والصحيح من قولي الشافعي المشهور عندهم جوازه مطلقا، وعن الأئمة الثلاثة على المشهور عندهم وجوب الإحرام، قال ابن عبد البر: أكثر الصحابة والتابعين على الوجوب. وأجاب الطحاوي عن دخوله عليه السلام بأنه من خصائصه لقوله عليه السلام: وإنها لم تحل لي إلا ساعة. قاري مختصراً.

بابُ ما جاء في عمامة النبيّ ﷺ

حدثنا محمد بن بشّار، حدثنا عبد الرحمن بن مَهْديّ، عن حمّاد بن سلمة. ح وحدثنا محمود بن غَيْلَان، حدثنا وكيع، عن حمّاد بن سَلَمَة، عن أبي الزبير، **عن**[1] جابر رضي الله عنه قال: دخل النبي ﷺ

باب حضور اقدس ﷺ کے عمامہ کا ذکر

فائدہ: حضور ﷺ کے عمامہ کی مقدار مشہور روایات میں نہیں ہے۔ طبرانی کی ایک روایت میں سات ذراع آتی ہے۔ بیجوری رحمۃ اللہ علیہ نے ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ سے اس حدیث کا بے اصل ہونا نقل کیا ہے۔ علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے سیر کی کتابوں کو خاص طور سے تلاش کیا مگر حضور کے عمامہ کی مقدار مجھے نہیں ملی۔ البتہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا جاتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے دو عمامے تھے: ایک چھوٹا چھ ہاتھ کا مناوی کے قول کے موافق، اور سات ہاتھ کا مِلّا علی قاری کے قول کے موافق، اور ایک بڑا بارہ ہاتھ کا۔ صاحبِ مدخل نے حضور ﷺ کے عمامہ کی مقدار فقط سات ہی ہاتھ بتائی ہے دوسرا نہیں بتایا۔ عمامہ کا باندھنا سنتِ مُستمِرّہ ہے۔ نبی اکرم ﷺ سے عمامہ باندھنے کا حکم بھی نقل کیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے کہ عمامہ باندھا کرو اس سے حلم میں بڑھ جاؤ گے۔ (فتح الباری)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کیا عمامہ باندھنا سنت ہے؟ انھوں نے فرمایا ہاں سنت ہے۔ (عینی)

ایک حدیث میں آیا ہے: عمامہ باندھا کرو! عمامہ اسلام کا نشان ہے، اور مسلمان اور کافر میں فرق کرنے والا ہے۔ (عینی)

اس باب میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے پانچ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ فتح مکہ میں جب شہر میں داخل ہوئے ہیں تو حضور اقدس ﷺ کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا۔ **فائدہ:** یہ حدیث بظاہر گذشتہ باب کی روایات کے خلاف ہے جن میں حضور ﷺ کا خود

عمامة: [كل ما يعقد ويُلَف على الرأس، سواء كان تحت المغفر أو فوقه، أو ما يشد على القلنسوة، وكذلك ما يشد على رأس المريض، ولكن المراد منها هنا ماعدا المغفر] بالكسر معروف، وهم العصام حيث قال بالفتح، قال المناوي: العمامة سنة لاسيما للصلوة وبقصد التجمل لأخبار كثيرة، واشتداد ضعف كثير منها يجبره كثرة طرقها، وزعم وضع أكثرها تساهل.

مكة **يوم الفتح**، وعليه **عِمَامة** سوداء. **حدثنا** ابن أبي عمر، حدثنا سفيان، عن **مُسَاور الوَرَّاق**، عن جعفر بن عمرو بن حُرَيث، **عن**[2] أبيه قال: **رأيت علي** رسول الله ﷺ عمامة سوداء. **حدثنا** محمود بن غَيْلان ويوسف بن عيسى قالا: حدثنا وكيع، عن مُسَاور الوَرّاق، عن جعفر بن عمرو بن **حُرَيث**،

ابن عيينة

پہنے ہوئے مکّہ مکرّمہ میں تشریف لے جانا وارد ہوا ہے، لیکن حقیقتاً کوئی اختلاف نہیں، اس لئے کہ خَود پر عمامہ ہونے میں کوئی بُعد نہیں، دونوں روایتیں بسہولت جمع ہو سکتی ہیں۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ داخلہ کے وقت تو خَود سر مبارک پر تھی اس کے بعد متصلاً ہی عمامہ باندھ لیا تھا، چونکہ وہی وقت تقریباً تھا اس لئے اس روایت میں داخلہ کا وقت کہا گیا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ لوہے کی ٹوپی کی اذیت کی وجہ سے اس کے نیچے عمامہ باندھ رکھا ہوگا۔

(۲) عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ دیکھا۔

فائدہ: مسلم شریف اور نسائی شریف میں ہے عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، وہ منظر گویا اس وقت میرے سامنے ہے جب نبی کریم ﷺ منبر پر خطبہ پڑھ رہے تھے، سیاہ عمامہ آپ کے سر مبارک پر تھا اور اُس کا شملہ دونوں شانوں کے درمیان تھا۔

يوم الفتح: قال الزين العراقي: اختلفت ألفاظ حديث جابر في المكان والزمان الذي لبس فيه العمامة السوداء، فالمشهور أنه يوم الفتح، وفي رواية البيهقي في الشعب: يوم ثنية الحنظل وذلك يوم الحديبية، ويجاب: بأن هذا ليس باضطراب، وأنه لبس يوم الحديبية والفتح معا إلا أن الإسناد واحد، فليتأمل. **عمامة**: يخالف ما تقدم في الباب السابق: من المغفر، قال المناوي: وفي القاموس إن العمامة بالكسر: المغفر، والبيضة، وما يلف على الرأس. فلا حاجة إلى الجواب على ذلك.

مساور: بضم ميم وكسر واو وراء قاله القاري، قال النووي: بسين مهملة اسم فاعل، وصحف من قال: مبادر. **الوراق**: بتشديد الراء: بائع الورق، أو صانعه، أو منسوب إلى ورق الشجر، قاله القاري، وقال السمعاني: اسم لمن يكتب المصحف وكتب الحديث وغيرها، ويقال لمن يبيع الورق ببغداد. **رأيت علي إلخ**: قال القاري: هذا يحتمل عام الفتح وغيره، وحال الخطبة وغيرها، يوم الجمعة وغيره، وسيجيء ما يبيّنه في الحديث الآتي.

الحريث: قال ميرك: حديث عمرو بن حريث في معنى حديث جابر، وأورده المصنف بطريقين، وزاد في الطريق الثاني: خطب الناس أي: يوم فتح مكة، وهذه الخطبة عند باب الكعبة على ما يفهم من كلام الحافظ ابن حجر العسقلاني، وأخرج مسلم من طريق أبي أسامة عن مساور: حدثني جعفر بن عمرو بن حريث عن أبيه قال: كأني أنظر إلى رسول الله ﷺ على المنبر وعليه عمامة سوداء، وقد أرخى طرفيها بين كتفيها. و"طرفيها" بالتثنية في أكثر نسخ مسلم، وفي بعضها بالإفراد، قال عياض: وهو الصواب المعروف. قلت: وهكذا بالإفراد في رواية النسائي.

عن[۳] أبيه: أن النبي ﷺ **خطب الناس** وعليه **عِمَامة** سوداء. **حدثنا** هارون بن إسحاق الهَمْدَانيّ، (بسكون الميم) حدثنا يحيى بن محمد **المَدِيْنِيّ**، عن عبد العزيز بن محمد، عن عبيد الله (ابن عبد الله منسوب إلى جده) بن عمر، عن نافع، **عن**[٤]

(۳) عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ ہی سے یہ روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ خطبہ پڑھا اور حضور کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا۔ فائدہ: مشہور قول کے موافق یہ خطبہ فتح مکہ کا خطبہ ہے، جو کعبہ کی چوکھٹ پر کھڑے ہو کر حضور اقدس ﷺ نے فرمایا تھا، جس کا ذکر پہلی حدیثوں میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے گزر چکا ہے۔ لیکن بعض لوگوں نے اس وجہ سے کہ اس قصہ میں بعض جگہ ''منبر'' کا لفظ آیا ہے اور فتح مکہ کا وہ خطبہ منبر پر نہیں تھا، اس لئے مدینہ منوّرہ کا کوئی اور خطبہ جمعہ کا مراد لیا ہے کہ بعض حدیثوں میں اس قصہ میں ''جمعہ'' کا لفظ بھی موجود ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مشکوٰۃ میں میرک شاہ سے نقل کیا ہے کہ یہ خطبہ حضور کے مرضِ وصال کا ہے۔ واللہ اعلم۔

(۴) ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جب عمامہ باندھتے تو اس کے شملہ کو اپنے دونوں مونڈھوں کے درمیان یعنی پچھلی جانب ڈال لیتے تھے۔ نافع یہ کہتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو ایسے ہی کرتے دیکھا۔ عبید اللہ جو نافع کے شاگرد ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے زمانہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے قاسم بن محمد کو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پوتے سالم بن عبد اللہ کو ایسے ہی کرتے دیکھا۔ فائدہ: حضور اقدس ﷺ کی عادت شریفہ شملہ کے بارے میں مختلف رہی ہے۔

خطب الناس: قال القاري: أي على المنبر كما في رواية مسلم، وبهذا يندفع ما قال بعضهم: من أن لبس السواد كان في فتح مكة فقط؛ لأن خطبته ﷺ بمكة لم يكن على المنبر، بل كان على باب الكعبة، ولذا ذكره صاحب المصابيح في باب خطبة الجمعة. قلت: ولفظ المشكوة: أن النبي ﷺ خطب وعليه عمامة سوداء، قد أرخى طرفيها بين كتفيه يوم الجمعة. رواه مسلم. قلت: لكن الإمام مسلما أخرجه في باب "دخول مكة بغير إحرام" ولفظه: كأني أنظر إلى رسول الله ﷺ على المنبر وعليه عمامة سوداء. الحديث. ليس فيه لفظ "الجمعة". عمامة: قال المناوي: وفي نسخة: ''عصابةَ''. قلت: ولعل ذلك الباعث لميرك شاه؛ إذ قال: هذه الخطبة وقعت في مرض النبي ﷺ الذي توفي فيه. هكذا حكى عنه القاري في المرقاة.

المديني: هكذا في الشروح، وكذا على حواشي الهندية بطريق النسخة، وفي متونها: المدني. قال القاري والمناوي وغيرهما: نسبة إلى مدينة السلام على الأصح، زاد المناوي: احتراز عن يحيى بن محمد المدني، وهو اثنان آخران. قلت: وبلفظ المديني ذكره المصنف في الجامع بهذا الإسناد.

ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: كان النبي ﷺ إذا اعتَمَّ سَدَلَ عِمَامته بين **كتفيه**. قال نافع: وكان ابن عمر يفعل
[لبس عمامة]
ذلك. قال عبيد الله: ورأيت القاسم بن محمد وسالما يفعلان ذلك. **حدثنا** يوسف بن عيسى، حدثنا وكيع، حدثنا أبو سليمان –وهو عبد الرحمن **بن الغَسيل**–، عن عِكْرِمَة، **عن**[5] ابن عباس رضی اللہ عنہما

شملہ چھوڑنے کا معمول اکثر تھا حتی کہ بعض علماء نے یہاں تک لکھ دیا کہ بغیر شملہ کے باندھنا ثابت ہی نہیں، لیکن محققین کی رائے یہ ہے کہ گاہے بغیر شملہ چھوڑے بھی عمامہ باندھ لیتے تھے، اور شملہ چھوڑنے میں بھی مختلف معمول رہا ہے، کبھی آگے دائیں جانب، کبھی پیچھے دونوں مونڈھوں کے درمیان شملہ چھوڑتے تھے، کبھی عمامہ کے دونوں سرے شملہ کے طریقہ پر چھوڑ لیتے تھے۔ علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ثابت اگرچہ سب صورتیں ہیں لیکن ان میں افضل اور زیادہ صحیح دونوں مونڈھوں کے درمیان یعنی پچھلی جانب ہے۔

(۵) ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ خطبہ پڑھا اور آپ کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا یا چکنی پٹی تھی۔ فائدہ: یہ قصّہ حضور اقدس ﷺ کے مرض الوفات کا ہے اور آخری وعظ ہے کہ اس کے بعد نبی کریم ﷺ نہ منبر پر تشریف لے گئے نہ کوئی خطبہ پڑھا۔ اس میں انصار کی مراعات کا خاص طور سے حضور ﷺ نے ذکر فرمایا، ان کے محاسن اور احسانات گنوائے اور یہ ارشاد بھی فرمایا کہ جو تم میں سے کسی چیز کا بھی امیر بنایا جائے وہ ان کی خاص طور سے رعایت کرے۔ اس وقت حضور ﷺ کے سر میں شدید درد تھا جس کی وجہ سے پٹی کا باندھنا بھی موجّہ ہے، اور چونکہ حضور اکرم ﷺ کے سر مبارک پر تیل کی زیادہ مالش ہوتی تھی، جیسا کہ آئندہ آنے والا ہے، اس لئے اس پٹی کا چکنا ہونا بھی قرینِ قیاس ہے، اور سیاہ عمامہ تو ظاہر ہے اس میں کسی قسم کا بُعد نہیں، حضور اقدس ﷺ کی عادتِ شریفہ تھی ہی۔ غرض علماء اس کے مطلب میں دونوں طرف گئے ہیں کہ بعض علماء نے سیاہ عمامہ کا ترجمہ فرمایا ہے اور بعض نے چکنی پٹی کا،

سدل: قال القاري: أي أرخى طرفها الذي يسمى العلاقة، وقال المناوي: هل المراد يسدل الطرف الأسفل حتى يكون عذبة أو يسدل الطرف الأعلى كل محتمل. كتفيه: قال ميرك: قد ثبت في السير بروايات صحيحة: أن النبي ﷺ كان يرخي علاقته أحيانا بين كتفيه، وأحيانا يلبس العمامة من غير علاقة. ابن الغسيل: منسوب إلى جد أبيه؛ لأن عبد الرحمن هذا هو ابن سليمان بن عبد الله بن حنظلة الغسيل المعروف بابن الغسيل، والغسيل لقب لجد أبيه حنظلة.

أن النبي ﷺ خطب الناس وعليه **عصابة دسمَاء.**

اور دونوں صحیح ہیں کہ لفظ بھی دونوں کو محتمل ہے اور معمول بھی دونوں کے موافق ہے۔ اس حدیث کے ایک راوی ابن الغسیل ہیں جو حضرت حنظلہ غسیل الملائکہ کی اولاد ہیں۔ حضرت حنظلہ کا لقب غسیل الملائکہ پڑ گیا تھا جس کا ترجمہ فرشتوں کا غسل دیا ہوا ہے، ان کا عجیب واقعہ گزرا ہے کہ جس وقت اُحد کی لڑائی کے لئے کوچ ہوا ہے اور روانگی کا اعلان ہوا تو یہ اپنی اہلیہ کے ساتھ مشغول تھے، اس حالت میں شور سُنا، معلوم ہوا کہ قافلہ روانہ ہو رہا ہے، یہ بھی خبر سنتے ہی ساتھ ہو لئے اور اتنی مہلت نہ ہوئی کہ غسل سے فراغت پاتے، وہاں پہنچ کر شہید ہوگئے۔ چونکہ شہید کو غسل نہیں دیا جاتا اس لئے ان کو بھی غسل نہیں دیا گیا، مگر نبی اکرم ﷺ نے دیکھا کہ فرشتے ان کو غسل دے رہے ہیں اس لئے تحقیق فرمایا اور واپسی پر ان کی اہلیہ سے یہ سارا حال معلوم ہوا۔ در حقیقت ان حضرات کے نزدیک دین پر مر مٹنا اس کے لئے جان دے دینا اتنا ہی سہل تھا جتنا ہم لوگوں کو اپنی خواہشات دنیوی میں مشغول و منہمک ہو جانا آسان ہے۔

عصابة: وفي رواية: عمامة، والعصابة هي العمامة، كما في القاموس. الدسماء: بفتح الدال المهملة وسكون السين المهملة: هي السوداء كما في نسخة، وقيل: الدسماء الملطخة بالدسم؛ لأنه ﷺ كان يكثر دهن شعره، فأصابتها الدسومة من الشعر.

بابُ ما جاء في صفة إزار رسول الله ﷺ

حدثنا أحمد بن منيع، حدثنا إسماعيل بن إبراهيم، حدثنا أيوب، عن حُميد بن هلال، **عن**[1]

باب۔ حضور اقدس ﷺ کی لنگی کا ذکر

فائدہ: حضور اقدس ﷺ کی عادت شریفہ لنگی باندھنے کی تھی۔ پاجامہ پہننا آنحضرت ﷺ کا مختلف فیہ ہے۔ علامہ بیجوری رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے موافق راجح قول پہننے کا عدمِ ثبوت ہے، البتہ یہ محقق ہے کہ حضور کے پاس موجود تھا۔ حتی کہ کہا گیا ہے کہ وصال کے بعد ترکہ میں بھی تھا۔ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے خریدا تو ہے ہی اور ظاہر ہے کہ پہننے ہی کے لئے خریدا ہے، اس کے علاوہ متعدد احادیث میں حضور ﷺ کا پہننا بھی وارد ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو حضور کی اجازت سے پہنتے ہی تھے (زاد المعاد) ابو امامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ اہلِ کتاب لنگی نہیں باندھتے پاجامہ پہنتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا تم لوگ ان کا خلاف کرو، پاجامہ بھی پہنو لنگی بھی باندھو۔ ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ ایک طویل حدیث کے سلسلہ میں کہتے ہیں: میں نے حضور ﷺ سے پوچھا آپ کبھی پاجامہ پہنتے ہیں؟ حضور نے فرمایا پہنتا ہوں، مجھے بدن کے ڈھانکنے کا حکم ہے، اس سے زیادہ پردہ اور چیزوں میں نہیں ہے۔ لیکن محدثین نے اس حدیث کو ضعیف بتایا ہے (**نیل الأوطار**) حضور ﷺ کا معمول لنگی باندھنے کا اور چادر اوڑھنے کا اکثر تھا۔ حضور ﷺ کی چادر چار ہاتھ لمبی اور اڑھائی ہاتھ، اور ایک قول کے موافق چھ ہاتھ لمبی اور تین ہاتھ اور ایک بالشت چوڑی بتائی جاتی ہے اور حضور ﷺ کی لنگی چار ہاتھ اور ایک بالشت لمبی اور دو ہاتھ چوڑی لکھتے ہیں۔

اس باب میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے چار حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) ابو بردہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ہمیں ایک پیوند لگی ہوئی چادر اور ایک موٹی لنگی دکھلائی اور یہ فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کا وصال ان دو کپڑوں میں ہوا تھا۔ **فائدہ:** یعنی وصال کے وقت تک حضور ﷺ کا معمول ایسے ہی کپڑوں کے استعمال کا تھا، حالانکہ اس وقت فتوحات بھی شروع ہو چکی تھیں، فی الجملہ وسعت بھی ہو گئی تھی۔ خیبر کی فتح کے بعد سے

إزار: بالكسر: الملحفة، يذكر ويؤنث، والمراد ههنا: ما يستر أسفل البدن، ويقابله الرداء، هو: ما يستر أعلى البدن.

أبي بردة: قال أخرجت إلينا عائشة ﵂ كِسَاءً مُلَبَّدًا، وإزاراً غليظًا فقالت: قُبِض روح رسول الله ﷺ في هذين.
بالكسر: ما يستر أعلى البدن [خشنا]

مسلمانوں کی مالی حالت بہتر ہونا شروع ہوگئی تھی اور فتح مکہ کے بعد سے تو دوسرے سلاطین اور دوسرے ملکوں سے ہدایا اور نذرانوں کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا تھا۔ لیکن حضور ﷺ کا معمول اپنی معیشت کے لئے وہی قدیم طرز رہا اور جو کچھ آتا اس کو دوسروں پر تقسیم فرمادیتے، جس کا کچھ نمونہ "حکایاتِ صحابہ" میں لکھ چکا ہوں۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث اور اس جیسی حدیثیں اس طرف مشیر ہیں کہ حضور کو دُنیاوی لذات اور تنعمّات سے اعراض تھا۔ موٹا کپڑا تواضع اور انکسار کی طرف لے جاتا ہے، اور باریک عمدہ لباس بسا اوقات عجب و تکبر اور خود بِنی پیدا کرتا ہے۔ مجھ سے میرے محترم بزرگ مولانا مولوی حکیم جمیل الدین صاحب نگینوی ثم الدہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت اقدس فخر المحدثین مولانا گنگوہی نور اللہ مرقدہ کا عجیب غریب قصہ نقل فرمایا کہ حضرت اقدس جب حج کو تشریف لے گئے تو مطاف کے کنارہ پر ایک نابینا بزرگ تشریف فرما تھے، جب حضرت طواف میں اس طرف گذرتے تو وہ (البس لباس الصالحین) ہلکی آواز سے کہتے، اور جب حضرت طواف سے فراغت پر اس طرف تشریف لے گئے تو انھوں نے خشن خشن (موٹا موٹا) فرمایا جس سے تنبیہ مقصود تھی کہ صلحاء کا لباس موٹا کپڑا ہے۔ یہ اکثری لباس تھا اور بعض اوقات عمدہ کپڑا بھی پہننا ثابت ہے، جو بعض دینی مصالح کی وجہ سے نیز ترکِ تکلّف کی وجہ سے تھا کہ جیسا مہیا ہوگیا پہن لیا، یہ نہیں کہ عمدہ کپڑے سے بالخصوص احتراز فرماتے۔

أبي بردة: كذا في النسخ بالموحدة والراء، فما في بعض النسخ من لفظ "أبي هريرة" غلط، نعم، يوجد في بعض النسخ بعد أبي بردة لفظ "عن أبيه" وهو أبو موسى الأشعري، وليس في أكثر النسخ المكتوبة والمطبوعة، إلا أنه جزم به المناوي في أصله، والصواب حذفه؛ لأن أبا بردة وإن ثبت روايته عن أبيه وعائشة ﵄ كليهما، لكن هذا الحديث أخرجه المصنف في جامعه بهذا السند بعينه، وأبوداود في اللباس، والبخاري فيه وفي الجهاد، والخطيب في المشكوة وغيرهم، وليس عند أحدهم لفظ "عن أبيه" وأبو بردة هذا جد أبي الحسن الأشعري الإمام المعروف في الكلام.

ملبّدًا: بتشديد الموحدة المفتوحة، أي: مرقعا، يقال: لبدت الثوب إذا رقعته، وقيل: التلبيد: جعل بعضه ملتزقا ببعض كأنه زال وطأته ولينه لتراكم بعضه على بعض، قاله القاري، وقال المناوي: أصله الذي يجعل في رأسه لزوقا من نحو صمغ لتلبيد شعره، والمراد ههنا ما ثخن وسطه حتى صار كاللبد، وقيل: المراد المرقع.

حدثنا محمود بن غيلان، أخبرنا أبو داود، عن شعبة، عن الأشعث بن سُليم، قال: سمعت **عمّتي** فحدّثتْ **عن**(۲) **عمّها**، قال: بينما أنا أمشي بالمدينة إذا إنسان خلْفي يقول: ارفع إزارك، فإنه **أتقى** وأبقى،

(۲) عبید اللہ بن خالد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں مدینہ منوّرہ میں ایک مرتبہ جارہا تھا، کہ میں نے ایک شخص کو اپنے پیچھے سے یہ کہتے سُنا کہ: لنگی اوپر کو اٹھاؤ کہ اس سے نجاست ظاہری اور باطنی تکبر وغیرہ سے (نظافت بھی زیادہ حاصل رہتی ہے اور کپڑا زمین پر گھسٹ کر خراب اور میلا ہونے سے) محفوظ رہتا ہے۔ میں نے کہنے والے کی طرف متوجہ ہوکر دیکھا تو وہ حضور رسالت مآب ﷺ تھے، میں نے عرض کیا: حضور یہ ایک معمولی سی چدریہ ہے، اس میں کیا تکبر ہو سکتا ہے، اور کیا اس کی حفاظت کی ضرورت ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اگر کوئی مصلحت تیرے نزدیک نہیں تو کم از کم میرا اتباع تو کہیں گیا ہی نہیں۔ میں نے حضور ﷺ کے ارشاد پر حضور اقدس ﷺ کی لنگی کو دیکھا تو نصف ساق تک تھی۔

فائدہ: لنگی پاجامہ وغیرہ کے ٹخنوں سے نیچے لٹکانے کی بہت سخت وعیدیں آئی ہیں۔ ٹخنوں سے نیچے جتنے حصہ پر کپڑا لٹکتا ہے وہ آگ میں جلایا جائے گا۔ عبد الرحمن کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے لنگی کے بارے میں استفسار کیا، وہ فرمانے لگے کہ تم نے بڑے واقف سے سوال کیا، حضور نے یہ فرمایا ہے کہ مسلمان کی لنگی آدھی پنڈلی تک ہونا چاہئے اور اس کے نیچے ٹخنوں تک بھی کچھ مضائقہ نہیں ہے، لیکن ٹخنوں سے نیچے جتنے حصہ پر لنگی لٹکے گی وہ آگ میں جلے گا، اور جو شخص متکبرانہ کپڑے کو لٹکائے گا قیامت میں حق تعالیٰ شانہ اس کی طرف نظر نہیں کریں گے (ابو داؤد) اس قسم کی وعیدیں اور احادیث میں بھی آئی ہیں، اس لئے اس کی طرف خاص طور سے توجہ کرنی چاہئے، اس کے بالعکس ہمارے اس زمانہ میں خاص طور سے کپڑا نیچے لٹکایا جاتا ہے۔ فالی اللہ المشتکی۔

عمّتي: اسمها رُهْمٌ، بضم الراء وسكون الهاء، بنت الأسود بن خالد، كذا في التقريب، وقيل: بنت الأسود بن حنظلة.
عمها: أي: عم عمة أشعث ابن سليم، اسمه عبيد بن خالد المحاربي، سكن الكوفة، وأما ما قال العصام: أن الأصح ما في بعض النسخ "عم أبيها" أي: عم ابن الحنظلة، فغير صحيح مع أنه ليس موجوداً في النسخ، نعم، ذكر ميرك شاه أنه وقع في كتاب تهذيب الكمال "عن أبيه"، فالضمير المجرور إلى الأشعث، ولا يخفى أن عم عمة الشخص عم أبيه، قاله القاري. قلت: وأيامّا كان فالمراد به عبيد بن خالد المحاربي. أتقى: أي: أقرب إلى سلوك التقوى، أو أوفق للتقوى؛ للبعد عن الكبر والخيلاء، أو للتنـــزه عن القاذورات، ويؤيد الآخر ما في بعض النسخ "أنقى" بالنون أي: أنظف. وقوله: "أبقى" أي: أكثر بقاء.

فالتفت فإذا هو رسول الله ﷺ، فقلت: يا رسول الله! إنما هي بُرْدَة **مَلْحَاء**، قال: أما لك فِيَّ **أسوة**؟ فنظرت فإذا إزاره إلى نصف ساقيه. **حدثنا** سويد بن نصر، حدثنا عبد الله بن المبارك، عن موسى بن عبيدة، عن **إياس** بن سلمة بن الأكوع، **عن**(۳) أبيه قال: كان عثمان يأتزر إلى أنصاف ساقيه، **وقال**: هكذا كانت **إزرة** صاحبي - **يعني النبي** ﷺ - **حدثنا** قتيبة، أخبرنا أبو الأحوص، عن أبي إسحاق، عن مسلم بن **نُذَير**، **عن**(٤) حذيفة بن اليمان قال: أخذ رسول الله ﷺ

---

(۳) سلمہ بن الاکوع کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ لنگی نصف ساق تک رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہی ہیئت تھی میرے آقا حضور اقدس ﷺ کی لنگی کی۔

(۴) حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے میری پنڈلی کے یا اپنی پنڈلی کے گوشت کا حصہ پکڑ کر یہ فرمایا کہ یہ حد ہے لنگی کی، اگر تجھے اس پر قناعت نہ ہو تو اس سے کچھ نیچے سہی، اگر اس پر بھی قناعت نہ ہو تو لنگی کا ٹخنوں پر کوئی حق نہیں، لہٰذا ٹخنوں تک نہیں پہنچنا چاہئے۔ **فائدہ**: ٹخنوں سے نیچے لنگی یا پاجامہ وغیرہ کا لٹکانا حرام ہے، لیکن علماء نے ضرورت کو اس سے مستثنیٰ کیا ہے کہ اگر کسی شخص کے ٹخنے میں پھنسی ہو جس سے مکھی وغیرہ بیٹھتی ہے تو ایسے شخص کو اس کی حفاظت کے لئے لنگی یا پاجامہ لٹکا لینا جائز ہے جب تک کہ زخم اچھا ہو۔

ملحاء: بفتح الميم والحاء المهملة وسكون اللام، المراد: بردة سوداء، فيها خطوط بيض، يلبسها الأعراب، ليست من الثياب الفاخرة، وكأنه أراد أن هذا ثوب مهنة لا ثوب زينة، فلا خيلاء فيه. أسوة: [أي: أليس لك فِيّ أسوة أي: اقتداء واتباع؟] إياس: بكسر الهمزة وتخفيف الياء، ابن سلمة بن عمرو بن الأكوع، فسلمة منسوب إلى جده، صحابي معروف شجاع.
وقال: ظاهر فاعله عثمان رضي الله عنه، قال القاري والمناوي: القائل عثمان، ويحتمل على بعد سلمة، وتكرار "قال" يرجح الأول. ووقع الغلط في النقل في الطبع الأول. والغرض أنه كذا كان فعله ﷺ. وكذا فعل عثمان رضي الله عنه، فهذه سنة مستمرة، ولم أجد الحديث في السنن ولا المسانيد إلا ما ذكره صاحب كنـز العمال عن الشمائل هذه، وابن أبي شيبة بهذا اللفظ بعينه، فلم يتحقق عندي أحد من الاحتمالين بعد. إزرة: بكسر أوله وسكون الزاء: اسم لهيئة الإزار.
يعني النبي ﷺ: [يقصد عثمان بصاحبي النبي ﷺ، وقائل ذلك سلمة.] نذير: بنون وذال آخره راء، مصغراً، وقيل: مكبراً، وفي نسخة: "يزيد" بفتح تحتية وكسر زاء آخره دال مهملة، ففي التقريب: مسلم بن نذير بنون مصغراً ويقال: ابن يزيد كوفي.

بعَضْلَةِ سَاقِي أو سَاقِه فقال: هذا موضع الإزار، فإن أبيت فأسفل، فإن أبيت فلا حق **للإزار** في الكعبين.

بعَضْلة: كطلحة، أو محركة: كل عصب له لحم بكثرة، والمراد ههنا: اللحم المجتمع أسفل من الركبة من مؤخر الساق. ولفظ "أو ساقه" كذا بالشك عند المصنف وابن ماجة، والظاهر أنه شك من دون حذيفة، كيف! وهو صاحب القصة مع أن البيهقي أخرجه بدون الشك بلفظ "ساقي"، والمعنى على الشك: أنه ﷺ أخذ بعضلة ساق حذيفة، أو بعضلة ساق نفسه الشريفة. **للإزار**: هذا يقتضي أنه يحرم أن يبلغ به إلى الكعبين، ولذا قال الحنفي: يجب أن لا يصل إلى الكعبين، قال القاري: هو غير صحيح؛ لرواية البخاري: ما أسفل من الكعبين من الإزار في النار.

بابُ ما جاء في مِشْية رسول الله ﷺ

حدثنا قتيبة بن سعيد، أخبرنا ابن لهيعة، عن **أبي يونس، عن**[1] أبي هريرة ﷺ قال: ما رأيت شيئا أحسن من رسول الله ﷺ، كأن الشمس **تجري** في وجهه، وما رأيت أحدًا أسرع **في مشية** من رسول الله ﷺ، كأنما الأرض تُطْوى له، إنا **لَنُجْهِد أنفسنا، وإنه لغير مُكتَرِثٍ.**

[1] كصحيفة هو عبد الله

باب۔ حضور اقدس ﷺ کی رفتار کا ذکر

فائدہ: حلیہ شریف کی روایات میں بھی حضور ﷺ کی رفتار کا ذکر تبعاً گذر چکا ہے، اس باب میں صرف رفتار کی کیفیت کو مستقلاً بیان کرنا مقصود ہے۔

اس باب میں تین روایتیں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کی ہیں۔

(۱) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ سے زیادہ حسین کوئی نہیں دیکھا، چمک اور روشنی گویا کہ آفتاب آپ ہی کے چہرہ میں چمک رہا ہے۔ میں نے آپ سے زیادہ تیز رفتار بھی کوئی نہیں دیکھا، زمین گویا لپٹی جاتی تھی کہ ابھی چند منٹ ہوئے یہاں تھے اور ابھی وہاں۔ ہم لوگ آپ کے ساتھ چلنے میں مشقت سے ساتھ ہوتے تھے اور آپ گویا اپنی معمولی رفتار سے چلتے تھے۔ **فائدہ:** یعنی آپ کی معمولی رفتار کے ساتھ بھی ہم لوگ اہتمام سے ساتھ رہ سکتے تھے۔

مشية: بالكسر كسدرة: ما يعتاده الإنسان من المشي، وقيل: هيئة المشي قاله المناوي. أبي يونس: اعلم أن المكنى بهذه الكنية في الرجال خمسة نفر، والمراد هناك: سليم بن جبير مولى أبي هريرة. تجري: شبّه جريان الشمس في فلكها بجريان الحسن ونوره في وجهه ﷺ، وعكس التشبيه مبالغة، وخص الوجه بذلك؛ لأنه الذي به يظهر المحاسن، لأن حسن البدن تابع لحسنه غالبا. في مشية: [المراد صفة مشيه ﷺ المعتاد من غير إسراع منه] بالكسر للهيئة، وفي نسخة بلفظ المصدر، وهو بفتح الميم بلا تاء، أي في كيفية مشيه قاله القاري.

لَنُجْهِد أنفسنا: [إنا لَنُتعب أنفسنا ونوقعها في المشقة في سيرنا معه ﷺ.] وإنه لغير مكترثٍ: [والحال أنه ﷺ لغير مبال، ويمشي على هيئته.] الاكتراث: المبالاة، والمعنى: أنه ﷺ غير مسرع بحيث تلحقه مشقة.

حدثنا علي بن حُجْر **وغير واحد** قالوا: حدثنا عيسى بن يونس، عن عمر بن عبد الله مولى **غُفْرة قال:**[۲] حدثني إبراهيم بن محمد – من ولد[أولاد] عليّ بن أبي طالب رضي الله عنه – قال: كان عليّ إذا وصف النبيّ ﷺ قال: إذا مشى **تَقَلّع** كأنما يَنْحَطّ في صبَبٍ[زمين نشيب]. **حدثنا** سفيان بن وكيع، قال: أخبرنا أبي، عن **المسعوديّ**، عن عثمان بن مسلم بن **هُرْمُز**، عن نافع بن جُبَير[مصغراً] بن مطعم، **عن**[۳] عليّ بن أبي طالب رضي الله عنه قال: كان رسول الله ﷺ إذا مشى، تَكَفّأ تكفُّؤًا كأنما يَنْحَطّ من **صَبَب**.

---

(۲) ابراہیم بن محمد کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب آپ کا ذکر فرماتے تو یہ فرماتے کہ جب آپ چلتے تھے تو ہمت اور قوت سے پاؤں اُٹھاتے۔ عورتوں کی طرح سے پاؤں زمین پر گھسیٹ کر نہیں چلتے تھے۔ چلنے میں تیزی اور قوت کے لحاظ سے ایسا معلوم ہوتا تھا گویا کہ اونچائی سے اُتر رہے ہیں۔ **فائدہ:** یہ حدیث پہلے حُلیہ شریف میں مفصّل گذر چکی ہے۔

(۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جب تشریف لے چلتے تو کچھ جھک کر چلتے تھے گویا کہ بلندی سے اُتر رہے ہیں۔ **فائدہ:** یہ مضمون بھی گذشتہ احادیث میں چند جگہ آچکا ہے۔

غير واحد: منهم أحمد بن عبدة، ومحمد بن الحسين، كما تقدم ذكرهما في أول الكتاب، وهذا الحديث جزء منه، فرّقه المصنف في الموضعين لمناسبة الترجمة. **غفرة**: بضم المعجمة فسكون فاء، تقدم في أول الكتاب. **تقلع**: بفتح اللام المشددة من قلع الشجرة إذا نزعها من أصلها، أي مشى بقوة؛ لأن التقلع رفع الرجل من الأرض بقوة. **المسعودي**: هو عبد الرحمن بن عبد الله بن عقبة بن عبد الله بن مسعود، والحديث تقدم في الباب الأول من الشمائل برواية أبي نعيم عن المسعودي، وهذا مختصر منه. هرمز: بضم الهاء والميم، غير منصرف. صبب: [هو: ما انحدر من الأرض، كما في القاموس. و"مِن" بمعنى "في" كما في بعض النسخ. والحاصل: كأنّما ينــزل في موضع منحدر. وحمله على سرعة انطواء الأرض تحته خلاف الظاهر.]

بابُ ما جاء في تَقَنُّع رسول الله ﷺ

حدثنا يوسف بن عيسى، أخبرنا وكيع، أخبرنا **الرَّبيع** بن صَبِيْح، عن يزيد بن أَبان، **عن**[١]

باب۔ حضور اقدس ﷺ کے قِناع کا ذکر

فائدہ: قِناع وہ کپڑا کہلاتا ہے جس کو آنحضرت ﷺ سر مبارک پر عمامہ سے نیچے رکھ لیتے تھے تاکہ تیل کی وجہ سے عمامہ خراب نہ ہو۔ اس کے علاوہ اور بھی چند منافع علماء نے تحریر فرمائے ہیں۔

اس باب میں ایک ہی حدیث ذکر کی گئی۔

(۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اپنے سر مبارک پر کپڑا اکثر رکھا کرتے تھے اور حضور ﷺ کا یہ کپڑا چکناہٹ کی وجہ سے تیلی کا کپڑا معلوم ہوتا تھا۔ **فائدہ:** یعنی جیسا اس کا کپڑا چکنا رہتا ہے ایسا ہی یہ کپڑا بھی تیل کی کثرتِ استعمال سے چکنا رہتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود نبی اکرم ﷺ کی خصوصیات میں یہ شمار کیا گیا ہے کہ حضور کا یہ کپڑا میلا نہ ہوتا تھا،

تقنُّع: معروف، وهو: تغطية الرأس بطرف العمامة أو برداء، أعم من أن يكون فوق العمامة أو تحتها، لرواية البخاري في الهجرة: أنه ﷺ أتى بيت أبي بكر متقنعا بثوبه، والظاهر أنه كان متغشيا به فوق العمامة، مستخفيا من أهل مكة، والمراد به ههنا: هو إلقاء القناع على الرأس، وهو بكسر القاف: خرقة تلقى على الرأس بعد تدهينه؛ لئلا يصل أثر الدهن إلى القلنسوة والعمامة. ثم جعله بابا مع أن حديثه سبق في "باب الترجل" لعله للتنبيه عليه خاصة لاهتمامه ﷺ إياه قاله القاري، وقال المناوي: كثر كلام الناس في الطيلسان، والحاصل أنه قسمان: محنك: وهو ثوب طويل عريض، قريب من الرداء، مربع، يجعل فوق العمامة، ثم يدار طرفه من تحت الحنك إلى أن يحيط بالرقبة جميعها، ثم يلقى طرفاه على المنكبين، ومقور: وهو ما عدا ذلك، فيشمل المدور، والمثلث، والمربع والمسدول، وهو: ما يرخى طرفاه من غير ضمهما أو أحدهما، والأولى مندوب اتفاقا، ويتأكد لصلوة وحضور جمعة وعيد ومجمع، والثاني مكروه بأنواعه؛ لأنه شعار أهل الذمة، ووقع في أكثر الأحاديث التعبير بالتطيلس "بالتقنع"، وعن الطيلسان "بالقناع"، ومن ثم قال الحافظ ابن حجر في مجيء المصطفى لبيت الصديق متقنعا: أي مطيلسا رأسه، هذا أصل لبس الطيلسان، فما على الرأس مع التحنيك الطيلسان، ويسمى رداء مجازاً، وما على الكتاف هو الرداء الحقيقي، ويسمى طيلساناً مجازاً.

الربيع: بن صبيح بالتكبير فيها، وهذا الحديث مكرر، تقدم بهذا السند بعينه وبهذا المتن بشيء من الزيادة في "باب الترجل" وحكموا على الحديث بالنكارة.

أنس بن مالك رضي الله عنه قال: كان رسول الله ﷺ يُكثِر **القِنَاع**، كأن **ثوبه** ثوب زيّات.

نہ حضور کے کپڑوں میں جوں پڑتی تھی، نہ کھٹمل خون کو چوس سکتا تھا۔ (قاری) علامہ رازی سے مناوی نے نقل کیا ہے کہ مکھی بھی آپ کے کپڑے پر کبھی نہیں بیٹھی۔

القِنَاع: [بكسر القاف: الخرقة التي تلقى على الرأس بعد استعمال الدهن؛ لتقي العمامة من الدهن.] ثوبه: قال القاري: أي: أعلى ثوبه أو قناعه الذي يستتر به، وقال المناوي: كان طوق قميصه طوق قميص بائع الزيت، فإنه وإن ألقى القناع على رأسه يصل منه شيء إلى عالي ثوبه. قلت: والظاهر أن المراد من ثوبه هذا هو القناع، وحكاه المناوي في شرح باب الترجل عن شارح.

بابُ ما جاء في جِلسة رسول الله ﷺ

حدثنا عبد بن حُمَيد، أنبأنا عفان بن مسلم، أخبرنا عبد الله بن حسّان، عن **جدّتيه، عن**(۱) قَيْلَة بنت مَخْرَمَة، أنها رأت رسول الله ﷺ في المسجد،

باب۔ حضور اقدس ﷺ کی نشست کا ذکر

فائدہ: یعنی حضور ﷺ کے بیٹھنے کی کیا ہیئتیں وارد ہوئی ہیں۔ اس باب میں تین احادیث روایت فرمائی ہیں۔

(۱) قیلہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو مسجد (میں کچھ ایسی عاجزانہ صورت) میں گوٹ مارے بیٹھے دیکھا کہ میں رعب کی وجہ سے کانپنے لگی۔ **فائدہ:** قرفصاء کی تصویر میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ مشہور قول یہ ہے کہ دونوں رانیں کھڑی کر کے دونوں ہاتھوں سے ان کا احاطہ کرے اور سُرین پر بیٹھے۔ اسی کو گوٹ مار کر بیٹھنا بھی کہتے ہیں۔ رعب کی وجہ بظاہر یہ تھی کہ یہ حالت فکر و رنج کی تھی، اور حضور کو فکر کسی معمولی بات سے ہو نہیں سکتی تھی، اس لئے ان کو یہ خوف ہوا کہ مبادا اُمت پر کوئی عذاب تو نہیں آرہا، اس لئے کہ حضور کو اُمت کی فکر زیادہ رہتی تھی۔ یہ بظاہر وہی حدیث ہے جو حضور ﷺ کے لباس کے بارہویں نمبر پر تھوڑی سی گذر چکی ہے، وہاں بھی اس کی طرف تھوڑا سا اشارہ کر دیا تھا۔ اس حدیث میں کچھ حصّہ اور بھی ہے جس کو مصنف نے مختصر کر دیا ہے، وہ یہ کہ قیلہ رضی اللہ عنہا کی یہ دہشت کی حالت دیکھ کر حاضرینِ مجلس میں سے ایک صاحب نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ مسکینہ تو خوف زدہ ہوگئی۔ قیلہ کہتی ہیں کہ میں حضور ﷺ کی پشت کی طرف تھی، حضور نے ادھر توجہ بھی نہیں فرمائی، زبان مبارک سے صرف اتنا ارشاد فرمایا کہ اے مسکینہ! سکون اختیار کر۔ حضور کا یہ فرمانا تھا کہ جس قدر خوف و دہشت مجھ پر تھی ساری جاتی رہی۔ بعض روایات میں یہ قصہ کسی مرد کے متعلق مذکور ہے، جیسا کہ حضور ﷺ کے لباس کے بیان میں گذر چکا ہے۔

جلسة: بكسر الجيم اسم للنوع أي: هيئة جلوسه ﷺ، وظاهر الروايات الواردة ترادف الجلوس والقعود، وهو كذلك عرفا، وأما لغةً ففي القاموس: قد يفرق فيجعل الجلوس لما هو من اضطجاع، والقعود لما هو من قيام قاله المناوي. قال القاري: والظاهر أن المراد بالجلسة المعنونة: مقابلة القومة؛ ليشمل حديث الاستلقاء أيضاً. جدتيه: تقدم بعض الحديث في "باب اللباس" وذكر المصنف هناك اسم جدتيه: دحيبة وعليبة، وتقدم هناك أن الصواب صفية ودحيبة بنتي عليبة.

وهو قاعدٌ **القُرْفُصَاءَ**، قالت: فلما رأيت رسول الله ﷺ **المُتَخَشِّع في** الجِلْسَة أرْعِدتُ من **الفَرَق**. **حدثنا** سعيد بن عبد الرحمن المخزوميّ وغير واحد قالوا: أخبرنا سفيان، عن الزُّهريّ، عن **عبَّاد** بن تميم، **عن**

(بفتح فاء وضمها) (بالفاء والراء المفتوحتين: الخوف) (۲)

(۲) عباد کے چچا عبد اللہ بن زید کہتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو مسجد میں چت لیٹے ہوئے دیکھا، اس وقت حضور اپنے ایک پاؤں کو دوسرے پاؤں کے اوپر رکھے ہوئے تھے۔

فائدہ: مسلم شریف کی روایت میں اس طرح لیٹنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ علماء نے دونوں کے درمیان میں مختلف طریقوں سے جمع فرمایا ہے۔ واضح توجیہ یہ ہے کہ اس طرح لیٹنے کی دو صورتیں ہیں جو دونوں حدیثوں کا علیحدہ علیحدہ مصداق ہیں: ایک صورت تو یہ ہے کہ دونوں پاؤں پھیلا کر ایک قدم دوسرے قدم پر رکھ لے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں اور یہ صورت اس حدیث کا مصداق ہے جو شمائل میں ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ قدم کو دوسرے پاؤں کا گھٹنا کھڑا کر کے اس پر رکھے، یہ مسلم شریف کی روایت کا مصداق ہے۔ اس صورت میں ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ عرب میں عام طور سے لنگی باندھنے کا دستور تھا، لنگی باندھ کر اس طرح لیٹنے سے ستر کھل جانے کا احتمال قوی ہے اس لئے حضور ﷺ نے منع فرمایا۔ اس جگہ یہ بھی اشکال کرتے ہیں کہ اس حدیث کو ہیئت نشست سے کوئی خاص تعلق نہیں۔ علماء نے اس کی مختلف وجوہ بتلائی ہیں، سہل یہ ہے کہ باب میں بیٹھنے سے مراد عام لیا جائے بیٹھنے اور لیٹنے کو، اگرچہ لیٹنے کی بعض روایات سونے کے بیان میں آئیں گی۔ یہ بھی ممکن ہے جو ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی ہے کہ جب اس قسم کا لیٹنا (باوجود یہ کہ روایت میں اس کی ممانعت آئی ہے) مسجد میں جائز ہے تو بیٹھنا ہر قسم سے جائز ہوا۔

القرفصَاءَ: بضم قاف وسكون راء وضم فاء فصاد مهملة، يمد ويقصر: جلسة المحتبي، يقال: قرفص الرجل إذا شد يديه تحت رجليه، والمراد ههنا: أن يقعد الرجل على أليتيه فيلصق فخذيه ببطنه ويضع يديه على ساقيه، كما يحتبي بالثوب، وقيل: أن يجلس على ركبته منكبا ويلصق بفخذيه بطنه ويتأبّط كفيه قاله القاري. المتَخَشِّع: [أي: الخاشع خشوعًا تامًا.] الفرق: [شدّة الخوف والهيبة] أي: من الخوف والفزع الناشي من علاه ﷺ من عظم المهابة والجلالة، أو من توهم نـــزول عذاب على الأمة، أو من غضب منه عليهم، أو للتأسي به؛ لأنه إذا كان مع كمال قربه من ربه غشيه من جلاله ما يصيره كذلك، فغيره يجب أن يرعد فرقا، قاله المناوي. عبّاد: بفتح المهملة وتشديد الموحدة كشدّاد، وعمه هو عبد الله بن زيد بن عاصم، أخو تميم لأبيه، أو لأمه، يقال: هو الذي قتل مسيلمة الكذاب.

عمّه: أنه رأى النبي ﷺ **مستلقيا** في المسجد واضعا إحدى **رِجليه** على الأخرى. **حدثنا** سَلَمَة بن **شَبيب**، أنبأنا عبد الله بن إبراهيم المدنيّ، أخبرنا إسحاق بن محمد الأنصاريّ، عن **رُبَيح** بن عبد الرحمن بن أبي سعيد، عن أبيه، **عن**[٣] جده أبي سعيد الخدريّ رضي الله عنه

(٣) ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جب مسجد میں تشریف رکھتے تھے تو گوٹ مار کر تشریف رکھتے تھے۔ **فائدہ:** گوٹ مار کر بیٹھنا یہ کہلاتا ہے کہ دونوں گھٹنوں کو کھڑا کر کے سُرین کے بل بیٹھے اور دونوں ہاتھوں سے پنڈلیوں پر حلقہ کر لے، بسا اوقات بجائے ہاتھوں کے کپڑا، لنگی، عمامہ وغیرہ اس طرح لپیٹا جاتا ہے کہ کمر اور پنڈلیوں پر لپٹ جائے۔ یہ ہیئت تواضع اور مسکنت کی نشست ہے، اس لئے حضور بھی اکثر ایسے ہی تشریف رکھتے تھے اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم بھی، لیکن یہ مقصود نہیں کہ ہمیشہ ایسے ہی تشریف فرما ہوتے تھے۔ اس لئے اب ابو داؤد کی اس روایت سے کچھ خلاف نہیں رہا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ صبح کی نماز کے بعد طلوعِ آفتاب تک مسجد میں چار زانو تشریف رکھتے تھے۔ ایسے ہی اور ان مختلف احادیث سے بھی خلاف نہیں رہا جو اس بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ اس طرح بیٹھنے میں علاوہ تواضع اور انکسار کے راحت بھی ہے، اس لئے ایک حدیث میں آیا ہے کہ گوٹ مار کر بیٹھنا عرب کی دیواریں ہیں،

مستلقيا: [الاضطجاع على القفا.] رجليه: قال القاري: أي مع نصب الأخرى أمدها، وهذا الحديث في الصحيحين، وهو بظاهره ينافي ما رواه مسلم عن جابر: أن النبي قال: لا يستلقين أحدكم ثم يضع إحدى رجليه على الأخرى. قال الخطابي: في الحديث الأول بيان جواز هذا الفعل، ودلالة على أن خبر النهي عنه إما منسوخ، وإما أن يكون علة النهي أن تبدوا العورة، وقيل: كان الفعل قبل النهي، أو لضرورة من تعب، أو لبيان الجواز، وقيل: وضع إحداهما على الأخرى يكون على نوعين: أحدهما: أن تكونا ممدودتين إحداهما فوق الأخرى، ولا بأس بذلك؛ لعدم الانكشاف حينئذ، والثاني أن ينصب إحداهما ويضع الأخرى على الركبة المنصوبة، وهو محمل النهي. قال العسقلاني: والتأويل أولى من ادعاء النسخ؛ لأنه لا يصار إليه بالاحتمال، وكذا القول: بأن الجواز من الخصائص؛ لأنه لا يثبت بالاحتمال، ولأن بعض الصحابة كانوا يفعلون ذلك بعده ﷺ ولم ينكر عليهم مختصراً. قال المناوي: وجمع بأن الجواز لمن أمن الانكشاف كالمتسرول، والنهي لمن لم يأمن كالمتـزر، وإنما أطلق النهي؛ لأن الغالب فيهم الاتـزار. وهذا الجمع أولى كما للحافظ ابن حجر من ادعاء النسخ، وأما قول العصام: إنه كان لمرض، إنما يتم إن عرف ذلك، ولم يرد.

شبيب: بفتح المعجمة وكسر الموحدة الأولى، كطبيب. ربيح: براء مهملة فموحدة فحاء مهملة، مصغر ربح.

قال: كان رسول الله ﷺ إذا جلس في المسجد **احتبى** بيديه. **صلوات** الله عليه.

یعنی جنگل میں چونکہ دیواریں نہیں ہوتیں جس سے سہارا ہو سکے، اس لئے یہ قائم مقام دیوار کے ہے، بسا اوقات بجائے ہاتھوں کے کپڑا لپیٹ لیا جاتا ہے جو مزید راحت کا سبب ہوتا ہے۔

احتبى: [الاحتباء أن يجلس على أليتيه ويضم رجليه إلى بطنه بنحو عمامة يشدها عليهما وعلى ظهره، واليدان بدل عما يحتبى به من نحو عمامة، والاحتباء جلسة الأعراب] لا يخالف ماورد من النهي عن الاحتباء يوم الجمعة والإمام يخطب؛ لأن النهي لجلب النوم، والإفضاء إلى انتقاض الوضوء، أو على إحداث الاحتباء، كما مال إليه الطحاوي، فهذا محمول على غير انتظار الصلوة، بل محمول على بعض الأوقات؛ لما في أبي داود برواية جابر: أنه ﷺ كان إذا صلى الفجر جلس متربعاً، وكذا فيه روايات أخرى، فهذا كله محمول على اختلاف الأوقات والتوسع. **صلوات**: هكذا في بعض النسخ كما قاله القاري، وفي بعضها: صلوات الله وسلامه عليه.

باب ما جاء في تُكَأَة رسُول الله ﷺ

حدثنا عباس بن محمد **الدُّوريّ** البغدادي، أخبرنا إسحاق بن منصور، عن إسرائيل، عن سِمَاك بن حَرْب، **عن**[1] جابر بن سَمُرَة قال: رأيت رسول الله ﷺ مُتَّكِئًا على **وِسَادة** على **يساره**. **حدثنا** حُمَيد بن مَسْعَدة، أخبرنا بِشْر بن المفضّل، أخبرنا **الجُرَيريّ**، أخبرنا عبد الرحمن **بن أبي بَكْرة**،

باب۔ حضور اقدس ﷺ کے تکیہ کا ذکر

فائدہ: مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں چار حدیثیں ذکر فرمائی ہیں:

(۱) جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو ایک تکیہ پر ٹیک لگائے ہوئے دیکھا، جو بائیں جانب رکھا ہوا تھا۔ **فائدہ:** تکیہ دائیں اور بائیں دونوں جانب میں جائز ہے۔ حدیث میں بائیں جانب کا لفظ کسی تخصیص کی وجہ سے نہیں، اتفاقی امر ہے، لیکن قواعدِ محدّثین کے لحاظ سے بائیں کا لفظ یہاں مشہور روایات میں نہیں ہے، اس لئے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے باب کے ختم پر اس لفظ پر کلام کیا ہے۔

تكأة: بضم أوله كـ"لُمَزَة": ما يتكأ عليه من وسادة وغيرها، أصلها "وكأة" أبدلت الواو تاءً. والمراد هناك: ما أعد لذلك فخرج الإنسان منه، فإذا اتكأ عليه لا يسمى تكأة، ولذا ترجم المصنف لها ببابين فرقا بينهما، وقدم هذا؛ لأنه أصل في الاتكاء، وأما الاتكاء على الإنسان فعارض وقليل، والأوجه عندي أن هذه الترجمة تعم التكأة والاتكاء عليها، وغرض الترجمة الآتية جواز الاتكاء على الإنسان خاصة، فلا يشكل بالروايات الواردة فيها.

الدُّوريّ: بضم المهملة، قال شراح الشمائل: محلة ببغداد، أو قرية من قراها، وقال صاحب المغني: قرية بعراق.

وسادة: [ما يُتوسد به من المِخَدة.] يساره: أي: حال كونها موضوعة على جانبه الأيسر، وهو بيان الواقع لا للتقييد، فيجوز الاتكاء على الوسادة يمينا ويساراً، وسيصرح المصنف بأن زيادة "على يساره" انفرد بها إسحاق، قال القاري والمناوي: لكنه مع ذلك محتج به. الجريري: بضم الجيم وفتح الراء الأولى فتحتية ساكنة، هو سعيد بن إياس الجريري.

ابن أبي بكرة: [هو أوّل مولود ولد في الإسلام في البصرة، فهو بصري تابعي.]

عن[٢] **أبيه** قال: قال رسول الله ﷺ: ألا أحدثكم **بأكبر الكبائر**؟ قالوا: بلى، يا رسول الله!

(۲) ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کیا تم لوگوں کو کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑے گناہ بتاؤں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، کہ ضرور یا رسول اللہ! ارشاد فرمائیں۔ حضور نے فرمایا کہ اللہ جل جلالہ کے ساتھ کسی کو شریک بنانا اور والدین کی نافرمانی کرنا اور جھوٹی گواہی دینا یا جھوٹی بات کرنا۔ راوی کو شک ہے کہ ان دونوں میں سے کون سی بات فرمائی تھی۔ اُس وقت حضور اقدس ﷺ کسی چیز پر ٹیک لگائے ہوئے تشریف فرما تھے، اور جھوٹ کا ذکر فرماتے وقت اہتمام کی وجہ سے بیٹھ گئے اور بار بار فرماتے رہے، حتی کہ ہم لوگ یہ تمنا کرنے لگے کہ کاش! اب حضور سکوت فرما دیں، بار بار ارشاد نہ فرمائیں۔ **فائدہ**: حضور ﷺ کے بار بار ارشاد فرمانے پر سکوت کی تمنا یا تو اُس عشق و محبت کی وجہ سے ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضور ﷺ کے ساتھ تھی کہ حضور کو بار بار فرمانے پر تعب ہوگا اور ہم لوگوں کے لئے ایک بار فرمانا بھی کافی ہے، اور ممکن ہے اس خوف سے ہو کہ حضور اقدس ﷺ پر ناراضی اور غصہ کے آثار ہوں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس خطرہ سے ہو کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ حضور ﷺ کوئی لفظ ایسا ارشاد فرمائیں کہ جو اُمت کے لئے باعثِ خسران بن جائے۔ جن لوگوں کو کسی دینی یا دنیاوی دربار کی حاضری میسر ہوتی ہے وہ اس حالت سے خوب واقف ہوتے ہیں۔ اور حضور ﷺ کا بار بار ارشاد فرمانا شدّتِ اہتمام کی وجہ سے تھا کہ جھوٹ کی وجہ سے آدمی زِنا، قتل وغیرہ بہت سے گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب کوئی شخص جھوٹ بولتا ہے تو فرشتے اُس کے منہ کی بدبو کی وجہ سے ایک میل دور چلے جاتے ہیں۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ مومن جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

أبيه: هو أبو بكرة نفيع ابن الحارث، صحابي مشهور.[وإنّما كنّي ببكرة؛ لأنه تدلى للنبيّ ﷺ من حصن الطائف في بكرة لما نادى المسلمون: مَن نــزل من الحصار فهو حرّ.] بأكبر الكبائر: استشكل: بأن أكبر الكبائر لا يكون إلا واحدا فكيف عدّد ههنا بضعا؟ وأجيب بأجوبة شتى: منها أن المراد جنس معصية هي أكبر المعاصي الكبار، وقيل: إن الموصوف به إذا كان متعدداً كان المعنى متعدداً من الكبائر كل منه أكبر من جميع ما عدا ذلك المتعدد، وقيل: يقصد بالأكبر الزيادة على ما أضيف إليه لا الزيادة المطلقة، كما بين في موضعه قاله القاري. واختلفوا أيضاً في معنى الكبيرة على أقوال كثيرة، محلها المطولات سيّما شروح البخاري.

قال: الإشراك بالله، وعقوق الوالدين، قال: وجَلَس رسول الله ﷺ -وكان **مُتّكِئًا**- قال: وشهادة الزُّوْر -**أو قول الزور**- قال: فما زال رسول الله ﷺ يقولها، حتى قلنا: ليته سكت!. **حدثنا** قتيبة بن سعيد، حدثنا شريك، عن علي بن الأقمر،

کہ اپنے آپ کو جھوٹ سے بچاؤ کہ جھوٹ ایمان سے دور رہتا ہے۔ (اعتدال) اس حدیث شریف میں کبیرہ گناہوں کا ذکر ہے۔ شریعت میں گناہ دو طرح کے ہوتے ہیں: ایک صغیرہ کہلاتے ہیں، جو وضو، نماز، روزہ، حج وغیرہ سے معاف ہوتے رہتے ہیں۔ دوسرے کبیرہ گناہ یعنی بڑے سخت گناہ کہلاتے ہیں، جن کے متعلق ضابطہ یہ ہے کہ وہ بغیر توبہ کے ہرگز معاف نہیں ہوتے، البتہ حق تعالیٰ شانہ کسی کی رعایت فرما کر اپنے فضل سے معاف فرمادیں تو یہ امرِ آخر ہے، مگر آئینی چیز یہی ہے کہ وہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے۔

اس میں اختلاف ہے کہ کبیرہ گناہ کتنے ہیں؟ علماء نے مستقل تصانیف ان میں تحریر فرمائی ہیں۔ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کتاب اس مضمون میں مستقل ہے، جس میں چار سو کبیرہ گناہ گنوائے ہیں۔ علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی دو جلدوں میں ایک کتاب تصنیف کی ہے جو مصر میں چھپ گئی ہے، اُس میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، معاملات وغیرہ ہر باب کے کبیرہ گناہ مستقل گنوائے ہیں، اور کل مجموعہ چار سو سرسٹھ مفصّل شمار کرائے ہیں۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے شرح شمائل میں مشہور کبائر کو گنوایا ہے، جو حسب ذیل ہیں:

آدمی کا قتل کرنا، زِنا کرنا، اغلام بازی، شراب پینا، چوری کرنا، کسی پر تہمت لگانا، سچی گواہی کا چھپانا، جھوٹی قسم کھانا، کسی کا مال چھین لینا، بلا عذر کفّار کے مقابلہ سے بھاگنا، سودی معاملہ کرنا، یتیم کا مال کھانا، رشوت لینا، اصول یعنی والدین

متكئًا: أي: قبل الجلوس، والجملة حال، وهو يشعر بأنه اهتم بذلك حتى جلس، وسبب الاهتمام كون الزور أسهل وقوعاً على الناس، والتهاون به أكثر، فإن الإشراك ينبو عنه قلب المسلم، والعقوق يصرف عنه الطبع السليم، والحوامل على الزور كثيرة، كالعداوة والحسد وغيرهما، فاحتيج إلى الاهتمام به. وأشكل على الحديث: بأن الوارد فيه الاتكاء لا التكأة، فكان المناسب للباب الآتي. وأقصى ما قيل في دفعه: إنه يستلزم التكأة، وفيه ما فيه، هكذا قالت الشرّاح، ولا يشكل على عموم الترجمة كما تقدم. أو قول الزور: شك من الراوي، ورواية البخاري بدون الشك بلفظ: "ألا وقول الزور، وشهادة الزور"، من عطف الخاص على العام.

وغیرہ کی نافرمانی کرنا، قطع رحمی کرنا، جھوٹی حدیث بیان کرنا، رمضان کا روزہ توڑ دینا، ناپ تول میں کمی کرنا، فرض نماز کو وقت سے آگے پیچھے پڑھنا، زکوٰۃ نہ دینا، مسلمان کو یا کسی کافر کو جس سے معاہدہ ہو ناحق مارنا، کسی صحابی کی شان میں گستاخی کرنا، غیبت کرنا بالخصوص کسی عالم کی یا حافظِ قرآن کی، کسی ظالم سے چغلی کھانا، دَیوث پن کرنا یعنی اپنی بیوی بیٹی وغیرہ کے ساتھ کسی کے فحش تعلق کو گوارا کرنا، قرم سازی یعنی بھڑوا پن کرنا کہ اجنبی مرد عورت یا اس قسم کے دوسرے ناجائز تعلقات میں سعی کرنا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑ دینا یعنی نیک کاموں کا حکم اور بُری باتوں سے روکنے کو باوجود قدرت کے چھوڑ دینا، جادو کا سیکھنا یا سکھانا، کسی پر جادو کرنا، قرآن پاک پڑھ کر بھلا دینا، بلا مجبوری کسی جاندار کو جلانا، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہونا اور اُس کے عذاب سے نہ ڈرنا، عورت کا خاوند کی نافرمانی کرنا اس کی خواہش پر بلا وجہ انکار کرنا، چغلی کھانا۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مثال کے طور پر ان کو نقل کیا ہے۔ مظاہر حق ترجمہ مشکوۃ شریف کے شروع میں کبائر کا مستقل باب ہے، اُس میں بھی ان کو اور اس قسم کے اور چند گناہوں کو گنوایا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک خواہ اس کی ذات میں کسی کو شریک کرے، یا عبادت میں، یا اُس سے استعانت حاصل کرنے میں، یا علم میں، یا قدرت میں، یا تصرف میں، یا پیدا کرنے میں، یا پُکارنے میں، یا کہنے میں، یا نام رکھنے میں، یا ذبح کرنے میں، یا نذر ماننے میں، یا لوگوں کے اس کی طرف امور سونپنے میں یعنی جیسے اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے سب کام سپرد ہیں اسی طرح اور کو بھی جانے۔ نیز امورِ ذیل بھی اس میں ذکر کیے ہیں:

گناہ پر اصرار کی نیت رکھنا، نشہ کی چیز پینا، اپنے محرموں سے نکاح کرنا، جوا کھیلنا، کفار سے دوستی کرنا، باوجود قدرت کے جہاد نہ کرنا، مردار کا گوشت کھانا، نجومی اور کاہن کی تصدیق کرنا، قرآن پاک اور رسول اللہ ﷺ اور فرشتوں کو بُرا کہنا یا ان کا انکار کرنا، صحابہ کرام کو بُرا کہنا، بیوی اور خاوند میں لڑائی ڈلوانا، اسراف کرنا، فساد کرنا، کسی کے سامنے ننگا ہونا (یعنی بیوی کے علاوہ)، بخل کرنا، پیشاب اور منی سے پاک نہ کرنا یعنی اگر لگ جائیں تو نہ دھونا، تقدیر کو جھٹلانا، تکبر کی وجہ سے پائنچہ ٹخنوں سے نیچے کرنا، نوحہ کرنا، بُرا طریقہ ایجاد کرنا، محسن کی ناشکری کرنا، کسی مسلمان کو کافر کہنا، حائضہ سے صحبت کرنا، غلّہ کی گرانی سے خوش ہونا، جانور سے بد فعلی کرنا، امرد کو شہوت سے دیکھنا، کسی کے گھر میں جھانکنا، عالموں اور حافظوں کی حقارت کرنا،

عن[٣] أبي جُحَيفة قال: قال رسول ﷺ: أما أنا فلا آكل مُتّكِئًا. حدثنا محمد بن بشّار، حدثنا عبد الرحمن بن مهديّ، أخبرنا

اگر ایک سے زیادہ بیبیاں ہوں تو اُن کے درمیان مساوات نہ کرنا، امیر سے عہد شکنی کرنا وغیرہ وغیرہ بتائے ہیں۔ اِن کبائر میں بھی درجات ہیں، اسی وجہ سے حدیثِ بالا میں کبائر کے بڑے گناہ فرمایا گیا ہے اور مختلف احادیث میں موقع کے مناسب مختلف قسم کے گناہوں کا ذکر فرمایا ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ اصرار کرنے سے صغیرہ گناہ بھی کبیرہ بن جاتا ہے اور توبہ استغفار کرنے سے کبیرہ گناہ بھی باقی نہیں رہتا، معاف ہو جاتا ہے۔ اور توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ دل سے اس فعل پر واقعی ندامت ہو اور آئندہ کو اس گناہ کے نہ کرنے کا پختہ ارادہ ہو کہ اب کبھی نہ کروں گا، چاہے اس کے بعد کسی دوسرے وقت وہ پھر سرزد ہی ہو جائے، اس سے وہ پہلی توبہ زائل نہیں ہوتی۔ توبہ کے وقت یہ پختہ ارادہ ہونا چاہئے کہ پھر کبھی نہیں کروں گا۔

(۳، ۴) ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تو ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھاتا۔ **فائدہ:** اس لئے کہ یہ صورت تواضع کے خلاف ہونے کے علاوہ بہت کھانا کھانے کی طرف منجر ہوتی ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس سے پیٹ بھی بڑھ جاتا ہے اور سُرعتِ ہضم بھی حاصل نہیں ہوتا۔ اپنا ذکر حضور ﷺ نے اس لئے ارشاد فرمایا تاکہ اس کا اتباع کیا جائے۔ علماء نے لکھا ہے کہ ٹیک لگانے کی چار صورتیں ہیں اور چاروں اس میں داخل ہیں: اول یہ کہ دائیں یا بائیں پہلو کو دیوار یا تکیہ وغیرہ پر سہارا لگائے۔ دوسرے یہ کہ ہتھیلی سے زمین پر سہارا لگائے۔ تیسرے یہ کہ چوزانو یعنی چوکڑی مار کر کسی گدے وغیرہ پر بیٹھے۔ چوتھے یہ کہ کمر گاؤ تکیہ یا دیوار سے لگائے کہ یہ سب ہی صورتیں بفرقِ مراتب ٹیک میں داخل ہیں۔

أبي جحيفة: بضم الجيم وفتح الحاء المهملة، اسمه وهب بن عبد الله، صحابي صغير، توفي النبي ﷺ وهو لم يبلغ. **أما أنا:** "أمّا" ههنا لمجرد التأكيد. قال القاري: سبب هذا الحديث قصة الأعرابي المذكور في حديث عبد الله بن بسر عند ابن ماجه، قال: أهديت للنبي ﷺ شاة، فجثا على ركبتيه يأكل، فقال الأعرابي: ماهذه الجلسة؟ قال ﷺ: إن الله جعلني عبدا كريما، ولم يجعلني جباراً عنيداً. **متكئًا:** [المتكئ: المائل إلى أحد الشقين مُعتمِداً عليه وحدَه، وحكمة كراهة الأكل متكئا: أنه فعل المتكبرين المكثرين من الأكل نَهْمة، والكراهة مع الاضطجاع أشدّ منها مع الاتكاء.] **مهديّ:** بفتح ميم وسكون هاء، آخره ياء مشددة.

سفيان، عن علي بن الأقمر قال: **سمعت**[٤] أبا جُحَيفة يقول: قال رسول الله ﷺ: لا آكل مُتّكِئًا. **حدثنا** يوسف بن عيسى، حدثنا وكيع، حدثنا إسرائيل، عن سِمَاك بن حرب، **عن**[٥] جابر بن سَمُرَة قال: رأيت النبي ﷺ متكئا على وِسَادة. **قال أبو عيسى:** لم يذكر وكيع "على يساره". وهكذا روى غير واحد عن إسرائيل نحو رواية وكيع، ولا نعلم أحدا روى فيه "على يساره" إلا ماروى إسحاق بن منصور، عن إسرائيل.

---

(۵) جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک تکیہ پر ٹیک لگائے ہوئے دیکھا۔

فائدہ: یہ وہی حدیث ہے جو باب کے شروع میں گذر چکی۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ کو اس پر کلام کرنا مقصود تھا اس لئے مکرّر ذکر فرمایا۔

سفيان: هو الثوري، ولعل المصنف ذكر هذا السند لتقوية الرواية، فإن شريكا سيء الحفظ عندهم.

قال أبو عيسى إلخ: غرض المصنف زيادة لفظ "عن يساره" غريب، تفرد به إسحاق بن منصور المتقدم روايته في أول الباب، وكذا تكلم المصنف على هذه الزيادة في جامعه.

بَابُ مَا جَاءَ فِي اتِّكَاءِ رَسُول الله ﷺ

حدثنا عبد الله بن عبد الرحمن، أخبرنا عمرو بن عاصم، أخبرنا **حماد بن سَلَمَة، عن**[1] حُمَيد،

باب۔ حضور اقدس ﷺ کا تکیہ کے علاوہ کسی اور چیز پر ٹیک لگانے کا ذکر

فائدہ: تکیہ کا ذکر پہلے باب میں گذر چکا ہے۔ اس کے علاوہ حضور کا آدمیوں پر بیماری کی حالت میں سہارا اور ٹیک لگانا بھی ثابت ہے، بظاہر اسی لئے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب کو مستقل ذکر کیا۔

اس باب میں دو روایتیں ہیں:

(۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی طبیعت ناساز تھی اس لئے حجرہ شریفہ سے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ پر سہارا کیے ہوئے تشریف لائے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو نماز پڑھائی۔ حضور اقدس ﷺ اس وقت ایک یمنی منقّش چادر میں لپٹے ہوئے تھے۔ **فائدہ:** یہ حدیث حضور اقدس ﷺ کے لباس کے بیان میں نمبر ۶ پر گذر چکی ہے۔

اتكاء: قال بعض الشراح: إن الغرض من الباب السابق بيان تُكَئَتِه ﷺ، وفي هذا بيان الاتكاء المصدر، فالفرق بينهما بالمعنى المصدري وبيان ما اتكئ عليه، ولذا قالوا لبعض الروايات المتقدمة في الترجمة السابقة الأولى: ذكره في الباب الآتي. والأوجه عندي في بيان الفرق في الترجمتين: أن في الأولى كان ذكر الوسادة المعروفة أعم من بيانها وبيان الاتكاء عليها، وفي هذه الترجمة بيان الاستناد على غير الوسادة من الإنسان وغيره، بل يظهر من ملاحظة الروايات أن الغرض ههنا الاتكاء على الإنسان خاصة، فكرامة الإنسان يوهم عدم جواز الاتكاء عليه، ولذا أفرد هذا الباب، فتأمل. ثم رأيت القاري وغيره مالوا إلى قريب من ذلك التوجيه، فللّه الحمد والمنة.

حماد بن سلمة: واختلف في الحديث على حماد بن سلمة، فقد أخرجه أحمد في مسنده برواية عبد الله بن محمد عن حماد عن حبيب بن الشهيد عن أنس: أن رسول الله ﷺ خرج وهو يتوكأ على أسامة بن زيد متوشحا في ثوب قطري فصلى بهم -أو قال: مشتملا- وبهذا السند عن حماد عن حميد عن أنس مثله، وبرواية سليمان بن حرب عن حماد عن حبيب بن الشهيد عن الحسن عن أنس قال: خرج رسول الله ﷺ يتوكأ على أسامة بن زيد متوشحا في ثوب قطري فصلى به -أو قال: مشتملا-، وبرواية عفان عن حماد عن حميد عن الحسن وعن أنس فيما يحسب حميد: أن رسول الله ﷺ خرج، وهو متوكيء على أسامة بن زيد، وهو متوشح بثوب قطن، قد خالف بين طرفيه، فصلى بالناس.

عن أنس ﷛: أن النبي ﷺ كان **شاكيًا**، فخرج يَتَوَكَّأ على أسامة، وعليه **ثوب قِطْرِيٌّ** قد **تَوَشَّح** به، فصلى بهم. **حدثنا** عبد الله بن عبد الرحمن، أخبرنا محمد بن المبارك، حدثنا عطاء بن مسلم **الخَفَّاف** الحَلَبِي، أخبرنا جعفر بن بُرْقَان، عن عطاء ابن أبي رباح، **عن**[٢] الفضل بن عباس قال: دخلت على رسول الله ﷺ في مرضه الذي تُوُفِّي فيه،

---

(۲) فضل بن عباس ﷛ فرماتے ہیں کہ میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں آپ کے مرض الوفات کی حالت میں حاضر ہوا۔ حضور اقدس ﷺ کے سر مبارک پر اس وقت زرد پٹی بندھی ہوئی تھی، میں نے سلام کیا۔ حضور ﷺ نے جواب کے بعد ارشاد فرمایا کہ اے فضل! اس پٹی سے میرے سر کو خوب زور سے باندھ دو، پس میں نے تعمیلِ ارشاد کی، پھر حضور بیٹھے اور میرے مونڈھے پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوئے اور مسجد تشریف لے گئے۔ اس حدیث میں مفصّل قصہ ہے۔
فائدہ: حضور ﷺ نے سر مبارک کو درد کی وجہ سے پٹی باندھ رکھی تھی۔ بعض علماء نے بجائے پٹی کے عمامہ کا ترجمہ کیا ہے اور حضور اقدس ﷺ کا مختلف رنگ کے عمامے باندھنا ثابت کیا ہے، منجملہ ان کے زرد عمامہ کا اس حدیث سے کیا ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے جس قصہ کی طرف اشارہ کیا ہے، مجمع الزوائد میں یہ مفصّل مذکور ہے۔ حضرت فضل ﷛ فرماتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے دیکھا کہ حضور کو بخار چڑھ رہا ہے اور سر مبارک پر پٹی باندھ رکھی ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرا ہاتھ پکڑ لے۔ میں نے حضور کا ہاتھ پکڑا، حضور مسجد میں تشریف لے گئے اور منبر پر بیٹھ کر ارشاد فرمایا کہ لوگوں کو آواز دے کر جمع کرلوں۔ میں لوگوں کو اکٹھا کر لایا۔ حضور ﷺ نے اللہ کی حمد و ثنا کے بعد یہ مضمون ارشاد فرمایا: میرا تم لوگوں کے پاس سے چلے جانے کا زمانہ قریب آگیا ہے اس لئے جس کی کمر پر میں نے مارا ہو میری کمر موجود ہے،

شاكيًا: أي: مريضا، والظاهر أنه كان مرض وفاته ﷺ. والحديث تقدم في اللباس برواية محمد بن الفضل عن حماد عن حبيب بن الشهيد عن الحسن عن أنس. ثوب قطريٌّ: [وهو نوع من البرود اليمنية، يُتَّخذ من قطن، وفيه حمرة وأعلام، أو نوع من حلل جياد، تُحمل من بلد بالبحرين اسمها قطر.] توشّح: [أي: تغشى به، بأن وضعه فوق عاتقه الذي هو موضع الرداء من المنكب، واضطبع به كالمحرم، أو خالف بين طرفيه وربطهما بعنقه.] الخفاف: بتشديد الفاء الأولى: صانع الخف أو بائعه، قاله القاري، وجزم السمعاني في أنسابه بالأول. كان رجلا صالحا، دفن كتبه فكان يحدّث بالحفظ، فيتوهم كثيرا.

وعلى رأسه **عِصَابة** صفراء، فسلّمت فقال: يا فضلُ! قلت: لَبّيك يا رسول الله! قال: **اُشدُدْ** بهذه العِصَابة رأسي، قال: ففعلت، ثم قعد، فوضع كفّه على مَنْكِبِي، ثم قام فدخل في المسجد. وفي الحديث **قِصّة**.

فاتكاءه ﷺ اعتماده عليه في القيام

بدلہ لے لے اور جس کی آبرو پر میں نے کوئی حملہ کیا، ہو میری آبرو سے بدلہ لے لے۔ جس کا کوئی مالی مطالبہ مجھ پر ہو وہ مال سے بدلہ لے لے، کوئی شخص یہ شبہ نہ کرے کہ مجھے (بدلہ لینے سے) رسول اللہ کے دل میں بغض پیدا ہونے کا ڈر ہے کہ بغض رکھنا نہ میری طبیعت ہے نہ میرے لئے موزوں ہے۔ خوب سمجھ لو! کہ مجھے بہت محبوب ہے وہ شخص جو اپنا حق مجھ سے وصول کر لے یا معاف کر دے کہ میں اللہ جل شانہ کے یہاں بشاشتِ نفس کے ساتھ جاؤں۔ میں اپنے اس اعلان کو ایک دفعہ کہہ دینے پر کفایت کرنا نہیں چاہتا، پھر بھی اس کا اعلان کروں گا، چنانچہ اس کے بعد منبر سے اُتر آئے۔ ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد پھر منبر پر تشریف لے گئے اور وہی اعلان فرمایا، نیز بغض کے متعلق بھی مضمونِ بالا کا اعادہ فرمایا۔ اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جس کے ذمے کوئی حق ہو وہ بھی ادا کر دے اور دُنیا کی رُسوائی کا خیال نہ کرے کہ دُنیا کی رسوائی آخرت کی رسوائی سے بہت کم ہے۔ ایک صاحب کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ میرے تین درہم آپ کے ذمّے ہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں کسی مطالبہ کرنے والے کی نہ تکذیب کرتا ہوں، نہ اس کو قسم دیتا ہوں لیکن پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیسے ہیں؟

عصَابة: بكسر العين المهملة أي: خرقة أو عمامة، قال القاري: لكن قوله الآتي: "اشدد بها رأسي" يؤيد الأول، بل يعينه، قال المناوي: وهو غير مرضي؛ إذا العمامة يشد بها الرأس كما لا يخفى اهـ. قلت: ويؤيد الأول مافي المواهب برواية الدارمي عن أبي سعيد قال: خرج علينا رسول الله ﷺ ونحن في المسجد وهو معصوب الرأس بخرقة. الحديث. قال الزرقاني: أي من أجل الصداع. **اشدُدْ**: [أي: ليسكن الألم بالشد، فيخفّ إحساسه به. ويؤخذ من ذلك: أن شدّ العصابة على الرأس لا ينافي الكمال والتوكّل؛ لأن فيه إظهار الافتقار والمسكنة.] **قصّة**: ذكرها في مجمع الزوائد عن الفضل بن عباس قال: جاءني رسول الله فخرجت إليه فوجدته موعوكاً قد عصب رأسه، قال: خذ بيدي يا فضل! فأخذت بيده حتى انتهى إلى المنبر، الحديث، رواه الطبراني في الكبير والأوسط، وأبو يعلى بنحوه، وقال في آخره: فقام رجل فقال: يا رسول الله! إني جبان، الحديث. وفي إسناد أبي يعلى عطاء بن مسلم، وثقه ابن حبان وغيره، وضعفه جماعة، وبقية رجال أبي يعلى ثقات، وفي إسناد الطبراني من لم أعرفهم. انتهى ما في مجمع الزوائد.

انھوں نے عرض کیا کہ ایک سائل ایک دن آپ کے پاس آیا تھا تو آپ نے مجھ سے فرمادیا تھا کہ اس کو تین درہم دے دو۔ حضور نے حضرت فضل سے فرمایا کہ اس کے تین درہم ادا کر دو۔ اُس کے بعد ایک اور صاحب اُٹھے انھوں نے عرض کیا کہ میرے ذمہ تین درہم بیت المال کے ہیں، میں نے خیانت سے لے لئے تھے۔ حضور نے دریافت فرمایا کیوں خیانت کی تھی؟ عرض کیا: میں اس وقت بہت محتاج تھا۔ حضور نے حضرت فضل سے فرمایا کہ ان سے وصول کر لو۔ اس کے بعد پھر حضور نے اعلان فرمایا کہ جس کسی کو اپنی کسی حالت کا اندیشہ ہو وہ بھی دعا کرالے (کہ اب روانگی کا وقت ہے) ایک صاحب اٹھے اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں جھوٹا ہوں، منافق ہوں، بہت سونے کا مریض ہوں۔ حضور نے دعا فرمائی یااللہ! اس کو سچائی عطا فرما، ایمان (کامل) نصیب فرما اور (زیادتی) نیند کے مرض سے صحت بخش دے۔ اُس کے بعد ایک اور صاحب کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں جھوٹا ہوں اور منافق ہوں، کوئی گناہ ایسا نہیں ہے جو نہ کیا ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو تنبیہ فرمائی کہ اپنے گناہوں کو پھیلاتے ہو۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا عمرُ! چپ رہو، دنیا کی رسوائی آخرت کی رسوائی سے بہت ہلکی ہے۔ اس کے بعد حضور نے ارشاد فرمایا یااللہ! اس کو سچائی اور (کامل) ایمان نصیب فرما اور اس کے احوال کو بہتر فرما دے۔ اُس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجمع سے کوئی بات کہی، جس پر حضور نے ارشاد فرمایا کہ عمر میرے ساتھ ہیں اور میں عمر کے ساتھ ہوں، میرے بعد حق عمر کے ساتھ ہے جدھر بھی وہ جائیں۔ ایک دوسری حدیث میں یہ بھی ہے کہ ایک اور صاحب اُٹھے، انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں بزدل ہوں، سونے کا مریض ہوں۔ حضور ﷺ نے ان کے لئے بھی دعا فرمائی۔ حضرت فضل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد سے ہم دیکھتے تھے کہ ان کے برابر کوئی بھی بہادر نہ تھا۔ اس کے بعد حضور اقدس ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر تشریف لے گئے اور اسی طرح عورتوں کے مجمع میں بھی اعلان فرمایا اور جو جو ارشادات مردوں کے مجمع میں فرمائے تھے یہاں بھی ان کا اعادہ فرمایا۔ ایک صحابیہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں اپنی زبان سے عاجز ہوں۔ حضور نے ان کے لئے بھی دُعا فرمائی۔ (مجمع الزوائد) ان حضرات کا اپنے کو منافق فرمانا اس وجہ سے تھا کہ اللہ کے خوف سے یہ حضرات بہت زیادہ متصف رہتے تھے، جس کے چند واقعات "حکایاتِ صحابہ" کے باب دوم میں لکھے جا چکے ہیں۔ اسی غلبۂ خوف سے اپنے اوپر نفاق کا شبہ ہو جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جو باتفاقِ اہلِ حق تمام اُمت میں افضل ہیں، یہ شبہ ہو جاتا تھا، جیسا کہ "حکایاتِ صحابہ" میں حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کے قصہ میں مذکور ہے۔ ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں

کہ میں نے تیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پایا ہے کہ ان میں سے ہر شخص اپنے منافق ہونے سے ڈرتا تھا، کہ مبادا میں منافق تو نہیں ہوں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ جو مشہور اکابر صوفیہ میں ہیں اور تابعی ہیں، فرماتے ہیں کہ وہ مسلمان جو گذر چکے یعنی صحابہ کرام اور وہ مسلمان جو موجود ہیں یعنی بقیہ صحابہ اور تابعین کوئی بھی ان میں ایسا نہیں ہے جو اپنے نفاق سے نہ ڈرتا ہو اور گذشتہ زمانہ میں اور موجودہ دور میں کوئی بھی منافق ایسا نہیں ہے جو مطمئن نہ ہو۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا یہ بھی مقولہ ہے کہ جو نفاق سے نہ ڈرتا ہو وہ منافق ہے۔ ابراہیم تیمی جو فقہاء تابعین میں ہیں، کہتے ہیں کہ جب بھی اپنی بات کو اپنے فعل پر پیش کرتا ہوں تو ڈرتا ہوں کہ جھوٹ نہ ہو۔ (بخاری شریف فتح الباری) یہی مطلب ہے ان سب حضرات کے نفاق سے خوف کا کہ اپنے اعمال کو ہیچ اور کالعدم سمجھتے تھے اور پند و نصیحت وغیرہ احوال کے اعتبار سے ڈر رہتا تھا کہ یہ نفاق نہ بن جائے۔

بابُ ما جاء في صفة أكل رسول الله ﷺ

حدثنا محمّد بن بشّار، حدثنا عبد الرحمن بن مهديّ، عن سفيان، عن **سعد بن إبراهيم**، عن **ابنٍ لِكَعب** بن مالك، **عن**(۱) أبيه: أن النبي ﷺ كان **يَلْعَقُ** أصابعه ثلاثا.

بن عيينة

باب۔ حضور اقدس ﷺ کے کھانا تناول فرمانے کا طریقہ

فائدہ: یعنی کھانا تناول فرمانے کے بعض آداب کا بیان۔ اس باب میں پانچ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں:

(۱) کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اپنی انگلیاں تین مرتبہ چاٹ لیا کرتے تھے۔ **فائدہ:** کھانے کے بعد ہاتھ دھونے سے پہلے انگلیاں چاٹ لینا مستحب ہے، البتہ اس روایت کی بنا پر بعض کے نزدیک تین مرتبہ مستحب ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ تین مرتبہ مراد نہیں بلکہ تین انگلیاں چاٹنا مراد ہے، جیسا کہ دوسری روایت میں آتا ہے، چنانچہ اسی باب میں خود کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ہی کی روایت آگے آرہی ہے، لیکن بعض شراح حدیث نے فرمایا ہے کہ یہ مستقل ادب ہے کہ تین مرتبہ چاٹنے سے بالکل صفائی ہو جاتی ہے اور تین انگلیاں جو دوسری روایت میں آرہا ہے وہ مستقل ادب ہے۔

أكل: [الأكل: هو إدخال الطعام الجامد من الفم إلى البطن، سواء كان بقصد التغذي أو غيره كالتفكّه] الأكل بفتح الهمزة: إدخال جامد من الفم إلى البطن، والشراب: إدخال المائع، وقيل: الأكل: إدخال شيء من الفم إلى البطن بقصد الاغتذاء، والأول أولى. سعد بن إبراهيم: هو الصواب، فما في بعض النسخ "سعيد بن إبراهيم" سهو من الكاتب، قاله القاري. قلت: وليس في الرواة أحمد اسمه سعيد بن إبراهيم، فهو سعد بن إبراهيم بن عبد الرحمن بن عوف الزهري.

ابن لكعب: اختلف في اسمه فقيل: عبد الله، وقيل: عبد الرحمن، قال القاري: جاء في رواية بالشك بينهما، قال ميرك: والصواب عبد الله. قلت: وجزم شيخنا في البذل: بأنه عبد الرحمن، ورواية الشك أخرجها مسلم بطريقين، قال النووي: لا يضر الشك في الراوي إذا كان بين الثقتين، فإن ابني كعب هذان ثقتان. قلت: وأخرجها مسلم بطرق عن عبد الرحمن.

يلعق: [أي: يلحسُها، فيسن ذلك سنّا مؤكداً اقتداء برسول الله ﷺ. وجاءت علّة لعق الأصابع في رواية، وهي: إذا أكل أحدكم طعامه فليلعق أصابعه؛ فإنه لا يدري في أيّتهن البركة.]

قال أبو عيسى: وروى غيرُ محمّد بن بشّار هذا الحديث، قال: يَلعَقُ أصابعه الثلاث. **حدثنا** الحسن بن عليّ الخَلّالِ، حدثنا عفّان، حدثنا حمّاد بن سَلَمة، عن ثابت، **عن**[(٢)] أنس رضي الله عنه قال: كان النبي ﷺ إذا أكل طعاما، لَعِقَ أصابعه الثلاث. **حدثنا** الحسين بن عليّ بن **يزيد** الصُّدَائيّ البغداديّ، حدثنا يعقوب بن إسحاق - يعني **الحَضْرَمِيّ**- أخبرنا شعبة، عن سفيان الثوري، عن عليّ بن الأقمر، **عن**[(٣)] أبي جُحَيْفَة قال: قال النبي ﷺ: أما أنا فلا آكل متكئا.

هو صانع الخل

---

(٢) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جب کھانا تناول فرماتے تو اپنی تینوں انگلیوں کو چاٹ لیا کرتے تھے۔

فائدہ: حضور کی عادتِ شریفہ تین ہی انگلیوں سے کھانا نوش فرمانے کی تھی۔ اگرچہ بعض روایات سے پانچوں انگلیوں سے کھانا بھی معلوم ہوتا ہے لیکن تین انگلیاں جن میں انگوٹھا، مسبحہ (شہادت کی انگلی) اور وسطی (درمیانی انگلی) ہے، اکثر روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ تین انگلیوں سے کھانے کی مصلحت لقمہ کا چھوٹا ہونا ہے تاکہ زیادہ مقدار میں نہ کھایا جائے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ان احادیث سے تین انگلیوں سے کھانے کا استحباب معلوم ہوتا ہے، لہذا چوتھی یا پانچویں انگلی بلا ضرورت نہ شامل کرے، البتہ اگر ضرورت ہو یعنی کوئی ایسی چیز ہو جس کو تین انگلیوں سے کھانے میں دِقّت ہو تو مضائقہ نہیں ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ پانچوں انگلیوں سے کھانا حریصوں کی علامت ہے اور لُقمہ کے بڑا ہونے کی وجہ سے بسا اوقات فمِ معدہ پر بوجھ اور حلق میں اٹک جانے کا سبب بھی ہو جاتا ہے۔

(٣) ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھاتا۔

قال أبو عيسى: لعل غرض المصنف بيان أن لفظ: "يلعق أصابعه الثلاث" محفوظ دون "أصابعه ثلاثا" ولذا أيده برواية أنس الآتية، وسيأتي رواية غير ابن بشار قريباً. قال القاري: الظاهر ما قاله ميرك من: أن التقدير ثلاثا من الأصابع؛ ليوافق رواية" أصابعه الثلاث"، ومن جعله قيدا لـــ"يلعق"، وزعم أن معناه كل واحدة من أصابعه ثلاث مرات فقد أبعد من المرام؛ فإنه لم يأت التصريح في رواية أنه ﷺ لعق أصابعه ثلاث مرات، ووقع التصريح بلعق أصابعه الثلاث في كثير من الطرق. **يزيد:** بالياء في أوله، فما في بعض النسخ بدون الياء بلفظ "زيد" سهو من الناسخ، قاله القاري، و"الصدائي" بضم الصاد المهملة، نسبة إلى صُداء بالمد: اسم قبيلة. **الحضرمي:** نسبة إلى "حضر موت" قبيلة باليمن، ويعقوب هذا أحد القراء العشرة المعروفة.

حدثنا محمد بن بشّار، حدثنا عبد الرحمن بن مهديّ، حدثنا سفيان، عن عليّ بن الأقمر، نحوه.

حدثنا هارون بن إسحاق الهَمْدانيّ، حدثنا عَبْدة بن سليمان، عن هشام بن عُرْوة، عن ابن لكعب بن مالك، **عن**[٤] أبيه قال: كان رسول الله ﷺ يأكل بأصابعه الثلاث، ويَلْعَقُهنّ.

بفتح العين

فائدہ: یہ حدیث ایک باب پہلے گزر چکی ہے۔

(۴) کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی عادتِ شریفہ تین انگلیوں سے کھانا تناول فرمانے کی تھی اور اُن کو چاٹ بھی لیا کرتے تھے۔ **فائدہ:** بعض روایات میں وارد ہوا ہے کہ پہلے بیچ کی انگلی چاٹتے تھے، اس کے بعد شہادت کی انگلی، اس کے بعد انگوٹھا۔ یہی تین انگلیاں تھیں جن سے کھانا تناول فرمانے کا معمول میرے آقا کا تھا۔ اس ترتیب میں بھی علماء نے متعدد مصالح بیان فرمائے ہیں: ایک یہ کہ انگلیاں چاٹنے کا دور اس طرح دائیں کو چلتا ہے کہ شہادت کی انگلی درمیانی انگلی کے دائیں جانب واقع ہوگی، دوسرے یہ کہ بیچ کی انگلی لمبی ہونے کی وجہ سے زیادہ ملوث ہوتی ہے اس لئے بھی اس سے ابتدا مناسب ہے۔ خطابی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ بعض بے وقوف انگلیاں چاٹنے کو ناپسند اور قبیح سمجھتے ہیں، حالانکہ ان کو اتنی عقل نہیں کہ انگلیوں پر جو کھانا لگا ہوا ہے وہی تو ہے جو اتنی دیر سے کھایا جارہا تھا اسی میں کیا نئی چیز ہوگئی۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ کوئی شخص اپنے فعل کو قبیح سمجھے تو اس کے متعلق کلام کیا جاسکتا ہے، حضور اقدس ﷺ کے کسی فعل کو قباحت کی طرف منسوب کرنے سے اندیشۂ کفر ہے۔ (جامع الوسائل) درحقیقت ایسے امور میں عادت کو بڑا دخل ہوتا ہے، جن کو عادت ہوتی ہے ان کو التفات بھی نہیں ہوتا، اس لئے اگر کسی کو کراہتِ طبعی اپنے فعل سے ہو بھی تب بھی عادت کی کوشش کرنا چاہئے۔ بندہ جب حجاز گیا تھا تو وہاں کے بعض احباب نے جو ہندوستان کبھی نہیں آئے تھے مجھ سے نہایت ہی تعجب اور بڑی حیرت سے یہ پوچھا تھا،

محمّد: قال البيجوري تبعا للمناوي في الفرق بين هذه الرواية ورواية الحسين والصدائي المتقدمة: أن الحديث مرسل في هذا الإسناد، وقال القاري: ظاهره أنه موقوف عليه، ويحتمل رفعه. وليت شعري! كيف حكموا عليه بالإرسال أو الوقف وقد تقدم بهذا السند مرفوعاً متصلا في "باب تكأة رسول الله ﷺ" وإنما كرره ههنا لاختلاف ترجمة الباب، فتأمل.

هارون: هذا هو الحديث الذي أشار إليه المصنف أن غير ابن بشار رواه: "يلعق أصابعه الثلاث"، ولم يظهر لي وجه في الفصل بالأجنبي بين روايتي ابن كعب، وكان حقه أن يذكر معه، ومثل هذا ينسب إلى النساخ، وللتوجيه مساغ.

حدثنا أحمد بن مَنِيع، حدثنا الفضل بن دُكَيْنٍ، حدثنا مُصْعَب بن سُلَيم قال: **سمعت**[٥] أنس بن مالك ﷺ يقول: أُتي (بصيغة المفعول) رسول الله ﷺ بتمر، فرأيتُه يأكل، وهو **مُقْعٍ من الجُوع.**

ہم نے سُنا ہے کہ ہندوستان میں کوئی پھل آم کہلاتا ہے، اس کے متعلق ایسی گندی بات سنی ہے کہ حیرت ہوتی ہے، اس کو منہ میں لے کر چُوسا جاتا ہے پھر باہر نکالا جاتا ہے، پھر اس کو منہ میں لے کر چُوسا جاتا ہے پھر اس کو نکال کر دیکھتے ہیں، پھر منہ میں لے لیتے ہیں، غرض اس انداز سے وہ گھناوٹ سے تعبیر کر رہے تھے جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ ان لوگوں کو اس تذکرہ سے قے ہو جائے گی۔ لیکن کسی ہندی کو کراہیت کا خیال بھی نہیں آتا۔ ایک اسی پر کیا موقوف ہے فیرینی کا چمچہ سارا منہ میں لے لیا جاتا ہے، پھر اسی لعاب کے بھرے ہوئے کو رکابی میں ڈال دیا جاتا ہے، پھر دوبارہ اور سہ بارہ۔ اسی طرح اور سیکڑوں مناظر ہیں کہ ان کے عادی ہونے کی وجہ سے کراہیت کا واہمہ بھی نہیں ہوتا۔

(۵) انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے پاس کھجوریں لائی گئیں تو حضور ان کو نوش فرما رہے تھے اور اس وقت بھوک کی وجہ سے اپنے سہارے سے تشریف فرما نہیں تھے بلکہ اکڑوں بیٹھ کر کسی چیز پر سہارا لگائے ہوئے تھے۔

فائدہ: یعنی کمر کو دیوار وغیرہ کسی چیز سے ٹیک رکھا تھا۔ کسی چیز پر ٹیک لگا کر کھانے کی احادیث میں ممانعت آئی ہے، لیکن اس جگہ پر چونکہ ضعف کے عُذر سے تھا اس لئے نہ اس روایت پر اُن احادیث کے خلاف کا اشکال ہو سکتا ہے جن میں ممانعت آئی ہے اور نہ اس روایت سے بلا عذر ٹیک لگا کر کھانے کا استحباب ثابت ہو سکتا ہے۔

مقعٍ: قال المناوي: أي: متساند إلى ما وراءه من الضعف الحاصل له بسبب الجوع، ففي القاموس: أقعى في جلوسه: تساند إلى ما وراءه، والجملة حال من فاعل "يأكل" وليس الإسناد من آداب الأكل؛ لأنه فعله للضرورة، وبما تقرر عرف أنه ليس المراد ههنا الإقعاء المسنون في الصلوة، وهو: أن يجلس على عقبيه، ولا المكروه في الصلوة، وهو: أن يجلس على أليتيه ناصبا فخذيه. وسقط منه قول شارح: إن الأقعاء مكروه في الصلوة دون ههنا. قال القاري: فإذا كان الإقعاء له معان فيحمل إقعاؤه على ما ثبت من جلوسه عند أكله، وقد ثبت الاحتباء فتعين حمله عليه. ونقل الجوهري عن اللغويين بالجمع بين هيئة الاحتباء والتساند إلى الوراء، فمعنى قوله: "مقع من الجوع" أي: محتبيا مستنداً إلى ما وراءه من الضعف الحاصل له بالجوع.
من الجوع: يشكل عليه ما ورد في روايات النهي عن الوصال من قوله ﷺ: إني أبيت يطعمني ربي ويسقيني، وجمع بينهما بوجوه.

بابُ ما جاء في صفة خبز رسول الله ﷺ

حدثنا محمد بن المثنىّ ومحمد بن بشّار، قالا: حدثنا محمد بن جعفر، حدثنا شعبة، عن أبي إسحاق قال: سمعت عبد الرحمن بن يزيد، يحدّث عن الأسود بن يزيد، **عن**(١) عائشة رضي الله عنها، أنها قالت: ما شبع **آل محمد** ﷺ من خبز الشّعير يومين متتابعين،

باب۔ حضور اقدس ﷺ کی روٹی کا ذکر

فائدہ: یعنی کس قسم کی روٹی کھانے کا آپ کا معمول تھا، اس باب میں آٹھ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی وفات تک حضور کے اہل و عیال نے مسلسل دو دن کبھی جو کی روٹی سے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔ **فائدہ:** یعنی کھجوروں سے اگرچہ اس کی نوبت آگئی ہو لیکن روٹی سے کبھی یہ نوبت نہیں آئی کہ مسلسل دو دن ملی ہو۔ لیکن اس پر ایک اشکال وارد ہوتا ہے، وہ یہ کہ روایات سے ثابت ہے کہ حضور اقدس ﷺ اپنی بیبیوں کا ایک سال کا نفقہ مرحمت فرما دیا کرتے تھے۔ اب ان دونوں روایتوں میں بظاہر تعارض ہے۔ علماء نے اس کی مختلف توجیہیں فرمائی ہیں، منجملہ اُن کے یہ بھی ہے کہ اس حدیث میں ''اہل'' کا لفظ زائد ہے اور مراد خود سرور کائنات ﷺ کی ذات بابرکات ہے اور اپنے لئے ذخیرہ ثابت نہیں۔ چنانچہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت باب کے اخیر میں اسی مضمون کی آرہی ہے۔ بعض نے یہ بھی توجیہ فرمائی ہے کہ ذخیرہ تو حضور حوالہ فرما دیا کرتے تھے لیکن ازواج مطہرات بھی شوقِ ثواب میں سب صدقہ فرما دیتی تھیں۔ بندۂ ناچیز کے نزدیک ان کے علاوہ دو توجیہیں اور ممکن ہیں لیکن چونکہ کسی بڑے کے

خبز: [هو اسم لما يصنع من الدّقيق المعجون بالماء والملح والمنضج بالنار] بالضم اسم لما يؤكل، وبالفتح مصدر بمعنى اصطناعه، والمراد الأول. وقال ابن حجر: زعم أن في الترجمة حذفا، أي: خبز آل رسول الله ﷺ؛ ليطابق الحديث، باطل؛ لأن ما يأكله آله هو خبزه ويكون منسوباً إليه على أنه ﷺ داخل فيهم. آل محمد: يعني عياله الذين كانوا في مؤنته، وليس المراد هم من حرمت عليهم الصدقة. قال ميرك: ويحتمل أن لفظ الآل مقحم، ويؤيده أن المصنف أخرجه في آخر الباب من طريق شعبة بلفظ: "ما شبع رسول الله ﷺ" فيحصل المطابقة بينه وبين الترجمة. قال المناوي: وما يأكله عياله يسمى خبزه، فالخبر مطابق للترجمة.

حتی **قُبض** رسول الله ﷺ. **حدثنا** عباس بن محمد **الدُّورِيّ**، حدثنا يحي ابن أبي بكير، حدثنا **حَرِيز** بن عثمان، عن سُليم بن عامر قال: **سمعت**[2] أبا أمامة الباهليّ يقول: **ما كان يفضل** عن أهل بيت رسول الله ﷺ خبز الشعير. مصغراً **حدثنا** عبد الله بن معاوية **الجُمَحِيُّ**، حدثنا ثابت بن يزيد، عن هلال بن **خبّاب**، عن عكرمة، **عن**[3] ابن عباس رضي الله عنهما قال: كان رسول الله ﷺ يـبيت الليالي المتتابعة **طاويا** هو وأهله،

کلام سے منقول نہیں اس لئے حجت نہیں تاہم محتمل ضرور ہیں: اوّل یہ کہ سال بھر کا نفقہ اسی حساب سے ہو کہ مسلسل دو دن کی روٹی کا حساب نہ بیٹھتا ہو بلکہ کبھی روٹی، کبھی کھجوریں، کبھی فاقہ۔ دوسری توجیہ یہ کہ وہ نفقہ کیا عجب ہے کہ کھجوریں ہوں، اس حدیث میں اس کی نفی نہیں بلکہ روٹی کی نفی ہے۔

(۲) ابو امامہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے گھر میں جَو کی روٹی کبھی نہیں بچتی تھی۔ **فائدہ**: یعنی جَو کی روٹی اگر کبھی پکتی تھی تو وہ مقدار میں اتنی ہوتی ہی نہیں تھی کہ بچتی، اس لئے کہ پیٹ بھرنے کو بھی کافی نہیں ہوتی تھی اور اس پر حضور کے مہمانوں کی کثرت، اور اہل صفہ تو مستقل طور سے حضور کے مہمان تھے ہی۔

(۳) ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اور آپ کے گھر والے کئی کئی رات پے در پے بھوکے گزار دیتے تھے کہ رات کو کھانے کے لئے کچھ موجود نہیں ہوتا تھا۔ اور اکثری غذا آپ کی جَو کی روٹی ہوتی تھی (گو کبھی کبھی گیہوں کی روٹی بھی مل جاتی تھی)۔ **فائدہ**: حضرات صحابہ میں اگرچہ بعض لوگ ایسے تھے جو اہلِ ثروت تھے لیکن حضور اقدس ﷺ کے غایت اخفاء کی وجہ سے ان کو علم ہی نہیں ہوتا تھا، ایسے ہی اہل و عیال بھی اخفاء کرتے تھے۔

قبض: إشارة إلى استمرار تلك الحالة طول مدة إقامته بالمدينة، وهي عشر سنين. **الدوري**: بضم الدال المهملة وسكون الواو بعدها راء مهملة، نسبة إلى مواضع، والدور محلة وقرية أيضاً ببغداد. **حريز**: بفتح حاء مهملة وكسر راء وتحتية ساكنة آخره زاي، كان ثبتا ناصبيا، وغلط من قال: له رؤية قاله المناوي. **ما كان يفضل**: [ما كان يزيد عن كفايتهم] كناية عن عدم شبعهم.

الجمحي: بضم الجيم وفتح الميم، نسبة لجمح جبل لبني نمير قاله المناوي عن القاموس، وقال في الأنساب للسمعاني: نسبة إلى بني جمح. قال صاحب المغني: هو جمح بن عمر. **خبّاب**: بفتح الخاء المعجمة وتشديد الموحدة الأولى. والحديث أخرجه المصنف في جامعه بهذا السند وقال: حسن صحيح. **طاويا**: أي: خالي البطن جائعا، قال ميرك: طوي بالكسر يطوي: إذا جاع، وطوى بالفتح يطوي: إذا جوّع نفسه قصداً.

لا يجدون **عَشَاء**، وكان أكثر خبزهم الشعير. **حدثنا** عبد الله بن عبد الرحمن، حدثنا عبيد الله بن عبد المجيد **الحنفيّ**، حدثنا عبد الرحمن - وهو ابن عبد الله بن دينار - حدثنا أبو حازم، **عن**(٤) سهل بن سعدٍ، أنه قيل له: **أكل** رسول الله ﷺ **النقيّ**؟ - يعني **الحُوَّارىٰ** - فقال **سهل**: ما رأى رسول الله ﷺ

(۴) سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ حضور اقدس ﷺ نے کبھی سفید میدہ کی روٹی بھی کھائی ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ حضور کے سامنے اخیر عمر تک کبھی میدہ آیا بھی نہیں ہوگا۔ پھر سائل نے پوچھا کہ حضور کے زمانہ میں تم لوگوں کے یہاں چھلنیاں تھیں؟ انھوں نے فرمایا کہ نہیں تھیں۔ سائل نے پوچھا پھر جَو کی روٹی کو کیسے پکاتے تھے؟ (چونکہ اس میں تنکے وغیرہ زیادہ ہوتے ہیں) سہل نے فرمایا کہ اس کے آٹے میں پھونک مار لیا کرتے تھے، جو موٹے موٹے تنکے ہوتے تھے، وہ اُڑ جاتے تھے باقی گوندھ لیتے تھے۔ **فائدہ**: اللہ الصمد، آج کل گیہوں کی روٹی بھی بغیر چھنے کھانا مشکل سمجھا جاتا ہے، حالانکہ بغیر چھنے آٹے کی روٹی زود ہضم بھی ہوتی ہے اور میدہ کی روٹی نہایت ثقیل، لیکن پھر بھی تنعّم کے زور میں بہت سے گھرانوں میں یہ فضول رواج جاری ہوگیا ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ سب سے پہلی بدعت جو اسلام میں آئی ہے وہ چھلنیوں کا رواج ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ وہ بدعت ہے جو شرعاً سنت کے مقابل شمار کی جاتی ہے، بلکہ جدید رواج کے اعتبار سے بدعت کہہ دیا ہے، ورنہ اس کے جائز ہونے میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

عشاء: بالفتح، هو: طعام العشاء بالكسر وهو: آخر النهار، والمعنى: لا يجدون ما يأكلونه في الليل، قال المناوي: قال الشارح: فيه عدم الإثم في عدم إطعام الجائع حيث رضي أغنياء الصحابة بكونهم جائعين وهو زمل، استغفر الله لقائله، وكيف يظن عاقل بمكان الصحب وما كانوا عليه من بذلهم النفوس دونه ﷺ، أنه يبلغهم ذلك وسكتوا عنه، بل كان ﷺ لشرف نفسه يبالغ في ستر ذلك عنهم. **الحنفي**: نسبة لبني حنيفة قبيلة من ربيعة، سكنوا اليمامة في عهده ﷺ.
أكل: استفهام بحذف حرفه، وهي ثابتة في نسخة، قاله المناوي. **النقي**: [الخبز المنقّى من النخالة أي: المنخول دقيقُه] بفتح نون وكسر قاف وتشديد تحتية، يقال له بالفارسية: "ميده". **الحوارى**: [ما حُوِّر من الدقيق مرارا، فهو خلاصة الدقيق وأبيضُه]مدرج من الراوي في تفسير اللفظ، وهو بضم الحاء المهملة وتشديد الواو وفتح الراء في آخره ألف مقصورة، ماحُوِّر أي: بُيِّض من الدقيق بنخله مراراً، مأخوذ من التحوير، وهو: التبييض، وأخطأ من زعم تشديد الياء.
سهل: بالسين المهملة أي: ابن سعد المذكور، فما في بعض النسخ بلفظ "مهل" تصحيف.

النقيّ حتى لقي الله تعالى، فقيل له: هل كانت لكم **مناخل** على عهد رسول الله ﷺ؟ قال: ما كانت لنا مناخل، قيل: كيف كنتم تصنعون بالشعير؟ قال: كنا ننفخه، فيطير منه ما طار، ثم نَعجِنُه. **حدثنا** محمد بن بشّار، أخبرنا معاذ بن هشام، قال: حدثني أبي، عن يونس، عن قتادة، **عن**(٥) أنس بن مالك رضي الله عنه قال: ما أكل نبي الله ﷺ على **خِوان**، ولا في **سُكرُّجة**،

---

(۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے کبھی میز پر کھانا تناول نہیں فرمایا، نہ چھوٹی طشتریوں میں نوش فرمایا، نہ آپ کے لئے کبھی چپاتی پکائی گئی۔ یونس کہتے ہیں کہ میں نے قتادہ سے پوچھا کہ پھر کھانا کس چیز پر رکھ کر نوش فرماتے تھے؟ انھوں نے جواب دیا کہ یہی چمڑے کے دستر خوان پر۔

فائدہ: یونس اور قتادہ جن کا ذکر ترجمہ میں آیا ہے وہ اس حدیث کی سند میں دو راوی ہیں۔ علامہ مناوی اور ملا علی قاری رحمہما اللہ نے لکھا ہے کہ میز پر کھانا کھانا ہمیشہ سے متکبر لوگوں کی عادت رہی ہے۔ "کوکب دُرّی" میں لکھا ہے کہ ہمارے زمانے میں چونکہ اس میں نصاریٰ کے ساتھ تشبّہ بھی ہے اس لئے مکروہ تحریمی ہے۔ تشبّہ کا مسئلہ نہایت ہی اہم ہے، احادیث میں بہت کثرت سے اس پر مختلف عنوانات سے تنبیہ کی گئی ہے، کھانے میں، پینے میں، لباس میں حتی کہ عبادات تک میں بھی اس سے روکا گیا ہے، جیسا کہ عاشورا کے روزے اور اذان کی احادیث میں کثرت سے یہ مضمون کتبِ حدیث میں مذکور ہے، مگر ہم لوگ اس میں خاص طور سے لا پروا ہیں۔ فَإِلَی اللهِ الْمُشْتَکی۔

مناخل: جمع منخل بضم الميم والخاء، وفتح الخاء لغة، اسم آلة على خلاف القياس، والمعنى: ما كانت لنا المناخل في عهد رسول الله، ولذا قيل: المنخل أول بدعة في الإسلام، وقد روي عن سهل في بعض طرق الحديث: مارأى رسول الله ﷺ منخلا من حين بعث إلى حين قبض. قال الحافظ ابن حجر: احترز به عن قبل البعث؛ لأنه توجه قبله الشام مرتين، والخبز النقي فيه كثير، وكذا المناخل. خوان: [مرتفع، يُهيأ ليؤكل الطعام عليه كالمائدة] قال القاري: المشهور فيه كسر المعجمة، ويجوز ضمها، وهو: المائدة ما لم يكن عليه طعام، ويطلق في المتعارف على ماله أرجل ويكون مرتفعا عن الأرض، واستعماله من صنيع المترفين؛ لئلا يفتقروا إلى خفض الرأس عند الأكل، فالأكل عليه بدعة. قلت: بل فيه تشبه بالنصارى أيضاً.
سكرّجة: [إناء صغير يوضع فيه الشيء القليل، المشهّي للطعام، الهاضم له كالسلطة والمخلّل] بضم السين المهملة والكاف والراء المشددة المهملة، وقيل: الصواب فتح رائه: إناء صغير يؤكل فيه الشيء القليل.

ولا خُبِزَ له مرقّق. قال: فقلت لقتادة: **فعلى ما** كانوا يأكلون؟ قال: على هذه **السفر**. قال محمد
ماضي مجهول — بضم ففتح جمع سفرة
بن بشّار: **يونس** هذا الذي روى عن قتادة، هو يونس الإسكاف. **حدثنا** أحمد بن منيع، حدثنا عبّاد بن عبّاد **المُهلّبي**، عن مجالدٍ، عن الشعبيّ، **عن**(٦) مسروق قال: دخلت على عائشة فدعتْ لي بطعام، وقالت: ما أشبعُ من طعام **فأشاء** أن أبكي إلّا بكيت. قال: قلت: لم؟ قالت: أذكر الحال التي فارق عليها رسول الله ﷺ الدُّنيا، والله ما شَبِعَ من **خبز ولا لحم** مرّتين في يوم واحد.

---

(٦) مسروق کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا، انھوں نے میرے لئے کھانا منگایا اور یہ فرمانے لگیں کہ میں کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاتی مگر میرا رونے کو دل چاہتا ہے پس رونے لگتی ہوں۔ مسروق نے پوچھا کہ کیوں رونے کو دل چاہتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے حضور کی وہ حالت یاد آجاتی ہے جس پر ہم سے مفارقت فرمائی ہے کہ کبھی ایک دن میں دو مرتبہ گوشت یا روٹی سے پیٹ بھرنے کی نوبت نہیں آئی۔

فعلى ما: كذا في بعض نسخ الشمائل، وفي أكثرها "على م" بميم مفردة، وحرف الجر إذا دخل على "ما" الاستفهامية حذف الألف لكثرة الاستعمال، لكن قد ترد في الاستعمالات القليلة على الأصل، وأيضاً إذا اتصل الجار بـــ"ما" الاستفهامية المحذوفة الألف فيكتب بالألف، نحو: حتام وعلام وإلام.

السُّفر: [جمع سفرة، وهي: ما يتخذ من جلد مستدير، وله معاليق تضم وتنفرج فتسفر عما فيها.] **يونس**: لما لم يكن عند المصنف ليونس هذا إلا هذا الحديث الواحد نبّه عليه ليتميز عن غيره، سيما يونس بن عبيد البصري أحد الثقات المكثرين، فإن طبقة كليهما- على ما قاله الحافظ في الفتح - واحد، فنقل عن شيخه محمد بن بشار: أن يونس الذي روى عن قتادة في هذا السند هو يونس الإسكاف، أي ابن أبي الفرات. والإسكاف بكسر الهمزة وسكون السين المهملة لقبه، وهو صانع الخفاف والأحذية، وفي القاموس: الأسكف والإسكاف والأسكوف والسكاف والسيكف: الخفاف.

المهلبي: بتشديد اللام المفتوحة، نسبة إلى المهلب بن أبي صفرة أحد أجداده.

فأشاء: قال القاري: ما شاء أي: أريد أن أبكي بأن لا أدفع البكاء عن نفسي إلابكيت تحزنا لتلك الشدة التي قاستها الحضرة النبوية، وقال المناوي: مرادها أنه ما يحصل من شبع إلا تسبب عند مشيتي للبكاء فيوجد مني فورا.

من خبز ولا لحم: أي: منهما، ولا من أحدهما كما يشير إليه إعادة "لا" في قولها: "ولا لحم" وقال القاري: تنوينهما للتنكير قصداً للعموم، و"لا" زائدة لتأكيد النفي، وإذا لم يشبع منهما فبالأولى أن لا يشبع من غيرهما من الأعلى كما لا يخفى.

حدثنا محمود بن غيلان، حدثنا أبو داود، قال: حدثنا شعبة، عن أبي إسحاق قال: سمعت عبد الرحمن بن يزيد يحدّث عن الأسود بن يزيد، **عن**(٧) عائشة رضي الله عنها قالت: ما شبع رسول الله ﷺ من خبز الشعير يومين متتابعين حتى قُبِض. **حدثنا** عبد الله بن عبد الرحمن، حدثنا عبد الله بن عمرو **أبو معمر**، حدثنا **عبد الوارث**، عن سعيد بن أبي عروبة، عن قتادة، **عن**(٨) أنس رضي الله عنه قال: ما أكل رسول الله ﷺ على خوان، ولا أكل خبزا **مرققا** حتى مات.

(٧) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور نے تمام عمر میں کبھی جَو کی روٹی سے بھی دو دن پے در پے پیٹ نہیں بھرا۔
فائدہ: یہ وہی حدیث ہے جو شروع باب میں گزر چکی، اتنا فرق ہے کہ وہاں سب گھر والوں کا ذکر تھا یہاں خود حضور کی ذات و صفات کا ذکر ہے، مآل ایک ہی ہے کہ حضور کو اپنے اور اپنے گھر والوں کے لئے فقر ہی پسند تھا، اتنا ہوتا ہی نہیں تھا کہ سب پیٹ بھر سکیں، جو کچھ ہوتا تھا وہ غرباء پر تقسیم ہو جاتا تھا۔
(٨) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نے کبھی اخیر تک میز پر کھانا تناول نہیں فرمایا اور نہ کبھی چپاتی نوش فرمائی۔
فائدہ: یہ حدیث بھی اسی باب کے نمبر ۵ پر گزر چکی ہے۔ روایاتِ حدیث سے یہ بات تو تصریحاً ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے فقر کی حالت خود پسند فرمائی تھی اور جب حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے کسی فرشتے کی زبانی حضور سے فقر و فاقہ اور ثروت و ریاست کے درمیان ترجیح پوچھی جاتی تو حضور پہلی ہی قسم کو پسند فرماتے، چنانچہ متعدّد احادیث اس مضمون کی وارد ہیں۔ لیکن اس میں علماء کے دو قول ہیں کہ حضور ﷺ کے پسند فرمانے کی وجہ سے میسّر ہی اتنا ہوتا تھا جس کا اوپر ذکر ہوا، یا باوجود میسّر ہونے کے حضور تواضعاً تناول نہیں فرماتے تھے اور تقسیم فرما دیتے تھے۔

أبو معمر: عطف بيان لعبد الله بن عمرو، فما وقع في بعض النسخ بواوين المؤدي إلى أنهما راويان وبلفظ "قالا" بالتثنية سهو من الكاتب، قاله القاري، وهو عبد الله بن عمرو ابن أبي الحجاج المنقري المقعد البصري.
عبد الوارث: هو عبد الوارث بن سعيد بن ذكوان، خرج له الجماعة، فقصر نظر من قال: لم توجد ترجمته قاله المناوي.
مرققا: الرقاق بالضم: الخبز الرقيق، والرقيق نقيض الغليظ.

باب ما جاء في صفة إدام رسول الله ﷺ

ككتاب، ما يؤتدم به

حدثنا محمّد بن سهل بن عسكر و عبد الله بن عبد الرحمن قالا: حدثنا يحيى بن حسّان، حدثنا سليمان بن بلال، عن هشام بن عُروة، عن أبيه، **عن**(۱) عائشة رضي الله عنها: أن رسول الله ﷺ قال: **نِعْم الإدام الخَلّ.**

باب۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سالن کا ذکر

فائدہ: اس باب میں تیس سے زائد حدیثیں ہیں۔ بعض نسخوں میں اس باب میں ایک مضمون اور بھی ذکر کیا ہے، وہ یہ کہ سالن اور مختلف اشیاء کا ذکر جو حضور نے تناول فرمائی ہیں۔

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ سرکہ بھی کیسا اچھا سالن ہے!۔ **فائدہ:** اس لحاظ سے کہ اس میں دِقّت و محنت نہیں ہوتی اور روٹی بے تکلف کھائی جاتی ہے، ہر وقت میسّر آ جاتا ہے، نیز تکلفات سے بعید ہے اور دنیوی گزران میں اختصار ہی مقصود ہے۔ اس کے علاوہ سرکہ میں خصوصی فوائد بھی بہت سے ہیں: سمیات کے لئے مفید ہے، بلغم اور صفراء کا قاطع ہے، کھانے کے ہضم میں معین ہے، پیٹ کے کیڑوں کا قاتل ہے، بھوک اچھی لگاتا ہے۔ البتہ سرد مزاج ہونے کی وجہ سے بعض لوگوں کو مضر ہوتا ہے لیکن اس لحاظ سے کہ بہترین سالن ہر وقت میسّر آ سکتا ہے،

باب إلخ: هكذا في النسخ الموجودة، زيد في الترجمة في بعض النسخ "وما أكل من الألوان" كما حكاه القاري عن بعض النسخ المصححة. إدام: [ما يساغ به الخبز ويصلح به الطعام فيشمل الجامد كاللحم بحسب اللغة، أمّا بحسب العرف فلا يسمى إدامًا.] نِعْم الإدام الخَلّ: [لأن حصوله بدون جهد، متوفر بسهولة، عدم ضياع الوقت، يهضم الطعام، يقتل ديدان البطن، يقطع حرارة السموم.] قال في الدر المختار: والإدام: ما يصطبغ به الخبز إذا اختلط به كخل وزيت إلخ فالحديث موافق لمسلك الفقهاء، وقال ابن القيم: هذا ثناء عليه بحسب الوقت، لا لتفضيله على غيره؛ لأن سببه أن أهله قدموا له خبزا فقال: أما من أدم؟ قالوا: ما عندنا إلا خل فقال ذلك جبرا لقلوبهم، لا تفضيلا له على غيره، كذا في المناوي. قلت: وفيه أنه وقع مدحه في بعض الروايات بدون هذا السبب أيضاً. الخَلّ: [ما حمض من عصير العنب وغيره.]

قال عبد الله بن عبد الرحمن في حديثه: "نِعم الأُدم – أو الإدام – الخلّ" **حدثنا** قتيبة، حدثنا أبو الأحوص، عن سِماك بن حرب قال: **سمعت**(٢) النعمان بن بشير يقول: ألستم في طعام وشراب **ما شئتم**؟ لقد رأيت **نبيّكم** ﷺ، وما يجد من الدَقَل **ما يملأ** بطنه. **حدثنا** عبدة بن عبد الله الخُزاعيّ، حدثنا معاوية بن هشام، عن سفيان، عن **مُحارِب** بن دثار،

(سلام بن سليم) (استفهام إنكاري) [أرداء التمر] (الثوري)

جتنی بھی مدح ہو قرین قیاس ہے۔ اسی لئے ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور نوش فرماتے تھے اور یہ فرماتے تھے کیا ہی اچھا سالن ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضور نے اس میں برکت کی دُعا فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ پہلے انبیاء کا بھی یہ سالن رہا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جس گھر میں سرکہ ہو وہ محتاج نہیں ہیں، یعنی سالن کی احتیاج باقی نہیں رہتی۔ جمع الوسائل میں ان روایات کو ابن ماجہ سے نقل کیا ہے۔

(۲) نعمان بن بشیر کہتے ہیں کیا تم لوگ کھانے پینے کی خاطر خواہ نعمتوں میں نہیں ہو؟ حالانکہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو دیکھا کہ معمولی قسم کی کھجوروں کی بھی اتنی مقدار نہ ہوتی تھی کہ جس سے شکم سیر ہوسکے۔ **فائدہ:** صحابی کا مقصود ترغیب دینا ہے حضور کے اتباع اور دنیا کی مختصر گیری کی۔ اور حدیث میں جب شکم سیر کھجوروں کی نفی ہوگئی تو روٹی سالن کا کیا ذکر، لہذا ترجمۃ الباب سے مناسبت بھی ظاہر ہوگئی۔

قال عبد الله: هذا بيان الفرق في ألفاظ شيخيه محمد وعبد الله، بأن رواية محمد جازمة ورواية عبد الله بلفظ الشك، والمآل واحد. **ما شئتم:** قال المناوي: "ما" بمعنى الذي، بدل من "طعام وشراب"، والعائد محذوف أي: ما شئتموه، ووجهه القاري بتوجيهات. قال البيجوري: أي ألستم منعَمين في طعام وشراب بالمقدار الذي شئتم من السعة والإفراط، والخطاب للتابعين أو للصحابة بعده ﷺ. **نبيّكم:** إضافة "النبي" إليهم إلزاما لهم وتبكيتا وحثاً على التأسي به في الإعراض عن الدنيا ولذّاتها، وإلا فإنه ﷺ كما أنه نبيّ للمخاطبين نبي للقائل أيضاً. وقتل خالد مالك بن نويرة لما قال له: كان صاحبكم يقول كذا، فقال: صاحبنا وليس بصاحبك؟ فقتله لم يكن لمجرد هذه الكلمة، بل لأنه بلغه أنه ارتد، وتأكد ذلك بهذه الكلمة. قاله القاري والمناوي. **ما يملأ إلخ:** مفعول "يجد"، و"ما" موصولة، و"من الدقل" بيان لما تقدم عليه، و"الدقل" بفتحتين: التمر الرديء ويابسه. **محارب:** بصيغة اسم الفاعل، و"دثار" بكسر الدال المهملة وتخفيف المثلثة.

عن(٣) جابر بن عبد الله رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: **نعم** الإدام الخَلّ. **حدثنا** هنّاد، حدثنا وكيع، عن سفيان، عن أيوب، عن **أبي قِلَابة، عن**(٤) **زَهْدَم** الجَرْمِيّ قال: كنا عند أبي موسى فأُتِي [بناء المجهول] **بلحم دجَاج** فتنحّى **رجل** من القوم، فقال: **مَالَكَ؟** فقال: إني رأيتها تأكل شيئا نتناً، [أي خبيثًا ومستقذرًا]

---

(٣) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بھی نقل کرتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ سرکہ بھی کیا ہی اچھا سالن ہے!۔

فائدہ: ممکن ہے کہ جس وقت حضور نے یہ ارشاد فرمایا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ دونوں حضرات موجود ہوں۔ اور اقرب یہ ہے کہ مختلف اوقات میں حضور نے یہ ارشاد فرمایا۔

(٤) زہدم کہتے ہیں کہ میں حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس تھا ان کے پاس کھانے میں مرغی کا گوشت آیا، مجمع میں سے ایک آدمی پیچھے ہٹ گیا۔ ابو موسی نے اس سے ہٹنے کی وجہ دریافت کی۔ اُس نے عرض کیا کہ میں نے مرغی کو گندگی کھاتے دیکھا تھا اس لئے میں نے مرغی نہ کھانے کی قسم کھا رکھی ہے۔ حضرت ابو موسی نے فرمایا کہ آؤ اور بے تکلف کھاؤ، میں نے خود حضور اقدس ﷺ کو نوش فرماتے دیکھا ہے، اگر ناجائز یا ناپسند ہوتی تو حضور کیسے تناول فرماتے۔

فائدہ: مقصود یہ ہے کہ مباح شرعی کی تحریم نہیں کرنی چاہئے، اس لئے اپنی قسم کو توڑو اور کفّارہ دو۔ مرغی جمہور ائمہ کے نزدیک جائز ہے البتہ جلالہ (گندگی کھانے والی مرغی) کو علماء نے مکروہ فرمایا ہے۔ مرغی حار رطب ہوتی ہے، سریع الہضم ہے، اخلاط اچھے پیدا کرتی ہے، دماغ اور جملہ اعضائے رئیسہ کو قوت دیتی ہے، آواز بھی صاف کرتی ہے اور رنگ بھی خوشنما پیدا کرتی ہے، عقل کو بھی قوت دیتی ہے۔

نعم: قال القاري: رواه أحمد ومسلم والثلاثة، وهو حديث مشهور كاد أن يكون متواتراً. **أبي قلابة:** بكسر قاف وتخفيف اللام وبعد الألف موحدة، اسمه عبد الله بن زيد. **زهدم:** بفتح الزاء وسكون الهاء وفتح الدال المهملة. و"الجرمي" بالجيم المفتوحة والراء الساكنة: نسبة لقبيلة جرم كفلس. قال المصنف في الجامع: روي هذا الحديث من غير وجه عن زهدم، ولا نعرفه إلامن حديث زهدم. يعني مداره عليه. **بلحم:** قال الحنفي: مفعول قام مقام فاعله، ورده ابن حجر فقال: نائب الفاعل ضمير إلى أبي موسى، وزعم أنه بلحم دجاج غلط فاحش، وتعقبه القاري فقال: في كونه غلطا فضلا عن أن يكون فاحشا نظر ظاهر ووافق المناوي ابن حجر. **دجَاج:** بكسر الدال المهملة وحكي فتحها وضمها أيضاً.

رجل: قيل: هو زهدم بنفسه عبره بالغائب، وقيل: هو رجل آخر، ويؤيده الرواية الآتية، وسيأتي مفصلا. **مالك:** استفهام متضمن للإنكار أي: أيّ باعث لك على ما فعلت من التنحي؟

فحلفتُ أن لا آكلها، قال: ادن، فإني رأيت رسول الله ﷺ يأكل **لحم دجاج**. **حدثنا** الفضل بن سهل الأعرج البغداديّ، حدثنا إبراهيم بن عبد الرحمن بن مَهديّ، عن إبراهيم بن عمر بن سَفِينة، عن أبيه، **عن**(٥) جدّه، قال: أكلتُ مع رسول الله ﷺ لَحم **حُبَارى**.

---

(٥) سفینہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ حباری کا گوشت کھایا ہے۔ **فائدہ**: حباری ایک پرندہ ہے۔ اس کے ترجمہ میں علماء مختلف ہوئے ہیں، بعض نے "تغدری" کیا ہے، بعض نے "بٹیر" اور بعض نے "سرخاب" اور بعض مترجمین نے "چکا چکوئی" کیا ہے۔ محیط اعظم میں لکھا ہے کہ حباری کو فارسی میں "ہوبرہ" اور "شوات" اور "شوال" کہتے ہیں۔ ترکی میں "توغدری" اور ہندی میں "چرز" کہتے ہیں۔ جنگلی پرندہ ہے جس کا رنگ خاکی اور گردن بڑی اور پاؤں لمبے اور چونچ میں تھوڑی سی لمبائی ہوتی ہے۔ بہت تیز اُڑتا ہے، اُس کو "جرج" بھی کہتے ہیں، یونانی لوگ اس کو "غلوفس" کہتے ہیں، جثہ میں کونج اور مرغابی کے درمیان ہوتا ہے۔ صاحب لغات الصراح نے بھی حباری کا ترجمہ "شوات" لکھا ہے اور مظاہر حق میں "تغدری" لکھا ہے، حباری کا ترجمہ اور حضرات نے بھی "تغدری" لکھا ہے اس لئے یہی صحیح ہے۔ صاحب غیاث نے "تغدری" اور "چرز" لکھا ہے، صاحب بحر الجواہر نے بھی "تغدری" اور "چرز" لکھا ہے، نیز یہ بھی لکھا ہے کہ اس کو "سُرخاب" بھی کہتے ہیں۔ لیکن صاحب محیط نے سرخاب جس کو "چکوہ" بھی کہتے ہیں، دوسرا پرندہ لکھا ہے اور صاحب نفائس نے چکوہ اور سرخاب کی عربی "نحام" لکھا ہے اس لئے اقرب یہی ہے کہ سُرخاب دوسرا جانور ہے۔ سفینہ حضور ﷺ کے مولیٰ کا لقب تھا، ان کو سفینہ اس لئے کہتے تھے کہ کشتی کی طرح سے سفر میں بہت سا سامان اپنے اوپر لا دلیتے تھے۔

لحم الدجاج: [حار رطب، خفيف على المعدة، سريع الهضم، جيد الخلط، يزيد في الدماغ، ولحم الديوك أسخن مزاجًا وأقل رطوبة.] الحبارى: [طائر كبير العنق رمادي اللون على شكل الإوزة] ألفها للتأنيث يقع على الذكر والأنثى، والواحد والجمع، طائر طويل العنق، في منقاره بعض طول، رمادي اللون، شديد الطيران، يضرب به المثل فيقال: أطلب من الحبارى. وهو أكثر الطيور حيلة في تحصيل الرزق، ولذا خصها في حديث أنس: أن الحباري ليموت هزلاً بذنب ابن آدم، يعني أنه تعالى يحبس القطر. وإنما خصها بالذكر؛ لأنها أبعد الطير نجعة، ولحمه حار يابس، بطيئ الانهضام، نافع لأهل الرياضة والتعب. قال القاري: وأهل مصر يسمون الحبارى "الجرج" ويضرب به المثل في الحمق، وقيل: يوجد في بطنه حجر، إذا علق على شخص لم يحتلم ما دام هذا عليه. وكذا قال الدميري.

حدثنا عليّ بن حُجر، حدثنا إسماعيل بن إبراهيم، **عن أيوب**، عن القاسم **التَّمِيمي**، **عن**(٦) زَهْدَم الجرميّ قال: كنا عند أبي موسى، قال: **فقُدِّم** طَعامُه وقُدِّم في طعامه لحم دَجَاج، وفي القوم رجل من بني **تيم الله** أحمر، بضم الراء كأنه مولى،

---

(٦) زہدم کہتے ہیں کہ ہم ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس تھے، اُن کے پاس کھانا لایا گیا جس میں مرغی کا گوشت بھی تھا۔ مجمع میں ایک آدمی قبیلہ بنو تیم اللہ کا بھی تھا جو سُرخ رنگ کا تھا، بظاہر آزاد شدہ غلام معلوم ہوتا تھا، اُس نے یکسوئی اختیار کی۔ ابو موسیٰ نے اُسے متوجہ ہونے کو کہا اور آنحضرت ﷺ کے مرغی تناول فرمانے کا ذکر کیا۔ اس نے عذر کیا کہ میں نے اس کو کچھ ایسی ہی چیز کھاتے دیکھا جس کی وجہ سے مجھے اس سے کراہت آتی ہے، اس لئے میں نے اس کے نہ کھانے کی قسم کھا رکھی ہے۔ **فائدہ:** یہ وہی حدیث ہے جو پہلے مذکور ہوئی۔ اختلاف سند سے صورتاً قصہ میں کچھ اختلاف معلوم ہوتا ہے۔ شمائل میں دونوں حدیثیں مختصر ذکر کی گئیں۔ بُخاری شریف میں یہ لمبا قصہ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ نے پھر بھی یہی فرمایا کہ کھاؤ اور قسم کا کفّارہ ادا کرو کہ حلال چیز کے نہ کھانے کی قسم کے کیا معنی۔

عن أيوب: اختلف في هذا الحديث على أيوب، فروى عنه القاسم كما ههنا، وتقدم قريباً عنه عن أبي قلابة، وقد أخرج البخاري في فرض الخمس برواية حماد بن زيد عن أيوب عنهما. **التميمي:** بميمين بينهما ياء، هو الصواب، وصححه في هامش المكتوبة، وما قال مولانا عصام وتبعه العلامة المناوي من تصويب لفظ التيمي؛ إذ قال: وفي بعض النسخ: "التيمي" وهو الظاهر؛ لأن أيوب من رواة القاسم بل محمد التيمي أحد الفقهاء السبعة، ليس بصواب، بل القاسم هذا هو قاسم بن عاصم التميمي، ويقال: الكليني بنون بعد التحتية، جزم به القاري، وبه جزم الحافظ في الفتح والعيني في شرح البخاري، وما قال المناوي: إن أيوب هذا من رواة القاسم بن محمد، فلا دليل فيه على أنه ليس من رواة قاسم بن عاصم، كيف! وقد عده في تلامذته أيضاً أصحاب الرجال، فتأمل. **فقدم:** ببناء المجهول من التقديم أي: قدمه بعض خدمه.
تيم الله: أي: عبد الله من قولهم: تيمه الحب أي: ذلّله وعبده، وهو تيم الله بن ثعلبة، هي من بني بكر. قيل: هذا دليل على أن الممتنع غير زهدم، فإن زهدم جرمي وهذا تيمي، ولا مانع من أنهما امتنعا معاً، لكن الحافظ ابن حجر بسط الكلام ههنا ورجّح كونهما واحدًا، وجوز انتساب زهدم إليهما معاً، قال المناوي والقاري في جمع الوسائل: لم يصب من زعم أن المبهم ههنا هو زهدم بنفسه وعبر عن نفسه "برجل". قلت: لكن الحافظ في الفتح ذكر روايات عديدة فيها التصريح بأن صاحب الحلف والقصة هو زهدم بنفسه، فارجع إليه لو شئت التفصيل، وإليه مال العيني في شرحه.

قال: فلم يَدنُ، فقال له أبو موسى: ادن، فإني قد رأيت رسول الله ﷺ أكل منه، **فقال**: إني رأيته يأكل شيئا فقذرته، فحلفت أن لا أطعمه أبدا. **حدثنا** محمود بن غيلان، حدثنا أبو أحمد الزبيريّ، وأبو نُعيم قالا: حدثنا سفيان، عن عبد الله بن عيسى، عن **رجل** من أهل الشام - يُقَال له: عطاء - **عن**(۷) **أبي أسيد** قال: قال رسول الله ﷺ: كلوا الزّيت وادّهنوا به، فإنّه من شجرة **مباركة**.

---

(۷) ابو اسید کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زیتون کا تیل کھانے میں بھی استعمال کرو اور مالش میں بھی، اس لئے کہ بابرکت درخت کا تیل ہے۔ **فائدہ**: اس درخت پر مبارک کا اطلاق کلام اللہ شریف کی اس آیت میں آیا ہے: ﴿مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ زَيْتُونَةٍ﴾ (النور: ۳٥) اور بابرکت ہونے کی وجہ میں علماء کے اقوال مختلف ہیں: بعض لوگ کہتے ہیں کہ اکثر شام میں پیدا ہوتا ہے اور وہ زمین اس لئے بابرکت ہے کہ اس میں ستر نبی مبعوث ہوئے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ برکت کا اطلاق اس لئے ہے کہ اس میں منافع بہت ہیں، چنانچہ ابو نعیم نے نقل کیا ہے کہ اس میں ستر بیماریوں کی شفا ہے جن میں سے ایک جذام بھی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کی ہر چیز میں منافع ہیں، اس کا تیل جلانے کے کام میں آتا ہے، کھانے کے کام میں آتا ہے، دباغت کے کام میں آتا ہے، ایندھن جلانے کے کام میں لایا جاتا ہے حتی کہ اس کی راکھ ریشم دھونے کے لئے خاص طور سے مفید ہے۔ کہتے ہیں کہ اس کے درخت کی عمر بہت ہوتی ہے، چالیس سال کے بعد تو پھل لاتا ہے اور ایک ہزار برس کی عمر اکثر ہوتی ہے۔ اس کے منافع طب کی کتب میں بکثرت ذکر کیے گئے ہیں۔

فقال إلخ: يخالف الرواية السابقة في أن قوله هناك متأخر لقول أبي موسى: إني رأيته ﷺ إلخ والجمع ممكن بتعدد قوله: "ادن"، بل هو متعين؛ لأنه قال له حين تنحى: "ادن"، ولما تعلل بما تعلل قال له: "ادن فإني" إلخ، قاله القاري. **رجل** إلخ: هو عطاء الشامي الراوي حديث الادهان، قال البخاري: لم يقم حديثه، وذكره العقيلي في الضعفاء، وذكره ابن حبان في الثقات.

أبي أسيد: هذا بفتح الهمزه وكسر السين، ولا يصح ما قيل فيه: بضم الهمزة مصغراً، ليس له إلا هذا الحديث الواحد، وهو غير أبي أسيد الساعدي الصحابي المشهور. وقال المصنف في جامعه بعد هذا الحديث: هذا حديث غريب من هذا الوجه، إنما نعرفه من حديث عبد الله بن عيسى. **مباركة**: [أي أوّل شجرة نبتت في الدنيا، وأوّل شجرة نبتت بعد الطوفان، ونبتت في منازل الأنبياء والأرض المقدسة، ودعالها سبعون نبيّا بالبركة، فقد قال ابن عباس رضي الله عنه: في الزيتون منافع كثيرة، إدام، ودهان، ودباغ، ويوقد بحطبه، وليس شيء منه إلّا وفيه منفعة حتى الرماد يغسل به الإبريسم.

حدثنا يحيى بن موسى، حدثنا عبد الرزاق، حدثنا **معمر** عن زيد بن أسلم، عن أبيه، **عن**(٨) عمر بن الخطاب رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: كلوا الزّيت **وادّهنوا به،** [أي: مع الخبز] فإنه من شجرة مباركة. قال أبو عيسى: وعبد الرزاق كان يضطرب في هذا الحديث، **فَرُبَّما** أسنده، ورُبَّمَا أرسله. **حدثنا السِّنجِيّ** وهو أبو داود سُليمان بن مَعْبد المرْوَزِيّ السَّنْجِيِّ، حدثنا عبد الرزاق، عن معمر، عن زيد بن أسلم، عن أبيه، عن النبي ﷺ نحوه، و لم يذكر فيه "عن عمر". **حدثنا** محمد بن بشّار، حدثنا محمد بن جعفر، وعبد الرحمن بن مَهديّ قالا: حدثنا شعبة، عن قتادة، **عن**(٩) أنس بن مالك رضي الله عنه قال: كان النبي ﷺ **يُعجبه الدُّبَّاء،**

---

(٨) حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زیتون کا تیل کھاؤ اور مالش میں استعمال کرو اس لئے کہ وہ مبارک درخت سے پیدا ہوتا ہے۔ **فائدہ:** ان روایات کو حضور کے معمولات میں ذکر کرنا اس وجہ سے ہے کہ جب حضور نے اس کی ترغیب دی ہے تو خود استعمال فرمانا ظاہر ہے۔

(٩) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کو کدّو مرغوب تھا۔ ایک مرتبہ حضور کے پاس کھانا آیا، یا حضور کسی دعوت میں تشریف لے گئے (راوی کو شک ہے کہ یہ قصہ کس موقع کا ہے) جس میں کدّو تھا۔ چونکہ مجھے معلوم تھا کہ حضور ﷺ کو یہ مرغوب ہے اس لئے اس کے قتلے ڈھونڈ کر میں حضور کے سامنے کر دیتا تھا۔

معمر: بفتح الميمين بينهما عين مهملة ساكنة. **وادّهنوا به:** [أي: في سائر البدن لمن وافق مزاجه وعادته وقدر على استعماله.] **فربما إلخ:** غرض المصنف: بيان الاضطراب في هذا الحديث، في وصله وإرساله، فروى أولاً موصولاً برواية يحيى عن عبد الرزاق، ثم ذكر بعده بطريق السنجي عن عبد الرزاق مرسلا، وقال في جامعه: هذا حديث لا نعرفه إلامن حديث عبد الرزاق عن معمر، وكان عبد الرزاق يضطرب في رواية هذا الحديث فربما ذكر فيه: عن عمر عن النبي ﷺ، وربما رواه على الشك فقال: أحسبه عن عمر عن النبي ﷺ، وربما قال: عن زيد بن أسلم عن أبيه عن النبي ﷺ مرسلاً.
السِّنجِيّ: بكسر السين المهملة وسكون النون: نسبة إلى سنج قرية من قرى مرو. و"معبد" بفتح الميم وسكون العين المهملة وفتح الموحدة. **الدباء:** بضم الدال وتشديد الموحدة وبالمد على الأشهر، وحكي القصر أيضاً وأنكر، وقيل: خاص بالمستدير منه.

فأتي بطعام **أو دعي** له، فجعلتُ أتتبّعه فأضعُه بين يديه؛ لما أعلم أنه **يحبّه**. **حدثنا** قُتَيبة بن سعيد، حدثنا حَفْص **بن غياث**، عن إسماعيل بن أبي خالد، عن **حَكيم** بن جابر،

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ اگر برتن میں مختلف چیزیں ہوں تو اپنے علاوہ دوسری جانب سے بھی کسی مرغوب چیز کے اُٹھالینے میں کچھ حرج نہیں بشرطیکہ ساتھی کو کراہت نہ آئے۔ ڈھونڈ کر پیش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ شوربا زیادہ رکھنے کا معمول تھا۔ حضور نے اس کی ترغیب بھی فرمائی ہے کہ شوربا زیادہ رکھا کرو کہ پڑوسی بھی منتفع ہو سکے۔

أو دعي: شك من الراوي أنس أو من دونه، والضمير للطعام أي: دعي رسول الله ﷺ. يحبه: قيل كان سبب محبته ﷺ له ما فيه من إفادة زيادة العقل والرطوبة المعتدلة وما كان يلحظه من السر الذي أودعه الله فيه إذا خصه بالإنبات على يونس عليه السلام حتى تربى في ظله فكان له كالأم الحاضنة لولدها. غياث: بمعجمة مكسورة فتحية ثم مثلثة. حكيم: بفتح حاء مهملة وكسر كاف، قليل الحديث.

عن[١٠] أبيه، قال: دخلت على النبي ﷺ فرأيت عنده دُبَّاءً **يُقَطَّع**، فقلت: ما هذا؟ قال: نُكثّر به طعامنا. قال **أبو عيسى**: وجابر هذا: هو جابر بن طارق - **ويقال**: ابن أبي طارق - وهو رجل من أصحاب رسول الله ﷺ، **ولا يُعرف** له إلا هذا الحديث الواحد، وأبو خالد اسمه سعد.

حدثنا قتيبة بن سعيد، عن مالك بن أنس، عن إسحاق بن عبد الله بن أبي طلحة، أنه (والد إسماعيل) **سمع**[١١] أنس بن مالك ؓ يقول: إن **خيّاطا** دعا رسول الله ﷺ لطعام صنعه،

---

(١٠) جابر بن طارق ؓ کہتے ہیں کہ میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو کدو کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کیے جارہے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ اس کا کیا بنے گا؟ فرمایا کہ اس سے سالن میں اضافہ کیا جائے گا۔ **فائدہ**: کدو کے فوائد بھی علماء حدیث نے بہت سے لکھے ہیں، اور طب کی کتابوں میں بھی بہت سے منافع لکھے ہیں۔ منجملہ اُن کے یہ بھی ہے کہ عقل کو تیز کرتا ہے، دماغ کو قوت دیتا ہے۔

(١١) حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ ایک درزی نے حضور اقدس ﷺ کی ایک مرتبہ دعوت کی، میں بھی حضور کے ساتھ حاضر ہوا۔ اُس نے حضور کی خدمت میں جَو کی روٹی اور کدو گوشت کا شوربا پیش کیا، میں نے حضور کو دیکھا کہ پیالہ کے سب جانبوں سے کدو کے ٹکڑے تلاش فرما کر نوش فرمارہے ہیں۔ اس وقت سے مجھے بھی کدو مرغوب ہوگیا۔

فائدہ: حضرت انس ؓ کی خود بھی دعوت ہوگی یا حضور ﷺ کے ساتھ خادمیت میں چلے گئے ہوں گے، اس میں بھی کچھ مضائقہ نہیں بشرطیکہ داعی کو گراں نہ ہو۔ حضرت انس ؓ کا یہ ارشاد کہ مجھے اس وقت سے کدو سے رغبت ہوگئی،

يقطّع: من التقطيع، وهو: جعل الشيء قطعة قطعة، وباب التفعيل للتكثير. **قال أبو عيسى**: لما كان جابر بن عبد الله هو المشهور من الصحابة، والمطلق يصرف إلى المشهور، نبّه المصنف على أن هذا رجل آخر، صحابي غير ذاك المشهور.

ويقال إلخ: هو جابر بن طارق بن أبي طارق، فقد ينسب إلى أبيه وقد ينسب إلى جده فيقال: جابر بن أبي طارق، كذا في الإصابة قاله المناوي. **ولا يعرف**: ببناء المجهول على الغائب، وببناء المعلوم على المتكلم روايتان. قلت: وفيه أن الحافظ ذكر له حديثا آخر في الإصابة. **خياطاً**: قال العسقلاني: لم أقف على تسميته، لكن في رواية: أنه مولى المصطفى ﷺ. قاله القاري والمناوي. قلت: ولفظ البخاري برواية ثمامة عن أنس: أن رسول الله ﷺ أتى مولى له خياطاً، الحديث.

فقال أنس: **فذهبتُ** مع رسول الله ﷺ إلى ذلك الطعام، فقرّبَ إلى رسول الله ﷺ خبزا من شعير، ومَرقًا فيه دُبّاء وقَديدٌ. قال أنس: فرأيت النبي ﷺ يَتَتَبَّعُ الدُّبّاء **حَوَالي** الصحفة، فلم أزل أحب الدُّبّاء من يومئذٍ. **حدثنا** أحمد بن إبراهيم الدَّورَقيّ وسَلَمة بن شبيب ومحمود بن غَيْلان قالوا: أخبرنا أبو أسامة، عن هِشَام بن عروة، عن أبيه، **عن**(١٢) عائشة رضي الله عنها قالت: كان النبي ﷺ يُحبّ **الحلواء** والعسل. **حدثنا** الحسن بن محمد **الزَّعفرانيّ**، أخبرنا حجّاج بن محمد قال: قال ابن جريج: أخبرني محمد بن يوسف،

حماد

عبد الملك

اس محبت کا ثمرہ ہے جو اِن حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضور اقدس ﷺ کے ساتھ تھی، اور محبت کا مقتضیٰ یہی ہے کہ محبوب کی ہر ادا پسند ہو، اس کی ہر بات دل میں جگہ کرنے والی ہو، جس درجہ کی محبت ہوگی اسی مرتبہ میں محبوب کے اثرات کے ساتھ شغف ہوگا، لیکن اللہ کی شان ہے کہ آج حضور کے ساتھ محبت کے دعویداروں کو حضور جیسی صورت بنانا بھی پسند نہیں۔ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔

(۱۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کو میٹھا اور شہد پسند تھا۔ **فائدہ**: بظاہر حدیث میں حلوے سے مراد ہر میٹھی چیز ہے لیکن بعض لوگوں نے اس سے متعارف حلوا مراد لیا ہے جو مٹھائی اور گھی وغیرہ سے بنایا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے حلوا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بنوا کر حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تھا اور حضور نے اس کو پسند فرمایا۔ یہ حلوہ آٹے اور شہد اور گھی سے بنایا گیا تھا۔ شکر کا اس زمانہ میں کچھ ایسا دستور نہ تھا اس لئے میٹھی چیز عموماً شہد یا کھجور سے بنائی جاتی تھی۔

فذهبت: قال القاري: يعني بطلب مخصوص أو تبعا له لكونه خادما له ﷺ. **حوالي**: بفتح اللام وسكون التحتية، مفرد مثنى الصورة بمعنى الجوانب قاله المناوي، فهو مفرد لفظاً ومثنى صورة وجمع معنى، قال القاري: حوالي بفتح اللام وسكون الياء، وإنما كسر ههنا لالتقاء الساكنين. **الحلواء**: بالمد ويجوز قصره جمعه الحلاوي، قيل: هو كل شيء فيه حلاوة، فقوله "العسل" تخصيص بعد تعميم، وقيل: المراد بها المجيع، وهو: تمر يعجن باللبن، وقيل: ما صنع من الطعام بحلو، وقد يطلق على الفاكهة، وقال الخطابي: تختص بما دخلته الصنعة. **الزعفراني**: بفتح الفاء، منسوب إلى قرية يقال لها: الزعفرانية.

أن عطاء بن يسار **أخبره:**[۱۳] أن أمّ سلمة أخبَرته: أنها قرّبت إلى رسول الله ﷺ جَنْباً مشوياً، فأكل منه، ثم قام إلى الصلوة وما توضّأ. **حدثنا** قُتيبة، حدثنا ابن لهِيْعَة، عن سُليمان بن زياد، **عن**[۱٤] عبد الله بن الحارث قال: أكلنا مع رسول الله ﷺ **شِوَاء في** المسجد. **حدثنا** محمود بن غيلان، أنبأنا وكيع، حدثنا مِسْعر، عن أبي **صَخْرة** جامع بن شدّاد، عن المُغِيرة بن عبد الله، **عن**[۱٥] المغيرة بن شعبة رضي الله عنه

---

(۱۳) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ انھوں نے پہلو کا بھُنا ہوا گوشت حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، حضور نے تناول فرمایا اور پھر بلا وضو کیے نماز پڑھی۔ **فائدہ:** بعض روایات سے آگ سے پکی ہوئی چیز کا ناقضِ وضو ہونا معلوم ہوتا ہے اور یہی مذہب بعض علماءِ متقدمین کا ہے، لیکن خلفائے اربعہ اور ائمہ اربعہ اور جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ جو احادیث وجوبِ وضو پر دلالت کرتی ہیں وہ منسوخ ہیں یا مؤول ہیں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث بھی جمہور کی تائید کرتی ہے کہ حضور ﷺ نے نیا وضو کیے بغیر نماز پڑھی۔

(۱٤) عبد اللہ بن حارث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے حضور اقدس ﷺ کے ساتھ بھُنا ہوا گوشت مسجد میں کھایا۔ **فائدہ:** اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں کھانا پینا جائز ہے بشرطیکہ ریزہ وغیرہ سے مسجد خراب نہ ہو ورنہ مکروہ ہوگا، اور ممکن ہے کہ یہ حالتِ اعتکاف کا ذکر ہو کہ حضور کا معمول ہر سال اعتکاف کرنے کا تھا اور اس صورت میں مسجد میں کھانا پینا ظاہر ہے۔

(۱۵) مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک رات حضور اکرم ﷺ کے ساتھ مہمان ہوا، کھانے میں ایک پہلو بھُنا ہوا لایا گیا، حضور چاقو لے کر اُس میں سے کاٹ کاٹ کر مجھے مرحمت فرمارہے تھے، اسی دوران میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آکر نماز کی تیاری کی اطلاع دی، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ خاک آلودہ ہوں اس کے دونوں ہاتھ، کیا ہوا اس کو کہ ایسے موقع پر خبر کی! اور پھر چھری رکھ کر نماز کے لئے تشریف لے گئے۔ مغیرہ کہتے ہیں کہ دوسری بات میرے ساتھ یہ پیش آئی کہ میری مونچھ بہت بڑھ رہی تھی، حضور ﷺ نے فرمایا کہ لاؤ مسواک پر رکھ کر ان کو کتر دوں، یا یہ فرمایا کہ مسواک پر رکھ کر ان کو کتر دو۔

شواء: بكسر أوله ممدوداً أي: مشويا، والمراد: مع الخبز كما في رواية. قاله القاري. **صخْرة:** بفتح صاد مهملة وسكون خاء معجمة بعدها راء مهملة، قيل: وفي بعض الأصول أبوضمرة بمعجمة وميم. قلت: وبالمهملة، كناه أهل الرجال.

کسی راوی کو الفاظ میں شک ہے کہ کیا لفظ فرمائے۔ فائدہ: اس حدیث میں چند مضمون قابلِ تنبیہ ہیں: اوّل یہ کہ حضور کے ساتھ مہمان ہوا، اس کے مطلب میں علماء کے دو قول ہیں اور روایاتِ مختلفہ سے دونوں کی تائید ہوتی ہے: ایک یہ کہ ''ساتھ'' کا لفظ زائد ہے اور مقصود یہ ہے کہ میں حضور کا مہمان بنا اور حضور نے میزبانی کے مد میں پہلو کا گوشت بھنوایا اور کاٹ کاٹ کر کھلایا، جامع ترمذی شریف کی روایت اس مضمون کے کچھ زیادہ مناسب ہے اور ابو داؤد کی روایت تو گویا اس مضمون میں صریح ہے جس کے لفظ یہ ہیں کہ میں حضور ﷺ کا مہمان بنا۔ دوسرے یہ کہ میں اور حضور اقدس ﷺ دونوں کسی تیسرے شخص کے مہمان ہوئے، ''ساتھ'' کا لفظ روایات میں اس کی تائید کرتا ہے، اس صورت میں حضور کا کاٹ کر کھلانا تالیفِ قلوب کے لئے تھا۔ تیسرا مطلب بعض لوگوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے حضور کو اپنا مہمان کیا، مگر یہ صحیح نہیں۔ بندہ کے نزدیک اقرب یہ ہے کہ میں حضور کا مہمان تھا اور حضور اقدس ﷺ کی مع مہمانوں کے کسی جگہ دعوت تھی، جیسا عام دستور ہے کہ اکابر کی دعوت بمع خدام و مہمانان ہوتی ہے، اس صورت میں ابو داؤد اور ترمذی دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ یہ اصل میں حضور کے مہمان تھے اور حضور کی اس وقت مع مہمانوں کے دعوت کی وجہ سے یہ اور حضور اقدس ﷺ دونوں دوسرے کے مہمان تھے۔ دوسرا مضمون چاقو سے کاٹنے کے متعلق، ابو داؤد شریف اور بیہقی کی روایات میں چاقو سے کاٹنے کی ممانعت بھی آئی ہے۔

علماء حدیث نے اِن دونوں حدیثوں کے درمیان مختلف طریقوں سے جمع اور تطبیق فرمائی ہے۔ سہل یہ ہے کہ وہ ممانعت چاقو سے کھانے کی ہے، اور یہ واقعہ چاقو سے کاٹ کر ہاتھ سے کھانے کا ہے۔ اگر گوشت اچھی طرح نہ گلا ہو تو چاقو سے کاٹ کر ہاتھ سے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اور ضابطہ کی بات یہ ہے کہ جس چیز میں اجازت اور ممانعت دونوں پائی جاتی ہوں اور وجوہِ ترجیح میں سے کوئی وجہ نہ ہو تو قاعدہ کے موافق ممانعت کو ترجیح ہوا کرتی ہے۔ یہ ضابطہ مستقل ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ جس حدیث میں ممانعت وارد ہوئی ہے اس کے لفظ یہ ہیں کہ چاقو سے گوشت نہ کاٹا کرو یہ عجمیوں کا (یعنی کفّار کا) طریقہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ممانعت اُس طریق میں ہے جس میں کفّار سے تشبّہ ہوتا ہو، مطلقاً چاقو سے کاٹنے کی ممانعت نہیں ہے، اور کفّار کے ساتھ تشبّہ سے بچنے کی تاکید تو سیکڑوں احادیث میں ہے۔ تیسری بات حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو جو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے یہ الفاظِ تنبیہ سے ہے، ایسے الفاظ کے معنی مقصود نہیں ہوتے، ملامت اور تنبیہ مقصود ہوتی ہے۔ ہر زبان میں اس قسم کے الفاظ ڈانٹنے کے موقع میں مستعمل ہوتے ہیں۔

قال: ضِفْتُ مع رسول الله ﷺ ذاتَ ليلةٍ، فأُتِي بجنب مشويّ، ثم أخذ **الشفرة**، فجعل يَحُزُّ لي بها منه.

الحز بمعنی القطع

اگرچہ اس جگہ پر بعض علماء نے حضور کے الفاظ ہونے کی وجہ سے اس کے نفیس نفیس معنی بھی بتلائے ہیں، لیکن ظاہر صرف تنبیہ ہے، اور تنبیہ اس امر پر تھی کہ جب حضور اقدس ﷺ ایک مہمان کی وجہ سے اس کے اہتمام میں مشغول تھے تو اس کے درمیان میں اطلاع نہ کرنی چاہئے تھی بلکہ فراغت کا انتظار مناسب تھا جب کہ نماز کے وقت میں گنجائش بھی تھی۔ چوتھی بات لبوں کے کاٹنے کے متعلق، ظاہر یہی مطلب ہے جو ترجمہ میں لکھا گیا کہ مغیرہ کی لبیں بڑھی ہوئی تھیں اور حضور نے کنگھے کے بجائے مسواک رکھ کر کاٹنے کے متعلق ارشاد فرمایا۔

بعض شرّاح حدیث اس طرف گئے ہیں کہ حضور کی اپنی لبیں مراد ہیں لیکن ابو داوٗد شریف کی روایت میں تصریح ہے کہ میری لبیں بڑھی ہوئی تھیں جن کو حضور اقدس ﷺ نے کاٹ دیا۔ متعدّد احادیث میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد مختلف الفاظ سے وارد ہوا ہے جس میں ڈاڑھی کے بڑھانے کا حکم ہے اور مونچھوں کے کاٹنے میں مبالغہ کرنے کی تاکید ہے۔ اسی وجہ سے ایک جماعت علمائے سلف کی اس طرف گئی ہے کہ مونچھوں کا منڈانا سُنت ہے، لیکن اکثر علماء کی تحقیق یہ ہے کہ کتروانا سنت ہے لیکن کتروانے میں ایسا مبالغہ ہو کہ مونڈنے کے قریب ہو جائے۔

ضفت إلخ: معناه: نزلت أنا ورسول الله ﷺ ضيفين على إنسان، ولفظ أبي داود: ضفت النبي ﷺ، وفي النهاية: ضفت الرجل إذا نزلت به في ضيافته، وأضفته إذا أنــزلته، وفي القاموس: ضفته أضيفه: نــزلت عليه ضيفا، فظاهر لفظ أبي داود أن المغيرة كان ضيفًا له عليه السلام. قال القاري: الظاهر أن لفظ "مع" في رواية الترمذي مقحمة، وقال الشيخ في البذل تحت رواية أبي داود بلفظ: ضفت النبي ﷺ: أي نــزلت عليه ضيفاً؛ لأنه لم يكن من أهل المدينة ولا يأوي إلى أهل ولا مال. قلت: ويمكن الجمع بينهما عندي: بأن المغيرة كان ضيفه ﷺ كما هو نص لفظ أبي داود: وكان النبي ﷺ مع ضيوفه مدعوا عند أحد. قال القاري: وقد وقعت هذه الضيافة في بيت ضباعة بنت الزبير بن عبد المطلب ابنة عم النبي ﷺ، كذا أفاده القاضي إسماعيل، وقال العسقلاني: يحتمل أنها كانت في بيت ميمونة، وأما ما قاله بعضهم من أن المراد جعلته ضيفا لي حال كوني معه فغير صحيح؛ لما يأباه معنى "ضفت" لغة.

الشفرة: بفتح الشين المعجمة وسكون الفاء: هي السكين العريض الذي امتهن بالعمل، قال المناوي: هي السكين العريض العظيم، جمعه شفار ككلب وكلاب، وشفرات كسجدة وسجدات. يحزُّ: بتشديد الزاء من الحز بحاء مهملة، القطع، قال في المصباح وغيره: الحزة: القطعة من اللحم تقطع طولا.

قال: فجاء بلال **يؤذنه** بالصلوة، فألقى الشَّفْرة، فقال: مالَه؟ تربت **يداه**. قال: وكان **شاربه** (أي مغيرة بن شعبة) **قد وَفَىٰ**، فقال له: أقصُّه لك على سواكٍ - أو (للشك) قُصَّه على سواكٍ. **حدثنا** واصل بن عبد الأعلى، حدثنا محمد بن الفُضيل، عن **أبي حَـــيّان** التيمي، عن **أبي زُرعة، عن** (١٦) أبي هـــريرة رضي الله عنه

---

(١٦) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی خدمت میں کہیں سے گوشت آیا، اس میں سے دست (یعنی بونگ) حضور ﷺ کے سامنے پیش ہوئی۔ حضور اقدس ﷺ کو دست یعنی بونگ کا گوشت پسند بھی تھا۔ حضور نے اس کو دانتوں سے کاٹ کر تناول فرمایا (یعنی چھری وغیرہ سے نہیں کاٹا)۔ **فائدہ**: دانتوں سے کاٹ کر کھانے کی ترغیب بھی حضور نے فرمائی ہے، چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ گوشت کو دانتوں سے کاٹ کر کھایا کرو کہ اس سے ہضم بھی خوب ہوتا ہے اور بدن کو زیادہ موافق پڑتا ہے۔

يؤذنه: هذا وأمثاله دليل لجواز التثويب، وهو: الإعلام للصلوة بعد الأذان، قال صاحب الهداية: التثويب في الفجر "حي على الصلوة حيّ على الفلاح" مرتين بين الأذان والإقامة حسن؛ لأنه وقت نوم وغفلة، وكره في سائر الصلوات، وهذا تثويب أحدثه علماء الكوفة بعد عهد الصحابة؛ لتغير الأحوال، وخصوا الفجر به لما ذكرنا، والمتأخرون استحسنوه في الصلوات كلها؛ لظهور التواني في الأمور الدينية كذا في الأوجز، وفيه أيضاً عدة روايات في الباب تدل على جوازه.

يداه: أي لصقتا بالتراب من شدة الفقر، هذا أصله، قال الزمخشري: الأصل فيما جاء من كلامهم من هذا ونحوه، كـــ"قاتلك الله"، "وأخزاك الله" للتعجب المشعر بأن ذلك الفعل بالغ من الندرة والغرابة المبلغ الذي يحق لسامعه أن ينافسه حتى يدعو عليه تضجراً وتحسراً، ثم كثر حتى استعمل في كل موضع استعجاب أو زجر أو تنبيه. قال المناوي: فيحتمل أنه كره تأذينه مع بقاء الوقت لإيذائه الضيف وكسر خاطره، وقال القاري: كأنه ﷺ كره إيذانه بالصلوة وهو مشتغل بالعشاء، والحال أن الوقت متسع. شاربه: الضمير إلى المغيرة، حزم به القاري، وقال المناوي وتبعه البيجوري: أي شارب بلال، وقال القاري: يحتمل أن يكون الضمير لرسول الله، ومعنى قوله: أقصه لك أي: لأجلك تتبرك به. قلت: والأول المتعين؛ لما في رواية لأبي داود: وكان شاربي وفى فقصه لي على سواك. قد وَفَىٰ: [أي: طال وأشرف على فمه.]

أبي حيان: بمهملة وتحتية مشددة، هو يحيى بن سعيد الكوفي، منسوب إلى تيم الرباب، كذا في الشروح والنسخ، وقال القاري: وفي نسخة صحيحة "التميمي" بميمين. أبي زرعة: بضم الزاء المعجمة وسكون الراء المهملة، اختلف في اسمه على أقوال.

قال: أتي النبي ﷺ بلحم فَرُفع إليه الذّراع - وكانت تُعْجِبه - **فنهس** منها. **حدثنا** محمد بن بشار، حدثنا أبو داود، عن زُهير -**يعني** ابن محمد- عن أبي إسحاق، عن **سعد** بن عياض، **عن**(١٧) ابن مسعود رضي الله عنه قال: كان النبي ﷺ يُعجِبه الذراع.

(وهو: الأخذ بأطراف الأسنان) (الطيالسي)

(۱۷) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کو ذراع یعنی دست کا گوشت مرغوب تھا اور اسی میں حضور اقدس ﷺ کو زہر دیا گیا۔ گمان یہ ہے کہ یہود نے زہر دیا تھا۔ **فائدہ:** فتح خیبر میں ایک یہودی عورت کو جب یہ معلوم ہوا کہ آپ کو دست کا گوشت یعنی بونگ مرغوب ہے تو ایک بکری کا گوشت بھونا اور اُس میں بہت زیادہ زہر ملا دیا اور دست میں خصوصیت سے بہت زیادہ زہر قاتل بھر کر حضور ﷺ کی دعوت کی اور سامنے پیش کیا۔ حضور ﷺ نے لقمہ منہ میں رکھا لیکن نگلنے کی نوبت نہیں آئی تھی یا کچھ نگل بھی لیا تھا کہ اُس کو تھوک دیا، اور ارشاد فرمایا کہ اس گوشت نے مجھے اطلاع دی ہے کہ اس میں زہر ہے۔ لیکن کچھ نہ کچھ اثر پہنچ گیا تھا۔ چنانچہ اس کا سی اثر کبھی زور کرتا تھا اور آخر میں یہی سی اثر حضور ﷺ کے وصال کے وقت عود کر کے حضور کی شہادت کا سبب بنا۔ اس حدیث میں گوشت کے خود اطلاع دینے کا ذکر ہے اور بعض روایات میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کے اطلاع دینے کا ذکر ہے۔ اس میں کوئی تعارض نہیں کہ اوّل گوشت نے معجزہ کے طور پر خود کہا ہو کہ مجھ میں زہر ہے، اُس کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس کی تصدیق فرمائی ہو۔ اس اطلاع کے بعد حضور ﷺ نے خود بھی ترک فرما دیا اور ساتھیوں کو بھی کھانے سے منع فرما دیا۔ اس کے بعد اس عورت کو بلایا گیا اور اس سے پوچھا گیا کہ اس میں زہر ملایا ہے؟ اس نے اقرار کیا کہ واقعی میں نے زہر ملایا ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے اپنے لئے انتقام نہیں لیا، اس لئے اس عورت کو اس وقت معاف فرما دیا گیا۔ لیکن چونکہ بشر بن براء صحابی رضی اللہ عنہ اس زہر سے شہید ہوئے اس لئے روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی شہادت پر اس عورت کو قصاصاً یا تعزیراً قتل فرمایا۔ اس کے بارے میں مختلف روایتیں آتی ہیں، بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ قصاص لیا، بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ نہیں لیا، اور دونوں صحیح ہیں

فنهس إلخ: إنما فعله ﷺ؛ لأنه أهنأ وأمرأ، ولأنه ينبئ عن ترك التكبر والتكلف. يعني: زاد لفظ "يعني" رعاية للفظ الشيخ؛ لئلا يحمل على أن لفظ "ابن محمد" أيضاً زاده شيخه وبينه؛ لئلا يلتبس بزهير بن حرب وغيره. سعد: وفي نسخة: سعيد، قاله القاري، قلت: وهو غلط، ليس في الرواة أحد اسمه سعيد بن عياض، وسعد هذا الراوي لحديث الشاة معدود عندهم، وإنما قال فيه سعيد بن منصور سعيد بن عياض، وهو وهم.

قال: وسُمّ في الذراع. وكان يُرى أن اليهود سَمُّوه. حدثنا محمد بن بشّار، حدثنا مسلم بن إبراهيم، حدثنا أبان بن يزيد، عن قتادة، عن شهر بن حَوْشَب، عن (۱۸) أبي عبيد قال: طبخت للنبي ﷺ قِدْراً، وكان يُعجبه الذراع، فناولْتُه الذِّراع، ثم قال: نَاوِلني الذّراع فناولتُه،

جیسا کہ اصل واقعہ سے معلوم ہوگیا۔ ایسی صورت میں شرعاً قصاص واجب ہوتا ہے یا دیت وغیرہ، یہ فقہی مسئلہ ہے جو ائمہ میں مختلف ہے اور علمی بحث ہے اس لئے ترک کر دی گئی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ "گمان یہ ہے کہ یہود نے زہر ملایا تھا"، یہ اُن کے خیال کی بنا پر ہے، بظاہر ان کو محقّق نہیں ہوا، ورنہ اصل واقعہ محقق ہو چکا اور یہود نے خود اقرار کیا کہ ہم نے ایسا کیا ہے جیسا کہ دوسری احادیث میں مفصّل مذکور ہیں۔

(۱۸) ابو عبید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کے لئے ہانڈی پکائی۔ چونکہ آقائے نامدار ﷺ کو بونگ کا گوشت زیادہ پسند تھا اس لئے میں نے ایک بونگ پیش کی۔ پھر حضور ﷺ نے دوسری طلب فرمائی، میں نے دوسری پیش کی۔ پھر حضور ﷺ نے اور طلب فرمائی، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! بکری کے دو ہی بونگیں ہوتی ہیں۔

وسمّ: ببناء المجهول، وكان ذاك في فتح خيبر، فجعل فيه سم قاتل لوقته، فأكل منه لقمة فأخبره جبرئيل أو الذراع على الخلاف المعروف، ويمكن الجمع بأن الذراع أخبرته أولا ثم نـزل روح القدس بتصديقها. قاله المناوي. يُرى: بضم الياء من الإراءة أي: يظن ابن مسعود، وإنما نسبه إلى اليهود لاتفاقهم ومشورتهم، وإلافكانت المباشرة لذلك زينب بنت الحارث امرأة سلام بن مشكم اليهودي، وقد أحضرها النبي ﷺ فقال: ما حملك على ذلك؟ فقالت: قلت: إن كان نبيًا لا يضره السم وإلا استرحنا، فعفا عنها و لم يعاقبها. قال الزهري وغيره: فأسلمت، فلما مات بشر بن البراء، وكان أكل معه منها، دفعها لورثته فقتلوها قوداً، وبه جمع القرطبي وغيره قاله المناوي. قلت: والقود مختلف فيه بين الأئمة كما بسط في البذل. وما قالت: "إن كان نبيًا لم يضره" المراد، المضرة الخاصة وهي القتل كما حققه الحافظ في الفتح، فلا ينافيه المضرة الواقعة.
أبان: بفتح الهمزة وتخفيف الباء الموحدة، ابن يزيد العطار. أبي عبيد: كذا في أكثر النسخ الموجودة عندي، وفي نسخة بالتاء، وقال زين الحفاظ: كذا وقع في سماعنا من كتاب الشمائل بزيادة تاء التأنيث، وكذا ذكره المصنف في جامعه، والمعروف أنه بلا تاء، وهو مولى النبي ﷺ، ليس له إلا هذا الحديث الواحد. قاله المناوي. قلت: وهكذا في النسخ التي عندنا من المكتوبة والمطبوعة بدون الهاء، وكذا في كتب الرجال، فزيادة الهاء ليس بذاك، وما قاله المناوي: كذا ذكره المصنف في جامعه، المراد أنه ذكره فيمن في الباب.

ثم قال: ناولني الذّراع فقلت: يا رسول الله! وكم للشاة من ذراعٍ؟ فقال: والذي نفسي بيده لو سكتَّ لناولتني الذِراع ما دعوتُ. **حدثنا** الحسن بن محمد الزعفراني، حدثنا يحيى بن عبّاد،

حضور نے فرمایا: اُس ذات پاک کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! اگر تو چُپ رہتا تو میں جب تک مانگتا رہتا اس دیگچی سے بونگیں نکلتی رہتیں۔ فائدہ: حضور اقدس ﷺ کا یہ معجزہ تھا۔ مسند احمد میں اس روایت کے ہم معنی ابو رافع سے منقول ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ قصّہ دونوں کے ساتھ پیش آیا، اس میں کچھ استعجاب نہیں۔ اس قسم کے واقعات حضور کی سوانحِ حیات میں بکثرت ملتے ہیں، چند واقعات قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے شفا میں ذکر کیے ہیں۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضور ﷺ کی اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی دعوت کی، اور اتنا کھانا تیار کیا جو دو آدمیوں کو کافی ہو جائے۔ حضور ﷺ نے اُن سے فرمایا کہ شرفاء انصار میں سے تیس آدمیوں کو بُلا لاؤ۔ وہ بُلا کر لے آئے اور اُن کے کھانے کے بعد حضور نے فرمایا اب ساٹھ آدمیوں کو بُلا کر لاؤ اور ان کے فارغ ہونے کے بعد اوروں کو بُلایا۔ غرض ایک سو اسی نفر کو یہ کھانا کافی ہو گیا۔ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ کے پاس کہیں سے ایک پیالہ میں گوشت آیا اور صبح سے لے کر رات تک مجمع آتا رہا اور اس میں سے کھاتا رہا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک تھیلی میں چند کھجوریں دس دانوں سے کچھ زیادہ تھیں۔ حضور ﷺ نے اُن سے دریافت فرمایا کچھ کھانے کو ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ چند کھجوریں اس تھیلی میں ہیں، حضور نے اپنے دستِ مبارک سے اس تھیلی میں سے تھوڑی سی نکالیں اور ان کو پھیلایا اور دُعا پڑھی اور فرمایا کہ دس دس نفر کو بُلاتے رہو اور کھلاتے رہو۔ اس طرح پورے لشکر کو کافی ہو گئیں اور جو بچیں وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو واپس کر دی گئیں اور ارشاد فرمایا کہ اس تھیلی میں سے نکال کر کھاتے رہنا، اس کو اُلٹ کر خالی نہ کرنا۔ چنانچہ یہ اس میں سے نکال نکال کر کھاتے رہتے تھے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کے زمانہ میں، حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے زمانۂ خلافت میں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں نکال کر کھائی، اور متفرّق اوقات میں اس میں سے نکال کر صدقہ بھی کرتا رہتا تھا جس کی مقدار کئی من ہو گئی ہو گی۔ لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے حادثہ کے وقت وہ کسی نے مجھ سے زبردستی چھین لی اور مجھ سے جاتی رہی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے ایک ولیمہ میں میری والدہ نے ملیدہ تیار کیا اور ایک پیالہ میں میرے ہاتھ حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا، حضور نے فرمایا کہ اس پیالہ کو رکھ دو اور فلاں فلاں شخص کو بُلا لاؤ اور جو تمہیں ملے اس کو بھی بُلا لینا،

عن **فُلَيح** بن سُليمان قال: حدثني رجلٌ من بني عبّاد - يقال له: عبد الوهاب بن يحيى بن عبّاد - عن عبد الله بن الزبير، **عن**[19] عائشة رضي الله عنها قالت: **ما كان** الذراع أحب اللّحم إلى رسول الله ﷺ ولكنّه كان لا يجد اللّحم إلا غبًّا، وكان يَعْجَلُ إليها؛
أي يسرع

میں اُن لوگوں کو بُلا کر لایا اور جو ملتا رہا اس کو بھی بھیجتا رہا، حتی کہ تمام مکان اور اہل صفہ کے رہنے کی جگہ سب آدمیوں سے پُر ہو گئی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دس دس آدمی حلقہ بنا کر بیٹھتے رہیں اور کھاتے رہیں۔ جب سب شکم سیر ہو گئے تو حضور نے مجھ سے فرمایا کہ اس پیالہ کو اُٹھالو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ پیالہ ابتداء میں زیادہ بھرا ہوا تھا یا جس وقت میں نے اس کو اُٹھایا اُس وقت زیادہ پُر تھا۔ غرض اس قسم کے بہت سے واقعات حضور کے ساتھ پیش آئے ہیں۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعات بڑے بڑے مجمعوں میں پیش آئے ہیں۔ ایسے واقعات کو خلافِ واقعہ نقل کرنا بہت زیادہ دشوار ہے، جو لوگ ان واقعات میں شریک تھے وہ خلافِ واقعہ نقل پر سکوت نہیں کر سکتے تھے۔ حدیثِ بالا میں حضرت ابو عبید کے اس کہنے پر کہ "بکری کے دو ہی بونگیں ہوتی ہیں" آئندہ کا سلسلہ بند ہو جانا ملا علی قاری کے نزدیک اس بناء پر ہے کہ معجزات کرامات اور اس قسم کے خوارق کا پیش آنا فناءِ تامہ کی وجہ سے ہوتا ہے، اور اس جواب کی وجہ سے حضور کی وہ توجہ تام جو پہلے سے تھی باقی نہ رہی اور توجہ کے انقطاع کی وجہ سے یہ چیزیں منقطع ہو گئیں۔ علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ حقیقت میں ایک انعامِ الٰہی تھا، اگر یہ انقیادِ تام کے ساتھ حضور کے ارشاد کی تعمیل کرتے رہتے تو وہ باقی رہتا، لیکن ان کی طرف سے اعتراض کی صورت پیدا ہوئی جو موقع کے مناسب نہ تھی اس لئے وہ اکرامِ تام بھی منقطع ہو گیا۔

(۱۹) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بونگ کا گوشت کچھ لذت کی وجہ سے حضور ﷺ کو زیادہ پسند نہ تھا بلکہ گوشت

فليح: ولفظ المصنف في جامعه: حدثنا فليح بن سليمان، عن عبد الوهاب بن يحيى من ولد عباد بن عبد الله بن الزبير.
ما كان إلخ: قال زين الحفاظ: كذا وقع في أصل سماعنا من الشمائل بالنفي، ووقع في سماعنا من الجامع بالإثبات، وليس بجيد؛ إذ الاستدارك بعد ذلك لا يناسب، فهو إما سقط لفظ "ما" من بعض الرواة، أو أصلحه بعض المتجاسرين ليناسب بقية الأحاديث في كون الذراع كانت تعجبه مع أنه لا منافاة بينهما. قلت: لكن النسخ التي بأيدينا من الجامع فيها أيضاً بلفظ النفي.

لأنها أعجلها نضْجًا. **حدثنا** محمود بن غيلان، حدثنا أبو أحمد، حدثنا مِسعرٌ قال: سمعت شيخا من **فهمٍ** قال: **سمعت**(۲۰) عبد الله بن جعفر يقول: سمعت رسول الله ﷺ قال: إنّ أطيب اللّحم **لحم الظَّهر**. **حدثنا** سفيان بن وكيع، حدثنا زيد بن **الحُبَاب**، عن عبد الله بن **المؤمَّل**،

چونکہ گاہے گاہے پکتا تھا اور یہ جلدی گل جاتا ہے اس لئے حضور اس کو پسند فرماتے تھے تاکہ جلدی سے فارغ ہو کر اپنے مشاغلِ عُلیا میں مصروف ہوں۔ **فائدہ**: حضور ﷺ کا دست کو پسند فرمانا روایاتِ متعددہ سے معلوم ہوتا ہے لیکن وجوہِ رغبت ممکن ہے کہ کئی ہوں، منجملہ ان کے یہ بھی ہو جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تجویز فرمائی، اور جس رغبت کی نفی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں وہ رغبت بظاہر میلانِ خاطر اور اشتہاء کا درجہ ہے جو حضور والا کی شان کے مناسب نہیں ورنہ صرف پسندیدگی کا بظاہر انکار نہیں ہے۔

(۲۰) عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پیٹھ کا گوشت بہترین گوشت ہے۔

فائدہ: یہ روایت ان روایات کے خلاف نہیں ہے جو دست کی پسندیدگی کے بارے میں گزری ہیں اس لئے کہ پسندیدگی اور عمدگی مختلف وجوہ سے دونوں میں ہو سکتی ہے، مثلاً قوت کے لحاظ سے یا ریشہ نہ ہونے یا چکنا ہونے کی وجہ سے وغیرہ وغیرہ۔ غرض مختلف لحاظ سے دو چیزیں پسندیدہ اور عمدہ ہو سکتی ہیں۔

لأنها أعجلها: قيل: هذا بحسب ما فهمته رضي الله عنها، والذي دلت عليه الأخبار الصحيحة أنه كان يحبه محبة غريزة طبيعية، وكأنها أرادت تـنـزيه مقامه الشريف عن أن يكون له ميل إلى شيء من الملاذ، وفيه إيهام قصور الفهم إلى هذه الصديقة العالمة، وقيل: لا منافاة لهذا الحديث ببقية أحاديث الباب؛ إذ يجوز أن تعجبه وليست بأحب إليه. **فهم**: بفتح الفاء وسكون الهاء كسهم، أبو قبيلة، واسم هذا الشيخ محمد بن عبد الله بن أبي رافع، وقيل: اسم أبيه عبد الرحمن. قال ميرك: أكثر مايأتي في الحديث عن شيخ من فهم غير مسمى، قاله القاري. وقال البيجوري: ما ذكره بعض الشراح أنه بالقاف والتاء فخطأ صريح وتحريف قبيح.

لحم الظهر: وجه المناسبة بالترجمة بأن كونه أطيب يقتضي أنه عليه السلام لعله تناوله في بعض الأحيان، ثم لا مخالفة للحديث لما تقدم من روايات الذراع فلا حاجة إلى التوجيه بأن الرواية ضعيفة لمكان شيخ. **الحباب**: بضم الحاء المهملة وتخفيف الموحدة كغراب، وتقدم في اللباس بلا لام ولابد؛ فإن الأعلام المنقولة عن المصادر يجوز قرنها باللام وعدمه، فإن الحباب بالضم في الأصل مصدر بمعنى الحبب جعل علما. **المؤمل**: بتشديد الميم المفتوحة، وقيل: بكسرها. قاري.

عن **ابن أبي مُلَيْكة، عن**[٢١] عائشة ﵂ أن النبي ﷺ قال: نعم الإدام الخَلّ. **حدثنا** أبو كُرَيب، حدثنا أبو بكر بن عَيّاش، عن ثابت **أبي حمزة الثماليّ**، عن الشَّعبيّ، **عن**[٢٢] أمّ هانئٍ

---

(۲۱) حضرت عائشہ ﵂ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سرکہ بہترین سالن ہے۔ **فائدہ**: یہ مضمون شروع باب میں متعدد روایات سے گزر چکا ہے۔

(۲۲) حضرت ام ہانی ﵂ (حضور کی چچازاد بہن) فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ (فتحِ مکہ میں) میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ تیرے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ میں نے عرض کیا کہ سوکھی روٹی اور سرکہ ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ لے آؤ، وہ گھر سالن سے خالی نہیں جس میں سرکہ ہو۔

فائدہ: یہ قصہ حضرت ابن عباس ﵄ کی روایت میں جس کو بیہقی نے تخریج کیا ہے زیادہ مفصل ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ فتح مکہ میں حضور اکرم ﷺ اُم ہانی کے گھر تشریف لائے اور دریافت فرمایا کہ کچھ کھانے کو بھی رکھا ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ حضور! سوکھی روٹی ہے جس کو پیش کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں، لے آؤ، وہ لے آئیں۔ حضور نے اُن کے ٹکڑے کیے اور پانی میں بھگو کر نمک مِلایا۔ پھر حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کچھ سالن بھی ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ سرکہ کے سوا اور کچھ نہیں۔ آپ نے منگایا اور اس پر ڈال کر نوش فرمایا اور اللہ کا شکر ادا کیا اور فرمایا کہ اُم ہانی! جس گھر میں سرکہ موجود ہو وہ گھر سالن سے خالی نہیں۔ اللہ اکبر! کیا سادہ زندگی تھی حضور کی۔ کاش! حق تعالیٰ شانہ اپنے لطف اور اپنے نبی کے طفیل سے ہم لوگوں کو بھی اس سادگی کا اتباع نصیب فرماتا۔ حق یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی نگاہ میں کھانا پینا صرف اضطرار اور مجبوری ہی کا درجہ رکھتا تھا، ضرورت کے وقت جو میسّر ہوا جیسا موجود ہوا نوش فرمالیا کہ کھانا زندگی کی ضرورت سے تھا، نہ یہ کہ ہم لوگوں کی طرح سے زندگی کھانے پینے کی ضرورت سے،

ابن أبي مليكة: هو عبد الله بن عبيد الله بن أبي مليكة كطليحة، فهو منسوب إلى جده. أبي حمزة: وفي نسخة: ابن أبي حمزة، قاله القاري، قلت: والظاهر الأول، وهو ثابت بن أبي صفية الثمالي. الثمالي: بضم المثلثة وخفة الميم، منسوب إلى ثمالة، لقب عوف ابن أسلم، أحد أجداد أبي حمزة، لقب به؛ لأنه كان يسقيهم اللبن بثمالته أي: رغوته، قاله القاري.

قالت: دخل عليّ النبي ﷺ فقال: أعندك شيء؟ فقلت: لا، إلا خبز يابس وخَلٌّ. فقال: **هاتي**، ما **أقفر** بَيْتٌ من أُدمٍ، فيه خَلٌّ. **حدثنا** محمد بن المثنّى، قال: حدثنا محمد بن جعفر، حدثنا شُعبة، عن عمرو بن مُرَّة، عن مُرَّة الهمدانيّ، **عن**[٢٣] أبي موسى الأشعريّ ؓ،

جس میں اصل مقصد پیٹ کا پالنا بن جائے اور دینی مشاغل مدِّ زائد میں شمار ہو جائیں۔ وہاں مقصدِ زندگی دین کی اشاعت اور اس کو سرسبز کرنا تھا اور یہ ضروریاتِ بشریہ مجبوری کے درجہ میں پوری کر لی جاتی تھیں۔ نیز حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جہاں بے تکلفی ہو، تعلقات وسیع ہوں، سوال میں بھی مضائقہ نہیں ہے۔

(۲۳) ابو موسی اشعری ؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عائشہ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسے کہ ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر۔ **فائدہ**: اس حدیث سے حضرت عائشہ ؓ کی فضیلت تمام عورتوں پر بھی ثابت ہوتی ہے اور ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر بھی نکلتی ہے۔ ثرید شوربے میں بھگوئے ہوئے ٹکڑوں کو کہتے ہیں جن میں علاوہ لذت و قوت کے سہولت وسُرعتِ ہضم، جلد تیار ہو جانا وغیرہ وغیرہ منافع ہیں۔ عرب میں اس کا دستور تھا اور سب کھانوں میں افضل شمار ہوتا تھا۔ حضرت عائشہ ؓ کی فضیلت میں بہت سی روایات آئی ہیں، اس روایت میں علماء کا اختلاف ہے کہ عورتوں سے مراد سب عورتیں ہیں یا کچھ مستثنیٰ ہیں، اسی بناء پر اس میں اختلاف ہے کہ حضرت عائشہ ؓ کی فضیلت حضرت خدیجہ ؓ اور حضرت فاطمہ ؓ پر بھی ہے یا نہیں۔ کسی نے حضرت عائشہ ؓ کی افضلیت بتائی ہے اور کوئی حضرت فاطمہ ؓ کی افضلیت کا قائل ہے، کوئی حضرت خدیجہ ؓ کی افضلیت عن الکل کی طرف مائل ہے۔ لیکن بندہ کے نزدیک ان میں سے ہر ایک کسی خاص فضیلت کے لحاظ سے سب سے افضل ہے، چنانچہ حضرت عائشہ ؓ فقاہت اور محبوبیت کے ساتھ اس امر میں بھی بڑھی ہوئی ہیں کہ وحی ان کے لباس میں نازل ہو جاتی تھی، حضرت خدیجہ ؓ پہلی بیوی پہلی مؤمنہ وغیرہ وغیرہ بہت سے امور کی بنا پر افضل ہیں، حضرت فاطمہ ؓ حضور ﷺ کا جگر گوشہ اور جنت کی سردار وغیرہ وغیرہ امور میں سب سے افضل ہیں۔

هاتي: بإثبات الياء بصيغة أمر، وما أجاد من قال: اسم فعل. **أقفر**: من القاف والفاء، القفار: الطعام بلا إدام كذا في الجمع، وقال أيضاً في الفاء مع القاف الفقار: هو الخبز وحده. قلت: وكذا يوجد النسختان معاً في الشمائل، لكن قال المناوي: وهم من جعله بالفاء مع القاف.

عن النبي ﷺ قال: فضلُ عائشة **على النِّساء** كفضل **الثَّريد** على سائر الطعام. **حدثنا** عليّ بن حُجر، حدثنا إسماعيل بن جعفر، حدثنا عبد الله بن عبد الرحمن بن معمر الأنصاريُّ **أبو طُوَالة**، أنّه **سمع**(٢٤) أنس بن مالك رضي الله عنه يقول: قال رسول الله ﷺ: فضل عائشة على النساء كفضل الثَّريد على سائر الطعام. **حدثنا** قُتيبَة بن سعيد، أخبرنا عبد العزيز بن محمد، عن سُهيل بن أبي صالح، عن أبيه، **عن**(٢٥) أبي هريرة: أنه رأى رسول الله ﷺ توضّأ من **ثور أقِطٍ**،

---

(۲۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عائشہ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی فضیلت ہے تمام کھانوں پر۔ **فائدہ**: امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد ان روایات کے ذکر کرنے سے یہ ہے کہ حضور ﷺ کو ثرید پسند تھا، چنانچہ مختلف روایات سے اس کے نوش فرمانے کا معمول معلوم ہوتا ہے۔

(۲۵) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انھوں نے آنحضرت ﷺ کو ایک مرتبہ پنیر کا ٹکڑا نوش فرما کر وضو فرماتے دیکھا، اور پھر ایک دفعہ دیکھا کہ بکری کا شانہ نوش فرمایا اور وضو نہیں فرمایا۔ **فائدہ**: ابتدائے اسلام میں آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا تھا بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ ممکن ہے کہ حضور ﷺ نے پنیر کے ٹکڑے سے جس زمانہ میں وضو فرمایا ہو، وہ زمانہ آگ سے پکی ہوئی چیزوں سے وضو ٹوٹ جانے کا زمانہ ہو، یا کسی اور وجہ سے وضو فرمایا ہو۔

على النّساء: أي مطلقاً، أو نساء زمانها، أو نساء رسول الله التي كن في زمانها، قاله القاري، وقال المناوي: من أطلق النساء ورد عليه خديجة، فإنها أفضل من عائشة على الصواب؛ لتصريحه بأنه لم يرزق خيراً من خديجة، قال القاري: في الحديث إشارة إلى أن الفضائل التي اجتمعت في عائشة ما توجد في جميع النساء من كونها امرأة أفضل الأنبياء، وأحب النساء إليه، وأعلمهن، وأنسبهن، وأحسبهن، وإن كانت لخديجة وفاطمة وجوه أخر من الفضائل، لكن الهيئة الجامعية في الفضيلة المشبهة بالثريد لم توجد في غيرها، وبسط القاري الكلام على روايات التفضيل بين خديجة وفاطمة ومريم وآسية، فارجع إليه لو شئت التفصيل.

الثريد إلخ: يعني كما أنه جامع لفوائد شتى من الغذائية واللذة والقوة حتى قيل: إنه يعيد الشيخ إلى صباه، كذلك هي رضي الله عنها تجمع بين فضائل شتى من الفضل والفقه والفصاحة والفطانة وغيرها. أبو طوالة: بضم الطاء المهملة كثمالة، قاضي المدينة زمن عمر بن عبد العزيز رحمه الله. ثور: قيل: الثور قطعة من الأقط، فالإضافة على سبيل التجريد أو بيانية، وقيل: الثور: القطعة مطلقاً.

ثم رآه أكل من كَتِف شاةٍ، ثم صلّى، و لم يَتَوَضَّأ. **حدثنا ابن أبي عمر**، حدثنا سفيان بن عُيَيْنَة، عن وائل بن داود، عن **أبيه** – وهو بكر بن وائل–، عن الزُّهريّ، **عن** (۲۶) أنس بن **مالك** رضي الله عنه قال: أو لم رسول الله ﷺ على صَفِيّة بتمرٍ وسويق.

مثلاً وضو پر وضو کا ارادہ فرمایا ہو یا پہلا وضو کسی اور وجہ سے جاتا رہا ہو۔ لیکن حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے طرز بیان سے یہی مقصد معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء میں حضور ﷺ آگ کی پکی ہوئی چیز سے وضو کرتے تھے، اسی لئے پنیر کے نوش فرمانے سے حضور اقدس ﷺ نے وضو کیا، بعد میں یہ حکم باقی نہیں رہا اسی لئے بکری کا گوشت نوش فرما کر وضو نہیں کیا۔

(۲۶) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا ولیمہ کھجور اور ستو سے فرمایا تھا۔

فائدہ: حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد سے ہیں۔ محرم سنہ ۷ ہجری میں جنگ خیبر میں باندی بن کر آئی تھیں۔ حضور ﷺ نے ان کو آزاد فرما کر نکاح کر لیا اور سفر ہی میں ان کا ولیمہ ہوا۔ ولیمہ میں کیا چیز تھی؟ اس میں مختلف روایات وارد ہوئی ہیں، بعض میں "حیس" جو ایک قسم کا حلوا ہے، اس کا ولیمہ وارد ہوا ہے، بعض میں پنیر بھی آیا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ چونکہ سفر کا موقعہ تھا اس لئے ناشتہ وغیرہ میں جو کچھ حضور اقدس ﷺ کے اور خاص مخلصین کے پاس موجود تھا، سب ولیمہ میں شریک کر دیا۔

رآه: ظاهر السياق أن أبا هريرة أراد أن يبين أن الحكم السابق وهو الوضوء من ثور أقط قد نسخ بفعله ﷺ بآخره من أكله كتف الشاة وعدم توضئه. وكانت مسئلة الوضوء مما مست النار خلافية في السلف، ثم أجمع العلماء على أنه لا يجب الوضوء منه، والظاهر من إيراد هذا الحديث في هذا الباب أن المصنف أراد أن يبين أنه ﷺ أكل ثور الأقط وكتف الشاة بطريق الاستدام، وليس في لفظ الخبر ما يدل عليه صريحاً إلا أن يقال: إنها من جملة الإدام عادة، فاعتبر العرف، وحمل عليه الحديث.

ابن أبي عمر: قيل: اسمه محمد بن يحيى بن أبي عمر، فهو منسوب إلى جده، وقيل: أبو عمر كنية أبيه يحيى.

أبيه: كذا في أكثر النسخ، وفي بعضها "ابنه" وهو صواب عندي، والمراد به ابنه بكر بن وائل، فهو من رواية الأكابر عن الأصاغر، ولفظ "أبيه" تصحيف؛ لأن والد وائل وهو داود ليس من رواة الصحاح. والحديث أخرجه أبو داود في الأطعمة بلفظ "ابنه" وابن ماجة بلفظ "أبيه" والعجب من الكل ما وقع في جامع المصنف بلفظ "عن ابنه نوف"، فلفظ "ابنه" صحيح، لكن ليس في الرواة أحد اسمه نوف.

حدثنا الحسين بن محمد البصريّ، حدثنا **الفُضَيل** بن سليمان، حدثنا **فائِدٌ** مَولى عبيد الله بن عليّ بن أبي رافع **مَولى** رسول الله ﷺ قال: حدثنا عبيد الله بن عليّ، **عن**[٢٧] جَدّته **سَلمى**: أنّ **الحسن** بن عليّ، وابن عباس، وابن جعفر، أتوْهَا فقالوا لها: اصنعي لنا طعاماً ممّا كان **يُعجِب** رسول الله ﷺ، **ويُحسن** أكله، فقالت: يا بُنَيَّ **لا تشتهيه** اليوم. قال: بلى اصْنَعيه لنا. قال: فقامت، فأخذت شيئاً من شعير، فطحنته، ثم جعلته في قِدْرٍ، وصبَّت عليه شيئًا من زيت، ودقَّتِ الفلْفل **والتَّوابل**،

(لأنها كانت خادمة له ﷺ وطباخة) (المتكلم)

(۲۷) سلمی رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ امام حسن اور عبد اللہ بن عباس اور عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم ان کے پاس تشریف لے گئے اور یہ فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ کو جو کھانا پسند تھا اور اس کو رغبت سے نوش فرماتے تھے وہ ہمیں پکا کر کھلاؤ۔ سلمی رضی اللہ عنہا نے کہا کہ پیارے بچو! اب وہ کھانا پسند نہیں آئے گا (وہ تنگی ہی میں پسند ہوتا ہے) انھوں نے فرمایا کہ نہیں، ضرور پسند آئے گا۔ وہ اٹھیں اور تھوڑے جو لے کر ہانڈی میں ڈالے اور اس پر ذرا سا زیتون کا تیل ڈالا اور کچھ مرچیں اور زیرہ وغیرہ مصالحہ پیس کر ڈالا اور پکا کر لا رکھا کہ حضور کو یہ پسند تھا۔

الحسين بن محمد: وفي نسخة: سفيان بن محمد، قال ميرك: وهي غلط؛ لأن سفيان بن محمد لم يذكر في الرواة. قلت: ولذا لم يذكره الحافظ في تهذيبه. الفضيل: بضم ففتح فتحتية ساكنة، وفي بعض النسخ: الفضل، قال أصيل الدين: كذا في أكثر النسخ وهو غلط، والصواب فضيل مصغراً. قلت: ليس فضل بن سليمان أحد من الرواة. فائد: بالفاء آخره دال مهملة. مولى: صفة لقوله: أبي رافع يعني: أبو رافع، كان مولى رسول الله ﷺ، وهو غلبت عليه كنيته، اختلف في اسمه على أقوال.

سلمى: بفتح أوله، زوجة أبي رافع، وهي كانت قابلة إبراهيم بن المصطفى ﷺ. الحسن: وفي نسخة: بدله الحسين مصغراً. يُعجب: بصيغة المعلوم، إما من الإعجاب فرسول الله ﷺ مفعوله، والضمير المستتر فيه للموصول، أو من العجب بفتحتين من باب "علم" فرسول الله فاعله، وضمير الموصول في الصلة محذوفة أي: مما كان يعجبه ﷺ. ويُحسن: من الإحسان، وفي نسخة من التحسين، و"أكله" بالنصب مفعوله، وهو بفتح الهمزة وسكون الكاف مصدر. لا تشتهيه: أفردت؛ لأنها خاطبت أعظمهم أو لأنهم لا تحاد بغيتهم كانوا كواحد، قاله البيجوري، والمعنى: أن هذا الطعام لا تحبونه اليوم لتغير الحالة من العسر إلى اليسر.

والتَّوابل: بفتح الفوقية وكسر الموحدة: إبراز الطعام، وهي أدوية حارة يؤتى بها من الهند، وقيل: هو مركب من الكزبرة والزنجبيل والرازيانج والكمون، جمع تابل بموحدة مكسورة أو مفتوحة.

فقرّبته إليهم، فقالت: هذا مما كان يُعجب النبي ﷺ، ويُحسنُ أكله. **حدثنا** محمود بن غيلان، حدثنا أبو أحمد، حدثنا سفيان، عن الأسود بن قيس، عن **نُبيحٍ العَنَــزِيّ، عن**[(٢٧)] جابر بن عبد الله ﷺ قال: أَتانا النبي ﷺ في منــزلنا، فَذَبحنا له شاةً فقال: كأهُم عَلِموا أنّا نحبُّ اللحم، وفي الحديث **قصة**.

---

(۲۸) جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ہمارے گھر تشریف لائے تو ہم نے حضور کے لئے بکری ذبح کی۔ حضور ﷺ نے (دلداری کے لئے اظہارِ مسرت کے طرز پر) فرمایا کہ بظاہر ان لوگوں کو یہ علم ہے کہ ہمیں گوشت مرغوب ہے۔ ترمذی کہتے ہیں کہ اس حدیث میں اور بھی قصہ ہے جس کو مختصر کر دیا گیا۔

فائدہ: کہتے ہیں کہ یہ وہ قصّہ ہے جو کتبِ حدیث میں غزوۂ خندق کے قصہ میں مذکور ہے، جس میں آنحضرت ﷺ کے ایک معجزہ کا بھی ذکر ہے۔ وہ یہ کہ جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ پر بھوک کا اثر محسوس کیا، گھر میں جا کر پوچھا کہ کچھ کھانے کو بھی ہے؟ معلوم ہوا کہ ایک بکری کا بچہ ہے اور تھیلی میں تھوڑے سے جو ہیں۔ میں نے بکری کے بچّہ کو ذبح کیا اور بیوی نے جو پیس کر آٹا گوندھا۔ گوشت دیگچی میں پکنے کے لئے رکھ کر میں نے حضور اقدس ﷺ سے چپکے سے عرض کیا کہ تھوڑا سا کھانا موجود ہے، آپ اور چند رُفقا آپ کے ساتھ تشریف لے چلیں۔ حضور ﷺ نے یہ سن کر تمام اہلِ خندق کو جو تقریباً ایک ہزار آدمی تھے اعلان فرما دیا کہ جابر کے یہاں دعوت ہے سب چلیں۔ اور مجھ سے ارشاد فرمایا کہ جب تک میں نہ آؤں دیگچی کو چولھے سے نہ اُتارنا اور نہ روٹی پکانا۔ جب حضور تشریف لے گئے تو آٹے اور دیگچی پر دم کیا جس کی وجہ سے اس قدر برکت ہوئی کہ اس دیگچی میں سے برابر سالن نکلتا رہا اور آٹے سے برابر روٹیاں پکتی رہیں۔

نُبيح: بضم النون والموحدة والحاء المهملة مصغراً، وفي نسخة: ابن نبيح، والمؤيد بكتب الرجال هو الأول، وليس عندهم أحد يشتهر بابن نبيح. العنــزيّ: بفتح العين المهملة والنون وبالزاء، منسوب إلى بني العنــزة، قبيلة من ربيع قاله القاري، وقال البيجوري: عنــزة بفتحات حي من ربيعة. قصة: قال القاري: هي قصة جابر في غزوة الخندق، إذ قال: انكفأت إلى امرأتي فقلت: هل عندك شيء؟ فإني رأيت بالنبي ﷺ جوعاً. الحديث. أخرجه صاحب المشكوة برواية المتفق عليه. ويشكل عليه: أن هذه الرواية تدل على أن ذبح الشاة بعد إتيانه ﷺ ورواية المشكوة تدل على عكسه، والجمع بينهما هَيِّن، جمعهما القاري بثلاثة وجوه، وقال المناوي: هذا الحديث يدل على ذبح الشاة بعد مجيء النبي ﷺ منــزلهم، وفي حديث الخندق كان ذبح الشاة قبل المجيء، فالظاهر أن هذه القصة غيرها.

حدثنا ابن أبي عمر، حدثنا سفيان، حدثنا عبد الله بن محمد بن عقيل، أنّه سمع جابرا. قال سفيان: وأخبرنا محمد **بن المُنْكَدِر، عن**[29] جابر رضي الله عنه قال: خرج رسول الله ﷺ وأنا معه، فدخل على **امرأةٍ** من الأنصار، فذبحتْ له شاةً، فأكل منها،

محمد — مسند آخر سفيان

خدا کی قسم! ایک ہزار آدمی کھا کر چلے گئے اور دیگچی میں سالن جوش مارتا رہا اور اُس آٹے سے برابر روٹیاں پکتی رہیں۔ (ﷺ)

(۲۹) حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ایک مرتبہ ایک انصاری عورت کے مکان پر تشریف لے گئے۔ میں بھی حضور کے ہمراہ تھا۔ انھوں نے حضور ﷺ کے لئے بکری ذبح کی، حضور ﷺ نے اس میں سے کچھ تناول فرمایا، اس کے بعد کھجور کی چنگیری میں کچھ تازہ کھجوریں لائیں، حضور ﷺ نے اس میں سے بھی کچھ تناول فرمایا، پھر ظہر کی نماز کے لئے حضور نے وضو کر کے نماز ادا کی، پھر واپس تشریف لانے پر انہوں نے باسی گوشت سامنے رکھا، حضور نے اس کو تناول فرمایا اور عصر کی نماز کے لئے دوبارہ وضو نہیں کیا، اُسی پہلے وضو سے نماز ادا فرمائی۔ **فائدہ:** اس حدیث سے بھی آگ کی پکی ہوئی چیز سے وضو نہ ٹوٹنے پر استدلال کیا جاتا ہے، نیز دن میں دو مرتبہ کھانے کا اثبات بھی اس حدیث سے کیا جاتا ہے، لہٰذا جن احادیث میں دو مرتبہ کا انکار گزرا ہے وہ کہنے والے کے اپنے علم کے اعتبار سے بھی ہو سکتا ہے، اور یہ بھی توجیہ ہو سکتی ہے کہ ان میں دو مرتبہ پیٹ بھرنے کا انکار تھا، دو مرتبہ کھانے کا انکار نہ تھا کہ تھوڑا سا دوبارہ کھا لیا گیا۔

ابن المنكدر: هكذا رواه المصنف في الجامع، وصرح أبو داود بسماع ابن المنكدر عن جابر، إذ أخرج برواية ابن جريج: أخبرني محمد بن المنكدر قال: سمعت جابر بن عبد الله يقول: قربت للنبي ﷺ خبزاً ولحماً، الحديث. فما في التلخيص الحبير عن الشافعي: أن ابن المنكدر لم يسمعه عن جابر بل بينهما واسطة عبد الله بن محمد بن عقيل مشكل، اللّٰهم إلا أن يقال: إنه حديث آخر، وفيه ما فيه. امرأةٍ: هكذا ذكره المصنف في الجامع والطحاوي والبيهقي وغيرهم، وخالفهم أبو داود فأخرج برواية ابن جريج عن محمد بن المنكدر، عن جابر يقول: قربت للنبي ﷺ خبزاً ولحمًا، الحديث، وضبطه بعض شراح أبي داود بصيغة المتكلم فلم يجمع بوجوه التأويل وهي محتملة قريبة، فرواية الترمذي أولى؛ لاتفاق غير واحد على هذا السياق، وسكتوا عن اسم المرأة، والظاهر عندي أنها عمرة، فقد قال الحافظ في الإصابة: عمرة بنت حزام بفتحتين، وقيل: بنت حزم بسكون الزاء الأنصارية زوج سعد بن الربيع ذكرت في حديث جابر، أخرجه الطبراني وغيره من طريق يحيى بن أيوب، عن محمد بن ثابت البناني، عن محمد بن المنكدر، عن جابر، عن عمرة بنت حزم: أنها جعلت للنبي ﷺ في صورة نخل كبيسة ورثيئة، وذبحت له شاة فأكل منها وتوضأ وصلى الظهر، ثم قدمت له من لحمها فأكل وصلى العصر ولم يتوضأ.

وأَتَتْه **بقِنَاعٍ** من رُطَبٍ، فأكل منه، ثم توضأ للظهر، وصلّى، ثم انصرف، فأَتَتْه **بعُلَالة** من عُلالة الشاة، فأكل، ثم صلى العصر، و لم يتوضّأ. **حدثنا** العباس بن محمد الدُّوريّ، حدثنا يونس بن محمد، حدثنا فُلَيْح بن سليمان، عن عثمان بن عبد الرّحمن، عن يعقوب بن أبي يعقوب، عن[۳۰] **أم المنذر** قالت: دخل عليّ رسول الله ﷺ، ومعه عليٌّ، ولنا **دوالٍ** معلّقةٌ، قالت: فجعل رسول الله ﷺ يأكل، وعليٌّ معه يأكل، فقال رسول الله ﷺ لعليّ: مَهْ، يا عليُّ! فإنّك نَاقِهٌ. قالت: فجلس عليٌّ والنبي ﷺ يأكل،

(۳۰) اُم منذر رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ میرے یہاں تشریف لائے۔ ہمارے یہاں کھجور کے خوشے لٹکے ہوئے تھے، حضور اقدس ﷺ اُن میں سے تناول فرمانے لگے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جو حضور کے ساتھ تھے وہ بھی نوش فرمانے لگے، حضور نے ان کو روک دیا کہ تم ابھی بیماری سے اُٹھے ہو، تم مت کھاؤ۔ وہ رُک گئے اور حضور تناول فرماتے رہے۔ اُم منذر کہتی ہیں کہ پھر میں نے تھوڑے سے جَو اور چقندر لے کر پکائے۔ حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ یہ کھاؤ، یہ تمہارے لئے مناسب ہے۔ **فائدہ:** اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اسباب کی رعایت توکل کے منافی نہیں، چنانچہ احیاء العلوم میں اس کو مفصل لکھا ہے۔ اس کے ترجمہ میں جس کا دل چاہے تفصیلات دیکھ لے۔

بقناعٍ: بكسر القاف: الطبق الذي يؤكل عليه كذا في الصحاح، وقيده في القاموس بأنه طبق من سعف النخل.
بعلالة: بضم العين المهملة: أي بقية، قيل: فيه شبع من لحم في يوم مرتين، فمامر عن عائشة رضي الله عنها من نفي ذلك إنما هو باعتبار علمها أو باعتبار الغالب، لكن دعوى الشبع غير ظاهرة، نعم فيه دليل على حل الأكل ثانيا. أم المنذر: يقال: اسمها سلمى بنت قيس، ويقال: هي إحدى خالاته ﷺ، قاله القاري، وسماها المناوي سلمة بالهاء لكن أهل الرجال على الأول. وكذا قال الحافظ في تهذيبه: يقال: إنها إحدى خالات النبي ﷺ لكن قال في الإصابة: قال الطبراني: اسمها سلمى بنت قيس أخت سليط بن قيس من بني مازن بن النجار، وعندي أنها غيرها إلى آخر ما بسط في الإصابة.
دوال: بفتح الدال المهملة وتنوين اللام المكسورة، جمع دالية: هي العذق من النخلة، يقطع ذا بسر ثم تعلق فإذا رطب يؤكل، وواوه منقلبة عن ألف؛ إذ هو جمع دالية.

قالت: فجعلتُ **لهم** سِلْقًا وشعيْرا، فقال رسول الله ﷺ لعليّ: مِنْ هذا فأصبْ؛ فإنّه **أوفق** لك. **حدثنا** (۳۱) محمود بن غيلان، حدثنا بشر بن السريّ، عن سفيان، عن طلحة بن يحي، عن عائشة بنت طلحة، **عن** عائشة أم المؤمنين رضي الله عنها قالت: كان النبي يأتيني فيقول: أعندك **غداءٌ**؟ فأقول: لا، فيقول: إنّي صائم.

الثوري

(۳۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ میرے پاس تشریف لاکر دریافت فرمایا کرتے تھے کہ کچھ کھانے کو رکھا ہے؟ جب معلوم ہوتا کہ کچھ نہیں تو فرماتے کہ میں نے روزہ کا ارادہ کر لیا ہے۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ تشریف لائے، میں نے عرض کیا کہ ایک ہدیہ آیا ہوا رکھا ہے۔ حضور نے دریافت فرمایا کہ کیا چیز ہے؟ میں نے عرض کیا کہ کھجور کا ملیدہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے تو روزہ کا ارادہ کر رکھا تھا، پھر حضور نے اس میں سے تناول فرمایا۔

فائدہ: اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک تو یہ کہ نفلی روزہ کی نیت صبح کے وقت بھی آدھے دن تک ہو سکتی ہے، بشرطیکہ اس سے پہلے کوئی عمل روزہ کے منافی نہ کیا ہو۔ چنانچہ حضور ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت فرمانے پر نیت فرمائی۔ یہ مذہب حنفیہ شافعیہ رحمہم اللہ کا ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ نفل روزہ کی نیت رات سے کرنا ضروری ہے۔ اس مسئلہ میں یہ حدیث ہمارے موافق ہے، لیکن جب ایک معتبر امام کا خلاف ہے تو زیادہ بہتر یہ ہے کہ نفل روزہ کی نیت بھی رات ہی کو کر لی جائے، البتہ کوئی عارض پیش آجائے تو دوپہر سے پہلے پہلے دن میں بھی نیت کرنے کا مضائقہ نہیں ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی نفل روزہ رکھے تو اس کے توڑ دینے کا اختیار ہے، یہ مذہب شافعیہ کا ہے۔

لهم: أي: لأضيافي، وفي بعض النسخ: له، فقيل: الضمير لعلي رضي الله عنه مرتب على قوله: ترك علي أي: لما لم يأكل الرطب جعلت له هذا، والأوجه أن ضمير الواحد إليه ﷺ؛ لأنه الأصل المتبوع والبواقي تبع، وهذا مرتب على ما تقدم من أكل الرطب وغيره. أوفق: قال ميرك: الظاهر أن صيغة التفضيل ورد هناك لمجرد الموافقة؛ لأن تحقق المزية يتوقف على وجود الفضل في الطرف المقابل، اللّهم إلا أن يقال بطريق الإمكان أو بحسب الحكمة قاله القاري، ثم لا تنافي بين نهيه عليا وبين رواية ابن ماجه: أنه عاد رجلا فقال: ماتشتهي؟ فقال: كعكا، وفي رواية: خبز بر فقال: من عنده خبز بر فليبعث إلى أخيه الحديث. لأن المريض إذا اشتدت شهوته لشيء فتناول القليل منه لا يضر فصدق الشهوة تدفع مضرته قاله المناوي وغيره، قلت: وقد جربت ذلك على نفسي فوجدته هكذا، وهو الأوجه عندي، وفيه توجيهات أخر. غداء: بفتح الغين المعجمة والدال المهملة والمد، هو الطعام الذي يؤكل أول النهار قاله القاري.

قالت: فأتانا يوماً فقلت: يا رسول الله! إنه أُهديَت لنا هديّة، قال: وما هي؟ قلت: **حَيْسٌ**، قال: أما إني أصْبحتُ صائماً، قالت: **ثم أَكَلَ. حدثنا** عبد الله بن عبد الرحمن، حدثنا عمر بن حفص بن غياث، حدثنا أبي، عن محمد بن أبي يحيى الأسلميّ، عن يزيد بن أبي أميّة الأعور، **عن**(۳۲) **يوسف**

نسبة إلى قبيلة أسلم

حنفیہ کے نزدیک قرآن شریف کی آیت ﴿وَلَا تُبْطِلُوْا أَعْمَالَكُمْ﴾ (محمد: ۳۳) (اپنے اعمال کو باطل مت کرو) کی بنا پر روزہ نماز کوئی عمل توڑنا جائز نہیں، لیکن اس حدیث سے چونکہ روزہ کا توڑنا معلوم ہوتا ہے اس لئے دونوں چیزوں پر عمل اس طرح کیا جائے گا کہ اگر کوئی ضرورت اور مجبوری در پیش ہو تو اس حدیث کی وجہ سے اس میں گنجائش سمجھنی چاہئے اور بلا ضرورت توڑنا جائز نہیں۔ چنانچہ حضور اقدس ﷺ کے حال سے بھی یہی ظاہر ہے۔ بعض علماء نے حدیث کے اس جملہ کا کہ ''روزہ رکھنے کا ارادہ کر رکھا تھا'' اس کا مطلب یہ فرمایا ہے کہ پختہ نیت نہیں فرمائی تھی، البتہ ارادہ تھا کہ آج روزہ رکھ لوں گا۔ لیکن بندہ کے نزدیک پہلی توجیہ اچھی ہے۔ مسئلہ: اگر کسی ضرورت سے نفل روزہ توڑ دینے کی نوبت آئے تو حنفیہ کے نزدیک کسی دوسرے وقت قضا کرنا واجب ہے اس لئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں اس کی تصریح ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ان کو ارشاد فرمایا تھا کہ کسی دوسرے دن قضا کر لینا۔

(۳۲) یوسف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو ایک مرتبہ دیکھا کہ حضور نے ایک روٹی کا ٹکڑا لے کر اس پر

حيس: بحاء مهملة مفتوحة وتحتية ساكنة بعدها سين مهملة: هو التمر مع السمن والأقط، وقد يجعل عوض الأقط الدقيق أو الفتيت ثم يدلك حتى يختلط. وأصل الحيس: الخلط. ثم أكل: فيه جواز الفطر لمن أصبح صائماً، وبه قالت الحنفية لمن عرض له عذر، وأوجبوا القضاء أيضاً لرواية عائشة عند المصنف في الجامع وأبي داود وغيرهما، ولفظ أبي داود: قالت: أهدي لي ولحفصة طعام وكنا صائمتين فأفطرنا، فدخل رسول الله فقلنا له: يا رسول الله! إنا أهديت لنا هدية فاشتهيناها فأفطرنا، فقال رسول الله ﷺ: لا، عليكما صوما مكانه يوماً آخر. والحديث سكت عليه أبو داود، ولفظ الترمذي: اقضيا يوما آخر مكانه، ورجح إرساله، والمرسل حجة، لا سيما إذا توبع، وقد تابعه حديث الباب؛ لما فيه من زيادة قوله: لكن أصوم يوماً مكانه. وصحح عبد الحق هذه الزيادة كما في هامش النسائي، وفي الباب أيضاً حديث أبي سعيد الخدري عند الطيالسي كما في هامش النسائي. يوسف: أجلسه رسول الله في حجره وسماه يوسف، روى عن رسول الله ثلاثة أحاديث كما قيل. وليس في بعض النسخ كالقلمية وغيرها زيادة "عن عبد الله بن سلام" فيكون الحديث من مقولة يوسف، وهو الأوجه عندي؛ لأن الحديث أخرجه أبو داود في سننه برواية يوسف، وكذا الحافظ ذكره في تهذيبه، وفي الإصابة في ترجمة يوسف.

بن **عبد الله بن سلام**، عن عبد السلام قال: رأيت النبيّ ﷺ أخذ كِسْرَة من خبز الشعير فوضع عليها تمرة ثم قال: هذه **إدام** هذه فأكل. **حدثنا** عبد الله بن عبد الرحمن، حدثنا سعيد بن سليمان، عن **عبّاد** بن العوام، عن حُميدٍ، **عن** (۳۳) أنس بن مالك ﷺ: أنّ رسول الله ﷺ كان يُعجِبه **الثُّفْل**. قال عبد الله (هو شيخ المصنف): يعني ما بَقِي من الطّعام.

ایک کھجور رکھی اور فرمایا کہ یہ سالن ہے اور نوش فرمالیا۔ **فائدہ:** چونکہ کھجور کا سالن کے موقع پر کھانا متعارف نہیں تھا اس لئے حضور نے تنبیہ فرمادی کہ اس سے سالن کا کام بھی لیا جا سکتا ہے اور زندگی کے چند ایام کو اس طرح بھی گزارا جا سکتا ہے، اس لئے آدمی کو اپنی زندگی کے اوقات کو ایسے مشاغل میں خرچ کرنا جو ابدی اور سرمدی زندگی میں کارآمد ہوں، سمجھ کی بات ہے اور تمام اوقات کو محض پیٹ پالنے میں ضائع کر دینا انتہائی ناسمجھی ہے کہ یہ چند ایامِ زندگی بہر حال گزر ہی جائیں گے اور موت ہر تکلیف کا خاتمہ ہے، لیکن جس تکلیف کے لئے موت بھی نہیں ہے وہ نہایت اہتمام کے قابل ہے۔

(۳۳) حضرت انس ﷺ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کو ہانڈی اور پیالہ کا بچا ہوا کھانا مرغوب تھا۔

فائدہ: یہ حضور اقدس ﷺ کے کمالِ تواضع کی بنا پر تھا کہ اوپر کا کھانا دوسروں کو اول کھلاتے اور بقیہ اپنے لئے پسند فرماتے، چنانچہ متعدد واقعات حدیث کی کتابوں میں اس کے شاہد ہیں۔ بعض علماء نے اس کی وجہ یہ بھی لکھی ہے کہ نیچے کے کھانے میں دُھنیت کم ہونے کی وجہ سے ہضم میں سہولت ہوتی ہے۔

عبد الله بن سلام: هكذا في النسخ المطبوعة الهندية وبعض المصرية، وليست هذه الزيادة في القلمية ولا أكثر المصرية ولا في نسخ الشروح، وذكرها القاري نسخة؛ إذ قال: وفي نسخة صحيحة: زيادة عن عبد الله بن سلام. إدام: لا دليل فيه للشافعية ﷺ في من حلف لا يأكل إدامًا يحنث به؛ لأن هذا من باب المجاز والتشبيه، كما هو ظاهر لا خفاء فيه مع أن مبنى الأيمان على التعارف. عباد: بتشديد الموحدة، والعوام: بتشديد الواو، وحميد: بالتصغير. الثفل: بضم المثلثة ويكسر في الأصل: ما يرسب من كل شيء، وقد يطلق على ما بقي بعد الطعام، والمراد هناك: ما بقي في القدر أو في قصعة.

بابُ ما جاء في صفة وضوء رسول الله ﷺ عند الطعام

حدثنا أحمد بن منيع، حدثنا إسماعيل بن إبراهيم، عن أيوب، عن ابن أبي مُلَيْكَة **عن**[۱] ابن عباس رضي الله عنهما: أنّ رسول الله ﷺ خرج من الخلاء، فقُرِّب إليه الطعام، فقالوا: **لا نأتيك** بوضوء؟

باب۔ حضور اقدس ﷺ کے کھانے کے وقت وضو کا ذکر

فائدہ: کھانے کے وقت سے مراد عام ہے کہ کھانے کے بعد ہو یا پہلے۔ وضو اصطلاحی تو وہی ہے جو نماز کے لئے شرط ہے اور نماز کے اوقات میں کیا جاتا ہے، سب اس کو جانتے ہیں لیکن لغتِ عرب میں صرف ہاتھ منہ دھونے کو بھی وضو کہا جاتا ہے اور یہ وضو لغوی کے نام سے مشہور ہے۔ اس باب میں دو طرح کی روایات وارد ہوئی ہیں، بعض روایات سے وضو کرنا معلوم ہوتا ہے، یہ دوسرا وضو ہے جو وضو لغوی کہلاتا ہے، اور بعض روایات سے وضو نہ کرنا معلوم ہوتا ہے یہ پہلا وضو ہے جو وضو اصطلاحی کہلاتا ہے۔

(۱) ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ جب کہ بیت الخلاء سے فراغت پر باہر تشریف لائے تو آپ کی خدمت میں کھانا حاضر کیا گیا اور وضو کا پانی لانے کے لئے پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے وضو کا اُسی وقت حکم ہے جب نماز کا ارادہ کروں۔ **فائدہ:** یعنی وضو اصطلاحی کا وجوب نماز ہی کے لئے ہے، کھانے کے لئے یا جب استنجے وغیرہ سے فراغت ہو فوراً وضو کرنا ضروری نہیں ہے، حضور ﷺ نے اسی لئے انکار فرمادیا کہ یہ ضروری نہ سمجھ لیا جائے کہ جب استنجے سے فراغت ہو تو وضو کیا جائے۔

وضوء: المراد به الوضوء اللغوي، كما يدل عليه قوله: "عند الطعام" أي: قبله وبعده، كما يدل عليه ما سيأتي في آخر الباب، وقيل: المراد الوضوء الشرعي: أي ما جاء في صفة الوضوء وجوداً وعدماً. وحاصل ما نقل السيد ميرك: أن الحديثين الأولين يدلان على أن الوضوء الشرعي ليس بمستحب، والحديث الثالث يدل على استحبابه، فلابد أن يحمل على الوضوء اللغوي جمعاً بين الروايات. لأناتيك: بحذف الهمزة الاستفهامية، وفي نسخة: بإثباتها.

قال: إنما **أمرت** بالوضوء إذا قُمتُ إلى الصلاة. **حدثنا** سعيد بن عبد الرحمن المَخْزُوميّ، حدثنا سفيان بن عيينة، عن عمرو بن دينار، عن سعيد ابن الحُويرث، **عن** [(٢)] ابن عباس ﷺ قال: خرج رسول الله ﷺ من الغائط، فأُتي بطعام، فقيل له: أَلا تتوضأ؟ فقال: **أصلّي فأتوضأ؟**. **حدثنا** يحيى بن موسى، حدثنا عبد الله بن نُمير، حدثنا قيس بن الربيع. ح وحدثنا قُتيـــبة، حدثنا عبد الكريم الجُرْجَانيّ، عن قيس بن الربيع، عن **أبي هاشم**، عن **زاذان**، **عن** [(٣)] سلمان قال: **قرأت في التوراة**: إنّ بَرَكة الطّعام الوُضوء بعده،

(٢) ابن عباس ﷺ ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ حضور ﷺ ایک مرتبہ استنجے سے فارغ ہو کر تشریف لائے، حضور کی خدمت میں کھانا پیش کیا گیا۔ صحابہ نے پوچھا کہ کیا وضو نہیں فرمائیں گے؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اِس وقت مجھے نماز پڑھنی ہے کہ وضو کروں؟ فائدہ: پہلی حدیث میں بھی یہ مضمون گزر چکا ہے کھانے کے لئے وضو کرنا مستحب نہیں ہے، البتہ ویسے ہی ہر وقت باوضو رہنا اولیٰ اور بہتر ہے کہ ظاہری طہارت کا اثر باطن پر پڑتا ہے، اس لئے اگر استنجے وغیرہ سے فراغت پر وضو کر لیا جائے تو اولیٰ ہے۔

(٣) سلمان فارسی ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے توریت میں پڑھا تھا کہ کھانے سے فراغت کے بعد وضو (یعنی ہاتھ دھونا) برکت کا سبب ہے۔ میں نے حضور اقدس ﷺ سے یہ مضمون عرض کیا، تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کھانے سے

أمرت: استدل به على أنه ﷺ كان يجب الوضوء عليه لكل صلوة متطهراً وغير متطهر، وعند أبي داود: أنه كان أمر بذلك فلما شق عليه أمر بالسواك، قال القاري: المراد بالصلوة هي وما في معناها كسجدة التلاوة ومس المصحف وإرادة الطواف، وكأنه بني الكلام على الأعم الأغلب. قال ميرك شاه: وليس في الحديث دلالة على غسل اليدين، فيحتمل أنه غسلهما، ويحتمل عدم الغسل بياناً للجواز. أصلي: بحذف همزة الاستفهام الإنكاري، وفي نسخة: بإثباتها، إنكار لما توهموه من إيجاب الوضوء للأكل أي: لا أصلي. فأتوضأ: بالنصب؛ لكونه بعد النفي وقصد السببية، وبالرفع؛ لعدمها.

الجرجاني: بضم الجيم الأولى قاضي جرجان، روى عن أبي حنيفة ﷺ وغيره، وروى عنه الشافعي وغيره، هرب من القضاء فجاور بمكة. أبي هاشم: على وزن فاعل، هو أبو هاشم الرماني، مختلف في اسمه، ووقع في بعض النسخ: أبو هشام، وهو غلط من الناسخ. زاذان: بزاء معجمة أول الحروف وبذال معجمة بين الألفين آخره نون. قرأت في التوراة: لا يخالف حديث نهيه ﷺ عمر بن الخطاب ﷺ عن النظر في التوراة؛ لأنه ليس في حديث سلمان أنه قرأ في الإسلام، مع أنه ﷺ كان يحبّ موافقة أهل الكتاب فيما لم يؤمر، ثم أمر بمخالفتهم، فلعل هذا الحديث كان أولاً.

فذكرت ذلك النبي ﷺ، وأخبرته بما قرأت في التوراة فقال رسول الله ﷺ: بركة الطعام: **الوضوء** قبله والوضوء بعده.

قبل اور کھانے کے بعد وضو (یعنی ہاتھ منہ دھونا) برکت کا سبب ہے۔ **فائدہ:** ممکن ہے کہ توریت میں ایک ہی وقت کا ذکر ہو، اس صورت میں دوسرے وقت کا اضافہ شریعتِ محمدیہ کی زیادتی ہوگی کہ اس شریعت میں بہت سے احکام پہلی شریعتوں سے زیادہ ہیں، اور ممکن ہے کہ توریت میں بھی دونوں ہوں، لیکن چونکہ اس میں تحریف ہوئی ہے اس لئے ایک حکم یعنی کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کا مسئلہ اس میں غلطی سے نکل گیا ہو۔ علماء نے لکھا ہے کہ کھانے سے قبل ہاتھ دھونے میں برکت کا مطلب یہ ہے کہ کھانے میں زیادتی ہوتی ہے کھانے والوں کا شکم سیر ہو جاتا ہے، اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونے سے برکت کا مفہوم یہ ہے کہ جن فوائد اور مقاصد کے لئے کھانا کھایا جاتا ہے وہ پورے ہوتے ہیں، بدن کا جزو بنتا ہے، نشاط پیدا کرتا ہے، عبادات اور عمدہ اخلاق پر تقویت کا سبب بنتا ہے۔

الوضوء إلخ: لعله إشارة إلى تحريف ما في التوراة، أو إيماء إلى أن شريعته زادت الوضوء قبله أيضاً استقبالا للنعمة بالطهارة المشعرة للتعظيم على ماورد: بعثت لأ تمم مكارم الأخلاق.

بابُ ما جاء في قول رسول الله ﷺ قبل الطعَامِ وبَعد ما يفرغ مِنه

حدثنا قُتَيبة بن سعيد، حدثنا ابن لَهيعة، عن يزيد بن أبي حبيب، عن راشد بن جندل **اليَافِعِيّ**، عن حبيب بن أَوسٍ، **عن**[1] أبي أيوب الأنصاريّ قال: كنا عند رسول الله ﷺ يوما، فقُرّبَ إليه طعام، فلم أر طعاما كان أعظم بركة منه **أوّل** ما أكلنا، ولا أقلّ بركة في آخره، قلنا: يا رسول الله! كيف هذا؟ قال: إنّا ذَكَرنا اسم الله حين أكلنا، ثم قَعَد مَنْ أكل و لم يُسمّ الله تعالى، فأكل معه الشيطان.

باب۔ اُن کلمات کا ذکر جو حُضور اقدس ﷺ کھانے سے قبل اور کھانے کے بعد فرمایا کرتے تھے

فائدہ: یعنی جو دُعائیں وغیرہ کھانے سے پہلے یا کھانے کے بعد پڑھنے کا حضور ﷺ کا معمول تھا اُن کا ذکر۔ اس باب میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے سات حدیثیں ذکر فرمائی ہیں:

(۱) ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ کھانا سامنے لایا گیا۔ میں نے آج جیسا کھانا کہ جو ابتداءً یعنی کھانے کے شروع کے وقت نہایت بابرکت معلوم ہوتا ہو اور کھانے کے ختم کے وقت بالکل بے برکت ہوگیا ہو، کبھی نہیں دیکھا تھا، اس لئے حیرت سے حضور اقدس ﷺ سے دریافت کیا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شروع میں ہم لوگوں نے بسم اللہ کے ساتھ کھانا شروع کیا تھا اور اخیر میں فلاں شخص نے بغیر بسم اللہ پڑھے کھایا، اس کے ساتھ شیطان بھی شریک ہوگیا۔ فائدہ: شیطان کا کھانا جمہور کے نزدیک حقیقت پر محمول ہے اور اس میں کوئی محال بھی نہیں ہے کہ شیطان کھاتا پیتا ہو۔ اس حدیث میں صرف ''بسم اللہ'' کا ذکر ہے اس وجہ سے بعض علماء نے لکھا ہے کہ اگر فقط اتنا ہی کلمہ یعنی ''بسم اللہ'' پڑھے تب بھی کافی ہے لیکن بہتر اور اولیٰ پوری ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' پڑھنا ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ بسم اللہ کو آواز سے پڑھنا اولیٰ ہے تاکہ دوسرے ساتھی کو اگر خیال نہ رہے تو یاد آجائے۔

---

[1] كصحيفة

اليافعي: نسبة إلى يافع، وهو اسم موضع أو قبيلة من رعين، على ما في القاموس. أول: منصوب على الظرفية و"ما" مصدرية، ولو أريد المضي بالنسبة إلى تقريب الطعام لا بالنسبة إلى زمان التكلم، ويحمل على زمان قبل الخندق، فلا يشكل ببركة طعام جابر في غزوة الخندق.

حدثنا يحيى بن موسى، حدثنا أبوداود، حدثنا هشام **الدّستَوَائيّ**، عن بُديل العُقيليّ، عن عبد الله بن عبيد بن عُمير، عن أُمّ كُلْثوم، **عن**(٢) عائشة ﵂ قالت: قال رسول الله ﷺ: إذا أكل أحدكم فَنسيَ أنْ يذكر اسم الله تعالى على طعامه، **فليقل**: بسم الله **أوّله وآخره**. **حدثنا** عبد الله بن **الصَّبّاح** الهاشميّ البصريّ، حدثنا عبد الأعلى، عن معمر، عن هشام بن عروة، عن أبيه، **عن**(٣) عمر بن أبي سَلَمة، أنه دخل على رسول الله ﷺ وعنده طعام فقال: اُدْن، **يا بُنَيَّ!** فَسَمِّ الله تعالى،

(٢) حضرت عائشہ ﵂ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص کھانا کھائے اور بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو کھانے کے درمیان جس وقت یاد آئے بِسْمِ اللهِ اَوّلَهُ وَآخِرَهُ کہہ لے۔

(٣) عمر بن ابی سلمی ﵁ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ کے پاس کھانا رکھا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ بیٹا! قریب ہو جاؤ اور بسم اللہ کہہ کر دائیں ہاتھ سے اپنے قریب سے کھانا شروع کرو۔

الدستوائيّ: نسبة إلى دستواء، بلدة من الأهواز، نسب إليه؛ لأنه كان يبيع الثياب التي تجلب منها. فليقل: قال القاري: ندبا، وقال المناوي: ندباً مؤكداً إذا تذكر حال الأكل لا بعده، على ما عليه بعض الشافعية؛ لأن التسمية إنما شرعت لدفع الشيطان وبالفراغ فاتت، لكن رجح البعض خلافه؛ لأنها وإن شرعت لدفعه فقد شرعت أيضاً ليقي ما أكله، وفصل البعض بين ما إذا تذكر حال الاشتغال بمصالح الطعام ولو بعد الأكل والعهد قريب وبين ما إذا بعد وانقطعت التسمية.

أوّله وآخره: بالنصب فيهما على الظرفية أي: في أو له وآخره، يعني على جميع أجزائه، فلا يقال: ذكرهما يخرج الوسط، ويمكن أن يقال: المراد "بالأول" النصف الأول و"بالآخر" النصف الثاني، أو على أنهما مفعولا فعل محذوف أي: أكلت أوله وآخره مستعينا به، وأورد عليه أنه في أول أكله ليس مستعينا به، وأجيب: بأنه مستعين حكماً؛ لأن حال المؤمن وشأنه أنه مستعين به في جميع أحواله، وإن لم يجر اسم الله على لسانه نسيانا فهو معفو عنه، ويدل عليه أن النسيان في ترك التسمية حال الذبح معفو مع أنها شرط، فكيف! وهي مستحبة ههنا، قاله القاري، وقال المناوي: إن الشرع جعله إنشاء استعانة بسم الله في أوله، وليس هذا إخباراً حتى يكذب، وبهذا يصير مستعينا في أوله ويترتب عليه ما يترتب على الاستعانة في أوله.

الصباح: بصاد مهملة وبتشديد موحدة. يا بني: بصيغة التصغير شفقة، وكان ربـيب النبي ﷺ من جهة أم سلمة.

وكُلْ بيمينك مّما يليك. **حدثنا** محمد بن غيلان، حدثنا أبو أحمد الزبيريّ، حدثنا سفيان الثوري، عن أبي هاشم، عن إسماعيل بن **رياح**، عن رياح بن عبيدة،

مصغراً

فائدہ: بسم اللہ کہنا بالاتفاق سنت ہے، اور دائیں ہاتھ سے کھانا جمہور کے نزدیک سنت ہے اور بعض کے نزدیک واجب ہے، اس لئے کہ ایک بائیں ہاتھ سے کھانے والے شخص پر حضور ﷺ نے بد دعا فرمائی تھی تو اس کا ہاتھ شَل ہوگیا تھا۔ جس کا عبرت انگیز واقعہ حدیث کی کتابوں میں ہے کہ ایک شخص بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا، حضور ﷺ نے تنبیہ فرمائی کہ دائیں ہاتھ سے کھاؤ، اُس نے کہہ دیا کہ میں داہنے ہاتھ سے نہیں کھا سکتا، حضور ﷺ نے فرما دیا کہ آئندہ بھی نہ کھا سکو۔ اس کے بعد سے دایاں ہاتھ منہ تک نہیں جا سکتا تھا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک عورت کو بائیں ہاتھ سے کھاتے دیکھا تھا تو اس پر بد دعا فرمائی اور وہ عورت طاعون میں مری۔ ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بائیں ہاتھ سے شیطان کھاتا ہے، اس لئے تم بائیں ہاتھ سے مت کھاؤ۔ بعض علماء کے نزدیک ان روایات کی بنا پر دائیں ہاتھ سے کھانا واجب ہے۔ جمہور کے نزدیک گو یہ سنت ہے لیکن ان روایات کی وجہ سے اہتمام ضروری ہے، آج کل لوگ اس سے غافل ہیں، بالخصوص پانی میں تو بائیں ہاتھ سے پانی پینے کی عام وبا پھیل گئی ہے۔ حضور اقدس ﷺ کا حکم ہے کہ دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور دائیں ہاتھ سے پیو اس لئے کہ بائیں ہاتھ سے شیطان کھاتا اور پیتا ہے۔ اسی طرح تیسرا مضمون یعنی اپنی جانب سے کھانا بھی بعض علماء کے نزدیک ان روایات کی وجہ سے واجب ہے، لیکن جمہور کے نزدیک سُنت ہے۔

وكل: الجمهور على أن الأوامر الثلاثة للندب، وقيل: بالوجوب في غير الأول. قلت: ولعل الباعث للجمهور في حملهم الأمر بالأكل مما يليك على الندب حديث: "تتبع النبي ﷺ الدبّاء حوالي القصعة" وهو حديث معروف، والباعث في حملهم الأمر بالأكل باليمين على الندب ما أخرجه الطبراني بسند ضعيف: أن عبد الله بن جعفر قال: "رأيت في يمين النبي قثاء وفي شماله رطباً وهو يأكل من ذا مرة ومن ذا مرة"، وأخرج أبو نعيم في كتاب الطب له بسند فيه ضعف عن أنس: "أن النبي ﷺ كان يأخذ الرطب بيمينه والبطيخ في يساره فيأكل الرطب بالبطيخ"، ذكرهما القارى في باب الفاكهة، وحمله على تبديل ما في يديه؛ لئلا يلزم الأكل بالشمال. رياح: بكسر الراء والمثناة التحتية، والد إسماعيل المذكور. و"عبيدة" بفتح فكسر.

عن[٤] أبي سعيد الخدريّ رضي الله عنه قال: كان رسول الله ﷺ إذا فرغ من طعامه قال: **اَلْحَمْدُ لله الَّذِي أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِيْنَ. حدثنا** محمد بن بشّار، حدثنا يحيى بن سعيد، حدثنا ثور بن يزيد، عن خالد بن مَعْدانَ، **عن**[٥] أبي أُمامة قال: كان رسول الله ﷺ إذا رُفِعَت **المائدة**

---

(۴) ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جب کھانے سے فارغ ہوتے تو یہ دُعا پڑھتے: **اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِيْ أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِيْنَ** (تمام تعریف اس ذات پاک کے لئے ہے جس نے ہمیں کھانا کھلایا، پانی پلایا اور ہمیں مسلمان بنایا)۔

فائدہ: کھانے پر حمد تو ظاہر ہے کہ کھانے سے فراغت ہوئی اور آیت ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ﴾ (ابراهيم: ۷) (اگر تم میرا شکر ادا کروگے تو میں عطا میں زیادتی کروں گا) کی بنا پر شکر کا موقع ہے ہی۔ مسلمان ہونے کو اس کے ساتھ اس لئے منضم فرمایا کہ انعاماتِ ظاہر یہ کے ساتھ انعاماتِ باطینہ بھی شامل رہیں، یا اس لئے کہ درحقیقت کھانے پینے پر شکر اور حق تعالیٰ جَلَّ شَانُہٗ کی حمد اسلام ہی کا ثمرہ ہے اس لئے اس کو بھی شامل کیا۔

(۵) ابو امامہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے سامنے سے جب دستر خوان اُٹھایا جاتا تو آپ یہ دُعا پڑھتے: **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْداً كَثِيْراً طَيِّبًا مُبَارَكاً فِيْهِ غَيْرَ مُوَدَّعٍ وَلَا مُسْتَغْنًى عَنْهُ رَبَّنَا** (تمام تعریف حق تعالیٰ جَلَّ شَانُہٗ کے لئے منحصر ہے، ایسی تعریف جس کی کوئی انتہا نہیں ہے، ایسی تعریف جو پاک ہے ریا وغیرہ اوصافِ رذیلہ سے، جو مبارک ہے، ایسی حمد جو نہ چھوڑی جا سکتی ہے اور نہ اس سے استغنا کیا جا سکتا ہے۔ اے اللہ! (ہمارے شکر کو قبول فرما)۔

أطعمَنا: صيغة الجمع باعتبار شركة الأهل أو الأضياف أو أمّته الضعيفة، فينبغي التأسي بهذه الألفاظ تشريكاً للمسلمين. وسقانا: أردفه به؛ لأنه من تتمة الطعام؛ لأنه لا يخلو عن الشرب في أثنائه غالباً. مسلمين: هكذا في جميع النسخ الموجودة من الهندية والمصرية، وفي بعض الحواشي بطريق النسخة: "من المسلمين" أي: الموحدين والمنقادين لجميع أمور الدين. قيل: لما كان الحمد يستجلب به المزيد أتى به ﷺ تحريضا لأمته على التأسي به، وختمه بقوله: "وجعلنا مسلمين"؛ للجمع بين الحمد على النعمة الدنيوية والأخروية، وإشارة إلى أن الأولى أن لا يجرّد حمده إلى دقائق النعم، بل ينظر إلى جلائلها، ولأن الإتيان بحمده من نتائج الإسلام، ولأن المدار على حسن الخاتمة مع مافيه من الإشارة إلى الانقياد في الأكل والشرب وغيرهما.

المائدة: قد فسروها بأنها: خوان عليه طعام، وتقدم رواية أنه ﷺ لم يأكل على خوان قط، فقيل: أكل عليه بعض الأحيان لبيان الجواز، و وجه أيضاً بأن المثبت مقدم، وبأن المائدة تطلق على كل ما يوضع عليه الطعام ولا يختص بصفة مخصوصة، وقد تطلق المائدة ويراد بها الطعام وبقيته وإناءه فلا تعارض، قاله القاري.

من بين يديه يقول: اَلْحَمْدُ للهِ حَمْداً كَثِيراً طَيِّباً مُّبَارَكاً فِيْهِ غَيْرَ مُوَدَّعٍ وَلَا مُسْتَغْنىً عَنْهُ رَبَّنَا. حدثنا أبو بكر محمد بن أَبَانٍ، حدثنا وكيع، عن هشام الدَّسْتَوائيّ، عن بُدَيلِ بن ميسرة العُقَيليّ، عن عبد الله بن عبيد بن عُمَير، عن أم كُلثوم، عن[6] عائشة ﷺ قالت: كان النبي ﷺ يأكل الطعام في ستّة من أصحابه، فجاء أعرابيّ، فأكله بلُقمتين، فقال رسول الله ﷺ: لو سمّى لكفاكم. حدثنا هنّاد ومحمود بن غيلان، قالا: حدثنا أبو أُسامة، عن زكريا بن أبي زائدة، عن سعيد بن أبي بُردة، عن[7] أنس بن مالك ﷺ، قال: قال رسول الله ﷺ: إنّ الله لَيرضى عن العبد أن يأكل الأكْلة، ويشرب الشَّربة، فيحمده عليها.

---

(۶) حضرت عائشہ ﷺ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ چھ آدمیوں کے ساتھ کھانا تناول فرمارہے تھے کہ ایک بدوی آیا اور اُس نے دو لقموں میں سب کو نمٹا دیا، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر یہ بسم اللہ پڑھ کر کھاتا تو یہ کھانا سب کو کافی ہو جاتا۔

فائدہ: یعنی اس کے بسم اللہ نہ پڑھنے سے شیطان کی شرکت ہوئی اور وہ سب کو نمٹا گیا جس سے بے برکتی ہو گئی۔

(۷) حضرت انس ﷺ نے حضور اکرم ﷺ سے نقل کیا کہ حق تعالیٰ جل شانہ بندہ کی اس بات پر بہت ہی رضا مندی ظاہر فرماتے ہیں کہ ایک لقمہ کھانا کھائے یا ایک گھونٹ پانی پیے اور حق تعالیٰ جل شانہ کا اس پر شکر ادا کرے۔ **اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ.**

غير مودّع: الضمير يرجع إلى الله عزوجل، أو إلى الحمد، أو إلى الطعام الذي يدل عليه السياق. قاري. ربنا: روي بالرفع والنصب والجر، فالرفع على تقدير: هو أو أنت ربنا، اسمع حمدنا ودعائنا، أو على أنه مبتدأ وخبره لفظ "غير" بالرفع مقدم عليه، والنصب على أنه منادى، حذف حرف النداء، والجر على البدلية من اسم الجلالة. قالت: يحتمل أن يكون هذا ووقعة أبي أيوب ﷺ متحدة، ويحتمل التعدد وهو الظاهر، وكذا يحتمل أن تكون عائشة رأت ذلك المنزل بعينها قبل نزول الحجاب، ويحتمل أن يكون من مراسيل الصحابة. قاري. بردة: بضم الموحدة وسكون الراء، اسمه عامر.

ليرضى: أي يرحمه ويثيبه، واللام في "العبد" للجنس أو الاستغراق. أن يأكل: علة ليرضى أي: بسبب أن يأكل أو وقت أن يأكل، أو مفعول به لـ"يرضى" أي: يحب أن يأكل. (جمع الوسائل) الأكْلة: بفتح الهمزة أي: المرة من الأكل، ويروى بالضمة أي: اللقمة، وهي أبلغ في بيان اهتمام أداء الحمد، لكن الأول أوفق مع قوله: الشربة؛ فإنه بالفتح لا غير، قاله القاري.

بابُ ما جاء في قَدَح رسول الله ﷺ

حدثنا الحسين بن الأسـود البغداديّ، حدثنا عمـرو بن محمد، حدثنا عيسى بن طَهْمان، عن[1] ثابت قال: أخرج إلينا أنس بن مالك قَدَح خَشَبٍ غليظاً مُضَبَّبا بحديد فقال: يا ثابت! هذا قدح رسول الله ﷺ. حدثنا عبد الله بن عبد الرحمن، حدثنا عمرو بن عاصم، حدثنا حماد بن سلمة، حدثنا حُميدٌ وثابت، عن[2] أنس رضي الله عنه

باب۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پیالہ کا ذکر

فائدہ: پیالہ سے مراد جیسا کہ روایت سے معلوم ہوتا ہے وہ پیالہ ہے جس سے پانی تناول فرماتے تھے۔

(۱) ثابت کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ہم کو ایک لکڑی کا موٹا پیالہ جس میں لوہے کے پَترے لگ رہے تھے، نکال کر دکھلایا اور فرمایا کہ اے ثابت! یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیالہ ہے۔ **فائدہ:** کہتے ہیں کہ حضرت نضر بن انس رضی اللہ عنہ کی میراث سے یہ پیالہ آٹھ لاکھ درہم میں فروخت ہوا تھا اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بصرہ میں اس پیالہ سے پانی بھی پیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ اور پیالہ تھا۔

(۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پیالہ سے پینے کی سب انواع: پانی، نبیذ، شہد، دودھ سب چیزیں پلائی ہیں۔ **فائدہ:** نبیذ یہ کہلاتی ہے کہ کھجور کشمش وغیرہ پانی میں بھگو دی جائے اور جب اس کا اثر اچھی طرح آ جائے تو

قدح: القدح بفتحتين: ما يشرب منه، وقال ابن الأثير: هو إناء بين إنائين لا صغير ولا كبير، وربما وصف بأحدهما، جمعه أقداح. قال ابن القيم: كان للنبي ﷺ أقداح: واحد منها يسمى الربال، والآخر مغيثا، والآخر مضبّبا بسلسلة من فضة، قاله المناوي. قلت: لكن الآتي في الحديث مضبب بحديد، وسيأتي قريباً. الحسين: بن علي بن الأسود، منسوب إلى جده، وقد ينسب إلى أبيه، والمشهور الأول. مضبباً: بالنصب على أنه صفة قدح، والمضبب: المشدود بالضبات جمع ضبة: وهي حديدته العريضة التي يضبب بها، قال المناوي: الضبة ما يشعب به الإناء من حديد أو غيره. قال ميرك: وقد ثبت في الصحيح: أن قدح النبي ﷺ الذي كان عند أنس هو قدح جيد عريض، طوله أقصر من عرضه، وفي الصحيح أيضاً: أنه قد انصدع فسلسل بعضه ببعض بفضة، قاله القاري.

قال: لقد سَقيتُ رسول الله ﷺ بهذا القدح الشرابَ **كله**: الماءَ والنَّبيذَ والعَسَلَ واللّبنَ.

وہ پانی نبیذ کہلاتا ہے۔ مقوی اور مفرح ہوتا ہے۔ حضور کے لئے شب کو کھجوریں وغیرہ بھگو دی جاتی تھیں اور صبح کو حضور ﷺ نوش فرمالیتے اور کبھی دوسرے دن تک بھی جب تک کہ اُس میں سُکر (نشہ) کا اندیشہ نہ ہوتا تھا، کام میں لایا جاتا تھا۔

كله: أي: أنواعه كلها، وأبدل الأربعة المذكورة بدل بعض اهتماماً بشأنها؛ لكونها أفضل المشروبات، أو لكونها أشهر أنواعه.

بابُ ما جاء في صفة فَاكِهَة رسول الله ﷺ

حدثنا إسماعيل بن موسى **الفزاريّ**، حدثنا إبراهيم بن سعد، عن أبيه، **عن**(١) عبد الله بن جعفر قال: كان النبي ﷺ يأكل **القِثَّاء** بالرطب. **حدثنا** عبدة بن عبد الله الخُزَاعيّ البصريّ، حدثنا معاوية بن هشام، عن سفيان، عن هشام بن عروة، عن أبيه، **عن**(٢) عائشة رضي الله عنها أن النبي ﷺ كان يأكل **البِطِّيخ** بالرُّطب. **حدثنا** إبراهيم بن يعقوب، حدثنا وَهْب بن جَرِير، حدثنا أبي قال: سمعت حُميدا يقول -**أو قال: حدثني** حُميد- **قال وهب:** وكان

باب۔ حضور اقدس ﷺ کے پھلوں کا ذکر

فائدہ: یعنی حضور اقدس ﷺ نے کیا کیا پھل تناول فرمائے ہیں۔ اس باب میں پانچ حدیثیں ذکر کی گئی ہیں:

(۱) عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ککڑی کو کھجور کے ساتھ نوش فرماتے تھے۔

فائدہ: ککڑی چونکہ ٹھنڈی ہوتی ہے اور کھجور گرم، اس طرح سے دونوں کی اصلاح ہو کر اعتدال پیدا ہو جاتا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کھانے کی چیزوں میں اُن کے مزاج کی رعایت رکھنا مناسب ہے، نیز ککڑی پھیکی ہوتی ہے اور کھجور میٹھی جس کی وجہ سے ککڑی میں بھی مٹھاس آ جاتی ہے۔

(۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ تربوز کو تازہ کھجوروں کے ساتھ نوش فرماتے تھے۔

فائدہ: ترمذی وغیرہ کی روایت میں اس قصہ میں تصریح ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اس کی ٹھنڈک اُس کی گرمی کو اور اُس کی گرمی اِس کی ٹھنڈک کو زائل کر دے گی۔

الفزاريّ: بفتح الفاء والزاء المخففة، منسوب إلى بني فزارة، قبيلة من غطفان. القثاء: بكسر القاف ويضم وتشديد المثلثة ممدودا قاله القاري، وقال المناوي: الكسر أشهر من الضم، نوع من الخيار أخف منه. البطّيخ: قال القاري: اختلفوا في المراد منه، فقيل: هو الأصفر المعبر عنه في الرواية الآتية بالخربز، وقيل: هو الأخضر وهو الأظهر. أو قال حدثني: ظاهره إظهار الشك في لفظ الشيخ بأنه قال بلفظ "سمعت" أو بلفظ "حدثني" قال القاري: المقصود غاية الاحتياط في عبارة الرواية وإلا فمرتبة السماع والقول واحدة عند المحدثين في اصطلاحهم. قال وهب إلخ: قال القاري: معناه كان حميد صديقا لوهب أو بالعكس. والأوجه عندي أن يقال: قال وهب: وكان جرير صديقا لحميد كما هو الظاهر، ولا يصح ما خلط الشراح في هذا الكلام.

صديقا له، عن[۳] أنس بن مالك رضي الله عنه قال: رأيت النبي ﷺ يجمع بين **الخِربِزِ** والرُّطب.
حدثنا محمد بن يحي، حدثنا محمد بن عبد العزيز الرَّمليّ، حدثنا عبد الله بن يزيد بن الصَّلتِ، عن محمد بن إسحاق، عن يزيد بن رُومَان، عن عُروة،

---

(۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو خربوزہ اور کھجور اکٹھے کھاتے ہوئے دیکھا۔ **فائدہ:** بعض علماء نے اس جگہ بھی بجائے خربوزہ کے تربوز کا ترجمہ کیا ہے اور منشاء پہلی روایت کی بنا پر اس کا ٹھنڈا ہونا ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہاں خربوزہ متعارف ہی مراد ہے اور کھجور سے کھانے کی وجہ بظاہر اس کا پھیکا پن ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ایک ہی مصلحت سب جگہ جاری کی جائے، ممکن ہے کہ کسی جگہ کوئی اور مصلحت ہو، اس لئے بندۂ ناچیز کے نزدیک تربوز کو کھجور سے کھانے کا قصہ مستقل ہے اور اس کی مصلحت دونوں کے مزاج میں اعتدال پیدا کرنا ہے کہ تربوز ٹھنڈا ہوتا ہے، اور خربوزہ کو کھجور سے کھانے کا قصّہ مستقل ہے اور اس کی مصلحت خربوزہ کا پھیکا ہونا ہے کہ بسا اوقات اس کے پھیکے ہونے کی وجہ سے شکر ڈال کر اس کو کھایا جاتا ہے، اس لئے دونوں حدیثوں کو ایک پر محمول کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

صديقا له: وهو بالتخفيف بمعنى: الحبيب الصادق في المصافاة، وفي نسخة بكسر الصاد وتشديد الدال بمعنى كثير الصدق، لكن لا يلائمه إذا لفظ له إلا أن يقال: إن المعنى: كان حميد مصدقا لوهب قاله القاري. قلت: وفي مرجعي الضميرين نظر كما تقدم، والصواب: كان جرير مصدقا لحميد. **الخِرْبز:** قال القاري: بكسر الخاء المعجمة وسكون الراء وكسر الموحدة في آخرها زاء، هو البطيخ بالفارسية على ما في النهاية، والظاهر أنه معرب "الخربزة" وهي بفتح الخاء والباء في آخرها هاء، وهو الأصفر، فيحمل على نوع منه لم يتم نضجه، فإن فيه برودة يعدمها الرطب، فاندفع قول من زعم أنه الأخضر محتجا بأن الأصفر فيه حرارة على أن للأصفر بالنسبة للرطب برودة، وقال المناوي: المراد الأصفر، والقول: بأنه الأخضر لأن الأصفر فيه حرارة، ليس بمناسب، لأن القصد التعديل أو بأن الأصفر غير النضيج غير حار، والحار ماتناهى نضجه، وقال زين الحفاظ العراقي: المراد ههنا الأصفر لا الأخضر كما وهم؛ لأن الخربز اسم للأصفر بأرض الحجاز. وحكى شيخي الوالد عن شيخه مولانا الشيخ الگنگوهي في الكوكب الدري: أن المراد بالحرارة والبرودة حرارة الحس واللمس لا حرارة المزاج، وقال: ما أجاب بعضهم بأنه: كأنه نيا غير نضيج، فيأبى عنه أنه لا يؤكل عادة. قلت: وهذا كله على ماهو المشهور عند الأطباء أن طبع الخربز حار، و ما حكى صاحب المحيط الأعظم عن أبي علي بن سينا أن طبع الخربز بارد، فلا حاجة إلى الجواب، فإنه يصح حينئذٍ يكسر حر هذا ببرد هذا بلا تردد.

عنْ[٤] عائشة رضي الله عنها: أن النبي ﷺ أكل البِطِّيخ بالرُّطب. **حدثنا** قُتَيبة بن سعيد، عن مالك بن أنس ح وحدثنا إسحاق بن موسى، حدثنا معنٌ، حدثنا مالك ، عن سهيل بن أبي صالح، عن أبيه، عنْ[٥] أبي هريرة رضي الله عنه قال: كان الناس إذا رَأَوا أوّل الثّمر، جاؤا به **إلى النبي** ﷺ فإذا أخذه رسول الله ﷺ قال: اللهم بارك لنا في ثمارنا، وبارك لنا في مدينتنا،

---

(۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ تربوز کو تر کھجوروں کے ساتھ تناول فرماتے تھے۔

(۵) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ لوگ جب کسی نئے پھل کو دیکھتے تو اس کو حضور کی خدمت میں لا کر پیش کرتے تو حضور یہ دُعا پڑھتے: **اللّهم بارك لنا في ثمارنا، وبارك لنا في مدينتنا، وبارك لنا في صاعنا، وفي مدنا، اللّهم إن إبراهيم عبدك وخليلك ونبيك، وإني عبدك ونبيك، وإنه دعاك لمكة، وإني أدعوك للمدينة بمثل ما دعاك به لمكة ومثله معه۔**
اس کے بعد جس چھوٹے بچے کو دیکھتے اس کو مرحمت فرما دیتے۔ (ترجمۂ دعا)اے اللہ! ہمارے پھلوں میں برکت فرما اور ہمارے شہر میں برکت فرما اور ہماری اس چیز میں جو صاع اور مد سے ناپی جاتی ہو(یہ دو پیمانے ہیں۔ مدینہ منورہ میں کھجوریں وغیرہ سب چیزیں ان سے ناپ کر فروخت کی جاتی تھیں)ان میں برکت فرما۔ اے اللہ! واقعی حضرت ابراہیم تیرے بندے اور تیرے دوست اور تیرے نبی تھے اور بیشک میں بھی تیرا بندہ اور تیرا نبی ہوں (چونکہ موقع تواضع کا تھا اس لئے اپنے حبیب ہونے کا ذکر اس جگہ نہیں فرمایا)انھوں نے (جن چیزوں کی) دعا (اپنے آباد کردہ) شہر مکہ مکرمہ کے لئے کی ہے (جس کا بیان آیت ﴿فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ﴾ [إبراهيم: ۳۷] میں ہے کہ لوگوں کے قلوب مکہ کی طرف مائل فرما دے اور پھلوں کی روزی ان لوگوں کو میسّر فرما) وہی دعا اُس سے دو چند مقدار میں میں مدینہ منورہ کے لئے کرتا ہوں۔

إلى النبيّ: إيثاراً له بذلك على أنفسهم، وحباً له، وتعظيما لجنابه، وطلباً للبركة فيما جدد الله عليهم من نعمه ببركة وجوده، ويرونه أولى الناس بما سبق إليهم من رزق ربهم. وينبغي أن يكون خلفاؤه من العلماء والأولياء كذلك قاله القاري، وقال المناوي: فيه أن الباكورة يندب الإتيان بها لأكبر القوم علما وعملاً.

وبارك لنا في **صاعنا**، وفي مدنا، اللهم إن إبراهيم عبدك وخليلك ونبيك، وإني **عبدك** ونبيك، وإنّه دعاك لمكّة، وإني أدعوك للمدينة بمثل ما دعاك به لمكّة، **ومثله معه**. قال: ثم يدعو أصغر **وليدٍ** يراه فيعطيه ذلك الثّمر. **حدثنا** محمد بن حميد الرازي، حدثنا إبراهيم بن المختار، عن محمد بن إسحاق، عن أبي **عبيدة** بن محمد بن عمّار بن ياسر، **عن**(٦) **الرُّبَيِّع** بنت مُعَوِّذ بن عفراء قالت: بَعَثني مُعاذ (هو عمها) بقناعٍ من رُطب،

(۶) رُبیع رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ مجھے میرے چچا معاذ بن عفرا نے تازہ کھجوروں کا ایک طبق جن پر چھوٹی چھوٹی روئیں دار ککڑیاں بھی تھیں، لے کر حضور کی خدمت میں بھیجا۔ حضور اکرم ﷺ کو ککڑی مرغوب تھی۔ میں جس وقت ککڑیاں لے کر حاضر خدمت ہوئی ہوں حضور والا کے پاس بحرین کے کچھ زیورات آئے ہوئے رکھے تھے، حضور نے ان میں سے ایک ہاتھ بھر کر مجھے مرحمت فرمایا۔ فائدہ: ککڑی کھجور کے ساتھ علاوہ مذکورہ فوائد کے بدن کو فربہ بھی کرتی ہے۔

صاعنا: المراد به الطعام الذي يكال بالصيعان والأمداد، فيكون دعاء لهم بالبركة في أقواتهم في عموم أوقاتهم قاله القاري، وقال المناوي: في صاعنا ومدنا بحيث يكفي المكيال فيها من لا يكفيهم أضعافه في غيرها، ثم قالا: ويحتمل أن تكون البركة المذكورة في الحديث دينية، وهي ما يتعلق بهذه المقادير من حقوق الله تعالى في الزكوة والكفارات.

عبدك: توسّل بعبوديته ونبوّته، وقدم الأولى؛ لأنه لا شرف أعلى منه، ولم يقل: خليلك وإن كان خليلا كما ورد في عدة الأخبار، بل خص بمقام المحبّة الأرفع من مقام الخلة؛ لأنه في مقام التواضع؛ إذ هو اللائق بمقام الدعاء، وأدباً مع أبيه الخليل، كذا في المناوي بتغير. ومثله معه: يعني أدعوك ضعفي ما دعاك خليلك إبراهيم عليه الصلوة والسلام، ولا حجة في الحديث على المسئلة الخلافية في تحريم المدينة كما ترى.

وليد: في رواية: أصغر من يحضر، وفي أخرى: فيدعو أصغر وليد له. فحمل بعضهم الروايتين المتقدمتين على هذه الرواية، ومنهم من أول قوله "له" أي: للمؤمنين، وليس المراد من أهل بيته. والظاهر عندي في الجمع بينها أن ذلك بحسب ما اتفق له من حضور صغير أو دعاء أحد من أهل قرابته. ووجه ترجيح الصغير للباكورة شدة حرصهم وكثرة تطلبهم. عبيدة: بزيادة التاء في آخره، فما في بعض النسخ من حذفه تحريف. الرُّبيع: بضم الراء وفتح الموحدة بتشديد التحتانية المكسورة، بنت معوذ بتشديد الواو وفتحها على الأشهر، وجزم الوقشي أنه بالكسر.

وعليه **أجر** من قثاءٍ **زُغْبٍ** - وكان النبي ﷺ يحب القِثّاء - فأتيتُه به، وعنده حِليةٌ قد قدِمَتْ عليه من **البحرين**، فملأ يده منها فأعطانيه. **حدثنا** علي بن حجر، أخبرنا شريك، عن عبد الله بن محمد بن عَقيل، **عن** (٧) الرُّبيع بنت مُعَوّذ قالت: أتيتُ النبي ﷺ بقِناعٍ من رُطب وأجرٍ زُغْبٍ، فأعطاني مِلْءَ كفه حُلِيّاً، أو قالت: ذهباً.

أي: إحدى يديه

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میری رخصتی کے وقت میری والدہ کو خیال ہوا کہ اس کا بدن کچھ فربہ ہو جائے تاکہ اُٹھان کچھ اچھا ہو جائے تو مجھے ککڑی تازہ کھجور کے ساتھ کھلائی، جس سے میرے بدن میں اچھی فربہی آگئی۔ ایک ضعیف حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی نقل کیا گیا کہ حضور اقدس ﷺ ککڑیاں نمک سے نوش فرمایا کرتے تھے۔ اس میں کوئی مانع نہیں کہ کبھی نمک سے تناول فرماتے ہوں کبھی کھجور کے ساتھ کہ رغبت کسی وقت میٹھے کی ہوتی ہے کسی وقت نمکین کی۔

(۷) رُبیع ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں ایک طبق کھجوروں اور چھوٹی چھوٹی روئیں دار ککڑیوں کا لے کر گئی، تو حضور نے مجھ کو ایک ہاتھ بھر کر سونا یا زیور مرحمت فرمایا۔ **فائدہ:** یہ وہی پہلا قصہ ہے، اس حدیث میں مختصر کر دیا۔ سونے اور زیور میں کسی راوی کو شک ہوا۔

أجر: بفتح الهمزة وسكون الجيم وراء منون مكسور جمع جرو بكسر الجيم، وهو: الصغير من كل شيء حتى الحنظل والبطيخ، والمراد هناك القثاء كما هو مبين بـــ"من" البيانية في هذه الرواية. قاله القاري. زُغب: بضم الزاء وسكون الغين المعجمة، جمع أزغب من الزغب بالفتح: هو صغار الريش أول ما طلع، شبه به ما على القثاء من الزغب. البحرين: أي من خراج البحرين، وهو على لفظ التثنيه موضع بين البصرة وعمّان.

بابُ ما جاء في صفة شراب رسول الله ﷺ

حدثنا ابن أبي عمر، حدثنا سفيان، عن معمر، عن الزهريّ، عن عروة، عن[1] عائشة رضي الله عنها قالت: كان أحب الشّراب إلى رسول الله ﷺ الحُلو البارد. حدثنا أحمد بن منيع، حدثنا إسماعيل بن إبراهيم، أخبرنا عليّ بن زيد، عن عمر - هو ابن أبي حرملة - عن[2] ابن عباس رضي الله عنه قال: دخلت مع رسول الله ﷺ أنا وخالد بن الوليد على ميمونة، فجاءتنا بإناء من لبن، فشربَ رسول الله ﷺ،

(بن عيينة — هو الماء العذب — ابن جدعان)

باب۔ حضور اقدس ﷺ کے پینے کی چیزوں کے احوال

فائدہ: اس باب میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے دو حدیثیں ذکر کی ہیں:

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کو پینے کی سب چیزوں میں میٹھی اور ٹھنڈی چیز مرغوب تھی۔

فائدہ: بظاہر تو اس حدیث سے ٹھنڈا اور میٹھا پانی مراد ہے۔ چنانچہ ابو داؤد وغیرہ کی روایت میں بالتصریح وارد ہے اور یہ بھی محتمل ہے کہ اس سے شہد کا شربت یا کھجوروں کی نبیذ مراد ہو جیسا کہ پیالہ کے باب میں گزر چکا۔ حضور اقدس ﷺ کے دربار میں کھانے کا اہتمام کچھ ایسا نہ تھا، جو حاضر ہوتا وہی تناول فرما لیتے لیکن میٹھے اور ٹھنڈے پانی کا خاص اہتمام تھا۔ سقیا جو مدینہ طیبہ سے کئی میل پر ہے وہاں سے میٹھا پانی حضور کے لئے لایا جاتا تھا۔ حضور اقدس ﷺ نے حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا کے الفاظ میں یہ بھی نقل فرمایا کہ اے اللہ! اپنی ایسی محبت مجھے عطا فرما جو میرے لئے اپنی جان و مال اور اہل و عیال سے اور ٹھنڈے پانی کی محبت سے بھی زیادہ ہو۔

(۲) ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اور خالد بن الولید دونوں حضور اقدس ﷺ کے ساتھ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر گئے (ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا ان دونوں حضرات کی خالہ تھیں) وہ ایک برتن میں دودھ لے کر آئیں۔ حضور ﷺ نے اس میں سے تناول فرمایا۔ میں دائیں جانب تھا اور خالد بن ولید بائیں جانب۔ مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اب

أبي عمر: بضم العين وفتح الميم، هو محمد بن يحيى بن أبي عمر العدني أبوعبد الله الحافظ، قد ينسب إلى جده.

وأنا على يمينه وخالد عن شماله، فقال لي: **الشَّربة لك**، فإن شئتَ **آثرت بها خالدا**، فقلت: ما كنت لأُوثر على سؤرك أحدا، ثم قال رسول الله ﷺ: من أطعمه الله طعاماً فليقل: اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيهِ وَأَطْعِمْنَا خَيْرًا مِنْهُ، ومن سقاه الله لبناً فليقل: اللّهم بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَزِدْنَا مِنْهُ،

مراعاة للكبير

پینے کا حق تیرا ہے (کہ تو دائیں جانب ہے) اگر تو اپنی خوشی سے چاہے تو خالد کو ترجیح دے دے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کے جھوٹے پر میں کسی کو بھی ترجیح نہیں دے سکتا۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ جب کسی شخص کو حق تعالیٰ شانہ کوئی چیز کھلائیں تو یہ دعا پڑھنی چاہئے: **اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَأَطْعِمْنَا خَيْراً مِّنْهُ** (اے اللہ! تو اس میں برکت عطا فرما اور

الشربة لك: لأنك صاحب اليمين، ومن على اليمين أقدم لمجاورته ملك اليمين الحاكم على ملك الشمال، ولذا ورد: الأيمن فالأيمن، رواه مالك وأحمد وأصحاب الستة عن أنس. قال العراقي: وهل تقديم الأيمن في الشرب خاصة أو يعم كل مطعوم كفاكهة ولحم؟ نقل عن مالك: التخصيص، وأنكره بعضهم قاله المناوي، وقال أيضاً فيه: إن السنة البداءة في الشرب ونحوه بمن عن يمين الكبير ولو صغيراً مفضولاً بالنسبة لمن على يساره، وهذا اتفاق لكنه على الاستحباب عند الجمهور، وذهب ابن حزم إلى وجوبه فقال: لا يجوز مناولة غير الأيمن إلا بإذنه، فإن قيل: يعارض هذا الحديث ما رواه أبو يعلى بإسناد صحيح: كان رسول الله ﷺ إذا سقى قال: ابدؤا بالأكبر أو قال بالأكابر، قلنا: ذلك محمول على ما إذا لم يكن عن يمينه أحد، بل كانوا أمامه أو وراءه. قلت: وقال الحافظ في الفتح لحديث أبي يعلى: إسناده قوي، وجمع بينهما بوجوه.

آثرت بها خالداً: لكونه أشرف منك مراعاةً للأكبر، وفي نسبة المشية إليه تطييب لخاطره، وتنبيه نبيه على أن الإيثار أولى له. ثم الحديث مستدل الحنفية في جواز الإيثار بالقرب، وقالت الشافعية: الإيثار بالقرب مكروه؛ لما فيه من الإعراض بالقربة، وقيد الشامي جوازه بما إذا عارض تلك القربة ما هو أفضل منها، كاحترام أهل العلم والأشياخ، كما في هذا الحديث. ويتفرع على هذا الخلاف مسائل: منها ما لو سبق أحد إلى الصف الأول فدخل رجل أكبر منه سنا أو أهل علم ينبغي له أن يتأخر ويقدمه تعظيما له، ثم لا يشكل على الحديث بأنه عليه السلام استأذن ابن عباس فيه و لم يستأذن الأعرابي كما جاء في المتفق عليه من حديث أنس أن عمر رضي الله عنه قال: أعطه أبا بكر يا رسول الله! فأعطى الأعرابي، ثم قال: الأيمن فالأيمن؛ لأن بين القصتين من الخصائص التي لا تخفى.

لنا: أي: معشر المسلمين أو جماعة الآكلين، والظاهر أن يأتي بهذا اللفظ وإن كان وحده؛ رعاية للفظ الوارد وملاحظة لعموم الإخوان فإنه ورد: لا يؤمن أحدكم حتى يحب لأخيه ما يحب لنفسه.

ثم قال: قال رسول الله ﷺ: ليس شيء يُجزئ مكان الطعام والشراب غير اللّبن. **قال أبو عيسى:** هكذا روى سفيان بن عيينة هذا الحديث عن معمر، عن الزهريّ، عن عروة، عن عائشة ﵂ (وهو الحديث الأول)، ورواه عبد الله بن المبارك وعبد الرزاق وغير واحد عن معمر، عن الزهريّ، عن النبي ﷺ مُرسلا، ولم يذكروا فيه: عن عروة، عن عائشة، وهكذا روى يونس وغير واحد عن الزهريّ، عن النبي ﷺ مرسلا. قال أبو عيسى: وإنما أسنده ابن عيينة من بين الناس. **قال أبو عيسى:** وميمونة بنت الحارث زوج النبي ﷺ هي خالة خالد بن الوليد،

اس سے بہتر چیز عطا فرما)اور جب کسی کو حق تعالیٰ شانہ دودھ عطا فرمائیں تو یہ دُعا پڑھنا چاہئے: **اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَزِدْنَا مِنْهُ** (اے اللہ! اس میں برکت عطا فرما اور زیادتی نصیب فرما)۔ ابن عباس ﵁ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ہر چیز کے بعد اُس سے بہتر کی دُعا اور دودھ کے بعد اس میں زیادتی کی دعا اس لئے تعلیم فرمائی کہ حضور نے ارشاد فرمایا ہے کہ دودھ کے علاوہ اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو کھانے اور پانی دونوں کا کام دیتی ہو۔

ثم قال: ثم قال ابن عباس: قال رسول الله: ليس شيء إلخ هذا بمنـزلة التعليل لما تقدم من دعائه عليه الصلوة والسلام في اللبن بالمزيد، وفي غير اللبن باستدعاء الخير منه. قال أبو عيسى: غرض المصنف بيان الكلام على الحديثين المتقدمين، وهذا ما يتعلق بالحديث الأول. وحاصله أن سفيان بن عيينة جعل هذا الحديث موصولا متصلاً، والصواب إرساله، فإن عبد الله بن المبارك وعبد الرزاق وغير واحد من تلامذة معمر جعلوه عن الزهري مرسلا، وكذلك يونس وغير واحد من تلامذة الزهري جعلوه أيضاً مرسلا، فالحق إرساله. وقال المصنف في جامعه بعد تخريج الحديث: هكذا رواه غير واحد عن ابن عيينة، والصحيح ماروى الزهرى عن النبي ﷺ مرسلًا، وهذا أصح من حديث ابن عيينة، انتهى ملتقطاً.

قال أبو عيسى: هذا بيان للحديث الثاني، بين أولا وجه دخولهما عليها بأنها كانت محرما لهما وذكر كونها خالة يزيد بن الأصم استطراداً لتمام الفائدة، ثم ذكر الكلام على هذا الحديث بقوله: واختلف الناس إلخ، وحاصله أن تلامذة علي بن زيد بن جدعان اختلفوا في بيان اسم شيخه فروى بعضهم عمر بن أبي حرملة بدون الواو، وروى بعضهم عمرو بن حرملة بذكر الواو، وحذف لفظ "أبي" وهو غلط بوجهين، والصواب عمر بن أبي حرملة بدون الواو وبذكر لفظ التكني، قال القاري: الصحة في الموضعين كما ذكره البيهقي: الأول عمر بلا واو، والثاني أبي علي الكنية. =

وخالة ابن عباس، وخالة يزيد بن الأصم ﷺ واختلف الناس في رواية هذا الحديث عن عليّ بن زيد بن جُدْعَان، فروى بعضهم عن عليّ بن زيد، عن عمر بن أبي حَرْمَلة، وروى شُعبة عن عليّ بن زيد فقال: عن عمرو بن حَرْملة، والصحيح: عن عمر بن أبي حَرْمَلة.

فائدہ: حضور ﷺ نے دودھ مرحمت فرمانے میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کا حق اس لئے فرمایا کہ وہ دائیں جانب تشریف فرما تھے اور خالد بائیں جانب اور پیالہ کا دَور جیسا کہ متعدد روایات میں آیا داہنی جانب چلنا چاہئے، اور خالد کی ترجیح کو اس لئے ارشاد فرمایا کہ وہ عمر میں بڑے تھے، نیز ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تعلیم مقصود تھی کہ حق اگرچہ ان کا ہے مگر خود ان کو چاہئے کہ بڑے کی ترجیح کی رعایت کریں، لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے لئے حضور کے جھوٹے کی اہمیت اور اس کا شغف غالب ہوا جو حضور کے ساتھ غایتِ عشق کا ثمرہ تھا۔

= قال المصنف في جامعه: وقد روى بعضهم هذا الحديث عن علي بن زيد فقال: عن عمر بن حرملة، وقال بعضهم: عمرو بن حرملة ولا يصح. أي: لا يصح أحد من القولين، بل الصواب عمر بن أبي حرملة.

بابُ ما جاء في صفة شرب رسول الله ﷺ

حدثنا أحمد بن منيع، حدثنا هشيم، أخبرنا عاصم الأحول ومغيرة، عن الشَّعبيّ، **عن**[1] ابن عباس رضي الله عنهما: أنّ النبي ﷺ شرب من زَمْزَم **وهو قائمٌ**. **حدثنا** قُتَيبة بن سعيد، حدثنا محمد بن جعفر،

باب۔ اُن احادیث کا ذکر جن میں حضور اقدس ﷺ کے پینے کا طرز وارد ہوا ہے

فائدہ: اس باب میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے دس حدیثیں ذکر فرمائی ہیں:

(۱) ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے زمزم کا پانی کھڑے ہونے کی حالت میں نوش فرمایا۔

فائدہ: حضور اقدس ﷺ سے کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت بھی آئی ہے، چنانچہ دوسری حدیث کے ذیل میں اس کا مفصّل ذکر آئے گا۔ اس بنا پر بعض علماء نے زمزم پینے کو بھی اُس ممانعت میں داخل فرما کر حضور ﷺ کے اس نوش فرمانے کو ازدحام کے عذر، یا بیانِ جواز پر حمل فرمایا ہے۔ لیکن علماء کا مشہور قول یہ ہے کہ زمزم اُس نہی میں داخل نہیں، اس کا کھڑے ہو کر پینا افضل ہے۔

شرب: بتثليث الشين مصدر بمعنى التشرب، وهو المراد ههنا لكن الكسر في معنى النصيب أشهر، وقد يأتي بمعنى المشروب أيضاً وليس بمراد هناك؛ لئلا يتكرر مع الترجمة السابقة. وهو قائم: الظاهر في حجة الوداع، وفي رواية الشيخين: قال: أتيت النبي ﷺ بدلو من ماء زمزم فشرب وهو قائم، وفي رواية ابن ماجة: قال عاصم: فذكرت ذلك لعكرمة فحلف أنه ما كان حينئذٍ إلا راكبا، وعند أبي داود من وجه آخر: عن عكرمة، عن ابن عباس أن النبي ﷺ طاف على بعيره، ثم أناخه فصلى ركعتين، فلعل شربه من زمزم، كان حينئذٍ قبل أن يعود إلى بعيره، ويخرج إلى الصفا، وهذا هو الذي يتعين المصير إليه؛ لأن عمدة عكرمة في ذلك إنما هو ما ثبت أنه ﷺ طاف على بعيره وسعى كذلك، لكن لابد من تخلل ركعتي الطواف بين ذلك، وقد ثبت أنه صلاهما على الأرض فما المانع من كونه ﷺ شرب من زمزم وهو قائم، كذا حققه القسطلاني، وهو جمع جيد لا غبار عليه، وما وقع في حديث جابر في سياق حج النبي ﷺ من أنه استقى بعد طواف الزيارة عند إتمام المناسك لا ينفي هذا التأويل، غاية مافيه يلزم منه كون الشرب من زمزم وقع في الحج مرتين، ولا بعد فيه. قاله القاري.

عن حُسين المعلم، عن[(۲)] عمـــرو بن شعيب، **عن أبيه**، **عن جدّه** قال: رأيت رسول الله ﷺ يشرَب **قائما** وقاعداً.

بن ذكوان

---

(۲) عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ دادا سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو کھڑے اور بیٹھے دونوں طرح پانی پیتے دیکھا۔ **فائدہ:** حضور ﷺ سے کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت میں بہت سی روایتیں وارد ہوئی ہیں۔ چنانچہ مسلم شریف میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت آئی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ کھڑے ہو کر کوئی شخص پانی نہ پیے، اگر بھول کر پی لے تو قے کر دے۔ علماء نے حضور کے اس فعل میں اور ممانعت میں چند وجوہ سے جمع کیا ہے: بعض علماء کی رائے ہے کہ ممانعت بعد میں وارد ہوئی اس لئے یہ ناسخ ہے، بعض علماء اس کا عکس فرماتے ہیں کہ کھڑے ہو کر پینے کی روایتیں ناسخ ہیں ممانعت کے لئے۔ لیکن مشہور قول یہ ہے کہ ممانعت حکم شرعی اور تحریمی نہیں بلکہ آداب کے طریقہ سے ہے، نیز شفقت اور رحمت کے باب سے بھی ہے اس لئے کہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے کھڑے ہو کر پانی پینے کی چند مضرتیں بتلائی ہیں۔ الغرض حضور ﷺ کا کھڑے ہو کر نوش فرمانا بیانِ جواز کے لئے ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ ممانعت کی وجہ سے کھڑے ہو کر پانی پینا حرام نہیں البتہ خلافِ اولیٰ اور مکروہ ہے۔

عن أبيه عن جده: اختلف النقاد كثيراً في هذا السند فقيل: لا يحتج به؛ لأن ضمير "جده" إن يرجع إلى "عمرو" فالمراد به محمد، وهو ليس بصحابي فالحديث مرسل، وإن أرجع إلى "شعيب" فالمراد به عبد الله بن عمرو بن العاص، وهو صحابي مكثر، لكن لقاء شعيب عن جده خفي، وقيل: هو صحيفة، ولذا قال أبو داود لما سئل عنه عمرو بن شعيب عندك حجة؟ قال: لا ولا نصف حجة، وقال علي بن المديني عن يحيى بن سعيد: حديثه عندنا واه، وقال الآخرون: هذا سند محتج به، وضمير "جده" إلى "شعيب" لا غير، وسماعه من عبد الله بن عمرو صحيح ثابت صرح بسماعه عنه في أماكن، ووقع في سنن أبي داود والنسائي: عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده عبد الله والسند لا مطعن فيه. قال البخاري: رأيت أحمد بن حنبل وعلي بن المديني وإسحاق وعامة أصحابنا يحتجون بحديث عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده، ما تركه أحد من المسلمين. قلت: وحقق الاحتجاج به القاري والحلبي من الحنفية.

قائما: قال المناوي: ولا خلاف أن الأكثر من فعله المستقر المعروف من أحواله الشرب قاعداً ففعل غيره لبيان الجواز، فليس تقديم القيام لكثرته كما وهم، بل لأنه أحق بالاهتمام لما فيه من الرد على المنكر، وأخرج النسائي من عائشة رضي الله عنها: رأيت رسول الله ﷺ يشرب قائما وقاعداً، ويصلي حافيا ومتنعّلا الحديث، قال العراقي: وإسناده جيد، قال القاري: وما قيل من أن النبي ﷺ منـــزه من فعل المكروه فكيف شرب قائما، فمردود؛ لأنه إذا كان لبيان الجواز فواجب عليه فكيف يكون مكروها.

حدثنا علي بن حجر، حدثنا ابن المبارك، عن عاصم الأحول، عن الشعبيّ، **عن**[٣] **ابن عباس** رضي الله عنهما قال: سقيت النبي ﷺ من زَمْزَمَ، فشرب وهو قائم. **حدثنا** أبو كريب محمد بن العَلاء **ومحمد بن طَرِيف** الكوفيّ قالا: أنبأنا **ابن الفضيل**، عن الأعمش، عن **عبد الملك بن ميسرة**، **عن**[٤] النّــزّال بن سَبْرة

بفتح فسكون

(۳) ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو زمزم کا پانی پلایا اور حضور نے کھڑے ہوئے نوش فرمایا۔

فائدہ: باب کی پہلی حدیث میں اس کا ذکر گزر چکا۔

(۴) نزال بن سبرۃ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس جب کہ وہ مسجدِ کوفہ کے میدان میں (جو اُن کا دار القضا تھا) تشریف فرما تھے، ایک کوزہ پانی لایا گیا۔ انھوں نے ایک چلو پانی لے کر کلّی کی اور ناک میں پانی ڈالا اور پھر اپنے منہ پر اور ہاتھوں پر، سر پر مسح کیا، پھر کھڑے ہو کر پانی پیا اور فرمایا کہ یہ اُس شخص کا وضو ہے جو پہلے سے باوضو ہو۔ ایسے ہی میں نے حضور اقدس ﷺ کو کرتے ہوئے دیکھا۔

فائدہ: یہ حدیث مختصر ہے مفصّل مشکوۃ شریف میں بروایتِ بخاری منقول ہے۔ اس حدیث میں یہ بھی احتمال ہے کہ منہ ہاتھ وغیرہ پر حقیقتاً مسح کیا ہو۔ اس صورت میں اس کو وضو کہنا مجاز ہے، لغوی معنی کے اعتبار سے اس کو وضو کہہ دیا، چنانچہ پاؤں کا ذکر اس میں ہے ہی نہیں، یہ قرینہ اسی احتمال کا ہے۔ دوسری توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس حدیث میں ہلکے سے دھونے کو مجازاً مسح سے تعبیر کر دیا، اور پاؤں کا ذکر اس قصہ میں بعض روایات میں آتا ہے۔

ابن عباس: قال القاري: وقد تقدم فالمراد بتعدد الإسناد قوة الاعتماد، وفي سياق هذا الحديث إشارة إلى تعدد شربه ﷺ، وإيماء إلى أن أحدهما كان بيد ابن عباس.

طريف: بفتح الطاء وكسر الراء المهملتين. ابن الفضيل: وفي نسخة: ابن الفضل قاله القاري، قلت: والمؤيد بكتب الرجال هو الأول، فإنه محمد بن فضيل بن غزوان. ميسرة: بفتح ميم وسكون ياء ففتحات. والنــزال: بفتح نون وتشديد زاء معجمة. وسبرة: بفتح سين مهملة وسكون موحدة فراء فتاء تأنيث.

قال: **أُتِيَ** عليٌّ رضي الله عنه بكُوْز من ماء - وهو في **الرَّحْبَة** - فأخذ منه كفًّا فغسل يديه، ومضمض، واسْتَنْشَق، **ومسح** وجهه وذراعيه ورأسه، ثم شرب منه وهو قائم، ثم قال: هذا وضوء من لم يُحدِث، هكذا رأيت رسول الله ﷺ **فَعَل. حدثنا** قتيبة بن سعيد ويوسف ابن حماد قـــالا: حدثنا عبد الوارث بن سعيد، **عن أبي عصام، عن**[(۵)] أنس بن مالك رضي الله عنه:

اس توجیہ کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ مسح کی جگہ بعض روایات میں منہ ہاتھ دھونے کا ذکر ہے اس صورت میں اس حدیث میں تجدیدِ وضو مراد ہے اور یہی توجیہ بندۂ ناچیز کے نزدیک اولیٰ ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پینا جائز ہے، کتبِ فقہ میں اس کے اور آبِ زم زم کے کھڑے ہو کر پینے کے جواز کی تصریح ہے، بلکہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے تو وضوء کا پانی کھڑے ہو کر پینے کو بعض بزرگوں سے شفاءِ امراض کے لئے علاج مجرب نقل کیا ہے، اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے شرح شمائل میں اس کا استحباب نقل کیا ہے۔

(۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ پانی پینے میں تین مرتبہ سانس لیا کرتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ اس طریقہ سے پینا زیادہ خوشگوار ہے اور خوب سیراب کرنے والا ہے۔ **فائدہ:** پانی ایک سانس میں پینے کی ممانعت بھی آئی ہے

أتي إلخ: ولفظ النسائي في سننه: قال: رأيت عليًا صلى الظهر ثم قعد لحوائج الناس فلما حضرت العصر أتي بتور من ماء. الحديث.
الرحبة: بفتح الراء والحاء المهملتين، المكان المتسع، قال في المغرب: أما في حديث علي فإنه دكان وسط مسجد الكوفة وكان علي يقعد فيه ويعظ. قلت: وقد تقدم من رواية النسائي ما يوافقه. **ومسح:** قال القاري: أي غسلها غسلا خفيفا، فالمراد الوضوء الشرعي، ويؤيده ما وقع في بعض الروايات الصحيحة: أنه غسلها، ويحتمل أنه لم يغسلها، فالمراد الوضوء العرفي، ويؤيده ترك ذكر الرجلين في الأصل فيحمل خلاف الروايتين على تعدّد الواقعة في الرحبة.
فعل: قال القاري: شربه قائما يحتمل أن يكون لبيان الجواز، وأن يكون للاستحباب بخصوص هذا الماء وهو مختار مشائخنا، ويؤيده عمل علي رضي الله عنه بعده ﷺ؛ لأنه لو كان فعله ﷺ لبيان الجواز لكان تركه أفضل. **أبي عصام:** بكسر أوله، وفي نسخة: أبي عاصم وهو ضعيف قاله القاري. قلت: اختلف الرواة في ذكر هذا الراوي فذكره الجمهور بلفظ: أبي عصام، وقال بعضهم: أبو عاصم، وبسط الكلام عليه الحافظ في تهذيـــبه في ترجمة أبي عصام، فما قيل: لم توجد ترجمته، ليس بوجيه.

أن النبي ﷺ كان يتنفَّسُ **في الإناء** ثلاثا إذا شرب، ويقول: هو **أَمْـرءُ** وأرْوى.

حدثنا عليّ بن **خَشْرمٍ**، أخبرنا عيسى بن يونس، عن رِشْدِين بن كُرَيب، عن أبيه،
بكسر فسكون معجمة كمسكين

عن[٦] ابن عباس ﷺ: أن النبي ﷺ كان إذا شرب تنفَّس **مرّتين. حدثنا** ابن أبي عمر، حدثنا سفيان، عن يزيد بن يزيد بن جابر، عن عبد الرحمن بن أبي عَمْرَة،
وافق اسمه اسم أبيه

علماء نے ایک دفعہ ہی پینے کی بہت سی مضرتیں بھی لکھی ہیں، بالخصوص ضعفِ اعصاب کا سبب بتایا ہے، نیز معدہ اور جگر کے لئے بھی مضرت کا سبب ہے۔

(٦) ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جب پانی نوش فرماتے تو دو دفعہ سانس لیتے تھے۔ **فائدہ:** اس حدیث میں یا تو پانی دو سانس میں پینا مراد ہے اور یہی بظاہر قریب ہے، اس لئے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی قولی حدیث میں ہے کہ پانی ایک دفعہ ہی نہ پیا کرو بلکہ دو یا تین سانس میں پیا کرو۔ اس صورت میں یہ حدیث بعض اوقات پر محمول ہے کہ حضور اقدس ﷺ بعض اوقات اقل درجہ کے بیان فرمانے کے لئے دو سانس میں بھی پیتے تھے۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حدیث میں پانی کے درمیان میں دو مرتبہ سانس لینا مراد ہے اور جب پانی کے درمیان میں دو مرتبہ سانس لیا تو تمام پانی تین سانس میں ہوگیا۔ اس صورت میں اور روایات سے کچھ تعارض ہی نہیں رہا۔

في الإناء: في الصحيحين: عن أبي قتادة أنه ﷺ نهى أن يتنفس في الإناء، فالمعنى أنه كان يشرب ثلاث مرات، وفي كل ذلك يبين الإناء عن فيه فيتنفس ثم يعود، والمنهي عنه هو التنفس في الإناء بدون الإبانة، ويدل عليه قوله: "هو أهنأ" وقال القرطبي: أما زعم بعضهم إجراء الحديث على ظاهره، وإنه فعله لبيان الجواز ولكونه لا يستقذر منه فغير صحيح؛ بدليل بقية الحديث وهو قوله: "أمرأ". أمرء: بالهمز أفعل من مرة الطعام مثلثة الراء إذا وافق المعدة، قال المناوي: مرأ الطعام أو الشراب في جسده إذا لم يثقل على المعدة، وانحدر عنها طيبا بلذة ونفع، ومنه قوله تعالى: ﴿فَكُلُوهُ هَنِيئاً مَرِيئاً﴾ [النساء: ٤] وقال القاري: أمرأ: أسوغ وأهضم، وقوله: أروى أي أكثر ربا لأنه أقمع للعطش.

خشرم: بفتح خاء وسكون شين معجمتين يصرف ولا يصرف. مرّتين: قال المناوي: هذا الحديث وإن كان ضعيفا، لكن له شواهد عند المصنف في جامعه وغيره، وأحاديث الثلاثة أقوى وأصح، وقال الشارح: لا ينافي ما سبق؛ لأنه في بعض الأحيان لبيان الجواز، أو أراد التنفس أثناء الشرب وأسقط الثالثة؛ لأنها بعد الشرب.

عن[۷] جدته **كَبشة** قالت: دخل عليّ رسول الله ﷺ فشرب من في قِربَةٍ معلّقةٍ قائماً، فقمت إلى فيها فقطعته. **حدثنا** محمد بن بشّار، حدثنا عبد الرحمن بن مهديّ، حدثنا **عزْرَة** بن ثابت الأنصاريّ،

---

(۷) کبشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ میرے گھر تشریف لائے وہاں ایک مشکیزہ لٹک رہا تھا، حضور ﷺ نے کھڑے ہوئے اس مشکیزہ کے منہ سے پانی نوش فرمایا، میں نے اُٹھ کر مشکیزہ کے منہ کو کتر لیا۔

فائدہ: امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ سے اس کترنے کی دو وجہ نقل کی ہیں: ایک تو تبرکاً کہ اس حصہ کو جس پر نبی کریم ﷺ کا دہن مبارک لگا تھا تبرک کے طور پر اپنے پاس رکھنے کے لئے کتر لیا۔ دوسرے یہ کہ جس جگہ کو حضور اقدس ﷺ کا دہن مبارک لگا ہے دوسرا کوئی اس کو استعمال نہ کرے، یعنی مقصود یہ کہ ادباً اُس جگہ کو کتر لیا کہ کسی دوسرے کا منہ اُس جگہ لگنا بے ادبی تھی۔ اس حدیث میں دو گفتگو ہیں: ایک کھڑے ہو کر پانی پینے کی، وہ پہلے گزر چکی۔ دوسری یہ کہ بخاری شریف وغیرہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مشک کے منہ سے پانی پینے کی ممانعت وارد ہوئی ہے اس لئے اس حدیث کو بیانِ جواز پر حمل کریں گے یا اُس ممانعت کی روایت کو خلافِ اولیٰ پر حمل کریں گے، نیز حضور ﷺ کے اِس پینے کو اُس نہی کی وجہ سے ضرورت پر بھی حمل کیا جاسکتا ہے۔ ایک حدیث میں ایک قصہ آیا ہے کہ ایک شخص مشکیزہ کو منہ لگا کر پانی پی رہے تھے کہ اس میں سے ایک سانپ نکل آیا، اس پر حضور اقدس ﷺ نے اس طرح پانی پینے کی ممانعت فرمادی۔ اس حدیث کی بنا پر اس طرح پانی پینے کے واقعات بظاہر ابتدائی ہیں۔ ایک خصوصی بات اور بھی ہے کہ اس طرح پانی پینے میں منجملہ دوسرے وجوہ کے ایک وجہ ممانعت یہ بھی ہے کہ ہر شخص کا منہ ایسا نہیں ہوتا جس کے گھڑے یا مشک وغیرہ کے لگنے سے دوسروں کو گھن نہ آئے، لیکن بعض منہ ایسے ضرور ہوتے ہیں جن کا لعاب بیماروں کو شفا اور دُنیا کی ہر چیز سے زیادہ لذیذ اور ہر فرحت کی چیز سے زیادہ سرور پیدا کرنے والا ہوتا ہے۔

عناب لب لعاب دہن شربت وصال نسخہ چاہئے ترے بیمار کے لئے

اس لئے حضور اقدس محبوبِ دو عالم کے مشکیزے سے پینے کو دوسروں کے پینے پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

كبشة: بنت ثابت بن المنذر الأنصارية أخت حسان قاله القاري والبيجوري، وجزم المناوي بأنها بنت كعب بن مالك الأنصاري، وجعل الحافظ في تهذيبه هذه الرواية لكبشة بنت ثابت، ورواية أبي قتادة في الوضوء من سور الهرة لكبشة بنت كعب بن مالك الأنصارية زوجة ابنه عبد الله بن أبي قتادة. عزرة: بمهملة مفتوحة فزاي ساكنة فراء مفتوحة بعدها هاء، وثمامة بضم المثلثة.

عن[۸] ثُمَامة بن عبد الله قال: كان أنس بن مالك ﷺ يَتنفّس في الإناء ثلاثًا، وزعم أنس أن النبي ﷺ كان يتنفّس في الإناء **ثلاثا**. **حدثنا** عبد الله بن عبد الرحمن، أخبرنا أبو عاصم، عن ابن جُريج، عن عبد الكريم، عن البراء بن زيد -**ابن** ابنة أنس بن مالك- **عن**[۹] أنس بن مالك ﷺ أن النبي ﷺ دخل على أُمّ سُليم وقِرْبة مُعلّقة، فشرب من فم القِربة وهو قائم، فقامت أمّ **سُلَيم** إلى رأس القِربة **فقطعَتْها**. **حدثنا** أحمد بن نصر النيسابوريّ، حدثنا إسحاق بن محمد **الفرويّ**،

---

(۸) ثمامہ کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ پانی تین سانس میں پیتے تھے اور کہتے تھے کہ حضور اقدس ﷺ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

(۹) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ میری والدہ ام سُلیم کے گھر تشریف لے گئے، وہاں ایک مشکیزہ لٹکا ہوا تھا۔ حضور نے کھڑے ہی ہوئے اس میں سے پانی نوش فرمایا۔ ام سُلیم کھڑی ہوئیں اور اس مشکیزہ کے منہ کو کتر کر رکھ لیا۔ **فائدہ**: حضرت کبشہ کی حدیث بھی اسی نوع کی ابھی گزر چکی ہے۔ لٹکے ہوئے مشکیزہ سے بیٹھ کر پانی پینا ویسے بھی مشکل ہے، اس لئے ضرورت کے درجہ میں بھی یہ واقعات داخل ہیں۔ ام سُلیم رضی اللہ عنہا کے قصہ میں بعض حدیثوں میں اس کی تصریح ہے کہ انھوں نے مشکیزہ کترتے ہوئے یہ کہا کہ حضور کے بعد اب کوئی اس کو منہ لگا کر نہیں پی سکتا، جس سے معلوم ہوا کہ انھوں نے ادباً کتر لیا۔

ثلاثا: قال المناوي: وهذا الحديث رواه الطبراني أيضاً بزيادة، فقال: كان يتنفس في الإناء ثلاثة أنفاس يسمي عند كل نفس، ويشكر عند آخرهن. ابن: بالألف مجرور على البدلية من "ابن زيد"، أو صفة ثان مضافا إلى "ابنة أنس"، فبين أن أباه زيد وأمه بنت أنس، فلابد من تحرير حرف الألف على لفظ ابن. أم سليم: [والدة أنس بن مالك]. **فقطعتها**: التأنيث باعتبار المضاف إليه أو لكونها قطعة، وفي نسخة: فقطعته، وهي القياس. والحديث أخرجه ابن حبان في "كتاب أخلاق النبي ﷺ" وزاد فيه: وقالت: لا يشرب منها أحد بعد شرب النبي ﷺ. **الفرويّ**: بفتح فاء وسكون راء، منسوب إلى جده أبي فروة كذا، قاله القاري والبيجوري، فما في المناوي نسبة لأبي قروة جده بفتح القاف وسكون الراء ، وهم من الناسخ فإنه بالفاء وهو إسحاق بن محمد بن إسماعيل بن عبد الله بن أبي فروة الفروي المدني الأموي كما في تهذيب الحافظ.

حدثتنا **عبيدة** بنت **نائل**، عن عائشة بنْت سعد بن أبي وقاص، **عن**(١٠) أبيها: أن النبي ﷺ كان يشرب قائما. **وقال أبو عيسى**: وقال بعضهم: عبيدة بنت نابل.

(١٠) سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کھڑے ہوئے پانی نوش فرما لیتے تھے۔ **فائدہ**: یہ عادت شریفہ نہیں بلکہ گاہے گاہے کسی ضرورت سے ایسا کرتے تھے۔ چنانچہ پہلے مفصل گزر چکا ہے۔

عبيدة: قال المناوي بالتصغير عند الجمهور، وبالتصغير ضبطها القاري. نائل: هكذا بالهمزة ههنا في النسخ الموجودة وكذا ضبطه القاري، وقال الحافظ في تقريبه وتهذيبه: عبيدة بنت نابل، ولم يضبط بشيء. قال أبو عيسى: الظاهر في غرضه أنه وقع الاختلاف في نسب عبيدة، فقيل: بنت نائل بالهمزة قبل اللام، وقيل: نابل بالموحدة بدل الهمزة، وجزم المناوي أنها بالباء الموحدة، وصححه الأمير أبو نصر بن ماكولا. قلت: واختلفوا في ضبط عبيدة أيضاً، فالجمهور على أنه عبيدة بالتصغير وصححه ابن ماكولا، وقال بعضهم: عبيدة بفتح العين وكسر الموحدة، قال القاري: هو خلاف تصحيح ابن ماكولا، وظاهر كلام المناوي أن المصنف أراد الإشارة إلى هذا الاختلاف أيضاً؛ لأنه جعل عبيدة في السند المذكور مصغراً وهناك ضبطه بفتح أوله، فقال: قال بعضهم مخالفا لما مر من أن عبيدة مصغراً عبيدة بفتح أوله بنت نابل بباء موحدة بعد الألف، وقال زين الحفاظ العراقي: المشهور أنها عبيدة مصغرة، ونابل أوله نون وبعد الألف موحدة. والحديث إسناده حسن.

بابُ ما جاء في تعطّر رسول الله ﷺ

حدثنا محمد بن رافع، وغير واحد قالوا: أخبرنا أبو أحمد الزبيريّ، حدثنا شيبان، عن عبد الله بن المُختار، عن موسى بن أنس بن مالك،

مصغراً — بن فراخ

باب۔ حضور اقدس ﷺ کے خوشبو لگانے کا ذکر

فائدہ: حضور اقدس ﷺ کے بدن شریف سے خود خوشبو مہکتی تھی، گو حضور خوشبو کا استعمال نہ فرمائیں، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں نے کوئی خوشبو (عنبر نہ مشک نہ کوئی اور خوشبو) حضور اکرم ﷺ کی خوشبو سے زیادہ عمدہ نہیں سونگھی۔ ایسے ہی اور بہت سی روایات اس مضمون پر دال ہیں۔ حضور ﷺ کا پسینہ خوشبو کے بجائے استعمال کرنے کے بارے میں متعدّد واقعات حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں، چنانچہ امّ سُلیم کی روایت مسلم شریف وغیرہ میں وارد ہوئی ہے، کہ ایک مرتبہ سونے کی حالت میں نبی اکرم ﷺ کے جسدِ اطہر سے پسینہ نکل رہا تھا، انھوں نے اس کو ایک شیشی میں جمع کرنا شروع کر دیا، حضور کی آنکھ کھل گئی۔ حضور نے دریافت فرمایا: یہ کیا کر رہی ہو؟ کہنے لگیں کہ اس کو ہم اپنی خوشبو میں ملائیں گے، یہ سب سے زیادہ معطّر ہے۔ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے اپنے دستِ مبارک پر دم فرما کر حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کی کمر اور پیٹ پر ہاتھ پھیرا جس سے اس قدر خوشبو ہوگئی تھی کہ ان کے چار بیبیاں تھیں، ہر ایک بیحد خوشبو لگاتی کہ ان کے برابر خوشبو ہو جائے مگر ان کی خوشبو غالب رہتی۔

نکہتِ گل راچہ کنم اے نسیم — بوئے آں پیرہنم آرزو است

تعطر: [كان رسول الله ﷺ طيّب الرائحة وإن لم يمس طيبا، كما جاء في الأخبار الصحيحة، لكنه كان يستعمل الطيب زيادة في طيب الرائحة. يتأكد الطيب للرجال في نحو يوم الجمعة، والعيدين، وعند الإحرام، وحضور الجماعة، والمحافل، وقراءة القرآن، والعلم، والذكر] هو استعمال العطر، وهو بالكسر الطيب، ورجل معطر أي: كثير التعطر.

محمد بن رافع: حكى المناوي: بعث إليه أبو طاهر بخمسة آلاف فردها إليه مع فقره، زاد القاري: بعث إليه بعد العصر بخمسة آلاف درهم وهو يأكل الخبز مع الفجل فلم يقبل، وقال: بلغت الشمس رؤوس الحيطان أي: قربت أن تغرب.

عن[1] أبيه قال: كان لرسول الله ﷺ **سُكّة** يتطيّب منها. **حدثنا** محمد بن بشّار، حدثنا عبد الرحمن بن مَهديّ، حدثنا عَزْرة بن ثابت، **عن**[2] ثُمَامة بن عبد الله قال: كان أنس بن مالك لا يرُدُّ الطِّيب، وقال أنس: إن النبي ﷺ كان **لا يردّ** الطِّيب.

ابو یعلی وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ جس کوچہ سے حضور اکرم ﷺ گزرتے تھے، بعد کے گزرنے والے اس کوچہ کو خوشبو سے مہکتا ہوا پا کر سمجھ لیتے تھے کہ حضور کا ابھی اس راہ سے گزر ہوا ہے وغیرہ وغیرہ۔ روایاتِ کثیرہ اس مضمون پر دال ہیں لیکن باوجود اس کے بھی حضور اقدس ﷺ خوشبو کا استعمال اکثر فرماتے تھے۔

اس باب میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے چھ حدیثیں ذکر کی ہیں:

(۱) انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے پاس سُکّہ تھا، اس میں سے خوشبو استعمال فرماتے تھے۔ **فائدہ**: سُکّہ کے معنی میں علماء کے دو قول ہیں: بعض تو اس کا ترجمہ عطر دان اور اس ڈبہ کا بتلاتے ہیں جس میں خوشبو رکھی جاتی تھی۔ تب تو یہ معنی کہ اس عطر دان میں سے نکال کر استعمال فرماتے تھے۔ میرے استاذ رحمۃ اللہ علیہ نے یہی ترجمہ ارشاد فرمایا تھا۔ اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ ایک مرکب خوشبو ہے، چنانچہ قاموس وغیرہ نے اسی کو ترجیح دی ہے اور صاحبِ قاموس نے اس کے بنانے کی ترکیب بھی مفصّل لکھی ہے۔

(۲) ثمامہ کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ خوشبو کو رد نہیں کرتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ حضور اقدس ﷺ بھی خوشبو کو رد نہ فرمایا کرتے تھے۔

سكة: [نوع من الطيب لونه أسود، ويرجح أنه وعاء يوضع فيه الطيب] بضم سين مهملة وتشديد كاف، ضرب من الطيب، يتخذ من مسك وغيره، وقيل: عصارة الأملج، قال القاري: الظاهر أن المراد منه ظرف فيها طيب، قال ميرك: إن كان المراد بها نفس الطيب فالظاهر أن كلمة "من" للتبعيض ليشعر بأنه يستعمل بدفعات، بخلاف ما لو قال: بها، فإنه يوهم أن يستعملها بدفعة واحدة، وإن كان المراد بها الوعاء فـ "من" للابتداء، وقال صاحب القاموس: السك طيب يتخذ من الرامك، مدقوقا متخولا، معجونا بالماء، ويعرك شديداً، ويمسح بدهن الخيري؛ لئلا يلتصق بالإناء، ويترك ليلة، ثم يسحق المسك، ويلقمه ويعرك شديداً، ويقرص، ويترك يومين، ثم يثقب بمسلة، وينتظم في خيط ويترك سنة، وكلما عتق طابت رائحته.

لا يرد: وقد ورد النهي عن رده مقرونا ببيان الحكمة في حديث رواه أبوداود والنسائي وغيرهما عن أبي هريرة مرفوعاً: من عرض عليه طيب فلا يرده، فإنه خفيف المحمل طيب الرائحة، والمراد بالمحمل الحمل أي: ليس بثقيل.

حدثنا قُتيبَة بن سعيد، حدثنا ابن أبي فُدَيك، عن عبد الله بن [مسلم بن] جُنْدب، عن أبيه، عن[٣] ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: قال رسول الله ﷺ: ثلاث لا تُرَدّ: الوَسائد، والدهن، والطيبُ، واللّبن. حدثنا محمود بن غيلان، حدثنا أبوداود الحَفَريّ، عن سفيان، عن الجُريري، عن أبي نضرة، عن رجل– عن[٤] أبي هريرة رضی اللہ عنہ

سعيد بن إياس

(٣) ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں نہیں لوٹانی چاہئیں: تکیہ اور تیل، خوشبو اور دودھ۔
فائدہ: ان چیزوں کو اس لئے ذکر فرمایا کہ ہدیہ دینے والے پر بار نہیں ہوتا اور لوٹانے سے اس کو بعض اوقات رنج ہوتا ہے۔ انھیں چیزوں کے حکم میں وہ سب چیزیں داخل ہیں جو نہایت مختصر ہوں کہ جن سے ہدیہ دینے والے پر بار نہ ہو۔ تکیہ سے مراد بعض علماء نے ہدیہ کے طور پر تکیہ کا دینا بتایا ہے کہ اس میں بھی کچھ ایسا بار نہیں ہے اور بعض علماء نے ویسے ہی استعمال کے لئے کسی لیٹنے یا بیٹھنے والے کے پاس عارضی طور پر تکیہ رکھ دینا اور اس پر سر رکھنا یا ٹیک لگالینا مراد بتایا ہے۔
(٤) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ مردانہ خوشبو وہ ہے جس کی خوشبو پھیلتی ہوئی ہو اور رنگ غیر محسوس ہو (جیسے گلاب، کیوڑہ وغیرہ) اور زنانہ خوشبو وہ ہے جس کا رنگ غالب ہو اور خوشبو مغلوب (جیسے حنا،

أبي فدَيك: بالفاء والدال المهملة، اسمه محمد بن إسماعيل بن مسلم بن أبي فديك. ثلاث: [أي: ثلاث من الهدايا لا يردها المهدى إليه إلى المهدي] اختلف النسخ في تفصيل هذه الثلاثة، ففي بعضها: الوسائد والطيب واللبن، وفي بعضها: الوسائد والدهن والطيب، فيحتمل أنه ذكر أولاً الثلاث وزاد الرابع تفضلا، والأوجه أن يقال: إن لفظ "الطيب" على تسليم صحته وأمنه من تصرف النساخ تفسير لقوله: "والدهن" فإن الحديث أخرجه المصنف في جامعه بهذا السند والمتن وليس فيه لفظ "الطيب" بل فيها الوسائد والدهن واللبن، قال القاري: لعل المراد بالدهن هو الذي له طيب فعبر تارة عنه بالطيب وأخرى بالدهن. فتأمل. الوسائد: [جمع وسادة، وهي: ما تجعل تحت الرأس عند النوم، وسميت وسادة؛ لأنها يتوسد بها أي: يعتمد بها بالجلوس والنوم، وتسمى مِخَدّة أيضا.]
والدهن: [كل ما يدهن به من زيت أو غيره، لكن المراد هنا ما فيه طيب.] الحفرى: بحاء مهملة ثم فاء مفتوحتين، منسوب إلى حفر محلة بالكوفة، كان ينـــزلها، قاله القاري. قلت: وكان أبوداود هذا رجلا زاهدا ورعا. قال عثمان بن أبي شيبة: كنا عنده في غرفة وهو يملي، فلما فرغ قلت له: اترب الكتاب قال: لا الغرفة بالكراء. أبي نضرة: بفتح النون وسكون الضاد المعجمة، اسمه المنـــذر بن مالك. رجل: ذاك هو الطفاوي الآتي في الرواية الآتية، وفي نسخة هناك أيضاً الطفاوي، ولم يدر اسمه، فهو مجهول في كل حال. والحديث حسنه المؤلف في جامعه، فلعله لأنه تابعي، والراوي عنه ثقة فجهالته تغتفر من هذا الوجه قاله القاري.

قال: قال رسول الله ﷺ: طيب الرِّجال: **ما ظهر ريحُه** وخَفِي لونه، وطيب النساء: ما ظهر لونه **وخفي ريحه. حدثنا** عليّ بن حُجر، حدثنا إسماعيل بن إبراهيم، عن الجُريريّ، عن أبي نضرة، عن **الطُّفَاوِيّ**، عن أبي هريرة ﷺ، عن النبي ﷺ مثله بمعناه. **حدثنا** محمد بن خليفة وعمرو بن عليّ قالا: حدثنا يزيد بن زُرَيع، حدثنا حجّاج الصوّاف (بتشديد الواو)، عن **حَنَان، عن**[5] أبي عثمان **النَّهدِيّ**

زعفران وغیرہ)۔ **فائدہ:** مطلب یہ ہے کہ مردوں کو مردانہ خوشبو استعمال کرنا چاہئے کہ رنگ اُن کی شان کے مناسب نہیں ہے اور عورتوں کو زنانہ خوشبو استعمال کرنا چاہئے کہ دور اجنبیوں تک اس کی خوشبو نہ پہنچے۔

(۵) ابو عثمان نہدی تابعی کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو ریحان دیا جائے اس کو چاہئے کہ لوٹائے نہیں، اس لئے کہ (اس کی اصل) جنت سے نکلی ہے۔

فائدہ: ریحان سے خاص یہی قسم مراد ہے یا ہر خوشبو ریحان کہلاتی ہے، اہل لغت کے دونوں قول ہیں اور دونوں یہاں مراد ہو سکتے ہیں۔ حق تعالیٰ جَلّ شَأنُہٗ نے جنت کی خوشبوؤں کی نقل دُنیا میں اس لئے پیدا فرمائی ہے کہ یہ جنت کی طرف ترغیب کا سبب بنے اور زیادتی شوق کا ذریعہ ہو، کہ خوشبو کی طرف طبعًا رغبت پیدا ہوتی ہے اور طبیعت کو ادھر کشش ہوتی ہے،

ظهر ريحه: [كماء الورد والمسك والعنبر والكافور.] خفي ريحه: [كالزعفران والصندل، فإن مرورهن على الرجال مع ظهور رائحة الطيب منهي عنه.] الطفاوي: بضم الطاء المهملة، منسوب لطفاوة، حي من قيس غيلان، وهو المعبر بالرجل في الرواية المتقدمة لم يدر اسمه أيضاً فهو مجهول، قال الحافظ في تهذيبه: لم يسم.

حنان: بفتح الحاء المهملة وتخفيف النون الأولى، وفي نسخة بفتح أوله فموحدة فمخففة أي: حبان، وفي أخرى: حباب بموحدتين وكتب الرجال يؤيد الأول. قال الحافظ في تهذيبه: حنان الأسدي روى عن أبي عثمان عن النبي مرسلا في الريحان، وعنه حجاج بن أبي عثمان، قال الترمذي: لا يعرف له غير هذا الحديث.

النهدي: بفتح نون وسكون هاء، منسوب إلى بني نهد قبيلة من اليمن، واسمه عبد الرحمن بن مل بتثليث ميم ولام مشددة، مشهور بكنيته مخضرم من كبار الثانية، أسلم في عهد النبي ﷺ ولم يلقه، فالحديث مرسل كما صرح به السيوطي في الجامع الصغير، وقال: رواه أبو داود في مراسيله، والترمذي عن أبي عثمان مرسلا قاله القاري.

قال: قال رسول الله ﷺ: إذا أعطي أحَدُكم **الرَّيحان** فلا يردّه فإنّه **خرج من الجنة**. قال أبو عيسى: ولا نعرف لحنان غير هذا الحديث، وقال عبد الرحمن بن أبي حاتم في كتاب "الجرح والتعديل": حنان **الأسديّ** من بني أسد بن **شُرَيك**، وهو صاحب **الرّقيق**، **عمّ** والد مُسدَّدٍ، ورَوى عن أبي عثمان النّهديّ، وروى عنه الحجاج بن أبي عثمان الصَّوَّاف. **سمعت** أبي يقول ذلك. **حدثنا** عمر بن إسماعيل بن مُجالد بن سعيد الهمداني، حدثنا أبي، عن **بَيانٍ**، عن قيس بن أبي حازم، **عن**(٦) **جَرير** بن عبد الله قال: **عُرِضتُ** بين يدي عمر بن الخطاب،

(يعني أصل الطيب من الجنّة) (إسماعيل)

لیکن دُنیا کی خوشبوؤں کو جنت کی خوشبوؤں سے کیا نسبت! کہ ان کی مہک اتنی دور پہنچتی ہے کہ پانچ سو برس میں وہ راستہ طے ہو۔

(٦) جریر بن عبد اللہ بجلی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں (معائنہ کے لئے) پیش کیے گئے۔ انھوں نے چادر اُتار کر صرف

الريحان: هو كل نبت طيب الريح من أنواع المشموم على مافي النهاية. قال ميرك: وأهل المغرب يخصونه بالأس، والظاهر أنه هو المراد في الحديث الصحيح: "ومثل المنافق الذي يقرأ القرآن كمثل الريحانة، ريحها طيب وطعمها مر" وأهل العراق والشام يخصونه بالحبق، والحبق قيل: الفوذج، وقيل: ورق الخلاف، وقيل: الشاهبرم قاله القاري: وقال المناوي: الريحان نبت طيب الريح، أو كل نبت طيب الريح، كذا في القاموس واختار ابن الأثير الثاني.

خرج من الجنة: [يحتمل أن بذره خرج من الجنة، وليس المراد أنه خرجت عينه من الجنة، وإنما خلق الله الطيب في الدنيا، ليذكر به العباد طيب الجنة.] الأسديّ: بفتحتين وقد يسكن ثانيه، ويقال: في هذه النسبة الأسدي بالسين، والأزدي بالزاء، والكل صحيح؛ فإنه من بني أسد بن شريك من أولاد الأزد بن يغوث، ويقال للأسد: الأزد.

شريك: بضم الشين المعجمة وفتح الراء ابن مالك بن عمرو بن مالك بن فهم. الرقيق: بفتح الراء وكسر القاف، اشتهر بهذه الصفة، ولعله لكونه كان يبيع الرقيق قاله البيجوري. عمّ: يعني حنان عم مسرهد. سمعت: مقولة عبد الرحمن. بيانٍ: بفتح الموحدة وتخفيف التحتية، الظاهر هو بيان بن بشر الأحمسي البجلي أبو بشر الكوفي المعلم، وهو غير بيان بن بشر الطائي المجهول.

جَرير: [جرير بن عبد الله البجلي صحابيٌّ مشهور، أسلم في السنة التي فارق فيها أي: الدنيا النبي ﷺ، روى عنه خلق كثير.]

عرضت: [أي: عرضني من تولى عرض الجيش على الأمير ليعرفهم ويتأملهم، هل فيهم جلادة وقوة على القتال أولا؟.]

فألقى جرير رِدَاءه ومشى في إزار فقال له: خُذْ رِدائك، **فقال عمر** للقوم: ما رأيت رجلا أحسن صورة من جرير،

لنگی میں چل کر اپنا امتحان کرایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ چادر لے لو (معائنہ ہو چکا) پھر قوم کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ میں نے جریر سے زیادہ خوبصورت کبھی کسی کو نہیں دیکھا، سوائے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صورت کے جیسا کہ ہم تک پہنچا۔ **فائدہ:** یعنی حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے حُسن کے قصّے جو ہم تک پہنچے ہیں، اُن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ جریر سے زیادہ حسین ہونگے، ورنہ ان کے علاوہ اُن سے زیادہ حسین کوئی معلوم نہیں ہوتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جہاد کے موقعہ پر لشکر کا تفصیلی معائنہ فرمایا، ہر ایک کا امتحان لیا جن میں یہ بھی پیش ہوئے۔ اس حدیث میں چند اشکالات ہیں جو اختصاراً ترک کیے جاتے ہیں، منجملہ ان کے ایک اشکال یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حُسن کا استثناء کیا لیکن حضور اقدس ﷺ

فألقي: كان القياس: فألقيت ردائي ومشيت، فهذا التفات من التكلم إلى الغيبة، ويحتمل أن يكون من كلام قيس كمل به كلام جرير، أو نقله بالمعنى. والعرض هذا هو كعرض الجيش على الأمير ليعرفهم ويتأملهم حتى يرد من لا يرضيه. وكان جرير لا يثبت على الخيل حتى ضرب رسول الله ﷺ قبل وصاله بنحو أربعين يوماً صدره فعادله التثبت. وأشكل: بأنه لما تحقق تثبيته على الخيل بدعائه ﷺ لم يكن لامتحانه وجه، ورد: بأن العرض إنما كان بالمشي لا بالركوب.

فقال عمر: أي بعد ما خاطب جريراً، ومعنى ما رأيت إلخ أي: في ماعداه ﷺ فإنه كان كالمستثنى عقلا، قال المناوي: لما كان قد استقر في الأذهان أن صورة المصطفى ﷺ أجل من كل مخلوق حتى من صورة يوسف ﷺ أيضاً لم يبال عمر ﷺ بإفهام عبارته أن صورة جرير أحسن من صورته، ثم إنه لا يشكل أيضاً بما ورد في دحية أنه كان إذا دخل بلداً خرج لرؤيته حتى العذراء من خدرها؛ لأن دحية كان أجمل وجها وجريراً كان أجمل بدنا؛ بدليل أن عمر ﷺ لم يقل ذلك إلا عند تجرده. ثم لامناسبة للحديث بالباب إلا أن يقال: إنه من ملحقات النساخ، أو يقال: إن حسن الصورة يلزمه غالبا طيب الريح، أو يقال: إن في الترجمة حذفا، تقديره: وحسن صورة الأصحاب وعرضهم على ابن الخطاب، قيل: الأخير أقرب. قلت: بل هو الأ بعد لما فيه من طول الحذف، والأوجه عندي هو الثاني، قال امرؤ القيس:

إذا قامتا تضوع المسك منها نسيم الصباء جاءت بريا القرنفل

وقال المتنبي: قلق المليحة وهي مسك هتكها إلخ

وقال عنترة:

وكأن فارة تاجر بقسيمة سبقت عوارضها إليك من الفم

إلاّ ما بَلَغَنا من **صورة** يوسف عليه السلام.

کے جمال مبارک کا استثناء نہ کیا، مگر کھلی ہوئی بات ہے کہ جب حضور کا جمال و کمال حضرت یوسف سے بڑھا ہوا تھا تو اُن کے استثناء کرنے سے حضور کے جمال کا استثناء خود ہی ہوگیا، اس کے علاوہ حضور کا پورا جمال عام طور سے مستور ہی تھا، جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا۔ دوسرا اشکال یہ ہے کہ اس حدیث کو باب سے بھی کچھ مناسبت نہیں، اس کے جوابات میں ایک توجیہ یہ بھی کی جاتی ہے کہ خوبصورتی کو خوشبو لازم ہوتی ہے، جو شخص جس درجہ کا حسین ہوتا ہے ویسے ہی مستانہ خوشبو اس کے بدن و لباس سے مہکا کرتی ہے۔ حضور اقدس ﷺ کا اجمل المخلوقات اور بدر البدور ہونا مسلم ہے اس لئے اس کو طبعی خوشبو لازم ہے۔

صورة يوسف: [أي: لبراعة حسنه وجمال صورته عليه السلام.]

باب كيف كان كلام رسول الله ﷺ

حدثنا حُميد بن مَسْعَدَةَ البصريّ، حدثنا حُميد بن الأسود، عن أسامة بن زيد، عن الزُّهريّ، عن عُروة، **عن**[۱] عائشة رضي الله عنها قالت: ما كان رسول الله ﷺ **يَسْرُد سردكم هذا،** ولكنه كان يتكلم بكلام بين **فَصْلٍ،** يحفظه من جلس إليه. **حدثنا** محمد بن يحيى، حدثنا أبو قتيبة، سَلْم بن قتيبة، عن عبد الله بن المثنى، عن ثُمَامة، **عن**[۲] أنس بن مالكٍ رضي الله عنه قال: كان رسول الله ﷺ يعيد الكلمة ثلاثا،

باب۔ حضور اقدس ﷺ کی گفتگو کیسی ہوتی تھی

فائدہ: اس باب میں تین حدیثیں ذکر کی گئی ہیں۔

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی گفتگو تم لوگوں کی طرح سے لگاتار جلدی جلدی نہیں ہوتی تھی، بلکہ صاف صاف، ہر مضمون دوسرے سے ممتاز ہوتا تھا، پاس بیٹھنے والے اچھی طرح سے ذہن نشین کر لیتے تھے۔

فائدہ: یعنی حضور کی گفتگو مجمل یا جلدی جلدی نہیں ہوتی تھی کہ کچھ سمجھ میں آئے کچھ نہ آئے، بلکہ ایسی اطمینان کی واضح گفتگو ہوتی تھی کہ مخاطبین اچھی طرح سمجھ جاتے تھے۔

(۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ (بعض مرتبہ) کلام کو (حسبِ ضرورت) تین تین مرتبہ دہراتے،

باب كيف كان إلخ: هذا كما وقع في أول البخاري: باب كيف كان بدء الوحي، وأطال الشراح الكلام على إعرابه وتركيبه حتى كتب القاري فيه رسالة مستقلة، والإجمال أنه بإضافة باب إلى ما بعده لكنه على تقدير مضاف أي: باب جواب كيف كان إلخ وسبب التقدير أن لفظ "باب" لا يضاف إلى الجملة على الصواب، ولذا قيل: إن إضافته إلى الجملة كلا إضافة، وأيضاً بترك الإضافة يعني مع التنوين خبر مبتدأ محذوف، ويحتمل تسكينه أيضاً على التعداد، و"كيف" مبني على الفتح في محل نصب على أنه خبر كان إن كانت ناقصة، أو حال إن كانت تامة.

كلام: [بمعنى التكلم، أو بمعنى ما يتكلم به، بيان كيفية ما يتكلم به.] يسرد: [يأتي بالكلام على الولاء، يتابعه ويستعجل فيه،] بضم الراء من السرد: وهو الإتيان بالكلام على الولاء، منصوب على أنه مفعول مطلق أو بنـزع الخافض؛ لما في بعض النسخ: كسردكم. والمعنى: لم يصل بعضه ببعض بحيث لا يتبين بعض حروفه لسامعه. سردكم هذا: [أي: الذي تفعلونه، حيث يورث لَبْسا على السامعين.] فصلٍ: [مفصول ممتاز بعضه من بعض.]

لِتُعقَل عنه. **حدثنا** سفيان بن وكيع، أنبأنا **جُمَيع بن عمرو** بن عبد الرحمن العِجلِيّ قال: حدثني رجل من بني تميم - من ولد أبي هالة **زوجِ** خَديجة، يُكنى أبا عبد الله - عن ابن لأبي هالة، عن **الحسن**(۳) بن علي رضي الله عنه قال: سألت **خالي** هندَ بن أبي هالة - وكان **وصّافا** - **فقلت**: صِف لي منطق رسول الله ﷺ،

تاکہ آپ کے سننے والے اچھی طرح سمجھ لیں۔

فائدہ: یعنی یہ کہ اگر مضمون مشکل ہوتا تو غور وتدبر کے لئے، یا مجمع زیادہ ہوتا تو تینوں جانب متوجہ ہو کر تین مرتبہ مضمون بیان فرماتے، تاکہ حاضرین اچھی طرح محفوظ کر لیں۔ تین مرتبہ غایتِ اکثر یہ ہے ورنہ دو مرتبہ کافی ہو جاتا تو دو مرتبہ فرماتے۔

(۳) حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے جو حضور کے اوصاف اکثر بیان فرماتے تھے، عرض کیا کہ حضور اقدس ﷺ کی گفتگو کی کیفیت مجھ سے بیان فرمائیے، انھوں نے فرمایا کہ حضور (آخرت کے) متواتر غموم میں مشغول رہتے تھے (ذات و صفاتِ باری یا اُمت کی بہبود کے متعلق) ہر وقت سوچ میں رہتے تھے، ان امور کی وجہ سے کسی وقت آپ کو بے فکری اور راحت نہیں ہوتی تھی (یا یہ کہ امورِ دنیویہ کے ساتھ آپ کو راحت نہ ملتی تھی بلکہ دینی امور سے آپ کو راحت اور چین ملتا تھا۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز ہے) اکثر اوقات خاموش رہتے تھے، بلا ضرورت گفتگو نہ فرماتے تھے۔ آپ کی تمام گفتگو ابتدا سے انتہا تک منہ بھر کر ہوتی تھی (یہ نہیں کہ نوکِ زبان سے کٹتے ہوئے حروف کے ساتھ آدھی بات زبان سے کہی اور آدھی متکلم کے ذہن میں رہی، جیسا کہ موجودہ زمانہ کے متکبرین کا دستور ہے) جامع الفاظ کے ساتھ (جن کے الفاظ تھوڑے ہوں اور معانی بہت ہوں) کلام فرماتے تھے (چنانچہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایسی چالیس حدیثیں اپنی شرح میں جمع کی ہیں جو نہایت مختصر ہیں، عربی حاشیہ پر نقل کر دیں، جو یاد کرنا چاہے اس کو دیکھ کر یاد کر لے)

لتعقل عنه: [أي: لتفهم عنه وتثبت في ذهن السامعين] تعليل للإعادة تنبيهاً على أن الإعادة كانت في مقام الحاجة.
جميع بن عمرو: تقدم أول الحديث بهذا السند في مبدء الكتاب، وتقدم هناك أن الصواب فيه "عمير" بالتصغير كما اختاره الحافظ في التقريب، وكذا أورده المزي وغيره. زوج: بالجر على أنه بدل من أبي هالة، وكان زوجها قبل النبي ﷺ. خالي: أي: أخا أمي من الأم. وصّافا: [كثير الوصف لرسول الله.]
فقلت: بيان لسألت وصف أمر من الوصف، والسؤال عن كيفية النطق وهيئة السكوت المقابل له كما يدل عليه الجواب.

قال: كان رسول الله ﷺ **مُتَواصل الأحزان**، دائم **الفِكرة**، ليست له راحة طويل **السّكت**، [الصمت]
لا يتكلّم في غير حاجة، يفتـــتح الكلام ويختمه **بأشداقه**، [في شهود جلال الله تعالى و كبريائه] ويتكلّم **بجوامع الكلم**،

آپ کا کلام ایک دوسرے سے ممتاز ہوتا تھا، نہ اس میں فضولیات ہوتی تھیں نہ کوتاہیاں کہ مطلب پوری طرح واضح نہ ہو۔ آپ نہ سخت مزاج تھے نہ کسی کی تذلیل فرماتے تھے۔ اللہ کی نعمت خواہ کتنی ہی تھوڑی ہو اس کو بہت بڑا سمجھتے تھے، اس کی مذمت نہ فرماتے تھے۔ البتہ کھانے کی اشیاء کی نہ مذمت فرماتے نہ زیادہ تعریف (مذمت نہ فرمانا تو ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ جَلَّ شَانُہٗ کی نعمت ہے، زیادہ تعریف نہ فرمانا اس لئے تھا کہ اس سے حرص کا شبہ ہوتا ہے، البتہ اظہارِ رغبت یا کسی کی دلداری کی وجہ سے کبھی کبھی خاص خاص چیزوں کی تعریف بھی فرمائی ہے) دنیا اور دنیاوی امور کی وجہ سے آپ کو کبھی غصہ نہ آتا تھا

متواصل الأحزان: [يعني لا يمضي حزن إلا ويعقبه حزن، والتواصل يفيد معنى الديمومة.] **الفكرة:** [الفكر لغة: تردّد القلب بالنظر والتدبر لطلب المعاني، واصطلاحًا: ترتيب أمور معلومة ليتوصل بها إلى مطلوب علمي أو ظني.] **بأشداقه:** جمع شدق: وهو طرف الفم، والمراد بالجمع ما فوق الواحد، وذلك لأن البيان إنما يحصل برحب الشدقين، بخلاف ضده فإنه لا يفهم منه المقصود، وفي بعض النسخ بدله "باسم الله" وعلى هذا اعتماد القاري والمناوي والبيجوري في شروحهم، وليس المراد البسملة خاصة بل المراد مطلق ذكر الله عزوجل، ويحتمل أن يكون أحدهما محرفا من الآخر. والحديث أخرجه القاضي عياض في الشفا بطوله، وفيه: "ويختمه بأشداقه" وعليه بنى القاري ثمه شرحه و لم يذكر "باسم الله".

بجوامع الكلم: أي: بكلمات قليلة الحروف، جامعة لمعان كثيرة، وقيل: المراد القواعد الكلية المحتوية على الفروع الكثيرة، وقيل: المراد به القرآن، فمآله آية ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَى﴾ [النجم:٣] قاله المناوي، قال القاري: وقد جمع جمع من الأئمة من كلامه المفرد الموجز البديع أحاديث كثيرة فاستخرت الله في جمع أربعين من هذا الباب، وهي هذه: (١) الأيمن الأيمن (٢) الإيمان يمان (٣) أخبر تقله (٤) أرحامكم أرحامكم (٥) اشفعوا توجروا (٦) أعلنوا النكاح (٧) أكرموا الخبز (٨) ألزم بيتك (٩) هادوا تحابُّوا (١٠) الحرب خدعة (١١) الحمى شهادة (١٢) الدين النصيحة (١٣) سدّدوا وقاربوا (١٤) شراركم عزابكم (١٥) الصبر رضا (١٦) الصوم جنة (١٧) الطيرة شرك (١٨) العارية مؤداة (١٩) العِدة دين (٢٠) العين حق (٢١) الغنم بركة (٢٢) الفخذ عورة (٣٣) قفلة كغزوة (٢٤) قيد وتوكل (٢٥) الكبر الكبر (٢٦) موالينا منا (٢٧) المؤمن مكفر (٢٨) المحتكر ملعون (٢٩) المستشار مؤتمن (٣٠) المتنعل راكب (٣١) نصبر ولا نعاقب (٣٢) النار جبار (٣٣) النبي لا يورث (٣٤) الندم توبة (٣٥) الوتر بليل (٣٦) لا تتمنوا الموت (٣٧) لا تغضب (٣٨) لا ضرر ولا ضرار (٣٩) لا وصية لوارث (٤٠) يد الله على الجماعة. وذكر القاري مسانيدها وتخريجها.

كلامه فصلٌ، لا فضول ولا تقصير، ليس بالجافي ولا **المُهين**، يعظّم النعمة وإن دقّتْ، لا يذمّ منها شيئا، **غير أنه** لم يكن يذمّ **ذواقا** ولا يمدحه، ولا تُغْضبه الدنيا ولا ما كان لها، فإذا **تُعُدّي** الحق، لم يقم لغضبه شيء حتى ينتصر له، ولا يغضب لنفسه، ولا ينتصر لها، إذا أشار أشار بكفّه كلها، وإذا تعجّب قَلَبَها، وإذا تحدث اتصل بها، وضرب براحة اليمنى بطن إبهامه اليسرى، وإذا غضِب **أعرض** وأشاح، وإذا فرح غضَّ طَرْفه، **جُلُّ** ضحكِه التبسّم،

أعرض جدا

(چونکہ آپ کو ان کی پرواہ بھی نہ ہوتی تھی اس لئے کبھی دنیوی نقصان پر آپ کو غصہ نہ آتا تھا) البتہ اگر کسی دینی امر اور حق بات سے کوئی شخص تجاوز کرتا تو اس وقت آپ کے غصہ کی کوئی شخص تاب نہ لاسکتا تھا اور کوئی اس کو روک بھی نہ سکتا تھا یہاں تک کہ آپ اس کا انتقام نہ لے لیں۔ اپنی ذات کے لئے نہ کسی پر ناراض ہوتے تھے نہ اس کا انتقام لیتے تھے۔ جب کسی وجہ سے کسی جانب اشارہ فرماتے تو پورے ہاتھ سے اشارہ فرماتے (اس کی وجہ بعض علما نے یہ بتلائی ہے کہ انگلیوں سے اشارہ تواضع کے خلاف ہے اس لئے حضور ﷺ پورے ہاتھ سے اشارہ فرماتے، اور بعض علماء نے یہ تحریر فرمائی کہ حضور ﷺ کی عادتِ شریفہ انگلی سے توحید کی طرف اشارہ فرمانے کی تھی۔ اس لئے غیر اللہ کی طرف انگلی سے اشارہ نہ فرماتے تھے) جب کسی بات پر تعجب فرماتے تو ہاتھ پلٹ لیتے تھے اور جب بات کرتے تو (کبھی گفتگو کے ساتھ ہاتھوں کو بھی حرکت فرماتے)

المهين: بضم الميم من الإهانة أي: لايهين ولا يحقر أحداً، فالميم زائدة، ويروى بالفتح من المهانة: وهو الحقارة، فالميم أصلية أي: لم يكن حقيراً ذميمًا بل كان كبيراً عظيماً يغشاه من أنوار الوقار والمهابة ما ترتعد منه فرائص الكفار، والأنسب الأول. غير أنه: رفع وهم نشأ من قوله: "يعظم النعمة". ذواقا: فعال بمعنى مفعول، أي: مذوقا مأكولا ومشروبا. تعدي: بصيغة المجهول من التعدي أي: إذ تجاوز أحد عن الحق. أعرض: أي: عما يقتضيه الغضب، وعدل عنه إلى الحلم والكرم، وعفا عنه ظاهراً وباطنا، وأشاح بشين معجمة وحاء مهملة: جد في الإعراض وبالغ فيه، كذا قاله القاري والمناوي، وقال القاضي في الشفا: أشاح: مال وانقض. جل: بضم الجيم وتشديد اللام أي: معظمه وأكثره، وجل كل شيء معظمه، وجوز شارح ههنا كسر الجيم أيضًا، كما في حديث: اللّٰهم اغفرلي ذنبي كله دقه وجله. والتبسم: بشاشة في الوجه من غير تأثر تام في هيئة الفم، وإنما قال: "جل"؛ لأنه ربما ضحك حتى بدت نواجذه.

یفترّ عن مثل حَبّ الغمام.

اور کبھی داہنی ہتھیلی کو بائیں انگوٹھے کے اندرونی حصہ پر مارتے اور جب کسی پر ناراض ہوتے تو اُس سے منہ پھیر لیتے اور بے توجہی فرماتے یا درگزر فرماتے اور جب خوش ہوتے تو حیا کی وجہ سے آنکھیں گویا بند فرما لیتے۔ آپ کی اکثر ہنسی تبسم ہوتی تھی، اُس وقت آپ کے دندان مبارک اولے کی طرح چمکدار سفید ظاہر ہوتے تھے (صلی اللہ علیہ وآلہ بحسب جمالہ و کمالہ)۔

فائدہ: یہ حدیث اُسی حدیث کا بقیہ ہے جو سب سے پہلے باب میں ساتویں نمبر پر گزری ہے۔ اس کا ہر ہر ٹکڑا نہایت غور سے پڑھنے اور اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کے قابل ہے کہ ہر ادا تواضع اور اخلاق کا کمال لئے ہوئے ہے۔

یفتر: بسكون الفاء وتشديد الراء من افتر فلان: ضحك ضحكا حسنا حتى بدت أسنانه من غير قهقهة، فقوله "عن مثل حب الغمام" متعلق به، والغمام: السحاب، وحبه: البرد بفتحتين، الذي يشبه اللؤلؤ، شبه ما يظهر من أسنانه حين التبسم بذلك في البياض والصفاء واللمعان والبريق، ومن قال كالدلجي: حبه قطرة الماء، شبه ما يطفو على الثنايا من الريق فقد وهم، لأن الثنايا ليس عليه عادة إلا البلل، ولو اجتمع فلا حسن فيه، وقيل: حب الغمام: اللؤلؤ؛ لأنه يحصل من ماء المطر النازل من الغمام، قال القاري: هو أنسب في باب التشبيه؛ لما فيه من زيادة تشبيه الفم بالصدف والريق بماء الرحمة، ورده المناوي لمخالفته اللغة بغير حاجة، وليس صفاء البرد دون صفاء اللؤلؤ.

بابُ ما جاء في **ضِحْك** رسول الله ﷺ

حدثنا أحمد بن منيع، حدثنا عَبَّاد بن الْعَوَّام، أخبرنا الحجاج -وهو ابن أرطَاة- عن سِماك ابن حرب، **عن**(١) جابر بن سَمُرة ﷺ قال: كان في سَاقَي رسول الله ﷺ **حُمُوشة**، وكان **لا يضحك** إلا تبسمًا، فكنت إذا نظرت إليه قلت: أكحلُ العينين، **وليس بأكحل**.

باب۔ حضور اقدس ﷺ کے ہنسنے کا ذکر

فائدہ: اس باب میں نو حدیثیں ذکر کی گئی ہیں۔

(۱) حضرت جابر ﷺ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی پنڈلیاں کسی قدر باریک تھیں اور آپ کا ہنسنا صرف تبسم ہوتا تھا۔ میں جب حضور اقدس ﷺ کی زیارت کرتا تو دل میں سوچتا کہ آپ سرمہ لگائے ہوئے ہیں، حالانکہ اُس وقت سرمہ لگائے ہوئے نہیں ہوتے تھے۔ **فائدہ:** بلکہ طبعاً آپ کی آنکھیں سُرمگیں تھیں۔

ضحك: [أي: انبساط الوجه، وهو ينشأ من سرور يعرض للقلب، والضحك: تعبير عن السرور بواسطة حركة الشفتين] ساقي: بصيغة التثنية في أكثر النسخ الموجودة، وفي بعضها بالإفراد، وبه ضبط القاري، إذ قال بالإفراد للتعميم، وفي نسخة صحيحة بصيغة التثنية كما في المشكوة برواية الترمذي. حموشة: [أي: دقة، وهي: ما يمتدح به الإنسان] قال القاري: بضم الحاء المهملة والميم أي: دقة، ودقتها مما يتمدح به، وقد أكثر أهل القيافة من ذكر محاسن ذلك، وضبط المناوي وابن حجر والعصام بضم أوله المعجم، وقال المناوي: أي: دقة، وأصل الخمش الأثر، ورده القاري بأنه مخالف للأصول ومعارض للغة على ما يشهد به القاموس والنهاية، ومغير للمعنى؛ فإن الخمش بالمعجمة: هو خدش الوجه ولطمه. قلت: وبالمهملة في المشكوة برواية الترمذي.

لايضحك: قال المناوي: جعله من الضحك مجاز؛ إذ هو مبدؤه، فهو بمنـــزلة السنة من النوم، قال القاري: ومنه قوله تعالى: ﴿فتبسم ضاحكا﴾ [النمل: ١٩] أي: شارعاً في الضحك، وهذا الحصر يحمل على غالب أحواله ﷺ: لما سبق من أن جل ضحكه التبسم، ولما سيأتي من أنه ضحك حتى بدت نواجذه، وقيل: ما كان يضحك إلا في أمر الآخرة، وأما في أمر الدنيا فلم يزد على التبسم وهو تفصيل حسن. أكحل: [أي: يعلو جفونه سواد ناشئ من استعمال الكحل، وهذا بحسب بادئ الرأي.] وليس بأكحل: [أي: كحلا جَعْليا، وهو الناشئ من التكحل، فلا ينافي أنه كان أكحل كحلا خِلْقيا.]

حدثنا قُتَيبة بن سعيد، أخبرنا ابن لَهِيْعَة، عن عُبيد الله بن المغيرة، **عن**(۲) عبد الله بن الحارث بن **جَزْء** رضي الله عنه أنه قال: ما رأيت أحداً أكثر تبسمًا من رسول الله ﷺ. **حدثنا** أحمد بن الخالد **الخلّال**، حدثنا يحيى بن إسحاق **السَّيلَحَانيّ**، حدثنا ليث بن سعد، عن يزيد بن أبي حبيب، **عن**(۳) عبد الله بن الحارث رضي الله عنه قال: ما كان ضحكُ رسول الله ﷺ إلّا تبسمًا. **قال أبو عيسى:**

أي: في غالب أوقاته

هذا حديث غريب من حديث ليث بن سعد.

---

(۲) عبد اللہ بن حارث کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ سے زیادہ تبسم کرنے والا نہیں دیکھا۔

فائدہ: اس حدیث میں یہ اشکال ہے کہ اس سے پہلے باب کی اخیر حدیث میں یہ گذر چکا ہے کہ حضور اقدس ﷺ دائم الفکر اور پے درپے غموم میں مبتلا رہتے تھے، یہ بظاہر اس کے منافی ہے اس لئے اس حدیث کی دو توجیہیں کی گئیں: ایک تو یہ کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آپ کا تبسم آپ کے ہنسنے سے زیادہ ہوتا تھا، ایسا کوئی اور شخص نہیں دیکھا جس کا تبسم اُس کے ہنسنے سے زیادہ ہو۔ چنانچہ آئندہ حدیث جو انہی صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت کی جارہی ہے اُس میں یہی مطلب متعین ہے۔ دوسری توجیہ یہ کی جاتی ہے کہ: حضور اقدس ﷺ باوجود طبعی غموم کے صحابہ کی دلداری اور انبساط کے خیال سے خنداں پیشاں اور تبسم فرماتے ہوئے پیش آتے تھے اور یہ کمال درجہ اخلاق و تواضع ہے۔ اسی باب کے نمبر ۵ و ۶ پر حضرت جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب بھی حضور اقدس ﷺ مجھے دیکھتے تبسم فرماتے یعنی خندہ پیشانی سے مُسکراتے ہوئے ملتے تھے۔ اب پہلی حدیث سے کوئی تعارض نہیں ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کسی رنج و فکر میں مبتلا ہوتا ہے لیکن دوسروں کی دلداری یا ضرورت سے اُس کو خندہ پیشانی سے ملنے کی نوبت آتی ہے، جو لوگ دل میں عشق کی چوٹ کھائے ہوئے ہیں ان کو اس کا تجربہ بہت ہوتا ہے۔

جزء: بفتح الجيم وسكون الزاي بعدهما همزة. الخلال: بفتح خاء معجمة فتشديد لام، يحتمل أن يكون بائع الخل أو صانعه. السيلحَانيّ: بفتح السين المهملة وسكون الياء التحتانية وفتح اللام وفتح الحاء بعدها ألف، نسبة لسيلحون قرية بقرب بغداد. قال أبو عيسى: قال المعتنون بحل الشمائل: غرابته ناشئة من تفرد الليث، وهو مجمع على إمامته وجلالته، فهي غرابة في السند لاتنافي صحة الحديث.

حدثنا أبو عمَّار الحسين بن حُريث، أنبأنا وكيع، حدثنا الأعمش، عن المعرور بن سُويد، عن[4] أبي ذر رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: إني لأعلم أول رجل يدخل الجنة،

---

(۳) عبد اللہ ابن حارث ہی کی یہ بھی روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا ہنسنا تبسم سے زیادہ نہیں ہوتا تھا۔

فائدہ: یعنی اکثر اوقات تبسم اور مُسکرانا ہی ہوتا تھا، ہنسنے کی نوبت بہت کم آتی تھی۔

(۴) ابو ذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اُس شخص کو خوب جانتا ہوں جو سب سے اوّل جنّت میں داخل ہوگا اور اُس سے بھی واقف ہوں جو سب سے آخر میں جہنم سے نکالا جائے گا۔ قیامت کے دن ایک آدمی دربار الٰہی میں حاضر کیا جائے گا، اُس کے لئے یہ حکم ہوگا کہ اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ اس پر پیش کیے جائیں اور بڑے بڑے گناہ مخفی رکھے جائیں۔ جب اُس پر چھوٹے چھوٹے گناہ پیش کیے جائیں گے کہ تونے فلاں دن فلاں فلاں گناہ کیے ہیں تو وہ اقرار کرے گا اس لئے کہ انکار کی گنجائش نہیں ہوگی اور اپنے دل میں نہایت خوف زدہ ہوگا کہ ابھی تو صغائر ہی کا نمبر ہے کبائر پر دیکھیں کیا گزرے، کہ اس دوران میں یہ حکم ہوگا کہ اس شخص کو ہر ہر گناہ کے بدلے ایک ایک نیکی دی جائے تو وہ شخص یہ حکم سُنتے ہی خود بولے گا کہ میرے تو ابھی بہت سے گناہ باقی ہیں جو یہاں نظر نہیں آتے۔ ابو ذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اُس کا مقولہ نقل فرما کر ہنسے یہاں تک کہ آپ کے دانت ظاہر ہوگئے۔ ہنسی اس بات پر تھی کہ جن گناہوں کے اظہار سے ڈر رہا تھا اُن کے اظہار کا خود طالب بن گیا۔

المعرور: بفتح ميم وسكون عين مهملة وضم راء، أبو أمية الكوفي عاش مائة وعشرين سنة. أول رجل: قال القاري: وفي بعض النسخ المصححة المكتوب عليه "صوابه آخر رجل". ففي رواية الترمذي ههنا وهم، والصواب "آخر رجل" فإنه هكذا رواه مسلم وغيره من حديث أبي ذر قاله القاري أيضاً. قلت: والحديث أخرجه الخطيب في المشكوة برواية مسلم، ولفظه: إني لأعلم آخر أهل الجنة دخولا الجنة وآخر أهل النار خروجاً منها، الحديث. وعلى هذا فالرجلان متحدان يعني مصداقهما واحد، وأما على النسخة التي بأيدينا فهما مختلفان، ومصداق أول رجل يدخل الجنة على الإطلاق هو النبي ﷺ، ويحتمل أن يراد: أول رجل يدخل الجنة من عصاة المؤمنين فهو رجل آخر مذنب يخرج من النار ولم يسم، والمقصود بذكر العلم بهؤلاء الرجال زيادة الوثوق فيما أخبر به، وعلى هذا فقوله: يؤتى بالرجل إلخ استيناف، لا تعلق له بما سبق كما جزم به المناوي، وذكره القاري احتمالاً، وأما على رواية مسلم وغيره فيحتمل أن يكون استينافا أيضاً، ويحتمل أن يكون بيانا لهذا الرجل الذي هو آخرهم خروجاً من النار ودخولا الجنة.

وآخر رجل يخرج من النار: **يؤتى بالرّجل** [من عصاة المؤمنين] يوم القيامة **فيقال**: اِعرِضوا عليه صِغار ذنوبه -**وتُخبأ** عنه كبارها- فيقال له: عَمِلْتَ يوم كذا، كذا وكذا، وهو مُقِرّ لا ينكر، وهو مُشْفِق [خائف] من كبارها، فيقال: **أعطوه** مكان كل سَيّئةٍ عَمِلها حسنةً، فيقول: إن لي ذنوبا ما أراها **ههنا!** قال أبو ذر: فلقد رأيت رسول الله ﷺ **ضَحِك** حتى بدتْ **نَوَاجِذه**. **حدثنا** أحمد بن منيع،

فائدہ: یہ شخص جس کا مفصّل حال بیان فرمایا وہی شخص ہے جس کو اول مجملاً جنت میں آخری داخل ہونے والا ارشاد فرمایا تھا یا کوئی اور شخص ہے، شرّاح کی تحقیق یہ ہے کہ یہ کوئی اور شخص ہے اور جنت میں آخری داخل ہونے والا شخص وہ ہے جس کا قصّہ اسی باب کے نمبر ۷ پر آرہا ہے۔

يؤتى بالرجل: قال القاري بيان للرجل الأوّل فيخصّ بالمذنبين، إذ أوّل داخل على الإطلاق هو النبي ﷺ. ويحتمل أن يكون بيانا للرجل الثاني، لكن الأصح أن آخر رجل يخرج من النار هو الذي ذكر في حديث ابن مسعود الآتي، وهذا استيناف وبيان لحال رجل ثالث غير المذكورين. قال البيجوري في تأييده: وفي بعض الروايات بواو الاستيناف، فحينئذٍ لا وهم في رواية الترمذي هذه أيضاً، وبالاستيناف جزم المناوي؛ إذ قال: ليس قوله: "يؤتى بالرجل" تفصيل لـــ"أول رجل يدخل الجنة" كما وهم، بل هو استيناف لا تعلق له بما قبله، إذ أول داخل هو المصطفى ﷺ ولا ذنب له.

فيقال: أي: يقول الله عز وجل لملائكته، و"اعرضوا" بهمزة وصل وكسر راء أمر من العرض. وتخبأ: بصيغة الواحد المؤنث في المتون، والمذكر في الشروح، وعلى كل فهو ببناء المجهول من الخبأ بالهمز. قال المناوي: عطف على "اعرضوا" إذ هو خبر بمعنى الأمر مبالغة فيه كما قرره العصام، ودفع به ما قيل: فيه عطف على خبر على إنشاء، ولذا اختاره الشارح عطفه على يقال. مختصراً، وقال القاري: الظاهر أنه جملة حالية، وأغرب ابن حجر إذ قال: عطف جملة على جملة "اعرضوا". ومعنى الخبأ: پنهاں كردن. أعطوه: قال المناوي: لتوبة النصوح، أو لغلبة طاعاته، أو لكونها عزمات و لم تفعل، أو لغير ذلك مما يعلمه الله. زاد القاري: أو لكونه مظلوماً. قلت: أو لمجرد فضله بلا استحقاق.

ههنا: [أي: في مقام العرض أو في صحيفة الأعمال، وإنما يقول ذلك مع كونه مشفقا منها؛ لأنه لما قوبلت صغائرها بالحسنات، طمع أن تقابل كبائرها بها أيضًا، وزال خوفه منها فسأل عنها لتقابل بالحسنات أيضًا.] ضحك: [أي: تعجبا من الرجل حيث كان مشفقا من كبار ذنوبه ثم صار طالبا لرؤيتها.] بدت نواجذه: [أي: بالغ في الضحك حتى ظهرت نواجذه، وهي: أقصى أضراسه.]

حدثنا معاوية بن عمرو، حدثنا زائدة، عن بيان، عن قَيس بن أبي حازمٍ، **عن**(٥) جرير بن عبد الله رضي الله عنه قال: **ما حَجَبَني** رسول الله ﷺ **منذ أسلمت**، ولا رآني إلا ضحك. **حدثنا** أحمد بن منيع، حدثنا معاوية بن عمرو، حدثنا زائدة، عن **إسماعيل بن** أبي خالد، عن قيس، **عن**(٦) جرير قال: ما حَجَبني رسول الله ﷺ منذ أسلمت، ولا رآني إلا تبسم. **حدثنا** هَنّاد بن السَّرِيّ، حدثنا أبو معاوية، عن الأعمش، عن إبـــراهيم، عن **عُبيدة** السَّلمانيّ، **عن**(٧) عبد الله بن مسعود رضي الله عنه

(٥،٦) جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے میرے مسلمان ہونے کے بعد سے کسی وقت مجھے حاضری سے نہیں روکا اور جب مجھے دیکھتے تھے تو ہنستے تھے اور دوسری روایت میں ہے کہ تبسم فرماتے تھے۔

فائدہ: یہ دوسری روایت اس لئے ذکر کی گئی تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ پہلی حدیث میں ہنسی سے تبسم فرمانا ہی مراد ہے، اور یہ تبسم اظہارِ مسرت کے لئے ہوتا تھا کہ خندہ پیشانی سے ملنا دوسرے کے لئے انبساط کا سبب ہوتا ہے۔ میں نے اپنے اکابر کو دیکھا ہے کہ بسا اوقات آنے والوں کے ساتھ ایسی بشاشت اور خندہ پیشانی سے ملتے تھے جس سے ان کو محسوس ہوتا تھا کہ ہمارے آنے کی بڑی خوشی ہوئی۔

(۷) عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اُس شخص کو جانتا ہوں جو سب سے اخیر آگ سے نکلے گا، وہ ایک ایسا آدمی ہوگا کہ زمین پر گھسٹتا ہوا دوزخ سے نکلے گا (کہ جہنم کے عذاب کی سختی کی وجہ سے سیدھے چلنے پر بھی قادر نہ ہوگا)۔ اُس کو حکم ہوگا کہ جا جنت میں داخل ہو جا۔ وہ وہاں جاکر دیکھے گا کہ لوگوں نے تمام

ما حجبني: [أي: ما منعني من الدخول عليه في بيته.] **منذ أسلمت:** وكان إسلامه في السنة التي توفي فيها عليه السلام قبل وفاته بأربعين يوماً، هذا هو المشهور. وتعقبه الحافظ في الفتح وقال: الصحيح أنه أسلم في سنة الوفود سنة تسع، ووهم من قال: أنه أسلم قبل وفاته ﷺ بأربعين يوماً. وجرير هذا هو الذي قال فيه عمر بن الخطاب: إنه يوسف هذه الأمة.

إسماعيل: هذا اختلاف بين السندين، فزائدة يروي عن بيان في السند المتقدم وعن إسماعيل في هذا السند، وقد أخرج البخاري في الجهاد برواية ابن إدريس عن إسماعيل، وفي المناقب برواية خالد عن بيان، فلعل زائدة سمع عنهما معاً.

عبيدة: بفتح مهملة وكسر موحدة. السلماني بفتح السين وسكون اللام ويفتح، منسوب إلى بني سلمان قبيلة من مراد.

قال: قال رسول الله ﷺ: إني لأعرف آخر أهل النار خروجا: **رجل** يخرج منها **زَحْفاً**، فيقال له:
[أي: بالوحي] [من عصاة المؤمنين]
انطَلق، فادْخُل الجنة، قال: فيذهب ليدخل الجنة، فيجد الناس قد أخذوا المنازل فيرجع فيقول:
[درجات الجنة]
يا ربّ! قد **أخذ الناس المنازل**، فيقال له: أتذكر الزمان الذي كنتَ فيه؟ فيقول: نعم، فيقال له:
[الدنيا الضيقة]
تَمَنّ، قال: فيتمنّى، فيقال له: فإن لك الّذي تمنّيت وعَشَرة أضعاف الدنيا، قال: فيقول: **أتسخربي**

جگہوں پر قبضہ کر رکھا ہے، سب جگہیں پُر ہو چکی ہیں، لوٹ کر بارگاہِ الٰہی میں اس کی اطلاع کرے گا۔ وہاں سے ارشاد ہوگا: کیا دنیوی منازل کی حالت بھی یاد ہے؟ (کہ جب جگہ پُر ہو جائے تو آنے والوں کی گنجائش نہ ہو اور پہلے جانے والے جتنی جگہ پر چاہیں قبضہ کر لیں اور بعد میں آنے والوں کے لئے جگہ نہ رہے۔ اس عبارت کا ترجمہ اکابر علماء نے یہ ہی تحریر فرمایا۔ مگر بندۂ ناچیز کے نزدیک اگر اس کا مطلب یہ کہا جائے تو زیادہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ کیا دنیا کی وسعت اور فراخی بھی یاد ہے کہ تمام دنیا کتنی بڑی تھی؟ اور یہ اس لئے یاد دلایا کہ آئندہ تمام دنیا سے دس گنا زائد اس کو عطا فرمانے کا اعلان ہونے والا ہے، تو ساری دنیا کا ایک مرتبہ تصور کرنے کے بعد اُس عطیہ کی کثرت کا اندازہ ہو) وہ عرض کرے گا کہ رب العزت! خوب یاد ہے۔ اس پر ارشاد ہوگا کہ اچھا کچھ تمنائیں کرو۔ جس نوع سے دل چاہے وہ اپنی تمنائیں بیان کرے گا۔ وہاں سے ارشاد ہوگا کہ اچھا تم کو تمہاری تمنائیں اور خواہشات بھی دیں اور تمام دنیا سے دس گنا زائد عطا کیا۔ وہ عرض کرے گا کہ یا اللہ!

رجل: قيل: اسمه جهينة أو هناد الجهني قاله الشراح. زحفًا: مفعول مطلق بغير لفظه أو حال أي: زاحفا، والزحف: المشي على الإست مع إشراف الصدر، وفي رواية: حبواً بفتح الحاء وسكون الموحدة، وهو: المشي على اليدين والرجلين، أو الركبتين، أو المقعد، ولا تنافي بين الروايتين؛ لأن أحدهما قد يراد به الآخر، أو أنه يزحف تارة ويحبو أخرى، قيل: يمشي هكذا لضعفه بعذاب النار أو لتواريه من ملائكة العذاب.

أخذ الناس المنازل: [كأنه ظنّ أنّ الجنّة إذا امتلأت بساكنيها لم يكن للقادم فيها منـزل فيحتاج أن يأخذ منـزلا منهم.]

تمن: [أي: اطلب ما تقدره في نفسك وتصوره فيها.] **أتسخربي**: قوله: "بي" بالموحدة، وفي نسخة: بالنون بدل الموحدة وهما روايتان، لكن الأصول المعتمدة والنسخ المصححة على الأولى، قاله القاري، قال المناوي: يقول ذلك دهشا لما قاله من السرور ببلوغ مالم يخطر بباله، ولم يكن ضابطا لما قاله، ولا عالما بما يترتب عليه، بل جرى على عادته في مخاطبة المخلوق، فهو كمن قال ﷺ في حقه: إنه لم يضبط نفسه من الفرح في الدعاء فيقول: أنت عبدي وأنا ربك.

وأنت **الملك**؟ قال: فلقد رأيت رسول الله ﷺ ضحك حتى **بدت** نواجذه. **حدثنا** قتيبة بن سعيد، أنبأنا أبو الأحوص، عن أبي إسحاق، **عن**(۸) عليّ بن ربيعة قال: شهدت عليًا رضي الله عنه **أتي بدابّة** ليركبها، فلما وضع رِجْله في الرِّكاب قال: بسم الله،

آپ بادشاہوں کے بادشاہ ہو کر مجھ سے تمسخر فرماتے ہیں کہ وہاں ذرا سی بھی جگہ نہیں ہے اور آپ تمام دنیا سے دس گنا زائد مجھے عطا فرما رہے ہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو دیکھا کہ جب اُس شخص کا یہ مقولہ نقل فرما رہے تھے تو آپ کو ہنسی آ گئی حتی کہ آپ کے دندان مبارک بھی ظاہر ہو گئے۔ **فائدہ:** حضور اقدس ﷺ کا ہنسنا یا تو اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے اس اکرام و انعام پر خوشی اور مسرت کی وجہ سے ہے کہ جب ایسے شخص کو جو جہنم سے سب سے اخیر میں نکالا گیا جس سے اُس کا سب سے زیادہ گناہگار ہونا بدیہی ہے، اس قدر زیادہ عطا و انعام ہوا تو سارے مسلمانوں پر بالخصوص متقی اور پرہیزگاروں پر کیا کچھ الطاف کی بارش نہ ہو گی۔ اور امتیوں پر جس قدر انعام ہو اتنا ہی حضور کے لئے مسرت کا سبب ہے، اور ممکن ہے کہ یہ ہنسی اس شخص کی حالت پر ہو کہ کس قدر عذاب اور مصائب برداشت کر کے تو نکلا ہے اور پھر یہ جرأتیں کہ تمنائیں اور اللہ سے یہ کہے کہ آپ تمسخر کر رہے ہیں۔

(۸) ابن ربیعہ کہتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس (اُن کے زمانۂ خلافت میں) ایک مرتبہ (گھوڑا وغیرہ) کوئی سواری لائی گئی۔ آپ نے رکاب میں پاؤں رکھتے ہوئے بسم اللہ کہا اور جب سوار ہو چکے تو الحمد للہ کہا، پھر یہ دعا پڑھی: **سُبْحَانَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَإِنَّا إِلَى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ۔** پاک ہے وہ ذات جس نے اس کو ہمارے لئے مسخر فرما دیا ورنہ ہم کو اس کو مطیع بنانے کی طاقت نہ تھی اور واقعی ہم سب لوگ اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں

الملك: بكسر اللام، وليست السخرية من دأب الملوك، وأنا أحقر من أن يسخربي ملك الملوك. وهذا نهاية الخضوع وتبعيد نفسه عن أن يكون محل هذا الإنعام. بدت: تعجبا من دهش الرجل، أو من عظيم رتبة التواضع، أو من غلبة رحمته على عذابه قاله المناوي. أتي: بالبناء للمجهول أي: حضرته حال كونه جيء بدابة أتاه بعض خدمه. بدابّة: أصلها: كل ما يدبّ على الأرض، كما في قوله تعالى: ﴿وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللهِ رِزْقُهَا﴾ [هود: ٦] ثم خصها العرف العام بذوات الأربع، وأكثر ما يطلق على فرس أو بغل أو حمار.

فلما استوى على ظَهْرِها قال: **الحمد لله**، ثم قال: ﴿سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ وَإِنَّا إِلَى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ﴾ [الزخرف: ١٣،١٤] ثم قال: الحمد لله - ثلاثا - والله أكبر - ثلاثا - سُبحانك إنّي ظَلَمتُ نفسي فاغفر لي فإنّه لا يَغفِر الذُّنوبَ إلاّ أنت، ثم ضحك، فقُلت له: من أيّ شيء ضحكت يا أمير المؤمنين؟ قال: رأيت رسول الله ﷺ صنع كما صنعتِ ثم ضحك، فقلت: من أيّ شيء ضحكت يا رسول الله ؟ قال إن ربك لَيعجَب من عَبْده إذا قال: رب اغفر لي ذنوبي، **يعلم** أنه لا يغفر الذنوب أحدٌ غيري.

(علماء فرماتے ہیں کہ سواری چونکہ اسبابِ ہلاکت سے ہے اس لئے سواری کے تسخیر پر حق تعالیٰ کے شکریہ کے ساتھ اپنی موت کے ذکر کو بھی متصل فرمادیا کہ ہم آخر کار مرنے کے بعد اُسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں) پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے الحمد للہ تین مرتبہ کہا، پھر اللہ اکبر تین مرتبہ کہا، پھر **سُبْحَانَكَ إِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْلِيْ فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا أَنْتَ**. تیری ذات ہر عیب سے پاک ہے اور میں نے تیری نعمتوں کا شکر ادا نہ کرنے میں اور اوامر کی اطاعت نہ کرنے میں اپنے ہی نفس پر ظلم کیا ہے، پس یا اللہ! آپ میری مغفرت فرمائیں کیونکہ مغفرت تو آپ کے سوا اور کوئی کر ہی نہیں سکتا۔ اس دعا کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہنسے۔ ابن ربیعہ کہتے ہیں کہ میں نے ہنسنے کی وجہ پوچھی تو حضرت علی نے فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ نے بھی اسی طرح دعائیں پڑھی تھیں اور اُس کے بعد حضور نے بھی تبسم فرمایا تھا، میں نے بھی حضور سے تبسم کی وجہ پوچھی تھی جیسا کہ تم نے مجھ سے پوچھی تو حضور اطہر واقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ حق تعالیٰ بندہ کے اس کہنے پر کہ میرے گناہ تیرے سوا کوئی معاف نہیں کر سکتا، خوش ہو کر فرماتے ہیں کہ میرا بندہ یہ جانتا ہے کہ میرے سوا کوئی شخص گناہ معاف نہیں کر سکتا (**اَللّٰهُمَّ رَبِّ اغْفِرْلِيْ وَلِوَالِدَيَّ فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا أَنْتَ. اَللّٰهُمَّ لَا أُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ لَكَ الْكِبْرِيَاءُ وَالْعَظْمَةُ**)۔

الحمد لله: شكراً على نعمة الركوب، وتذليل هذا الوحش النافر، وإطاعته لنا على ركوبه. **يعلم:** حال من ضمير "قال" أي قال ذلك حال كونه يعلم، وهذا على نسخة "غيره" بالغائب، وأما على نسخة "غيري" بالياء المتكلم فيجعل مقولا لقول محذوف أي قائلا ذلك، فيجعل حالاً من فاعل "يعجب" أي يعجب الرب عزوجل قائلاً يعلم إنه لا يغفر الذنوب غيري.

حدثنا محمد بن بشّار، أنبأنا محمد بن عبد الله الأنصاريّ، حدثنا ابن عون، عن محمد بن محمد بن الأسود، **عن**(۹) عامر بن سعد قال: قال سعد: لقد رأيت رسول الله ﷺ ضحك يوم **الخندق** حتى بدت نواجذه، قال: قلت كيف كان ضَحِكه؟ قال: كان رجل معه تُرْس، وكان **سعد** راميا، **وكان** يقول **كذا وكذا بالتُّرس**، يغطّي جَبْهَتَه، فنــزع له سعد بسهم،

(بتكرار محمد — ابن أبي وقاص — أي لسعد أو لعامر — سعد أو عامر — [حذرا من السهم])

(۹) عامر بن سعد کہتے ہیں کہ میرے والد سعد نے فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ غزوہ خندق کے دن ہنسے حتی کہ آپ کے دندان مبارک ظاہر ہوگئے۔ عامر کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ کس بات پر ہنسے تھے؟ انھوں نے کہا کہ ایک کافر ڈھال لئے ہوئے تھا اور سعد گو بڑے تیر انداز تھے لیکن وہ اپنی ڈھال کو ادھر اُدھر کر لیتا تھا جس کی وجہ سے اپنی پیشانی کا بچاؤ کر رہا تھا (گویا مقابلہ میں سعد کا تیر لگنے نہ دیتا تھا حالانکہ یہ مشہور تیر انداز تھے) سعد نے ایک مرتبہ تیر نکالا (اور اُس کو کمان میں کھینچ کر انتظار میں رہے)

الخندق: قال المناوي: معرب؛ لأن الخاء والدال والقاف لا تجتمع في كلمة عربية، وقال القاري: كجعفر، حفير حول أسوار المدينة، معرب كندة على ما في القاموس. سعد: الظاهر أنه من كلام سعد، ففيه التفات من التكلم إلى الغيبة، أو رواية بالمعنى، وهذا إذا كان الضمير في "قال" الثاني إلى سعد، وإن كان الضمير فيه إلى عامر فهذا أيضاً من كلامه، غاية ما فيه أنه عبر أباه باسمه، و لم يقل: وكان أبي، وهذا معروف في الأسانيد.

وكان: قالوا: هذا من كلام سعد على كل تقدير أي، وكان الرجل المذكور يفعل كذا وكذا، والعرب تجعل القول عبارة عن جميع الأفعال فتقول: قال بيده أي أخذ، وقال برجله أي مشى، وقال بالماء على يده أي قلبه، وقال بثوبه أي رفعه وقال بالترس أي أشار، وغفل الحنفي عن هذا المعنى، وقال في قوله: "يقول كذا وكذا" أي ما لا يناسب لجناب رسول الله ﷺ ولا لأصحابه قاله القاري. قلت: واختار هذا المعنى المناوي أيضاً، إذ قال: يقول كذا وكذا، أي ما لا يليق بجناب المصطفى وصحبه، كنى به استقباحا لذكره. و"بالترس" متعلق بقوله: "يغطي" جملة حالية من فاعل يقول، ذكره العصام وغيره، وتفسير الشارح يقول بيفعل ليس على ما ينبغي. قلت: والظاهر عندي ما قال القاري.

كذا وكذا: أشار بالترس يمينا وشمالاً، هذا على رأي القاري، وأما على رأي المناوي وغيره المراد به: الكلمات التي كان يقولها. بالترس: [ما يستر به حال الحرب] متعلق بقوله: "يقول" على رأي القاري، وعلى هذا قوله: "يغطي جبهته" استيناف بيان الإشارة، ومتعلق بـــ"يغطي" على رأي المناوي كما تقدم.

فلمّا رفع رأسه رماه فلم يخطئ هذه منه - يعني: جبهته - **وانقلب** وشَال برجله، فضحك رسول الله ﷺ حتى بَدَتْ نواجذه، قال: قلت: من أيّ شيء ضحكَ؟ قال: من **فعله** بالرَّجُل.

الرمية من الرجل أو العدو ارتفع رجله والباء للتعدية

جس وقت اُس نے ڈھال سے سر اُٹھایا فوراً ایسا لگایا کہ پیشانی سے چوکا نہیں اور فوراً گر گیا، ٹانگ بھی اوپر کو اُٹھ گئی، پس حضور اقدس ﷺ اس قصہ پر ہنسے۔ میں نے پوچھا کہ اس میں کونسی بات پر؟ انھوں نے فرمایا کہ سعد کے اس فعل پر۔

فائدہ: چونکہ اس قصہ میں اس کا شبہ ہو گیا تھا کہ اُس کے پاؤں اٹھنے اور ستر کھل جانے پر تبسم فرمایا ہو اس لئے مکرّر دریافت کرنے کی ضرورت ہوئی۔ انھوں نے فرمادیا کہ یہ نہیں بلکہ میرے حسنِ نشانہ اور اُس کے باوجود اتنی احتیاط کے تیر لگ جانے پر کہ وہ تو ہوشیاری کر ہی رہا تھا کہ ڈھال کو فوراً اِدھر اُدھر کر لیتا تھا مگر سعد نے بھی تدبیر سے ایسا جڑا کہ فوراً ہی گرا اور مہلت بھی نہ ملی۔

وانقلب: [أي: صار أعلاه أسفل وسقط على إسته.] فعله: قال ميرك: أي: ضحك من قتله عدوه لا من الانكشاف كذا قيل، وفيه تأمل، قال القاري: من الواضح الجلي أنه ﷺ لم يضحك من كشف عورته؛ لأنه ليس من مكارم أخلاقه، بل إنما ضحك فرحا بما فعله سعد بعدوه ﷺ. قال المناوي: أي: ضحك من رمية سعد وغرابة إصابته فرحا بذلك وسرورا لا من رفعه رجله حتى بدت عورته. وفيه أنه يمتنع السخرية والهزء بالكفار ولو حربياً بكشف سوءته إلا أن قياس مذهب الشافعي الجواز زيادة في النكال وإغاظة لأهل الضلال.

بابُ ما جاءَ في صفة مزاح رسول الله ﷺ

بالضم والكسر مزاح كردن

حدثنا محمود بن غيلان، أنبأنا أبو أسامة، عن شريك،

باب۔ حضور اقدس ﷺ کے مزاح اور دل لگی کے بیان میں

فائدہ: حضور اقدس ﷺ سے مزاح ثابت ہے اور ممانعت بھی وارد ہوئی۔ چنانچہ ترمذی شریف میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں میں اس طرح تطبیق فرمائی ہے کہ کثرتِ مزاح جو باعث قساوتِ قلب کا بن جائے یا اللہ کے ذکر و فکر سے روک دے یا ایذائے مسلم کا سبب بن جائے یا وقار وہیبت گرا دے یہ سب ممانعت میں داخل ہے اور جو اِن سب سے خالی ہو، محض دوسرے کی دلداری اور اس کے انبساط کا سبب ہو وہ مستحب ہے۔ چنانچہ عبد اللہ بن حارث کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ سے زیادہ خوش طبعی کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کی خوش طبعی بجائے گرانی کے مایۂ فخر و ناز تھی۔

گر طمع خواہد زمن سلطانِ دیں خاک بر فرقِ قناعت بعد ازیں

نیز نبی کریم ﷺ کے لئے مزاح کی ایک خاص ضرورت بھی تھی وہ یہ کہ حضور اقدس ﷺ کا ذاتی وقار اتنا بڑھا ہوا تھا کہ ایک مہینہ کے سفر کی دوری تک آپ کا رعب پہنچتا تھا، اس لئے اگر حضور تبسم اور مزاح کا اہتمام نہ فرماتے تو حاضرین کو رعب کی وجہ سے پاس رہنا مشکل بن جاتا اور انتفاع کے اسباب مسدود ہو جاتے، نیز قیامت تک آنے والے مشائخ واکابر جو حضور کی اتباع میں جان توڑ کوشش کرتے ہیں وہ قصداً تبسم و مزاح سے گریز کرتے اور ان کے جملہ خدام کے لئے

مزاح: المزاح بضم الميم على أنه اسم، وبكسرها على أنه مصدر مازحه، ومعناه: الانبساط مع الغير من غير إيذاء، وبه فارق الهزو والسخرية، ويشكل على أحاديث الباب ما روي أنه ﷺ قال: لاتمار أخاك ولا تمازحه، أخرجه المصنف في الجامع من حديث ابن عباس وقال: هذا غريب، لا نعرفه إلامن هذا الوجه، وقال الشيخ الجزري: إسناده جيد، فقد رواه زياد بن أيوب، عن عبد الرحمن بن محمد، عن ليث بن أبي سليم، عن عبد الملك بن أبي بشر، عن عكرمة، عن ابن عباس، وهذا إسناد مستقيم. وليث وإن كان فيه ضعف من قبل حفظه لكن روى له مسلم مقرونا قاله القاري.

عن عاصم الأحول، عن[1] أنس بن مالك رضی اللہ عنہ: أنّ النبي ﷺ قال له: **يا ذا الأذنين. قال محمود:** قال أبو أُسامة: يعني: يُمَازِحُه. **حدثنا** هنّاد بن السَّريّ، حدثنا وكيع، عن شعبة، عن **أبي التيّاح،**

بھی مشائخ کا یہ طرز مشکلات کا سبب بنتا۔ حق تعالیٰ شانہ بے انتہا درود و سلام اُس پاک ہستی پر نازل فرمائے جو اُمت کی ہر سہولت کا دروازہ کھول گئے۔ سفیان بن عیینہ سے جو بڑے محدث ہیں کسی نے کہا کہ مذاق بھی ایک آفت ہے۔ انھوں نے کہا بلکہ سنت ہے مگر اُس شخص کے حق میں جو اس کے مواقع جانتا ہو اور اچھا مذاق کر سکتا ہو۔

(۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے اُن کو ایک مرتبہ مزاحاً یا ذا الأذنین فرمایا (او دو کانوں والے)۔ **فائدہ:** کان تو سب ہی کے دو ہوتے ہیں، ان کو جو دو کانوں والا فرمایا تو کوئی مقامی خصوصیت ہو گی، مثلاً: ان کے کان بڑے ہوں گے یا تیز ہوں گے کہ بات دُور سے سُن لیتے ہوں گے، یہی اقرب ہے۔

(۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ہمارے ساتھ میل جول مزاح فرماتے تھے، چنانچہ میرا ایک چھوٹا بھائی تھا، حضور اُس سے فرماتے یاباعمیر! مافعل النغیر؟ ارے ابو عمیر! وہ نغیر کہاں جاتی رہی؟۔ **فائدہ:** نغیر ایک جانور ہے جس کا ترجمہ علماء ''لال'' سے کرتے ہیں۔ صاحب حیوۃ الحیوان نے ''بُلبُل'' لکھا ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے اُس بچّہ کو کنیت سے تعبیر فرمایا۔ اُس نے ایک جانور پال رکھا تھا، وہ مر گیا تھا، جس کی وجہ سے یہ رنجیدہ بیٹھا تھا، حضور اقدس ﷺ نے اس کو چھیڑنے کے لئے پوچھا کہ وہ نغیر کیا ہوا؟ حالانکہ حضور اقدس ﷺ کو معلوم تھا کہ وہ مر گیا۔ یہ حدیث ایک مسئلہ مختلف فیہا میں حنفیہ کی تائید بھی ہے، وہ مسئلہ یہ ہے کہ حرمِ مدینہ کا شکار شافعیہ کے نزدیک حرمِ مکہ کے شکار کے حکم میں ہے اور حنفیہ کے نزدیک دونوں میں فرق ہے،

يا ذا الأذنين: قال القاري: وجه المزاح أنه سماه بغير اسمه مما قد يوهم أنه ليس له من الحواس إلا الأذنان، أو هو مختص بهما لا غير مع احتمال كون أذنيه طويلتين أو قصيرتين أو معيوبتين. والله أعلم.

قال محمود: نقل المصنف عن شيخه: أن قوله عليه السلام هذا كان محمولا على المزاح، فهذا بمنــزلة تفسير الحديث عن شيخه.

أبي التياح: بفتح المثناة الفوقانية وتشديد الياء وبالحاء المهملة، اسمه يزيد بن حميد.

عن[٢] أنس بن مالك رضي الله عنه قال: إنْ كان رسول الله ﷺ **لَيُخَالِطُنَا** (خالطه مازحه) **حتى** يقول **لأخ لي** صغير: يابا عُمَير! ما فعل **النّغير**؟ (قيل صغير المنقار أحمر الرأس) قال أبو عيسى: وفِقه هذا الحديث: أن النبي ﷺ كان يمازح، وفيه: **أنه كنّى** (يقرأ بالألف ولا يكتب) غلاما صغيراً فقال له: يابا عمير، وفيه: أنّه **لا بأس** أن يعطى الصَّبي الطَّير (الصغير الطائر) لِيَلعبَ به، وإنما قال له النبي ﷺ: يابا عمير! ما فعل النغير؛ لأنه كان له نُغير يلعب به فمات، فحزن الغلام عليه،

حرم مکہ میں شکار جائز نہیں بخلاف حرم مدینہ کے کہ وہاں جائز ہے، چنانچہ حضور اقدس ﷺ کا اس پر انکار نہ فرمانا منجملہ دلائل کے ایک دلیل ہے، اور تفصیل کتبِ فقہ و حدیث میں موجود ہے۔ اس میں اختلاف ہے کہ ابو عمیر ان کی پہلے ہی سے کنیت تھی یا حضور اقدس ﷺ نے ہی ابتداءً کنیت سے تعبیر فرمایا۔ بعض علماء نے اس حدیث میں سو سے زائد مسائل اور فوائد بتائے ہیں۔ اُس ذات کے قربان جس کے ایک مذاقی فقرہ میں سو سو مسائل حل ہوتے ہوں اور ان علماء کی قبروں کو حق تعالیٰ شانہ سراپا نور بنائے جنھوں نے اپنے رسول کے کلام کی اس قدر خدمت کی کہ ایک ایک حدیث سے کتنے کتنے مسائل استنباط کیے، ان کو محفوظ رکھا اور پھیلایا۔ اس حدیث میں ایک اشکال یہ بھی کیا گیا ہے کہ اس میں جانور کا پنجرہ وغیرہ میں بند کرنا اور بچّہ کا اُس سے کھیلنا وارد ہے۔

ليخالطُنَا: [أي: يمازحنا مع أنس رضي الله عنه وأهل بيته.] حتى: قال: النووي: غاية لقوله: "يخالطنا" أي: انتهى مخالطته بأهلنا كلها حتى الصبي. لأخ لي: [أي: أخ من الأمّ، اسمه حفص، وقيل: كبشة بن أبو طلحة زيد بن سهل الأنصاري، وأمّه أمّ سليم.] النغير: [طائر كالعصفور أحمر المنقار.] أنه كنّى: هذا إذا كان ابتداء التكنية على لسانه ﷺ، وفي الصحيحين عن أنس قال: كان رسول الله ﷺ أحسن الناس خلقا، وكان لي أخ يقال له: أبو عمير، وكان له نغير يلعب به. الحديث. وظاهره أنه كان يكني به من أول الأمر، إلا أن في خطابه ﷺ إياه بالكنية تقريراً له وحجة للجواز، وأنه لا يدخل في الكذب؛ لأن القصد من التكنية التعظيم والتفاول لا حقيقة اللفظ من إثبات الأبوة والبنوة.

لا بأس إلخ: قال القاري: محله إذا علم أنه لا يعذبه يعني: فلا يشكل عليه أنه تعذيب للحيوان، وقد صحح النهي عنه. قال المناوي: إن قامت قرينة قوية على أن الصبي لا يفعل به ما فيه تعذيب بل يلعب لعبا مباحا ويقوم بمؤنته جاز، وإلا لا. قال القاري: وفيه جواز استمالة الصغير وإدخال السرور عليه والتقييد بالصغير يفيد أن الكبير ممنوع من اللعب بالطير؛ لما ورد: من اتبع الصيد فقد غفل.

فمازحه النبي ﷺ فقال: يابا عمير! ما فعل النغير؟. **حدثنا** عباس بن محمد الدُّوريّ، أخبرنا **عليّ بن الحَسَن** بن شقيق، أخبرنا عبد الله بن المبارك، عن أسامة بن زيد، عن سعيد المقبريّ، **عن** أبي[٣] هريرة ﷺ قال: قالوا: يا رسول الله! إنك تداعبنا؟ فقال: نعم، غير أني لا أقول إلا حقا، تداعبنا يعني تمازحنا. **حدثنا** قتيبة بن سعيد، حدثنا خالد بن عبد الله، عن حُميد، **عن** أنس[٤] بن مالك ﷺ: أن رجلا **استحمل** رسول الله ﷺ، فقال: إني حاملك على ولد ناقة،

یہ جانور کو عذاب دینا اور ستانا ہے، اور جانور کو عذاب دینے کی حدیث میں ممانعت آئی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ محض بند کرنا یا اُس سے دل بہلانا اور کھیلنا عذاب دینا نہیں ہے، ستانا اور عذاب دینا دوسری چیز ہے۔ اسی وجہ سے علماء نے لکھا ہے کہ جانور کا رکھنا اُسی کیلئے جائز ہے جو اُس کو ستائے نہیں، اُس کی خیر خبر رکھے اور جو بچہ نا سمجھ ہو یا سخت دل ہو کہ جانور کو تکلیف پہنچاتا ہو اُس کے لئے جائز نہیں ہے۔

(۳) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ ہم سے مذاق بھی فرما لیتے ہیں؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہاں ہاں، مگر میں کبھی غلط بات نہیں کہتا۔ **فائدہ:** صحابہ کے سوال کا منشاء یہ تھا کہ حضور ﷺ نے مذاق سے منع بھی فرما رکھا ہے اور ویسے بھی بڑائی کی شان کے خلاف ہے کہ یہ وقار کو گراتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری خوش طبعی اس میں داخل نہیں ہے، چنانچہ شروع باب میں اس کی کچھ تفصیل گزر چکی ہے۔

(۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ کسی شخص نے حضور اقدس ﷺ سے درخواست کی کہ کوئی سواری کا جانور مجھے عطا فرما دیا جائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ایک اونٹنی کا بچہ تم کو دیں گے۔ سائل نے عرض کیا کہ حضور! میں بچہ کو کیا کروں گا؟

فمازحه: وذلك لأنه رآه حزينا فقال: ما لك؟ فقيل: مات نغير. علي بن الحسن: كذا صوبه المناوي، قال: وفي نسخة ضعيفة: الحسين بالتصغير، قال ميرك: وهو غلط. قلت: وليس في الرواة أحد اسمه علي بن الحسين بن شقيق. تداعبنا: مدرج من كلام المصنف أو أحد مشايخه، وكرره ليفسره، وهو بالدال والعين المهملتين والباء الموحدة. قال الزمخشري: الدعابة كالفكاهة والمزاحة مصدر، وفي المصباح: دعب يدعب كمزح يمزح وزنا ومعنى. استحمل: [طلب من الرسول ﷺ أن يحمله أي يعطيه حمولة يركبها] أي: سأله أن يحمله على دابة، والمراد أن يعطيه حمولة يركبها.

فقال: يا رسول الله! ما أصنع **بولد الناقة**؟ فقال: وهل تَلِد **الإبل** إلا **النُّوق**؟!. **حدثنا** إسحاق بن منصور، حدثنا عبد الرزاق، حدثنا معمر، عن ثابت، **عن** أنس (٥) بن مالك ﷺ أن رجلا من أهل البادية، كان اسمه: **زاهرا** وكان يُهدي إلى النبي ﷺ هديّة **من البادية**، **فيُجَهّزه** النبي ﷺ إذا أراد أن يخرج، فقال النبي ﷺ: إن زاهرًا **باديتنا**، ونحن حاضروه، وكان رسول الله ﷺ يحبّه، وكان رَجُلَا **دميْمًا**،

(مجھے تو سواری کے لئے چاہئے)۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر اونٹ کسی اونٹنی کا بچہ ہوتا ہے۔ **فائدہ:** سائل کا گمان یہ ہوا کہ وہ چھوٹا نا قابلِ سواری ہوگا۔ اس حدیث میں علاوہ مزاح کے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ آدمی کو گفتگو میں دوسرے کی بات کمالِ غور و فکر سے سننی اور سمجھنی چاہئے۔

(۵) حضرت انس ﷺ کہتے ہیں کہ ایک شخص جنگل کے رہنے والے، جن کا نام زاہر بن حرام تھا، وہ جب حاضر خدمت ہوتے تو جنگل کے ہدایا سبزی، ترکاری وغیرہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں پیش کیا کرتے تھے اور وہ جب مدینہ منورہ سے واپس جانے کا ارادہ کرتے تھے تو حضور اقدس ﷺ شہری سامان خورد و نوش کا ان کو عطا فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زاہر ہمارا جنگل ہے اور ہم اُس کے شہر ہیں۔

بولد الناقة: توهم أن المراد بولدها هو الصغير من أولادها كما هو المتبادر إلى الفهم. الإبل: أي: صغرت أو كبرت، والمعنى: ما تلدها جميعاً. النوق: بضم النون جمع الناقة، وهي أنثى لإبل. وحاصله: أن جميع الإبل ولد الناقة صغيرًا كان أو كبيراً. زاهرا: هو ابن حرام الأشبعي شهد بدراً. من البادية: أي: حاصلة منها مما يوجد فيها من الأزهار والأثمار والنبات. فيُجَهّزه: [أي: يعطيه ما يتجهز به إلى أهله مما يعينه على كفايتهم.]

باديتنا: أي نستفيد منه ما يستفيد الرجل من باديته من أنواع النبات، فصار كأنه بادية. وقيل: من إطلاق اسم المحل على الحال أو على حذف المضاف أي: ساكن باديتنا كما حقق في ﴿وَاسْأَلِ الْقَرْيَةَ﴾ [يوسف: ٨٢]، وقيل: تاؤه للمبالغة، ويؤيده ما في بعض النسخ: بادينا. والبادي: هو المقيم بالبادية. دميمًا: [أي: أنّه غير حسن الصورة والشكل مع كونه مليح السيرة] بالدال المهملة أي: قبيح الوجه كريه المنظر.

فأتاه النبي ﷺ يوما وهو يَبِيع **متاعه واحتضنه** من خلفه ولا يُبْصِره، فقال: من هذا؟ اَرْسِلني! فالتَفَتَ فعرف النَّبِيَّ ﷺ، فجعل لا يألو **ما ألصق** ظهرَه بصدر النبي ﷺ حين عَرَفه،
[لا يقصر]

حضور اقدس ﷺ کو ان سے خصوصی تعلق تھا، زاہر کچھ بد شکل بھی تھے۔ ایک مرتبہ کسی جگہ کھڑے ہوئے وہ اپنا کوئی سامان فروخت کر رہے تھے کہ حضور اقدس ﷺ تشریف لائے اور پیچھے سے اُن کی کولی ایسی طرح بھری کہ وہ حضور ﷺ کو دیکھ نہ سکیں، انھوں نے کہا ارے کون ہے؟ مجھے چھوڑ دے! لیکن جب کن انکھیوں وغیرہ سے دیکھ کر حضور کو پہچان لیا تو اپنی کمر کو بہت اہتمام سے پیچھے کو کر کے حضور اقدس ﷺ کے سینہ مبارک سے ملنے لگے (کہ جتنی دیر بھی تلبّس رہے ہزار نعمتوں اور لذّتوں سے بڑھ کر ہے) حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کون شخص ہے جو اس غلام کو خریدے؟ زاہر نے عرض کیا کہ حضور! اگر آپ مجھے فروخت فرمادیں گے تو کھوٹا اور کم قیمت پائیں گے۔ حضور نے فرمایا کہ نہیں، اللہ کے نزدیک تو تم کھوٹے نہیں ہو بلکہ بیش قیمت ہو۔ **فائدہ:** حضور اقدس ﷺ کا پیچھے سے تشریف لا کر کولی بھر لینا اور آنکھوں پر ہاتھ رکھ لینا تو مزاح تھا ہی یہ ارشاد بھی مزاح ہی تھا کہ اس غلام کا کوئی خریدار ہے، اس لئے کہ حضرت زاہر غلام نہ تھے، آزاد تھے مگر حضور کا یہ ارشاد بطور فرض اور تشبیہ کے تھا۔ بعض شرّاح نے لکھا ہے کہ یہ حدیث صورتِ مزاح میں ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے بڑی حکمتیں اور اسرار اس میں ہیں، اس لئے کہ جب حضور نے ان کو اپنے سامان کی فروختگی میں نہایت مشغول پایا تو حضور کو اس میں انہماک اور ان کی توجہ الی اللہ کی کمی کا بظاہر خوف ہوا اس لئے اول کولی بھری کہ حضور کے ساتھ تلبّس رجوع الی اللہ کا ذریعہ ظاہر ہے اور پھر تنبیہ کے طور پر ارشاد فرمایا کہ اس غلام کا کوئی خریدار ہے، اس لئے کہ جو شخص غیر اللہ میں اس قدر مشغول ہو وہ گویا اپنی خواہشات کا بندہ ہے، لیکن حضور کے ساتھ اس تلبّس سے اِنابت الی اللہ یعنی اللہ کی طرف توجہ تام حاصل ہو چکی تھی اس لئے حضور نے پھر ان کو مژدہ سُنایا کہ اللہ کے نزدیک تم کم قیمت نہیں ہو بلکہ بیش قیمت ہو۔

متاعه: [وكان متاعه قربة لبن وقربة سمن.] فاحتضنه: عطف على "أتاه" وفي المشكوة بالفاء، كما في بعض النسخ ههنا أيضاً، وهو الأنسب أي: أدخله في حضنه قاله القاري. والحضن: ما دون الإبط إلى الكشح، والمعني: أدخل يديه تحت إبط زاهر فاعتنقه، "ولا يبصره" جملة حالية. ما ألصق: لفظ "ما" مصدرية أي: لا يقصر في لزق ظهره بصدر مصدر الفيوض تبركاً وتلذذاً.

فجعل النبي ﷺ يقول: من يشتري **هذا العبد**؟ فقال الرجل: يا رسول الله! إذا والله **تجدني كاسداً**، فقال النبيّ ﷺ: لكنَّ عند الله لستَ بكاسدٍ أو قال: أنت عند الله غالٍ. **حدثنا** عبد بن حميد، حدثنا **مُصْعَب** (٦) بن المِقْدام، حدثنا المبارك بن فَضَالة، عن الحسن قال: أتتْ **عجوزٌ** النبيّ ﷺ، فقالت: يا رسول الله! اُدْعُ الله أن يُدخلني الجنة، فقال: يا أمّ **فلان**! إن الجنة لا يدخلها عجوز، قال: فوَلّت تبكي، فقال: أخبروها أنها لا تدخلها وهي عجوز،

لما فيه من الدمامة — شك راوي — البصري

---

(٦) حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں ایک بوڑھی عورت حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! دعا فرما دیجئے کہ حق تعالیٰ جل جلالہ مجھے جنّت میں داخل فرما دے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں بوڑھی عورت داخل نہیں ہو سکتی۔ وہ عورت روتی ہوئی لوٹنے لگی۔ حضور نے فرمایا: اُس سے کہہ دو کہ جنت میں بڑھاپے کی حالت میں داخل نہیں ہوگی، بلکہ حق تعالیٰ جل جلالہ سب اہلِ جنت عورتوں کو نَو عمر کنواریاں بنا دیں گے۔ اور حق تعالیٰ کے اس قول ﴿إِنَّا أَنْشَأْنَاهُنَّ إِنْشَاءً فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَاراً﴾ [الواقعة: ٣٥-٣٦] میں اس کا بیان ہے،

هذا العبد: قيل: معناه: من يشتري مثل هذا العبد في الدمامة، أو من يستبدله مني بأن يأتي بمثله، أو من يقابل هذا العبد الذي هو عبد الله بالإكرام والتعظيم، والكلّ متكلف قاله المناوي، قال القاري: فالوجه أن الاشتراء على حقيقة، وإن العبد فيه تورية، ولا يلزم من هذا القول – لا سيما والمقام مقام المزاح – إرادة تحقق بيعه ليشكل على الفقيه بأن بيع الحر غير جائز اهـ. تجدني كاسدًا: [الرخيص الذي لا يرغب فيه أحد] أي: إذا عرضتني على البيع إذاً تجدني متاعاً رخيصاً أو غير مرغوب فيه، وفي بعض النسخ: "تجدوني" بلفظ الجمع لتعظيمه ﷺ أو الضمير له ولأصحابه، قال المناوي: والأوفق بقواعد العربية الإفراد. مصعب: بصيغة المفعول من الأصعاب بالصاد المهملة، وفي نسخة بدله منصور، قال ميرك: وهو خطأ. والمقدام بكسر الميم وسكون القاف. وفضالة بفتح الفاء. والحسن البصري التابعي المعروف، فالحديث مرسل.

عجوز: أي: امرأة كبيرة السن، ولا تقل: عجوزة إذ هي لغة: رديئة على ما في القاموس. قيل: اسمها صفية بنت عبد المطلب أم الزبير بن العوام وعمة النبي ﷺ قاله الشراح. فلان: قال الراوي: نسي الاسم الذي جرى على لسانه ﷺ فأقام لفظ "فلان" مقامه قاله القاري. قلت: ولعله ﷺ قال: يا أم الزبير؛ لأن صفية هذه أمه كما تقدم.

إن الله تعالى **يقول:** ﴿إِنَّا أَنْشَأْنَاهُنَّ إِنْشَاءً فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَاراً﴾ [الواقعة:۳۵-۳۷]

جس کا ترجمہ اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان عورتوں کو خاص طور پر بنایا ہے یعنی ہم نے ان کو ایسا بنایا کہ وہ کنواریاں ہیں (بیان القرآن) یعنی ہمیشہ کنواریاں ہی رہتی ہیں، صحبت کے بعد پھر کنواریاں بن جاتی ہیں۔

يقول: اختلفوا في تفسير الآية كما بسط في محله، ومما يناسب المقام ما في جمع الوسائل، إذ قال: وفي الحديث: هن اللواتي قبضن في دار الدنيا عجائز خلقهن الله بعد الكبر فجعلهن عذارى متعشقات إلى آخر ما بسطه. إنشاء: [أي: إنّا خلقنا النسوة خلقًا جديدًا من غير توسط الولادة.] أبكارًا: [أي: عذارى وإن وطئن كثيرا، فكلما أتاها الرجل وجدها بكرا.]

بابُ ما جاءَ في صفة كلام رسول الله ﷺ في الشِّعر

حدثنا عليّ بن حُجر، حدثنا شريك، عن المقدام بن شُرَيح، عن **أبيه،**

باب۔ حضور اقدس ﷺ کے ارشادات در بابِ اشعار

فائدہ: یعنی حضور اقدس ﷺ کا جن اشعار کو پڑھنا یا سُننا روایات میں آیا ہے اُن کا ذکر۔ شعر اُس کلام کو کہتے ہیں جو قصداً مقفّی و موزوں بنایا گیا ہو، یعنی ارادہ سے شعر کی طرز پر بنایا گیا ہو۔ حضور اقدس ﷺ کا شاعر نہ ہونا قطعی ہے، کلام اللہ شریف میں صاف طور سے مذکور ہے، بلکہ کفار کے ان مقولوں کو جو وہ حضور اقدس ﷺ کے متعلق جادوگر یا شاعر یا مجنون ہونا بیان کرتے تھے، نہایت تعجب سے ذکر کیا گیا اور آپ کی شاعری کے متعلق صاف ارشاد فرما دیا: ﴿وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنۢبَغِي لَهُۥٓ﴾ [يــس: ٦٩] ہم نے ان کو یعنی محمد کو شاعری کا علم نہیں دیا اور یہ علم شاعری ان کی شان کے مناسب بھی نہیں ہے۔ پھر جو حضور کے کلام میں کہیں کہیں کلام موزوں پایا جاتا ہے وہ بلا قصد پر محمول ہے اور کلام میں بلا قصد موزونیت اگر آ جائے تو وہ شعر نہیں کہلاتا۔ بندۂ ناچیز کے نزدیک در حقیقت یہ بھی ایک معجزہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا شاعر نہ ہونا عجز کی وجہ سے نہیں ہے، اس لئے کہ جس شخص کے کلام میں بلا ارادہ موزونیت آ جاتی ہو وہ اگر قصداً موزوں بنائے تو کس قدر بے تکلف اور بہترین بنا سکتا ہے، لیکن حق تعالیٰ نے آپ کی شان کو اس سے بہت ارفع بنایا تھا اس لئے کبھی اس طرف توجہ نہیں فرمائی۔

اشعار کی تعریف اور مذمت کے بارے میں روایات مختلف آئی ہیں۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ شعر اچھی چیز ہے اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ ممنوع اور بُرا ہے، لیکن قولِ فیصل بھی ایک حدیث میں خود ہی وارد ہو گیا ہے کہ نفسِ شعر میں

الشعر: قيل: أصله الشعر بفتحتين، وسمي الشاعر شاعراً، لفطنته ودقة معرفته، فالشعر في الأصل علم للعلم الدقيق، وصار في المتعارف اسماً للموزون المقفّى من الكلام، والشاعر المختص بصناعته كما قاله الراغب، وقيل: الشعر: هو كلام موزون مقفّى قصداً، فخرج بهذا القيد ما صدر منه ﷺ من الكلام الموزون، أما ما وقع في الكتاب المكنون فلا شك أنه مقرون بالإرادة والمشية التي هي معنى القصد؛ لأنه لا يقع في الكون شيء دون المشية. ولعل الجواب: أنه ليس مقصوداً بالذات وأنه وقع تبعاً كما حقق في بحث الخير والشر قاله القاري. أبيه: [أي: شريح الكوفي من أصحاب عليّ ﷺ، أدرك زمن النبي ﷺ، وقتل مع أبي بكرة بسجستان.]

عنْ[١] عائشة رضي الله عنها **قالت:** قيل لها: هل كان رسول الله ﷺ يتمثّل بشيء من الشِّعر؟ قالت: كان **يتمثّل** بشِعر ابن رواحة، **ويتمثّل** ويقول: **ويأتيك** بالأخبار من لم تُزوّد. **حدثنا** محمد بن بشّار،
الأنصاري اسمه عبد الله

کچھ بھلائی یا بُرائی نہیں ہے، مضمون صحیح اور مفید ہے تو شعر اچھی چیز ہے اور مضمون جھوٹ یا غیر مفید ہے تو جو حکم اُس مضمون کا ہے وہی حکم شعر کا بھی ہے، یعنی جس درجہ میں وہ مضمون ناجائز ہے یا حرام یا مکروہ ہے یا خلافِ اولیٰ ہے اُسی درجہ میں شعر بھی ہے، لیکن بہتر ہونے کی صورت میں بھی اس میں انہماک اور کثرت سے مشغولی ممنوع ہے۔

اس باب میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے نو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا: کیا حضور اقدس ﷺ کبھی شعر بھی پڑھتے تھے؟ انھوں نے فرمایا کہ ہاں! مثال کے طور پر کبھی عبد اللہ بن رواحہ کا کوئی شعر بھی پڑھ لیتے تھے (اور کبھی کبھی کسی اور شاعر کا بھی) چنانچہ کبھی (طرفہ کا) یہ مصرعہ بھی پڑھ دیا کرتے تھے: **ويأتيك بالأخبار من لم تزوّد.** یعنی تیرے پاس خبریں کبھی وہ شخص بھی لے آتا ہے جس کو تونے کسی قسم کا معاوضہ نہیں دیا۔ یعنی واقعات کی تحقیق کے لئے کسی جگہ کے حالات معلوم کرنے کے لئے تنخواہ دینا پڑتی ہے، سفر خرچ دے کر آدمی کو حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجنا پڑتا ہے، مگر کبھی گھر بیٹھے بٹھائے کوئی آکر خود ہی سارے حالات سنا جاتا ہے، کسی قسم کا خرچ بھی اُس کے لئے کرنا نہیں پڑتا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ حضور ﷺ نے اپنی

قالت: أي عائشة، وفي عدة النسخ: قال، فالضمير لشريح. يتمثّل: أي يستشهد، يقال: تمثل أي أنشد شعرا، وتمثل بشيء: ضربه مثلاً. ويتمثّل: يشكل عليه: أن الظاهر المتبادر من الحديث أن هذا البيت من كلام ابن رواحة، ويزيد الإشكال ما في نسخة أخرى بلفظ: "ويتمثل بقوله" وقد اتفقوا على أن هذا البيت من كلام طرفة. والجواب أن قوله: "ويتمثل" كلام مستأنف، والضمير المجرور في قوله: "بقوله" راجع إلى القائل أو الشاعر، فهو معاد إلى غير المذكور لشهرة قائله بينهم، فيكون معنى الحديث: قالت: كان أحيانا يتمثل بشعر ابن رواحة وأحيانا يتمثل بقول الشاعر هذا.

ويأتيك: وهو من قصيدة طرفة بن عبد، المعلقة على الكعبة من جملة المعلقات السبع، وصدر البيت: ستبدي لك الأيام ما كنت جاهلاً. قال القاري: الظاهر أنه عليه الصلوة والسلام تمثل بالمصراع الأخير، أراد بإتيان الأخبار من غير التزويد نفسه الشريفة كما يشير إليه قوله عزاسمه: ﴿قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ﴾ [الفرقان: ٥٧].

(۲) حدثنا عبد الرحمن بن مهديّ، حدثنا سفيان، عن عبد الملك بن عُمير، حدثنا أبو سلمة، **عن** أبي هريرة ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: إن أصدق كلمة قالها الشاعر كلمة **لبيد:** ألا كل شيء ما خلا اللهَ **باطل.** وكاد أميّة بن **أبي الصَّلْت** أن يُسلم.

مثال ارشاد فرمائی کہ بلا کسی اجرت اور معاوضہ کے گھر بیٹھے جنت، دوزخ، آخرت، قیامت، پچھلے انبیاء کے حالات اور آئندہ آنے والے واقعات سناتا ہوں پھر بھی یہ کافر قدر نہیں کرتے۔ اس حدیث میں دو شاعروں کا ذکر ہے: حضرت عبد اللہ بن رواحہ تو مشہور صحابی ہیں، حضور کی ہجرت سے پہلے ہی مسلمان ہوگئے تھے اور حضور کے سامنے ہی غزوۂ موتہ میں شہید ہوگئے تھے۔ طرفہ عرب کا مشہور شاعر ہے، ادب کی مشہور کتاب ''سبعہ معلقہ'' میں دوسرا معلقہ اسی کا ہے، اس نے اسلام کا زمانہ نہیں پایا۔

(۲) ابو ہریرہ ﷺ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے زیادہ سچا کلمہ جو کسی شاعر نے کہا وہ لبید بن ربیعہ کا یہ کلمہ ہے: **ألا كل شيء ما خلا الله باطل،** آگاہ ہو جاؤ! اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے سوا دنیا کی ہر چیز فانی ہے اور امیہ بن ابی الصلت قریب تھا کہ اسلام لے آئے۔ فائدہ: لبید ایک مشہور شاعر تھے لیکن مسلمان ہونے کے بعد سے شعر کہنا چھوڑ دیا تھا، یہ کہتے تھے کہ مجھے حق تعالیٰ نے اشعار کا نعم البدل عطا فرما دیا۔ یہ مکرم صحابہ میں ہیں، ایک سو چالیس یا اس سے کچھ زیادہ عمر ہوئی۔ اس کا دوسرا مصرعہ یہ ہے: **وكل نعيم لا محالة زائل۔** جس کا ترجمہ یہ ہے کہ دنیا کی ہر نعمت کسی نہ کسی وقت میں زائل ہونیوالی ہے۔

لبيد: بن أبي ربيعة العامري، وفد على النبي ﷺ وحسن إسلامه، نـزل الكوفة، ومات سنة إحدى وأربعين، وله من العمر مائة وأربعون سنة، وقيل: مائة وسبع وخمسون سنة، وقيل غير ذلك، مشهور من فصحاء العرب وشعرائهم، ولما أسلم لم يقل شعراً، وقال: يكفيني القرآن. باطل: المراد به الفاني، وإنما كان كلامه أصدق؛ لأنه وافق أصدق الكلام، وهو قوله تعالى: ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ﴾ [القصص: ٨٨] وتمام البيت: وكل نعيم لا محالة زائل. والمراد بالنعيم نعيم الدنيا؛ لقوله بعد ذلك: نعيمك في الدنيا غرور وحسرة. وأنت قريباً عن مقيلك راحل.

أبي الصّلت: أمية بالتصغير، ابن أبي الصلت بفتح فسكون أي: ابن ربيعة الثقفي، كان ينطق بالحقائق، وقد كان متعبداً في الجاهلية ويتدين، ويؤمن بالبعث لكنه أدركه الإسلام ولم يسلم قاله القاري، رثا من قتل ببدر من الكفار، ثم مات أيام حصار الطائف كافراً سنة ثمان، وقيل: تسع.

حدثنا محمد بن المثنى، أنبأنا محمد بن جعفر، حدثنا شُعبة، عن الأسود بن قيس، **عن**[۳] **جُندب بن سُفيان** البَجَلِيّ قال: **أصاب** حجرٌ إصبع رسول الله ﷺ

امیہ بن ابی الصلت بھی ایک مشہور شاعر تھا جو اپنے اشعار میں حقائق باندھتا تھا، قیامت کا قائل تھا لیکن توفیقِ ایزدی شاملِ حال نہ ہوئی اس لئے مسلمان نہیں ہوسکا۔ آٹھویں حدیث کے ذیل میں اس کی کسی قدر تفصیل بھی آرہی ہے۔

(۳) جندب بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک پتھر حضور اقدس ﷺ کی اُنگلی میں لگ گیا تھا جس کی وجہ سے وہ خون آلودہ ہوگئی تھی تو حضور نے یہ شعر پڑھا جس کا حاصل ترجمہ یہ ہے: تو ایک اُنگلی ہے جس کو اس کے سوا کوئی مضرت نہیں پہنچی کہ خون آلودہ ہوگئی اور یہ بھی رایگاں نہیں بلکہ اللہ کی راہ میں یہ تکلیف پہنچی جس کا ثواب ہوگا۔

فائدہ: اس حدیث میں بھی وہ اشکال کیا جاتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے شعر کیسے فرمایا؟ اس کا مختصر جواب گزر بھی چکا ہے، اس خاص جگہ پر یہ بھی ایک جواب دیا جاتا ہے کہ یہ رجز کہلاتا ہے، شعر نہیں ہے۔ بعض لوگوں نے یہ کہا کہ ایک آدھ شعر کہنے سے آدمی شاعر نہیں ہوتا، لہٰذا یہ آیت: ﴿وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ﴾ [یٰس: ٦٩] کے خلاف نہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ دمیت اور لقیت کی تاء ساکنہ ہے مکسورہ نہیں، اس صورت میں موزونیت سے بھی نکل گیا۔ بندۂ ناچیز کے نزدیک اگر اس کی توجیہ یہ کی جائے کہ یہ شعر حضور اقدس ﷺ کا نہیں بلکہ منقول تھا کسی دوسرے شاعر کے کلام سے تو اس صورت میں کسی اور توجیہ کی ضرورت نہیں رہے گی، چنانچہ واقدی نے اس شعر کو ولید بن ولید کا بتایا ہے اور ابن ابی الدنیا نے اپنی کتاب ''محاسبۃ النفس'' میں ابن رواحہ کی طرف نسبت کیا ہے۔ دو شاعروں سے کسی ایک شعر کا ورود ممنوع نہیں اس لئے ممکن ہے کہ دونوں نے یہ شعر کہا ہو۔ اس میں اختلاف ہے کہ یہ قصّہ کب کا ہے؟ جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ جنگ اُحد کا ہے اور بعض لوگ اس کو ہجرۃ سے قبل بتاتے ہیں۔

جندب بن سفيان: هوجد جندب بضم جيم ودال ويفتح، ابن عبد الله، فهو منسوب إلى جده. والبجلي بفتحتين: نسبة إلى بجيلة. أصاب: اختلفوا في أنه كان في بعض غزواته كما هو المشهور أو كان قبل الهجرة، وقيل: كان ﷺ يمشي إلى الصلاة، وقيل: كان في الغار؛ لما في رواية مسلم: كان ﷺ في غار فدميت إصبعه، قال الباجي: لعله غازيا، فتصحف؛ لما في الرواية الأخرى: ''في بعض المشاهد''. وتعقب بأن القول بالتصحيف لايصح لفظا ولا معنى، ومثل هذا الطعن لا يجوز في حديث مسلم. قال القاري: فالتحقيق أنه كان في غار من جبل أحد، ولا مانع من الحمل على تعدد الواقعة.

فدَمِيتْ فقال: هل أنتِ إلا إصبع دميتِ- وفي سبيل الله **مالقِيْتِ**. **حدثنا** ابن أبي عمر، حدثنا **سفيان** بن عيينة، عن الأسود بن قيس، عن جُندب بن عبد الله البَجَليّ نحوه. **حدثنا** محمد بن بشّار، حدثنا يحيى بن سعيد، حدثنا سفيان الثوريّ، حدثنا أبو إسحاق، **عن** البراء[٤] بن عازب رضي الله عنه قال: قال له رجل: **أفررتم عن رسول الله** ﷺ يوم حنين يا أبا **عُمَارة**؟ فقال: **لا**،

(۴) براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا: کیا تم سب لوگ حضور اقدس ﷺ کو چھوڑ کر جنگ حنین میں بھاگ گئے تھے؟ انھوں نے فرمایا کہ نہیں، حضور اقدس ﷺ نے پشت نہیں پھیری بلکہ فوج میں سے بعض جلد بازوں نے (جن میں اکثر قبیلہ بنی سلیم اور مکہ کے نو مسلم نوجوان تھے) قبیلہ ہوازن کے سامنے کے تیروں کی وجہ سے منہ پھیر لیا تھا۔ حضور اقدس ﷺ (جن کے ساتھ اکابر صحابہ کا ہونا ظاہر ہے، اپنی) خچرہ پر سوار تھے اور ابو سفیان بن الحارث اُس کی لگام کو پکڑے ہوئے تھے۔ حضور اُس وقت یہ فرما رہے تھے: **أنا النبي لا كذب. أنا ابن عبد المطلب**۔ میں بلا شک و شبہ نبی ہوں اور عبد المطلب کی اولاد (پوتا) ہوں۔ فائدہ: حضور اقدس ﷺ نے اپنے آپ کو بجائے باپ کے اپنے دادا عبد المطلب کی طرف اس لئے نسبت کیا کہ اُنھوں نے حضور کے غلبہ کی اطلاع کفار قریش کو دی تھی اور یہ وقت گویا اس کی تصدیق کا تھا۔ بعض نے یہ وجہ بتائی ہے کہ چونکہ آپ کے والد کا انتقال زمانہ حمل ہی میں ہوگیا تھا اس لئے آپ ابن عبد المطلب ہی کے ساتھ مشہور تھے۔ نیز یہ بھی کہا گیا کہ چونکہ عبد المطلب مشہور سردار تھے اس لئے شہرت کی وجہ سے اُس طرف نسبت فرمائی۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک وجہ یہ بھی لکھی ہے کہ کفار میں یہ بات مشہور تھی کہ عبد المطلب کی اولاد میں ایک شخص پیدا ہوگا جس سے لوگوں کو ہدایت ہوگی، وہ خاتم النبیین ہوگا اس لئے حضور ﷺ نے اس نسبت کے ساتھ ان لوگوں کو یہ مشہور چیز یاد دلائی۔

فدميت: بفتح الدال وكسر الميم يقال: دميت إصبعه وأدميتها ودميتها. مالقيت: "ما" موصولة مبتدأ و"في سبيل الله" خبره، يعني: فلا تبالي بل افرحي، وقضية كسر ليلى قدح المجنون شهيرة، وأمثالها في سير المحب والمحبوب كثيرة.
سفيان: عن سفيان، أعاد الحديث بسند آخر؛ ليدل على أن جندب بن سفيان المذكور في السند السابق هو ابن عبد الله هذا.
رجل: جاء في رواية أنه من قيس لكن لا يعرف اسمه. أفررتم: [أي: أهربتم من العدوّ يوم حنين.] عن رسول الله: متعلق بمحذوف أي: معرضين عنه وتاركين له، أو منكشفين عنه بوضوح أن فرارهم كان عن الكفار لا عنه ﷺ. عمارة: بضم العين المهملة وتخفيف الميم كنية البراء. لا: [أي: لم نفر كلنا بل بعضنا، لأن أكابر الصحب لم يفروا.]

والله ما ولّى **رسول الله** ﷺ، ولكن **سَرَعان** الناس، تلقّتهم **هوازن** بالنّبل، ورسول الله ﷺ على **بَغْلته**، و**أبو سفيان** بن الحارث بن عبد المطّلب آخذ بلجامها، ورسول الله ﷺ **يقول**:

أنا النبي لا كذبْ - أنا ابن عبد المطّلب.

غزوۂ حنین سنہ ۸ ہجری میں ہوا ہے۔ قبائل عرب ایک زمانہ سے اپنے اسلام لانے میں فتح مکہ کے منتظر تھے کہ اگر حضور ﷺ نے اس پر قبضہ کر لیا تب تو سمجھو کہ آپ غالب ہیں اور بے چوں و چرا اطاعت کرو اور اگر مکہ مکرمہ فتح نہ ہو تو سمجھ لو کہ یہ لوگ غالب نہیں ہو سکتے۔ بالآخر جب مکہ مکرمہ فتح ہو گیا تو قبیلۂ ہوازن وغیرہ نے بھی جو مواضع حنین وغیرہ کے رہنے والے تھے، اپنی قسمت آزمائی کا فیصلہ چاہا اور چند قبائل نے مل کر یکجائی لڑائی کے خیال سے حنین پر جو مکہ مکرمہ سے طائف و عرفات کی جانب میں تقریباً دس میل کے فاصلہ پر واقع ہے، وہاں مجتمع ہوئے۔ ہر چند کہ بعض تجربہ کار بوڑھوں نے ان کو اس ارادہ سے روکا مگر بعض جوشیلے نوجوانوں نے نہ مانا اور یہ کہہ کر کہ مسلمانوں کو اب تک تجربہ کار لڑنے والوں سے سابقہ نہیں پڑا تھا اس لئے غالب ہوتے جا رہے ہیں مبادا ہم پر بھی حملہ کریں اس لئے خود ہی ابتدا کرنی چاہئے، بیس ہزار سے زیادہ

رسول الله: سئل عن فرارهم فأجاب بعدم فراره عليه السلام، إما لأنه يلزم من ثبات الرسول عدم فرار أكابر الصحابة، وإما لأن فرارهم يوهم تولية الرسول ﷺ لبعد ثباته منفرداً، و لم ينقل أنه عليه السلام انهزم في موطن قط، ومن ثم أجمعوا على أنه لا يجوز الانهزام عليه قط، فمن زعم أنه انهزم وقصد التنقيص كفر، وإن لم يقصد أدّب تأديباً عظيماً عند الشافعي، وقتل عند مالك قاله المناوي. قلت: والأوجه عندي في الجواب أن مدار فرار الخميس على القلب، والنبي ﷺ كان في القلب، وعلى هذا يطابق الجواب السؤال، ويصح الاستدراك أيضاً. والمعنى: أن القلب يعني النبي ﷺ ومن معه لم يتولوا بل تولى سرعان الناس الذين كانوا في المقدمة. سرعان: بفتح السين والراء ويسكن: أوائلهم، وأطال الكلام في ضبطه المناوي.
هوازن: [قبيلة مشهورة بالرمي لا تخطئ سهامهم.] بغلته: [أي: البيضاء التي أهداها له المقوقس، وهي دلدل ماتت في زمن معاوية رضي الله عنه.] وأبو سفيان: [ابن عم رسول الله وأخوه من الرضاعة، كان يألفه قبل البعثة، كان شاعرا فارسًا، فلما بعث عليه السلام آذاه، ثم أسلم وحسن إسلامه.] يقول: قال الحافظ ابن حجر: أجيب عن مقالته ﷺ هذه بأجوبة: منها أنه نظم غيره وأنه كان فيه: أنت النبي لا كذب- أنت ابن عبد المطلب. فذكره بلفظ: أنا في الموضعين، ومنها أنه رجز ليس بشعر، وهذا مردود، ومنها أنه لا يسمى شعراً حتى يتم قطعة، وهذه كلمات يسيرة ولا تسمى شعراً، ومنها أنه خرج موزونا و لم يقصدبه الشعر، وهذا أعدل الأجوبة.

مجمع لڑائی کے لئے جمع کر لیا۔ حضور ﷺ کو جب اس کا علم ہوا تو دس بارہ ہزار کا مجمع جس میں مہاجرین و انصار اور فتح مکہ کے نو مسلم شریک تھے، نیز ایک جماعت کفار مکہ کی بھی شریک تھی جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئی تھی، ان میں سے بعض لوگ غنیمت کے لالچ سے شریک ہوئے تھے اور بعض لوگ محض لڑائی کا نظارہ دیکھنے گئے تھے۔ حضور اس لشکر کے ساتھ ٦ شوال سنہ ٨ ہجری کو حنین کی جانب روانہ ہوئے۔ مسلمانوں کو حنین تک پہنچنے کے لئے ایک نہایت تنگ گھاٹی سے گزرنا پڑتا تھا۔ دشمنوں نے اپنے لشکر کو اُن پہاڑوں میں چھپا رکھا تھا، جیسے ہی مسلمان وہاں کو گزرے انھوں نے دفعتہً تیروں کا نشانہ بنایا۔ مسلمان اس بے خبری کے حملہ سے سخت گھبرائے اور پریشان ہو کر ادھر اُدھر متفرق ہوگئے۔

بخاری کی روایت میں ہے کہ مسلمانوں کے ابتدائی حملہ میں کفار کو ہزیمت ہوئی اور وہ پیچھے بھاگے۔ یہ لوگ غنیمت جمع کرنے میں لگ گئے کہ دفعتہً ان لوگوں نے جو پہاڑیوں کے درمیان چھپے ہوئے تھے چاروں طرف سے حملہ کر دیا، یہ مجمع نہایت پریشانی کی حالت میں ادھر اُدھر منتشر ہوگیا۔ حضور اقدس ﷺ کے ساتھ بجز چند اکابر صحابہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ، وغیرہ وغیرہ چند حضرات کے کوئی بھی نہیں رہا تھا، اس پریشانی کی حالت میں بعض ضعیف الاسلام لوگوں کا عقیدہ بھی متزلزل ہوا اور بعض نے آوازیں اور فقرے کسنا شروع کئے۔

بعض لوگ بھاگ کر مکہ واپس آگئے اور مسلمانوں کے مغلوب ہو جانے کا مژدہ ان لوگوں کو سُنایا جو مسلمان نہ ہوئے تھے یا ظاہری طور پر اسلام قبول کر لیا تھا۔ حضور کا ہاشمی خون اس وقت جوش پر تھا، آپ نے اس خوف ناک منظر میں اپنی سواری سے اتر کر پا پیادہ أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِب کہتے ہوئے دشمنوں کی فوج کا رُخ کیا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے مہاجرین انصار اور اصحاب شجرہ کو علیحدہ علیحدہ ایک ایک آواز دی کہ کہاں جا رہے ہو؟ ادھر آؤ۔ آواز کا سُننا تھا کہ پریشان حال متفکر جماعت لبیک کہتی ہوئی ایسی جوشِ محبت میں لوٹی جیسے اونٹنی اپنے بچّہ کی طرف لوٹتی ہے۔ مسلمانوں کا لوٹنا تھا کہ طرفین میں ایک گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ حضور اقدس ﷺ نے زمین سے کچھ مٹی کنکریاں وغیرہ اٹھا کر شَاهَت الوُجُوه کہتے ہوئے مقابل پر پھینکی۔ تھوڑی دیر لڑائی کا یہ منظر رہا اُس کے بعد لڑائی کا رُخ ایسا پھرا کہ جس میدان میں مسلمان پریشان نظر آرہے تھے اب کافر بد حواس بھاگتے ہوئے نظر آنے لگے اور اپنا مال و متاع، اہل و عیال مسلمانوں کے لئے مال غنیمت بنا کر ایسے بھاگے کہ ادھر کا رُخ بھی نہ کیا۔ قصہ حسبِ ضرورت مختصر طور سے لکھا گیا جو صاحب مفصّل دیکھنا چاہیں کسی اُردو اسلامی تاریخ میں دیکھ لیں۔

تنبیہ: یہاں پر ایک امر پر تنبیہ اشد ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی واقعہ کے متعلق صرف ایک دو روایت دیکھنے سے کسی قسم کا اشکال پیدا کر لینا یہ علم کی کوتاہی ہے، کسی ایک دو حدیث میں اکثر واقعہ کی پوری تفصیل نہ آسکتی ہے نہ مقصود ہوتی ہے، ہر واقعہ کے متعلق اگر کوئی رائے قائم کرنا ہو تو جب تک اُس واقعہ کے پورے حالات سامنے نہ ہوں رائے زنی بے محل ہے۔ اسی جنگ حنین کے متعلق کسی مختصر تاریخ کو دیکھ کر یا ایک دو حدیثوں کا ترجمہ دیکھ کر یہ خیال کرنا کہ حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ساری جماعت یا یہ پورا لشکر دس ہزار کا بھاگ گیا تھا اور بجز دو چار نفر کے حضور کے ساتھ کوئی بھی نہیں رہا تھا، واقعہ کے خلاف ہونے کے علاوہ عقل سے بھی دور ہے۔ کفار کی جماعت جو بیس ہزار سے زیادہ تھی اُس کو کیا مشکل تھا کہ دو چار نفر کا محاصرہ کر لیتے جب کہ سب بھاگ چکے تھے، چہ جائیکہ ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ حضور تنہا تھے، کوئی بھی ساتھ نہ تھا۔ زیادہ تعجب ان لوگوں پر ہے جو لڑائیوں کے حالات سے واقف ہوتے ہیں، لشکروں کی ترتیب اور حملہ کے حالات پر بصیرت رکھتے ہیں وہ کسی ایسی روایت سے متعجب یا متاثر ہوں۔

لشکر کی عام ترتیب کے موافق پانچوں حصوں پر حضور اقدس ﷺ نے اس لشکر کی بھی ترتیب فرمائی تھی، مقدمہ الجیش (لشکر کا اگلا حصہ) میمنہ میسرہ (دایاں بایاں حصہ) قلب یعنی درمیانی حصہ جس میں امیر لشکر کی حیثیت سے نبی کریم ﷺ جلوہ افروز تھے اور پانچواں حصہ لشکر کا پچھلا حصّہ، اس کے علاوہ ہر ہر جماعت کا مستقل حصہ تھا جس کا ایک امیر مستقل جھنڈہ لئے ہوئے تھا، اُس کی جماعت اُس کے ساتھ تھی۔ مہاجرین کا جھنڈہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ، سعد بن ابی وقاص، اسید بن نضیر، خباب بن منذر رضی اللہ عنہم وغیرہ وغیرہ حضرات ایک ایک جماعت کے امیر بنے ہوئے اپنی اپنی مقررہ جگہ پر مامور تھے۔

مقدمہ الجیش میں قبیلہ بنی سلیم کی جماعت تھی جس کا جھنڈہ حضرت خالد بن ولید کے ہاتھ میں تھا، یہ جماعت لشکر کا اگلا حصہ تھا، اسی جماعت کے ساتھ یہ قصّہ پیش آیا کہ جب یہ گھاٹیوں کے درمیان سے نکلے تو دشمنوں نے اول پسپائی اختیار کی جس کی وجہ سے ان کو آگے بڑھنے اور اپنے کو غالب سمجھ کر مالِ غنیمت کی طرف متوجہ ہونے کا موقعہ ملا اور چھپے ہوئے دشمنوں نے چاروں طرف تیر برسانا شروع کر دیے۔ ایسی صورت میں اس جماعت کی پسپائی بھی فطری چیز تھی اور ان کی پسپائی سے تمام لشکر میں تشویش انتشار ادھر اُدھر دوڑنا ضروری تھا، لیکن اس کا مطلب یہ لینا کہ سارا ہی لشکر بھاگ گیا تھا، پورے حالات پر نظر نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔

چنانچہ عبد الرحمن ایک شخص کا بیان نقل کرتے ہیں جو اُس وقت کافر تھا کہ ہم نے جب مسلمانوں پر حنین میں حملہ کیا اور ان کو پیچھے ہٹانا شروع کیا تو وہ ہمارے مقابلہ کی تاب نہ لا سکے اور پیچھے ہٹتے رہے، ہم لوگ ان کا تعاقب کرتے رہے اور آگے بڑھتے بڑھتے ہم ایک ایسے شخص تک پہنچے جو سفید خچر پر سوار تھے اور نہایت حسین چہرہ والے، لوگ ان کے گرد جمع تھے۔ انھوں نے ہم کو دیکھ کر شَاهَتِ الوُجُوهِ اِرْجِعُوْا کہا، یہ کہنا تھا کہ ہم مغلوب ہونا شروع ہوگئے اور وہ جماعت ہم پر چڑھ گئی۔

اسی بنا پر حضرت براء نے شمائل کی روایت میں جو اوپر گزری یہ کہا کہ حضور نے منہ نہیں پھیرا بلکہ کچھ تیز رو لوگ جو تیروں کو برداشت نہ کر سکے بھاگے تھے۔ اس کے ساتھ ہی یہ قصّہ بھی پیش آیا کہ حضور اقدس ﷺ نے جس راستے سے بڑھ رہے تھے اُس کو ترک فرما کر دائیں جانب کو بڑھنا شروع کیا۔ غور کرنے کی بات ہے کہ اس انتشار کی حالت میں لشکر کے اکثر حصہ کو کیسے یہ معلوم ہو سکتا تھا کہ حضور نے اس وقت کس جانب کو بڑھنے کا ارادہ کیا، ایسی حالت میں حضور کے قریب ایک وقت میں سو آدمیوں کا رہ جانا جیسا کہ ایک روایت میں وارد ہے اور ایک موقعہ پر اسّی کا رہ جانا جیسا کہ دوسری روایت میں وارد ہے، حتیٰ کہ جب حضور نے خچر کو تیزی سے بڑھایا تو سامنے سے لوگ ہٹتے رہے اور صرف بارہ آدمی رہ گئے، اور اس کے بعد صرف وہ چار شخص رہ گئے جو خچر کی باگ اور رکاب تھامے ہوئے تھے یا رکاب وغیرہ پکڑے ہوئے تھے، حتیٰ کہ جب خچر بھی حضور کی منشاء کے موافق نہ بڑھ سکا تو حضور اُس پر سے اتر کر تن تنہا کنکریوں کی ایک مٹھی لے کر ان کی طرف بڑھ گئے، یہی وقت ہے جس کو بخاری شریف کی روایت میں اس سے تعبیر کیا کہ حضور تنہا تھے کوئی بھی ساتھ نہ تھا۔ اس کے ساتھ ایک اجمالی مضمون اپنے ذہن میں یہ ہونے سے کہ اس جنگ میں لوگ بھاگ گئے تھے یہ تجویز کر لینا کہ سارے ہی صحابہ حضور کے علاوہ بھاگ گئے تھے، پورے واقعات پر نظر نہ ہونے کا ثمرہ ہے۔

چونکہ پورے لشکر میں انتشار تھا اور یقیناً بہت سے لوگ بھاگ بھی رہے تھے بلکہ بعض لوگ اس ہزیمت سے خوش بھی ہو رہے تھے، جیسا کہ مفصّل واقعات میں مذکور ہے، ایک کو دوسرے کی خبر نہ تھی، جیسا کہ انتشار کے وقت کا لازمی نتیجہ ہے، اس لئے حضور نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے جو نہایت بلند آواز تھے، لوگوں کو آوازیں دلوائیں اور مہاجرین، انصار اصحابِ شجرہ وغیرہ جماعتوں کو علیحدہ علیحدہ آواز دلوائی جس کے سُننے پر وہ سب پھر حضور کے گرد جمع ہوگئے، اور دوسرے حملہ میں میدان مسلمانوں کے ہاتھ تھا۔

حدثنا إسحاق بن منصور، حدثنا عبد الرزاق، حدثنا جعفر بن سُليمان، أنبأنا ثابت، عن[٥] أنس رضي الله عنه: أن النبي ﷺ دخل مكّة في عمرة **القضاء**، وا**بنُ رَوَاحة** (عبد الله) يمشي بين يديه وهو

بہر حال اس مضمون میں کہ حضور اقدس ﷺ کے ساتھ اُس وقت کتنے آدمی تھے، مختلف روایتیں ہیں اور ہر روایت اپنے اپنے موقع پر چسپاں ہے، حتی کہ صحیح بخاری کی روایت کہ حضور تن تنہا تھے کوئی ساتھ نہ تھا، بھی اپنی جگہ پر صحیح ہے کہ جب حضور نے خچر سے اتر کر آگے بڑھ کر ان پر کنکریاں یا مٹی پھینکی تو سب ہی اُس وقت پیچھے رہ گئے تھے اور حضور تنہا بڑھے چلے جارہے تھے، لیکن کسی روایت میں بھی یہ نہیں ہے کہ جتنے کسی وقت حضور کے قریب تھے ان کے علاوہ باقی سب ہی بھاگ گئے تھے۔

(۵) انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور اقدس ﷺ عمرۃ القضا کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو عبد اللہ بن رواحہ اپنی گردن میں تلوار ڈالے ہوئے حضور اقدس ﷺ کی اونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے آگے آگے چل رہے تھے اور یہ اشعار پڑھ رہے تھے خَلُّوابَنِي الْكُفَّار الخ کافر زادو! ہٹو، آپ کا راستہ چھوڑو، آج حضور اقدس کے مکہ مکرمہ آنے سے روک دینے پر جیسا کہ تم گزشتہ سال کر چکے ہو، ہم تم لوگوں کی ایسی خبر لیں گے کہ کھوپڑیوں کو تن سے جدا کر دیں گے اور دوست کو دوست سے بھلا دیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابن رواحہ کو روکا کہ اللہ کے حرم میں اور حضور اقدس ﷺ کے سامنے شعر پڑھتے جارہے ہو! حضور نے ارشاد فرمایا کہ عمر! روکو مت، یہ اشعار اُن پر اثر کرنے میں تیر برسانے سے زیادہ سخت ہیں۔

القضاء: أي قضاء عمرة الحديبية، وهو صريح لما قاله علماؤنا من أن المحصر يجب عليه القضاء، سواء كان حجه فرضاً أو نفلاً، أو كان إحرامه لعمرة قاله القاري. قلت: يعني أن تسميته بعمرة القضاء مؤيد لنا، وما أوله الشافعية من أن المراد به القضية بمعنى المقاضاة لايساعده اللفظ.

وابن رواحة: أي: عبد الله بن رواحة، وكان من أحد شعرائه ﷺ، والحديث أخرجه المصنف في جامعه، ثم قال: وروي في غير هذا الحديث أن النبي ﷺ دخل مكة في عمرة القضاء، وكعب بن مالك بين يديه، وهذا أصح عند بعض أهل الحديث؛ لأن ابن رواحة قتل يوم موتة وإنما كانت عمرة القضاء بعد ذلك. وتعقبه الحافظ في الفتح كما ذكر في هامش الكوكب الدري؛ إذ قال: ما حكي قول الترمذي هذا ذهول شديد وغلط مردود، وما أدري كيف وقع الترمذي في ذلك مع وفور معرفته إلى آخر ما ذكره. وحاصله: أن عمرة القضاء قبل سرية موتة التي استشهد فيها ابن رواحة.

يقول: خَلّوا بني الكفّار عن سبيله- اليوم نضربكم على **تنـــزيله**- ضَرْباً يُزيل الْهام عن **مَقِيله** - **ويُذهِل** الخَلِيل عن خليله. **فقال له عمر**: يا ابن رَوَاحة! بين يديْ رسول الله ﷺ وفي حرم الله تعالى تقول الشعر! فقال النبيّ ﷺ خلِّ عنه يا عمر! فلهي اَسْرَع فيهم من نَضح النبل. **حدثنا** عليّ بن حُجر، أنبأنا شريك، عن **سِماك** بن حَرب،

[الرؤوس] التخلية: دست بازداشتن أي رمي السهم

فائدہ: سنہ ٦ ہجری میں حضور اقدس ﷺ نے عمرہ کا ارادہ فرمایا تھا لیکن کفار مکہ نے حضور کو موضع حدیبیہ میں روک دیا تھا۔ اُس وقت جو شرائط فریقین میں ٹھہری تھیں اُن میں یہ بھی تھا کہ سال آئندہ آکر اپنا عمرہ پورا کرلیں۔ اس معاہدہ کی بناپر ذیقعدہ سنہ ٧ ہجری میں حضور اقدس ﷺ نے عمرہ کا ارادہ فرمایا۔ یہ عمرہ حنفیہ کے نزدیک پہلے عمرہ کی قضاء ہے اور اس عمرہ کا نام عمرۃ القضاء ہونا بھی حنفیہ ہی کی تائید کرتا ہے۔ بعض ائمہ شافعیہ وغیرہ کا اس میں خلاف ہے، اس کی بحث شروح حدیث میں مفصّل مذکور ہے۔ اسی سفر میں حضور اقدس ﷺ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اور باعزت و شوکت عمرہ سے فراغت فرماکر حسبِ قرارداد تین دن مکہ مکرمہ میں قیام فرمایا اور پھر مدینہ منورہ کو واپسی ہوگئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور کے ادب اور حرم کے احترام کی رعایت سے ابن رواحہ کو منع فرمایا لیکن حضور اقدس ﷺ نے مقامی اور وقتی مصلحت سے کہ اشعار بھی لسانی جہاد ہے، اس کو باقی رکھا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ حق تعالیٰ شانہ نے قرآن پاک میں شعر کی مذمت نازل فرمائی، تو حضور نے ارشاد فرمایا کہ مؤمن تلوار سے بھی جہاد کرتا ہے

يقول: اختلفت الروايات في ألفاظ هذه الأبيات وترتيب مصاريعها كما بسطه الحافظ في الفتح. خلّوا: [خلّوا له مكّة؛ لأن المشركين خرجوا من مكّة يومئذ إلى رؤوس الجبال.] تنـــزيله: قال القاري: أي: بناءً على كونه ﷺ رسولاً منـــزلاً عليه الوحي، أو بناء على تنـــزيلكم إياه وإعطاء العهد والأمان، وعلى كل فالضمير في كلا المصراعين إلى رسول الله وهو الظاهر، وأبعد ابن حجر حيث جعل الضمير إلى القرآن. قلت: وهذا هو المعروف عند شراح الحديث، وقال المناوي: قوله: "على تنـــزيله" أي: على تنـــزيل النبي ﷺ في مكة، ولا نرجع كما رجعنا في عام الحديبية، أو على تنـــزيل القرآن وإن لم يتقدم له ذكر. عن مقيله: [عن محله الذي هو الأعناق.] ويذهل: [أي: ويشغل ويبعد المحب عن حبيبه لشدته.] فقال له عمر: [على سبيل اللوم والتوبيخ.] سماك: بكسر السين وتخفيف الميم.

عن(٦) جابر بن سَمُرة قال: جالست النبيّ ﷺ أكثر من مائة مرة، وكان أصحابه **يَتَنَاشَدُون** الشِّعر ويتذاكرون أشياء من أمر **الجاهليّة** وهُوَ **ساكتٌ**، وربّما تبسّم معهم.

اور زبان سے بھی، اور یہ زبانی جہاد بھی ایسا ہی ہے گویا کہ تم تیر برسا رہے ہو۔ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اشعار بھی جہاد کے حکم میں ہیں مگر شرائط اور قواعد کی رعایت جیسا کہ اُس جہاد میں ضروری ہے اس میں بھی ہے۔

(٦) جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں سو مجلسوں سے زیادہ بیٹھا ہوں جن میں صحابہ اشعار پڑھتے تھے اور جاہلیت کے زمانہ کے قصے قصائص نقل فرماتے تھے، حضور اقدس ﷺ (اُن کو روکتے نہیں تھے) خاموشی سے سُنتے تھے، بلکہ کبھی کبھی اُن کے ساتھ ہنسنے میں شرکت فرماتے تھے۔

فائدہ: یعنی ان تذکروں میں کوئی ہنسی کی بات ہوتی تو حضور بھی تبسم فرماتے، جس سے معلوم ہوا کہ وہ سکوت اور خاموشی ناراضی یا گرانی سے نہ تھی بلکہ توجہ باطنی کی وجہ سے ہوتی تھی، اس لئے کوئی بات ایسی ہوتی تو حضور بھی تبسم فرماتے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کاتبِ وحی فرماتے ہیں کہ میں حضور کے پڑوس میں رہتا تھا، جب وحی نازل ہوتی تو مجھے طلب فرما کر اُس کو لکھوا دیا کرتے تھے۔ ہم لوگ جب دنیا کے تذکرے کرتے تو حضور بھی دنیا کا تذکرہ فرماتے تھے اور جب ہم آخرت کے متعلق تذکرہ کرتے تو حضور بھی آخرت کا تذکرہ فرماتے، جب ہم کھانے کا کوئی تذکرہ کرتے تو حضور اُسی نوع کا تذکرہ فرماتے۔ مطلب یہ ہے کہ جس نوع کا تذکرہ صحابہ کرام کرتے تھے حضور اقدس ﷺ کمالِ شفقت و رأفت کی وجہ سے اُسی نوع کے تذکرے ان کی دلداری کے لئے فرماتے، یہ نہ تھا کہ حضور کی مجلس میں صرف دین ہی دین کا تذکرہ ہو اور کوئی تذکرہ حضور کی مجلس میں نہ آئے کہ ان مختلف انواع کے تذکروں سے حضور کے ساتھ محبت اور موانست بڑھتی تھی، اور جب ایک ہی نوع کا ذکر ہر وقت رہے تو بسا اوقات توحّش کا سبب بن جاتا ہے، بالخصوص اجنبی کے لئے کہ اجانب عموماً دنیاوی اغراض لے کر آتے ہیں اور یہی تذکرے ان کے تعلقات اور موانست کا سبب بنتے ہیں۔

يتناشدون: أي: يطلب بعضهم بعضا أن ينشد الشعر المحمود، والإنشاد: هو أن يقرأ شعر الغير. وفي بعض النسخ: يناشدون من باب المفاعلة قاله القاري، وقال المناوي: التناشد والمناشدة: قراءة البعض على بعض شعراً.

الجاهلية: [زمن ما قبل الإسلام.] **ساكت:** أي على عادته الشريفة، كما تقدم في باب كلامه ﷺ من حديث ابن أبي هالة من أنه كان طويل السكت، لا يتكلم في غير حاجة، أو المعنى ساكت عنهم لا يمنعهم من إنشاد الشعر.

حدثنا عليّ بن حُجر، أنبأنا شريك، عن عبد الملك بن عُمير، مصغراً عن أبي سلمة، **عن** (٧) أبي هريرة رضي الله عنه، عن النبي ﷺ قال: **أشعر** كلمةٍ تكلّمت بها **العرب**: كلمة لبيد: ألاكل شيء ما خلا الله باطل.

حدثنا أحمد بن منيع، حدثنا مروان بن معاوية، عن عبد الله بن عبد الرحمن الطّائِفي، عن **عمرو** بن الشّريد **عن** أبيه (٨) قال: كنتُ **رِدْف** رسول الله ﷺ **فأنشدتُه** مائة **قافية** من قول أميّة بن أبي الصَّلت الثقفيّ، كلّما أنشدتُه بيتاً قال لي النبي ﷺ: **هِيْهِ** حتى أنشدته مائةً، يعني: بيتًا، فقال النبي ﷺ: إن كاد لَيُسلم. مخففة من الثقيلة

---

(٧) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ شاعرانِ عرب کے کلام میں بہترین کلمہ لبید کا یہ مقولہ ہے: **ألاكُلّ شَيءٍ مَاخَلَا اللهَ بَاطِل.** **فائدہ:** ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث اسی باب کے نمبر ۲ پر گزر چکی ہے۔

(٨) حضرت شرید کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضور کے ساتھ سواری پر آپ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا، اُس وقت میں نے حضور کو امیّہ کے سو شعر سُنائے، ہر شعر پر حضور ارشاد فرماتے تھے کہ اور سُناؤ۔ اخیر میں حضور نے ارشاد فرمایا کہ اُس کا اسلام لے آنا بہت ہی قریب تھا۔ **فائدہ:** اس کی وجہ پہلے گزر چکی ہے کہ اُس کے اشعار میں توحید، اعترافِ قیامت وغیرہ امورِ حقہ ونصائح زیادہ ہوتے تھے، یہی وجہ حضور اقدس ﷺ کے سُننے کی تھی اور یہی وجہ اس کے قریب عن الاسلام ہونے کی تھی۔

أشعر: أي: أحسنها وأدقها وأجودها. العرب: [العرب العاربة والعرب العرباء، وهم خلاف العجم، وهم أولاد إسماعيل عليه السلام.]
عمرو: بالواو على الصواب، وفي نسخة بدون الواو ولا يصح؛ إذ ليس في الرواة أحد اسمه عمر بن الشريد وهو عمرو بن سويد الثقفي. قال عصام: لم أجد ترجمته وتعقبه المناوي. ردف: [أي: راكبا خلف رسول الله ﷺ على الدابة.]
فأنشدته: هكذا في المتون الموجودة عندي، وزاد في بعض الشروح بعد قوله: كنت ردف النبي ﷺ فقال: هل معك من شعرأمية بن أبي الصلت شيء؟ فقلت: نعم، فقال: هيه، فأنشدته بيتا فقال: هيه، ثم أنشدته بيتا فقال: هيه، حتى أنشدته مائة بيت فأنشدته مائة قافية، الحديث. والظاهر أن هذه ليست بنسخة بل وقع التخليط في المتن والشرح واختلط رواية بالأخرى.
قافية: المراد بها البيت، أطلق الجزء وأراد الكل مجازاً. هيه: بكسر الهاء وإسكان الياء وكسر الهاء الثانية، قالوا: والهاء الأولى مبدلة من الهمزة، والأصل: "إيه" للاستزادة من الحديث المعهود، وتستعمل للاستزادة من غير معهود اسم فعل بمعنى حدث، وهي بسكون الهاء كلمة زجر بمعنى: "حسبك" فما في بعض الأحوال من ضبطها ههنا بالسكون مشكل قاله المناوي.

حدثنا إسماعيل بن موسى الفَزَاريّ، وعليّ بن حُجر -والمعنى واحد- قالا: أنبأنا عبد الرحمن بن أبي الزِّناد، عن هشام بن عروة، عن أبيه، **عن**[۹] عائشة رضي الله عنها قالت: كان رسول الله ﷺ يضع **لحسّان** بن ثابت **منبرا** في المسجد يقوم عليه قائما، **يُفَاخر** عن رسول الله ﷺ - أو قال: **ينافح** عن رسول الله ﷺ - ويقول رسول الله ﷺ: ان الله يؤيد حسَّان **بروح القدس** ما ينافح،

بالفتح

مادام

بعض علماء نے نقل کیا ہے کہ حضور کا یہ ارشاد اس شعر پر تھا:

لك الحمد والنعماء والفضل ربنا فلا شيء أعلى منك حمداً ولا مجداً

اے ہمارے رب! آپ ہی کے لئے سب تعریفیں ہیں اور آپ ہی کے لئے ملک کی تمام نعمتیں ہیں اور آپ ہی کے لئے سب فضیلتیں ہیں، نہ آپ سے زیادہ کوئی تعریف کے قابل ہے نہ آپ سے زیادہ کوئی بڑائی والا ہے۔

(۹) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے لئے مسجد میں منبر رکھایا کرتے تھے تاکہ اُس پر کھڑے ہو کر حضور کی طرف سے مفاخرۃ کریں، یعنی حضور کی تعریف میں فخریہ اشعار پڑھیں یا حضور کی طرف سے مدافعت کریں یعنی کفار کے الزامات کا جواب دیں (یہ شکِ راوی ہے) اور حضور یہ بھی فرماتے تھے کہ حق تعالیٰ شانہ روح القدس سے حسان کی امداد فرماتے ہیں جب تک وہ دین کی امداد کرتے ہیں۔ **فائدہ**: جہاد ہر وقت اور ہر زمانہ میں مختلف انواع سے ہوتا ہے۔ حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں ایک جہاد سیفی تھا کہ تلوار سے باہم فیصلہ ہو جائے، دوسرا جہاد لسانی تھا کہ وقتیہ اشعار و قصائد پڑھے جائیں اور ان اشعار میں مقابلے ہوتے تھے اپنے فخر کے واقعات ذکر کئے جاتے تھے جیسا کہ آج کل مناظروں کا طرز ہے۔

لحسان: ضبط منصرفًا وغير منصرف بناء على أنه فَعّال أو فَعْلَان، والثاني هو الأظهر قاله القاري، وقال أيضاً: هو حسان ابن ثابت بن المنذر بن عمرو بن حرام الأنصاري، عاش مائة وعشرين سنة، نصفها في الإسلام، وكذا عاش أبوه وجده وجد أبيه المذكورون. وفي الحديث دليل على جواز الإنشاد في المسجد للضرورة.

منبراً: أي آلة النبر وهو الارتفاع، وكل شيء رفع فقد نبر. يفاخر: أي: يذكر مفاخر رسول الله ﷺ. ينافح: أي: يخافهم ويدافع من نفحت الدابة: ضربت برجلها. بروح القدس: أي: جبرئيل، وقد جاء في حديث مصرحاً. وسمي به؛ لأنه يأتي الأنبياء بما فيه الحياة الأبدية، وإضافته إلى القدس وهو الطّهارة؛ لأنه خلق منهما. والمراد بتأييده: إمداده بأبلغ جواب، أو أنه يحفظه عن الأعداء.

أو **يفاخر** عن رسول الله ﷺ. **حدثنا** إسماعيل بن موسى، وعليّ بن حُجْر قالا: حدثنا ابن أبي الزّناد، عن أبيه، عن عروة، عن عائشة رضي الله عنها، عن النبي ﷺ **مثله**.

ایک مرتبہ بنو تمیم کا وفد آیا، ان کے ساتھ ان کا شاعر اقرع بھی تھا، انھوں نے آکر حضور کو مناظرانہ دعوت اشعار اور فخریہ مضامین بیان کرنے کی دی۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ میری بعثت نہ تو اشعار کے لئے ہے نہ فخر کے لئے، تاہم یہ مناظرہ بھی کرلو، اول ان کا مقرر کھڑا ہوا تو حضور نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ مقابلہ پر تقریر کریں، اُس کے بعد ان کا شاعر کھڑا ہوا جس کے جواب کے لئے حضور اقدس ﷺ نے حضرت حسان کو حکم فرمایا، دونوں مناظروں میں مسلمانوں کو غلبہ رہا اور سب سے اول ان کا شاعر مسلمان ہوا۔ غرض اشعار کا مقابلہ اُس وقت کا عام دستور تھا اور یہ اشعار کثرت سے نقل کئے جاتے تھے اور یہ اشعار اُن پر مؤثر بھی ہوتے تھے، چنانچہ اسی باب کی پانچویں حدیث میں یہ مضمون گزر چکا ہے۔ مسلم شریف میں بروایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کا یہ ارشاد وارد ہے کہ ہجو (مذمت بیان کرنا) قریش کے لئے تیر برسانے سے زیادہ نافع ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں استیعاب سے نقل کیا ہے کہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے اشعار کے بارے میں استمزاج کیا تو آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ مؤمن اپنی تلوار سے بھی جہاد کرتا ہے اور زبان سے بھی۔ اسی قصہ کی ایک روایت میں ہے کہ واللہ! یہ اشعار اُن پر ایسے جا کر لگتے ہیں جیسے تیر۔

يفاخر: شك من الراوي على طبق الشك السابق، إلا أنه نشر لا على طريق اللف. مثله: أي: مثل الحديث المتقدم، والفرق بين الإسنادين: أن في الأول رواية عبد الرحمن عن هشام عن عروة، وهذا رواية عبد الرحمن عن أبيه عن عروة، بدل هشام عن عروة، والسندان متصلان، وذكرهما للتقوية قاله القاري.

بابُ ما جاء في كلام رسول الله ﷺ في السَّمر

حدثنا الحسن بن صبّاح **البزّار**، حدثنا **أبو النضر**، حدثنا أبو عَقيل الثقفيّ: عبد الله بن عَقيل، عن مُجالد، عن الشعبيّ، عن مسروق، **عن**(١) عائشة رضي الله عنها قالت: حدّث رسول الله ﷺ **ذات ليلة** نساءه حديثا فقالت امرأة منهن:
[أزواجه]

باب۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام رات کو قصہ گوئی میں

فائدہ: یعنی حضور نے جو قصے کہانی نقل فرمائے ہیں اُن کا نمونہ۔ دو حدیثیں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں ذکر فرمائی ہیں:

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر والوں کو ایک قصہ سُنایا۔ ایک عورت نے کہا: یہ قصہ حیرت اور تعجب میں بالکل خرافہ کے قصوں جیسا ہے (عرب میں خرافہ کے قصّے ضرب المثل تھے) حضور نے دریافت فرمایا کہ جانتی بھی ہو خرافہ کا اصل قصہ کیا تھا؟ خرافہ بنو عذرہ کا ایک شخص تھا جس کو جنّات پکڑ کے لے گئے تھے، ایک عرصہ تک اُنھوں نے اُس کو اپنے پاس رکھا پھر لوگوں میں چھوڑ گئے، وہاں کے زمانۂ قیام کے عجائبات وہ لوگوں سے نقل کرتا تھا تو وہ متحیر ہوتے تھے، اُس کے بعد سے لوگ ہر حیرت انگیز قصہ کو حدیثِ خرافہ کہنے لگے۔ **فائدہ:** ممکن ہے کہ اس شخص کا نام کچھ اور ہو۔ اُس کے قصوں کو لوگ جھوٹ اور من گھڑت سمجھتے تھے اس لئے وہ شخص خرافہ سے مشہور ہوگیا۔

السمر: [هو الحديث بالليل، والمقصود من هذا الباب أنّه ﷺ جوّز السمر] بفتح السين المهملة وسكون الميم، حديث الليل، من المسامرة وهي المحادثة، وفي النهاية: الرواية بفتح الميم، ورواه بعضهم بسكون الميم. وأصل السمر ضوء لون القمر، سمي به؛ لأنهم كانوا يتحدثون فيه قاله القاري، وقال البيجوري: هو بفتح الميم أي حديث الليل، وجوز بعضهم تسكينه على أنه مصدر بمعنى المسامرة وهي المحادثة. وقال المناوي: السمر بفتح الميم حديث الليل. وأصله الليل وحديثه وظل القمر كما في القاموس. مقصود الباب أنه ﷺ جوز السمر وسمعه وفعله.

البزار: بتشديد الزاي آخره راء مهملة، قال المناوي: البزاز كلمة بمعجمتين إلا ثلثة: هذا وخلف بن هشام وأبو بكر بن عمر صاحب المسند. أبو النضر: بفتح النون وسكون الضاد المعجمة سالم بن أبي أمية، أو هو هاشم بن قاسم التيمي قاله المناوي وتبعه البيجوري. ذات ليلة: [في ساعات ذات ليلة.]

كأنّ الحديثُ حديثُ **خرافة**؟ فقال: **أتدرون** ما خرافة؟ إن خرافة كان رجلاً من **عُذرة أسَرَتْهُ الجن** في الجاهليّة فمكث فيهم دهراً [زمنا طويلا] ثم ردُّوه إلى الإنس، فكان يحدّث الناس بما رأى فيهم من **الأعاجيب**، فقال الناس: **حديث خُرافة**. **حديث**(٢) **اُمّ زرع**: **حدثنا** علي بن حُجر،

ساكنة بقرية من قرى مكة وقيل من قرى يمن

زمانہ جاہلیت میں جنات کا نہایت غلبہ اور زور تھا، وہ نہایت کثرت سے لوگوں کو ستاتے تھے، لے جاتے تھے، ان سے باتیں کرتے تھے، عورتوں سے صحبت کرتے تھے، جن کے واقعات مشہور ہیں۔ اسلام کے بعد ان کا زور گھٹ گیا حتی کہ بعض لوگ تو اس کے قائل ہوگئے کہ جنات کا وجود پہلے تھا اب ہے ہی نہیں، لیکن یہ صحیح نہیں، البتہ یہ صحیح ہے کہ ان کا وہ زور نہیں رہا۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ کے اس عالم میں تشریف آوری کے وقت کے واقعات اور جنات کی حیرانی پریشانی اور گریہ ونوحہ کے واقعات اس کے شاہد ہیں، بخاری شریف میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک کاہن کی محبوبہ جنّیہ کے حسرت بھرے اشعار اور جنات کی ذلت ونکبت کا حال ذکر کیا ہے، سیوطی نے خصائص کبری میں بہت سے واقعات اس کے ذکر کئے ہیں۔

(۲) **حدیثِ ام زرع**: یہ باب مذکور کی دوسری حدیث ہے، لیکن چونکہ اس کا قصّہ طویل ہے اور نیز مشہور ہے،

خرافة: بضم الخاء المعجمة وتخفيف الراء المهملة، ولا تدخله "أل" كما في الصحاح؛ لأنه معرفة إلا أن تريد به الخرافات الموضوعة من حديث الليل. قال ابن حجر وتبعه المناوي: لم ترد المرأة ما يراد من هذا اللفظ، وهو الكناية عن ذلك الحديث بأنه كذب مستملح؛ لأنها عالمة بأنه لا يجري على لسانه ﷺ إلا الحق، وإنما أرادت أنه حديث يستملح فحسب، وذلك لأن حديث خرافة يشتمل على وصفين: الكذب والاستملاح، فالتشبيه في أحدهما لا في كليهما، وقال القاري: الأظهر أن يقال: إن حديث خرافة يطلق على كل ما يكذبونه من الأحاديث، وعلى كل ما يستملح ويتعجب منه على ما في النهاية، فاستعمل ههنا على المعنى الثاني فلا إشكال.

أتدرون: تذكير الضمير باعتبار كمال عقولهن، ويحتمل أن يكون هناك بعض المحارم من الرجال، وفي بعض النسخ: أتدرين، ولما كانت العرب يكذبون أحاديثه كلها حتى ضرب المثل بأحاديثه في الكذب خبر النبي ﷺ على حقيقة أمره. عذرة: بضم عين مهملة وسكون ذال معجمة، قبيلة مشهورة من اليمن، وهي قبل بعثته ﷺ قاله القاري. أسرته الجن: [اختطفته الجن في أيام الجاهلية، وهي ما قبل البعثة، وكان اختطاف الجن للإنس كثيرًا إذ ذاك.] الأعاجيب: [جمع أعجوبة: الأشياء التي يتعجب منها.] حديث خرافة: [قال الناس ذلك فيما سمعوه من الأحاديث العجيبة والحكايات الغريبة مع أن الرجل كان صادقا لا كاذبا.]

أم زرع: [هي إحدى النساء الإحدى عشرة، والزرع الولد أضيفت إليه في كنيتها، واسمها عاتكه.] بزاي مفتوحة وراء =

أخبرنا عيسى بن يونس، عن هشام بن عُروة، عن أخيه عبد الله بن عُروة، عن عروة، **عن** عائشة رضي الله عنها

قالت: **جلست** إحدى عشْرة **امرأة، فتعاهدن** وتعاقَدْن **ألّا يكتُمن** من أخبار أزواجهن شيئًا.

فقالت الأولى:[1] زوجي **لحم جَمل غثٍّ**، على رأس جبل **وعرٍ**،

اسمها مهرو

چنانچہ اس پر مستقل تصانیف بھی کی گئی ہیں، اس لئے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کو ذرا ممتاز کر دیا۔ اس حدیث کے نام بھی مختلف ہیں مگر مشہور نام یہی ہے۔ چونکہ قصّہ طویل ہے اس لئے ہر ہر عورت کا قصہ علیحدہ علیحدہ مع اُس کے فائدے کے بیان کیا جاتا ہے۔

(۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ گیارہ عورتیں یہ معاہدہ کر کے بیٹھیں کہ اپنے اپنے خاوند کا پورا پورا حال سچا سچا بیان کر دیں، کچھ چھپائیں نہیں۔ **فائدہ:** ان گیارہ عورتوں کے نام صحیح روایات سے ثابت نہیں، اگرچہ بعض روایات میں بعض کا نام آتا ہے، یہ عورتیں یمنی یا حجازی تھیں، ان کے ناموں میں بہت اختلاف ہے اس لئے نام حذف کر دیے گئے۔ ان کے خاوند دوسری جگہوں پر اپنی اپنی ضروریات میں گئے ہوئے تھے، یہ خالی تھیں دل بہلانے کو باتیں شروع ہو گئیں اور یہ معاہدہ قرار پایا کہ ہر عورت اپنے خاوند کا صحیح صحیح حال بیان کرے۔

قالت: (۱) ایک عورت اُن میں سے بولی کہ میرا خاوند ناکارہ دُبلے اونٹ کے گوشت کی طرح ہے (گویا بالکل گوشت

= ساكنة وعين مهملة واحدة من النساء المذكورات في الحديث، أضيف إليها الحديث؛ لأن معظم الكلام فيه يتعلق بها. ولهذا الحديث ألقاب أشهرها هذا، وأفرده أئمة بالتأليف، منهم القاضي عياض والرافعي في مؤلف جامع، وساقه بتمامه في تاريخ قزوين، وآخرهم مولانا فيض الحسن الأديب السهارنفوری شرحه في مؤلف سماه "التحفة الصديقية". قال الحافظ ابن حجر: روي هذا الحديث من أوجه: بعضها موقوف وبعضها مرفوع، ويقوي رفعه ما في آخره: "كنت لك كأبي زرع لأم زرع" متفق على رفعه، وذلك يقتضي أنه ﷺ سمع القصة وأقرها فيكون كله مرفوعاً من هذه الحيثية قاله المناوي.

جلست: [أي: جلسن من بعض قرى مكة أو اليمن.] امرأة: كن حجازيات أو يمنيات قولان، ومن قال: كن من خثعم فليس بقول ثالث؛ فإن خثعم بطن من اليمن. فتعاهدن: [أي: ألزمن أنفسهن عهدا.] ألا يكتمن: [أن لا يخفين شيئًا من أخبار أزواجهن مدحًا أو ذمًا، بل يظهرن ويصدقن.] لحم جمل: تشبيه بليغ كأنه لحم لاحياة فيه، ثم لحم جمل أدون اللحوم. والمقصود المبالغة في قلة نفعه والرغبة عنه ونفار الطبع منه. غث: مهزول وشديد الردي. بالجر صفة جمل، وبالرفع صفة لحم. والوعر بفتح فسكون صفة لجبل بمعنى: صعب. فينتقى أي يختار للأكل، وفي نسخة: فينتقل. وعر: [أي: صعب، فيشق الوصول إليه، والمقصود منه المبالغة في تكبره وسوء خلقه.]

لاسَهْلٍ فيُرتقى، ولا سمينٌ فينتقى. قالت الثانية:[٢] زوجي لا أبث خبره، إنّي أخاف أن لا أذَرَه، إن أذكره أذكر عُجَرَه وبُجَرَهُ.
عمرة أو رملة

کا ایک ٹکڑا ہے جس میں زندگی باقی ہی نہیں رہی، اور گوشت بھی اونٹ کا جو زیادہ مرغوب بھی نہیں ہوتا) اور گوشت بھی سخت دشوار گزار پہاڑ کی چوٹی پر رکھا ہو، کہ نہ پہاڑ کا راستہ سہل ہے جس کی وجہ سے وہاں چڑھنا ممکن ہو اور نہ وہ گوشت ایسا ہے کہ اس کی وجہ سے سو دقّت اٹھا کر اُس کے اتارنے کی کوشش کی ہی جائے اور اُس کو اختیار کیا ہی جائے۔

فائدہ: مطلب یہ کہ وہ ایک بیکار ہستی ہے جس سے کسی کو جانی یا مالی نفع نہیں ہے، اور پھر اس کے باوجود متکبر اور بد خُلق بھی اس درجہ کا ہے کہ اُس تک رسائی بھی مشکل ہے۔ نہ ملتے بن پڑے نہ چھوڑتے بن پڑے، کسی مصرف کی دوا نہیں ہے، بیکارِ محض ہے اور بد خلقی اور سخت مزاجی کی وجہ سے اُس تک رسائی بھی مشکل ہے۔

قالت: (۲) دوسری بولی (کہ میں اپنے خاوند کی بات کہوں تو کیا کہوں، اُس کے متعلق کچھ کہہ نہیں سکتی) مجھے یہ ڈر ہے کہ اگر اُس کے عیوب شروع کروں تو پھر خاتمہ کا ذکر نہیں، اگر کہوں تو ظاہری اور باطنی عیوب سب ہی کہوں۔

فائدہ: مقصود یہ ہے کہ میں اُس کے عیوب کو گنواؤں تو کہاں تک گنواؤں؟ سراپا عیب ہے، کسی میں دو چار عیب ہوں تو ان کو گنوا بھی دے اور جس میں عیوب ہی عیوب ہوں کہاں تک گنوائے؟ کس کس کو جتائے؟ اتنی لمبی داستان ہے کہ سُننے والے اکتا جائیں۔ بعض شراح نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس نے معاہدہ کے خلاف اپنے خاوند کی بات کہنے سے انکار کر دیا، مگر صحیح یہ ہے کہ اس نے مختصر الفاظ میں سب ہی کچھ کہہ دیا کہ وہ مجسمہ عیوب ہے، اُس کے عیوب شمار سے باہر ہیں۔

لا أبث: أشكل عليه: أنه نقض العهد، ورد: بأهن لم يكن مسلمات فإيفاء العهد لم يكن واجبا عليهن، وهذا كله ليس بشيء، بل هذا هو بيان حاله، أشارت إليه بأدق وجه وأكمله، يعني: إني لشدة حاله لا أستطيع أن أبث خبره، فهو بيان سوء خلقه. لا أذره: الضمير المنصوب للخبر أي: خبره طويل، إن نقلته لم أتمه، وقيل: للزوج، وقيل: هو بعيد. و"إن" مكسورة، والجملة مستأنفة.

عجره: جمع عجرة وهي: نفخة في عروق العنق حتى ترٰها نائتة من الجسد. والبجر جمع بجرة: هونتو السرة ثم استعملتا في العيوب الظاهرة والباطنة. أرادت ما تقاسي منه من الأذية وسوء العشرة قاله القاري، وما قيل: إن المراد أمره كله لا بمعنى عيوبه فيحتمل المدح يفيد من ظاهر السياق قاله المناوي.

قالت الثالثة:[٣] زوجي **العَشَنَّقُ، إن أنطق أُطلَّق، فَإِن أسْكتْ أعلَّق. قالت الرابعة:**[٤]

قالت: (٣) تیسری بولی کہ میرا خاوند لمڈھینگ ہے یعنی بہت زیادہ لمبے قد کا آدمی ہے، اگر میں کبھی کسی بات میں بول پڑوں تو فوراً طلاق، اگر چپ رہوں تو اَدھر میں لٹکی رہوں۔ **فائدہ:** اس کے زیادہ لمبے ہونے کو یا تو اس لئے ذکر کیا کہ مشہور قول کے موافق یہ بے وقوفی کی علامت ہوتی ہے اور اگلا کلام اُس کی بے وقوفی کا بیان ہے، یا اس لئے ذکر کیا کہ بد صورت بھی منارہ کی طرح لمبا جو بلا مناسب موٹاپے کے بد نما ہوتا ہے اور بد خلق بھی ہے کہ اگر کوئی بات بھی زبان سے نکالوں، کوئی اپنی ضرورت ظاہر کروں تو فوراً طلاق دے دے اور چپ رہوں، کوئی ضرورت اپنی اُس پر ظاہر نہ کروں تو خود سے کسی بات کی پرواہی نہیں ہے، بس یوں اَدھر میں لٹکی رہتی ہوں۔ نہ شوہر والیوں میں شمار کہ شوہروں جیسی کوئی بات ہی نہیں اور نہ بے شوہر والیوں میں کہ کوئی دوسری جگہ تلاش کروں۔ بعض روایات میں اس عورت کے بیان میں ایک جملہ اور بھی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ میں ہر وقت ایسی رہتی ہوں جیسے کوئی تیز تلوار کی دھار کے نیچے ہو کہ ہر وقت فکر سوار، نہ معلوم کب کام تمام ہو جائے۔

قالت: (٤) چوتھی نے کہا کہ میرا خاوند تہامہ کی رات کی طرح معتدل مزاج ہے، نہ گرم ہے نہ ٹھنڈا، نہ اُس سے کسی قسم کا خوف ہے نہ ملال۔ **فائدہ:** یعنی معتدل مزاج ہے، نہ زیادہ چاپلوسی کرتا ہے نہ بیزار رہتا ہے، نہ اُس کے پاس رہنے سے خوف ہوتا ہے نہ طبیعت اکتاتی ہے۔ اس عورت کا نام مہد بن ابی ہرومہ بتلایا جاتا ہے۔ تہامہ مکہ مکرمہ اور اُس کے گرد ونواح کو کہتے ہیں، وہاں کی رات ہمیشہ معتدل رہتی ہے خواہ دن میں کتنی ہی گرمی ہو۔

العشنق: بمهملة فمعجمة مفتوحتين فنون مشددة مفتوحة فقاف، الطويل المستكره، وقيل: معناه سيء الخلق، فإن أرادت سوء الخلق فما بعده بيان له، وإن أرادت الطول فلأنه في الغالب دليل السفه. إن أنطق أطلق: [أي إن أنطق بعيوبه تفصيلا يطلقني لسوء خلقه، ولا أحب الطلاق لأولادي منه، أو لحاجتي إليه.] أي أتكلم بعيوبه أو للتملق به قاله القاري. قلت أو التكلم بمحضره مطلقاً. وإن أسكت أعلق: [وإن أسكت عن عيوبه يصيرني معلّقة، وهي: المرأة التي لاهي مزوّجة ولا مطلقة.] قال المناوي: أي يصيرني معلقة، امرأة لا بعل لها يرعى حالها، ولا أيماً يتوقع أن تزوج، قال تعالى: ﴿فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ﴾ [النساء: ١٢٩] قال القاري: وزاد في رواية: على حد السنان الذلق بفتح المعجمة وتشديد اللام أي المحدد، والمعنى: أنها منه على حذر كثير و وجل كبير.

زوجي **كليل تِهَامة، لاَحرّ ولاقَرّ، ولا مخافة** ولاسآمة. **قالت الخامسة:**[٥] زوجي **إن دخل فَهد، وإن خرج أَسِدَ،**
بفتح الميم اسمها زهرة

قالت: (۵) پانچویں نے کہا کہ میرا خاوند جب گھر میں آتا ہے تو چیتا بن جاتا ہے اور جب باہر جاتا ہے تو شیر بن جاتا ہے اور جو کچھ گھر میں ہوتا ہے اُس کی تحقیقات نہیں کرتا۔ **فائدہ:** اس عورت کا نام کبشہ بتلایا جاتا ہے۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ اُس نے اپنے خاوند کی مذمت کی یا تعریف کی، اس کے کلام سے دونوں نکل سکتی ہیں، لیکن ظاہر تعریف ہی معلوم ہوتی ہے۔ بالجملہ اگر اس کو مذمت قرار دیا جائے تو مطلب یہ ہے کہ گھر میں آکر چیتے کی طرح سے سورہ بن جاتا ہے، نہ بات کا کہنا نہ کام سے غرض، باہر جاتا ہے تو اچھا خاصہ شریفانہ برتاؤ کرتا ہے، گھر میں کچھ مصیبت آجائے اُس سے کچھ مطلب نہیں، نہ پوچھنا نہ خبر لینا۔ اور اگر تعریف ہے تو مطلب یہ ہے کہ گھر میں آکر نہایت بے خبر ہو جاتا ہے، کسی بات میں کرچیل نہیں نکالتا، خفا نہیں ہوتا۔ ایسا بے خبر رہتا ہے جیسے سونے والا ہوتا ہے، ہم جو چاہے کھائیں پکائیں وہ کسی چیز میں دخل نہیں دیتا، نہ ہم پر ہر بات کی تحقیق کرتا ہے کہ فلاں کام کیوں کیا؟ فلاں بات کیوں ہوئی؟ باہر جاتا ہے تو شیروں کی طرح سے ڈانٹ ڈپٹ خوب دھڑوکتا ہے۔ گھر میں جو کھانے پینے وغیرہ کی اشیاء ہوں اُن کا مطالبہ اور تحقیقات نہیں کرتا کہ کہاں خرچ کی اور کیوں خرچ کی؟ جو چیز گھر میں آگئی گھر والے جس طرح چاہیں اُس کو خرچ کریں۔

كليل تهامة: [أي: في كمال الاعتدال وعدم الأذى وسهولة أمره، وتهامة: مكة وما حولها من البلاد المنخفضة] بكسر التاء وهي مكة وما حولها من الاغوار، وقيل: كل مانزل عن نجد من بلاد الحجاز، وأما المدينة المنورة فلا تهامية ولا نجدية.
لا حر ولاقرّ: [أي: لا ذو حر مفرط ولا برد قاس، وهو معتدل الخلق.] ولا مخافة: الظاهر أن "لا" لنفي الجنس، فهو مفتوح والخبر محذوف، والجمل الأربع في محل النصب على الحالية من ليل تهامة، والليل توصف بالمخافة كما قول الهذلي: حملت به في ليلة مزؤودة، بحسب ما فيها من الغارات. وتوصف بالملال؛ لطول الامتداد وشدة الحر أو البرد، ويحتمل أن يكون الجمل في محل الرفع على الخبرية من الزوج، فيراد بالحر: الطيش وبالقر: التبلد.[والمعنى: لا أخاف غائلة أخلاقه ولا يسأمني ولا يملّ صحبتي.]
إن دخل فهد: [:أي إذا دخل عليها وثب كوثبة الفهود لجماعها أو ضربها.] بكسر الهاء على أنه فعل ماض، ويحتمل أنه اسم خبر مبتدأ محذوف أي: فهو فهد، وكذا قوله: أسد. والجملة تحتمل الذم أي: كالفهد في وثوبه للضرب وتمرده وتغافله عن أمور أهله؛ فإن الفهد موصوف بكثرة النوم حتى يقال في المثل: فلان أنوم من الفهد، وعلى المدح فكالفهد في وثوبه للجماع وتغافله عما أضاعت. وإن خرج أسد: [أي: إن خرج من عندها صار بين الناس أو في الحرب كالأسد قوة وشرافة.]

ولا يَسأل عمَّا عَهِد. قالت السَّادسة:(٦) زوجي إن أكل **لَفّ، وإن شرب اشتفّ، وإن اضطجع التفّ، ولا يُولج** الكفّ لِيَعلَمَ **البثّ.**

اسمها زهرة

قالت: (٦) چھٹی بولی کہ میرا خاوند اگر کھاتا ہے تو سب نمٹا دیتا ہے اور جب پیتا ہے تو سب چڑھا جاتا ہے، جب لیٹتا ہے تو اکیلا ہی کپڑے میں لپٹ جاتا ہے، میری طرف ہاتھ بھی نہیں بڑھاتا جس سے میری پراگندگی معلوم ہو سکے۔

فائدہ: اس کے کلام میں بھی تعریف اور مذمت دونوں کہی جاتی ہیں، لیکن جیسا کہ پانچویں کے کلام میں تعریف زیادہ ظاہر ہے اس کے کلام میں مذمت زیادہ ظاہر ہے، جیسا کہ ترجمہ سے معلوم ہو گیا ہو گا۔ اگر مدح ہے جیسا کہ بعض شراح نے کہا ہے تو مطلب یہ ہے کہ جب کھاتا ہے تو سب کچھ کھاتا ہے، کہیں میوہ جات ہیں، کہیں پھل ہیں، مختلف انواع کے کھانے ہیں اور جب پینے کا نمبر آتا ہے تو کبھی دودھ ہے، کبھی شراب ہے، شربت ہے، غرض سب کچھ پیتا ہے ہر قسم کی چیزیں اُس کے دستر خوان پر ہوتی ہیں۔ خرچ کرنے والا ہے، کنجوس بخیل نہیں ہے کہ دال ہے تو گوشت نہیں ہے، پانی ہے تو دودھ نہیں۔ جھگڑوں سے علیحدہ رہتا ہے، دوسروں کی پھٹن میں ہاتھ نہیں ڈالتا، یعنی عیوب کی تفتیش نہیں کرتا، کوتاہیوں کو تلاش کرتا نہیں پھرتا۔ اور اگر مذمت ہے جیسا کہ اکثر کی رائے ہے تو مطلب یہ ہے کہ جب کھانے کا نمبر آئے تو جو کچھ سامنے ہے سب نمٹادے، گھر والوں کو بچے نہ بچے بھینس کی طرح ساری کونڈ ختم کر دے، پینے کا نمبر آئے تو سارا کنواں چڑھا جائے۔ غیروں اور اجنبیوں کی طرح الگ اپنی چادر میں لپٹ کر سو جائے، مجھ سے لپٹنا تو درکنار کبھی بدن کو ہاتھ بھی نہیں لگاتا کہ میرے دُکھ درد کی کوئی خبر لے، یا میرے بدن کی گرمی سردی کا کچھ پتہ لے۔

ولا يسأل: [أي: يفضل عن تعهد متاعه في البيت.] عمّا عهد: أي: عما رآه سابقا أو عما في عهدته من ضبط المال ونفقة العيال، ففيه إشعار إلى سخاوة نفسه وجودة طبعه، وقال بعضهم: يحتمل أنه إما تكرم وإما تكاسل. لفّ: [أي: يكاثر من أكل الطعام مع التخليط في أضيافه.] اشتفّ: [أي: أنهى لشربه جميع مافي الإناء.] أي شرب الشفافة بضم الشين، وهي: بقية الماء في قعره أي: يستقصي الماء ولا يدع في الإناء شيئا. وإرادة المدح بأنه: يأكل كل صنوف الطعام، ويشرب مع أهله كل الشراب، ولا يدخر الشيء لغد بعيد. وإن اضطجع التف: [أي: إن رقد التفّ في ثيابه منفردًا في ناحية وحده ولا يباشرها، فلا نفع فيه لزوجته.]

ولا يولج: [أي: لا يدخل يده تحت ثيابها عند مرضها ليعلم الحزن والمرض ليصطلحه، فلا شفقة عنده عليها حتى في حال مرضها.] البثّ: قال في القاموس: البث: الحال أو أشد الحزن. فالمعنى: أنه لا يدخل يده في ثياب المرأة ليعلم حرارتها وحالها.

قالت السّابعة: [٧] زوجي **عَيَاياء** - أو غياياء - طباقاء، **كل داء** له داءٌ، **شجّكِ** أو فلَّكِ، أو جمع **كلاًّلكِ. قالت الثامنة:** [٨] زوجي: **المسُّ** مَسّ أرنب، والرّيح ريح زَرْنَب.

قالت: (٧) ساتویں کہنے لگی کہ میرا خاوند صحبت سے عاجز، نامرد اور اتنا بے وقوف کہ بات بھی نہیں کر سکتا، دنیا میں جو کوئی بیماری کسی میں ہوگی وہ اس میں موجود ہے، اخلاق ایسے کہ میرا سر پھوڑ دے یا بدن زخمی کر دے یا دونوں ہی کر گزرے۔

قالت: (٨) آٹھویں نے کہا کہ میرا خاوند چھونے میں خرگوش کی طرح نرم ہے اور خوشبو میں زعفران کی طرح مہکتا ہوا ہے۔

فائدہ: اس عوت کا نام ناشرہ بنت اوس بتلایا جاتا ہے۔ اس کی تعریف کا حاصل یہ ہے کہ وہ نرم مزاج ہے، سخت اور بد خو نہیں، اُس میں لذّتِ جسمانی و روحانی دونوں موجود ہیں کہ نازک بدن ہے لپٹنے کو دل چاہے یا نرم مزاج ہے کہ غصّہ کا نام ہی نہیں، اِس کے ساتھ خوشبو میں مہکتا رہتا ہے۔ بعض روایات میں اس کے بیان میں ایک جملہ اور بھی ہے جس کا ترجمہ ہے کہ میں اُس پر غالب رہتی ہوں اور وہ لوگوں پر غالب رہتا ہے، یعنی میرا غالب رہنا اس کے عاجز اور ناکارہ ہونے کی وجہ سے نہیں ہے اس لئے کہ وہ سب پر غالب رہتا ہے، بلکہ میری محبت یا اُس کی شرافت کی وجہ سے میں غالب رہتی ہوں۔

عياياء: [أي: إنه عنّين لا يقدر على الجماع، وقيل: هو العاجز عن إحكام أمره] بفتح العين المهملة، العنين العاجز عن الضراب. وغياياء بفتح الغين المعجمة، ذوغي هو الضلالة والخيبة شك من الراوي، ويحتمل التخيير. وطباقاء بفتح أوله ممدودا، أي: أحمق تنطبق عليه الأمور، أو مفحم ينطبق عليه الكلام، أو يطبق بصدره على المرأة، وهو مكروه عند النساء؛ ولذا قالت امرأة امرئ القيس تذمّه: ثقيل الصدر، خفيف العجز، سريع الإراقة، بطيء الإفاقة، وذلك؛ لأن الرجل إذا طابق بها لا يصيب إلى ماتريد المرأة إصابته. كل داء: كل داء في الناس له داء أي: جميع الأدواء فيه موجودة. شجك: [أي: إن ضربك جرحك] بتشديد الجيم المفتوحة وكسر الكاف أي: جرحك في الرأس، والخطاب لنفسها أو المراد خطاب العام. فلّك: أي ضربكِ وكسرك، والفل: كسر عظم باقي الأعضاء دون الرأس أو جمع كلا من الشج والفل. كلَالكِ: [أي: كلا من الشج والفلّ، والمعنى: أنه ضروب لها، فإن ضربها شجها أو كسر عظمها، أو جمع الشج والكسر معًا لسوء عشرته مع الأهل.] المس: أي: مسه، فاللام عوض عن ضمير المضاف إليه. والأرنب معروفة بلين المس ونعومة الجلد والوبر. [والمعنى: مسه كمس أرنب في اللين والنعومة.] والزرنب - بفتح الزاي أو الذال لغتان فالمهملة فالنون - نبت طيب الرائحة، وقيل: الزعفران، وقيل: نوع من الطيب. زاد في بعض الروايات كما حكاه الحافظ: وأنا أغلبه والناس يغلب.

قالت التّاسعة:[۹] زوجي: **رفيع العماد، عظيم الرّماد،** طويل **النّجاد، قريب البَيت من الناد.**
[طويل القامة]

قالت: (۹) نویں نے کہا کہ میرا خاوند رفیع الشان، بڑا مہمان نواز، اونچے مکان والا، بڑی راکھ والا اور دراز قد والا ہے۔ اُس کا مکان مجلس اور دار المشورہ کے قریب ہے۔ **فائدہ:** اس عورت نے اپنے اس کلام میں بہت سی تعریفیں کی ہیں۔ اول تو یہ کہ اُس کا گھر اونچا ہے، اس سے اگر حقیقت میں بڑی عمارت مراد ہے تب تو اُس کی ریاست اور مالدار ہونے کی طرف اشارہ ہے، اس لئے کہ اونچا محل مالدار ہی تیار کرائے گا اور اگر اونچے محل سے مکان کا اونچائی پر ہونا مراد ہے جیسا کہ عرب کا دستور تھا کہ سخی اور کریم لوگ اپنا مکان بلندی پر بناتے تھے تاکہ پردیسی مسافر دور سے دیکھ کر چلا آئے تو اس صورت میں اُس کے شریف، کریم اور سخی ہونے کی تعریف ہے۔ اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ اونچے مکان سے مراد شرافت اور حسب نسب کے اعتبار سے اُونچائی مراد ہے، تو مطلب یہ ہے کہ اونچے خاندان کا ہے۔ دوسری تعریف اُس کی مہمان نوازی کی ہے، گھر میں راکھ کا بہت ہونا لازم ہے کثرت سے کھانا پکنے کو جو مہمان نوازی کے لئے لازم ہے۔ تیسری تعریف اُس کے دراز قد کی ہے، دراز قد ہونا بشرطیکہ اعتدال سے زیادہ نہ ہو، مردوں میں ممدوح شمار ہوتا ہے۔ مجلس سے گھر کے قریب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ذی رائے اور سمجھدار ہے، ہر شخص اُس سے مشورہ پوچھنے آتا ہے اس لئے گویا اُس کا گھر ہر وقت دار المشورہ رہتا ہے کہ ہر وقت کوئی نہ کوئی شخص مشورہ کرنے کے لئے آتا ہی رہتا ہے۔ بندہ کے نزدیک اس کا مطلب یہ بھی محتمل ہے کہ دار المشورہ سے اپنا گھر قریب رکھتا ہے تاکہ مجتمع ہونے والوں کے لئے تواضع وغیرہ میں یہ کہنا نہ پڑے کہ میرا گھر تو دور ہے، اس لئے گھر قریب رکھتا ہے تاکہ تواضعی سامان میں دیر نہ لگے اور اس کی وجہ سے عذر کرنے کی نوبت نہ آئے۔

رفيع العماد: أي: شريف الذكر ظاهر الصيت، إذ العماد في الأصل: عمد تقوم عليها البيوت، كنّتْ بذلك عن علو حسبه وشرف نسبه، أو هو على الحقيقة؛ فإن بيوت الأشراف أعلى من بيوت الآحاد. عظيم الرماد: [أي: عظيم الكرم والجود] النجاد: بكسر النون: حمائل السيف، وطوله يدل على امتداد القامة؛ لأن طولها ملزم لطول نجاده، ويمكن أن يكون كناية عن سعة حكمه على أشياعه، يقال: سيف السلطان طويل: أي يصل حكمه إلى أقصى ملكه، فهو إشارة إلى شجاعته. قريب البيت من الناد: [أي: قريب المنــزل من النادي الذي هو الموضع الذي يجتمع فيه وجوه القوم للحديث.]

قالت العاشرة:[١٠] **زوجي مالك، وما مالك؟ خيرٌ من ذلك، له إبل كثيرات المبارك، قليلات المسارح، إذا سَمعْن صوت المِزهر أيقنَّ أنَّهُنَّ هوالك.**

استفهام للتعظيم والتفيخم — غرضها أنه يحمل الإبل ولا يرسل إلى المرعى

قالت: (١٠) دسویں نے کہا کہ میرا خاوند مالک ہے، مالک کا کیا حال بیان کروں! وہ ان سب سے جو اب تک کسی نے تعریف کی ہے یا اُن سب تعریفوں سے جو میں بیان کروں گی بہت ہی زیادہ قابل تعریف ہے، اُس کے اونٹ بکثرت ہیں جو اکثر مکان کے قریب بٹھائے جاتے ہیں، چراگاہ میں چرنے کے لئے کم جاتے ہیں۔ وہ اونٹ جب باجے کی آواز سُنتے ہیں تو سمجھ لیتے ہیں کہ اب ہلاکت کا وقت آگیا۔

فائدہ: اس عورت کا نام کبشہ بنت مالک بتلایا جاتا ہے، اس نے اپنے خاوند کی سخاوت کی تعریف کی ہے، جس کی توضیح یہ ہے کہ اونٹ اگر چراگاہ میں چرنے جائیں تو ضیافت اور مہمانی کے وقت اُن کے واپس آنے کا انتظار کرنا پڑتا ہے اور اس کے یہاں ہر وقت مہمان داری رہتی ہے اس لئے اس کے اونٹ چرنے نہیں جاتے، گھر ہی کھڑے کر کے کھلائے جاتے ہیں تاکہ مہمانوں کے آنے پر فوراً ذبح کر دیے جائیں۔ باجے کی آواز کی بعض نے یہ تفسیر کی ہے کہ اُس کی عادت ہے کہ جب کوئی مہمان وغیرہ آتا ہے تو اُس کی مسرّت میں باجے سے استقبال کرتا ہے، تو اُس باجہ کی آواز سنتے ہی اونٹ سمجھ لیتے ہیں کہ اب ذبح کا وقت آگیا، کوئی مہمان آیا ہے۔ لیکن عرب کے دستور کے موافق یہ مطلب زیادہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی مہمان آتا ہے تو وہ شراب کباب، گانے بجانے سے اس کی فوری تواضع کرتا ہے، اس آواز سے اونٹ سمجھتے ہیں کہ اب عنقریب کھانے کا وقت آیا چاہتا ہے، اُس کی تیاری کے لئے ہمارے ذبح کا وقت آگیا ہے۔

زوجي مالك: [أي: اسمه مالك.] **خير من ذلك:** [أي: من كل زوج سبق ذكره.] أي من التاسعة، أو مِن كل مَن ذكر، أو مما أذكره بعد. والمسرح وكذا المبرك مصدر ميميّ أو ظرف زمان أو مكان. والمزهر بكسر الميم: العود الذي يضرب، وأخطأ من قال: بضم الميم. **له إبل كثيرات المبارك:** [أي: له إبل كثيرة، وهي باركة في فنائه.]

قليلات المسارح: [أي: لا يوجهها للرعي إلا قليلا، كناية عن استقباله للضيفان حتى إذا نزل به ضيف كانت حاضرة عنده ليسرع إليه بلبنها أو لحمها.] **المزهر:** [هو العود الذي يضرب به عند الغناء.] **أيقنَّ أنهنَّ هوالك:** [أي: إذا سمعن صوت المزهر علمن أنهن منحورات للضيف، لما عوّدهن إذا نزل به ضيف أتاه بالعيدان والمعازف والشراب ونحرله منها.]

قالت الحادية(١١) **عشرة**: زوجي **أبو زرع**، وما أبو زرع؟ **أناسَ** من حُلِّي **أذنيّ**، وملأ من شحم عَضُدَيّ، **بجّحني فبجّحت إليّ نفسي**،
فرّحني

قالت: (۱۱) گیارہویں عورت ام زرع نے کہا: میرا خاوند ابو زرع تھا، ابو زرع کی کیا تعریف کروں! زیوروں سے میرے کان جھکا دیئے (اور کھلا کھلا کر) چربی سے میرے بازو پُر کر دیئے، مجھے ایسا خوش و خرّم رکھا کہ میں خود پسندی اور عُجب میں اپنے آپ کو بھلی لگنے لگی، مجھے اُس نے ایک ایسے غریب گھرانے میں پایا تھا جو بڑی تنگی کے ساتھ چند بکریوں پر گزر کرتے تھے اور وہاں سے ایسے خوش حال خاندان میں لے آیا تھا جن کے یہاں گھوڑی، اونٹ، کھیتی کے بیل اور کسان ہر قسم کی ثروت موجود تھی (اس سب کے باوجود اس کی خوش خلقی کہ) میری کسی بات پر بھی مجھے بُرا نہیں کہتا تھا۔ میں دن چڑھے تک سوتی رہتی تو کوئی جگا نہیں سکتا تھا، کھانے پینے میں ایسی ہی وسعت کہ میں سیر ہو کر چھوڑ دیتی تھی (اور ختم نہ ہوتا تھا)۔ ابو زرع کی ماں (مری خوش دامن) بھلا اُس کی کیا تعریف کروں! اُس کے بڑے بڑے برتن ہمیشہ بھرپور رہتے تھے، اُس کا مکان نہایت وسیع تھا (یعنی مالدار بھی تھی اور عورتوں کی عادت کے موافق بخیل بھی نہیں تھی، اس لئے کہ مکان کی وسعت سے مہمانوں کی کثرت مراد لی جاتی ہے)۔ ابو زرع کا بیٹا، بھلا اُس کا کیا کہنا! وہ بھی نور علی نور،

أبو زرع: [كنته بذلك؛ لكثرة زرعه، وقيل: تفاؤلا بكثرة أولاده.] أناس: [أي: حرّك، من النوس، وهو: تحرك الشيء متدليا] أي: أمال والنوس: التحرك. والحلي بضم الحاء ويكسر وبتشديد الياء، جمع حلية: ما يتزين به. أذني مثنى أذن مضاف لياء المتكلم، وكذا عضدي، وخصهما بالذكر؛ لأنهما إذا سمنتا سمن سائر البدن، أو لمجاورتهما للأذن، أو لظهور شحمهما عند مزاولة الأشياء. أذني: [المراد به أنّه حرّك أذنيها من أجل ما حلّاهما به.]

بجحني إلخ: بفتح الباء وتشديد الجيم أي: فرحني. فبجحت بفتح الموحدة وكسر الجيم المخففة على الأفصح وقد تفتح. غنيمة بالضم مصغراً للتقليل يعني: أن أهله كانوا في غنم قليلة. بشق بفتح المعجمة وكسرها: اسم موضع أو ناحية من الجبل، أو بمعنى المشقة وهو الأنسب. صهيل بفتح فكسر: صوت الخيل. وأطيط بفتح فكسر: صوت الإبل. ودائس اسم فاعل من الدوس: هو الذي يدوس كنس الحب وبيدره من البقر وغيره. منق بضم الميم وفتح النون على الأشهر: اسم فاعل من التنقية: الذي ينقي الحب ويصلحه وينظفه من التبن وغيره بعد الدوس. **فبجحت إلى نفسي**: [فرّحني ففرحت نفسي، أو عظّمني فعظمت نفسي حال كونها مائلة إليّ.]

وجَدني في أهل غُنيمة بشِق، فجعلني في أهل صَهيل وأطيْطٍ ودائِسٍ ومُنقٍّ، فعنده أقول فلا أقبح، وأرقد فأتصبَّح، وأشرب فأتقمَّح.

مصغراً لتقليل — أصوات الخيل

ایسا پتلا دُبلا چھریرے بدن کا کہ اُس کے سونے کا حصّہ (یعنی پسلی وغیرہ) سُتی ہوئی ٹہنی یا سُتی ہوئی تلوار کی طرح سے باریک، بکری کے بچے کا ایک دست اُس کے پیٹ بھرنے کے لئے کافی۔ یعنی بہادر کہ سونے کے لئے لمبے چوڑے انتظامات کی ضرورت نہ تھی، سپاہیانہ زندگی ذرا سی جگہ میں تھوڑا بہت لیٹ لیا، اسی طرح کھانے میں بھی مختصر مگر بہادری کے مناسب گوشت کے دو چار ٹکڑے اُس کی غذا تھی۔ ابو زرع کی بیٹی، بھلا اُس کی کیا بات! ماں کی تابعدار، باپ کی فرماں بردار، موٹی تازی اور سوکن کی جلن تھی (یعنی سوکن کو اُس کے کمالات سے جلن پیدا ہو۔ عرب میں مرد کے لئے چھریرا ہونا اور عورت کے لئے موٹی تازی ہونا ممدوح شمار کیا جاتا ہے)ابو زرع کی باندی کا بھی کمال کیا بتاؤں! ہمارے گھر کی بات کبھی بھی باہر جاکر نہ کہتی تھی، کھانے تک کی چیز بھی بے اجازت خرچ نہیں کرتی تھی۔ گھر میں کوڑا کباڑ نہیں ہونے دیتی تھی، مکان کو صاف شفاف رکھتی تھی۔ ہماری یہ حالت تھی، لطف سے دن گزر رہے تھے کہ ایک دن صبح کے وقت جب دودھ کے برتن بلوئے جارہے تھے، ابو زرع گھر سے نکلا، راستہ میں ایک عورت پڑی ہوئی ملی جس کی کمر کے نیچے چیتے جیسے دو بچے اناروں سے کھیل رہے تھے (چیتے کے ساتھ تشبیہ کھیل کود میں ہے اور اناروں سے یا تو حقیقتاً انار مراد ہیں کہ اُن کو لڑھکا کر کھیل رہے تھے

أهل غنيمة: [أي: إن أهلها كانوا أصحاب غنم لا إبل.] أهل صهيل: [فحملني إلى أهل خيل ذات صهيل، فالصهيل صوت الخيل.] أطيطٍ: [صوت الإبل، وهي إشارة إلى تنعمها وترفهها بهذا المال الكثير.] دائس: [أي: بقر تدوس الزرع في بيدره ليخرج الحبّ من السنبل.] ومنقٍّ: [وهو الذي ينقي وينظفه من التبن وغيره بعد الدّوس بغربال وغيره، يعني: هم أصحاب زرع شريف وأرباب حبّ نظيف، والمراد من ذلك كله أنها كانت في أهل قلة ومشقة فنقلها إلى أهل ثروة وكثرة.]

أقبح: [أي: أتكلم بكلام فلا ينسبني إلى القبح لكرامتي عنده لحسن كلامي لديه.] أرقد فأتصبّح: [أي: أنام فأدخل في الصبح فيرفق بي ولا يوقظني لخدمته ومهنته؛ لأني محبوبة إليه مع استغنائه عني بالخدم التي تخدمه وتخدمني.] وأشرب فأتقمّح: [أي: أروى وأدع الماء لكثرته عنده مع قلته عند غيره. والمعنى: أنها لم تتألم منه، لا من جهة المرقد ولا من جهة المأكل والشرب.] [أتقنّح بقاف ونون كما في الصحيحين أي: اقطع الشرب وانهمك لكثرة الماء عنده، وفي رواية بالميم بدل النون، قال البخاري: هو أصح قاله المناوي، وأنكر الخطابي رواية النون، والمعنى واحد.]

أُمُّ أبي زرع، فما أم أبي زرع؟ عُكُومها رِدَاحٌ، وبيتها فَساح. ابن أبي زرع، فما ابن أبي زرع؟ مضجعه كمَسَلّ شطْبةٍ، وتُشبعه ذراع الجَفْرة.

یا دو اناروں سے اس عورت کے دونوں پستان مراد ہیں) پس وہ کچھ ایسی پسند آئی کہ مجھے طلاق دیدی اور اُس سے نکاح کر لیا (طلاق اس لئے دی کہ سوکن ہونے کی وجہ سے اُس کو رنج نہ ہو اور اُس کی وجہ سے مجھے طلاق دے دینے سے اُس کے دل میں ابو زرع کی وقعت ہو جائے) ایک روایت میں ہے اُس سے نکاح کر لیا، نکاح کے بعد وہ مجھے طلاق دینے پر اصرار کرتی رہی، آخر مجھے طلاق دے دی۔ اُس کے بعد میں نے ایک اور سردار شریف آدمی سے نکاح کر لیا جو شہسوار ہے اور سپہ گر ہے۔ اُس نے مجھے بڑی نعمتیں دیں اور ہر قسم کے جانور اونٹ، گائے، بکری وغیرہ وغیرہ ہر چیز میں سے ایک ایک جوڑا مجھے دیا اور یہ بھی کہا کہ ام زرع! خود بھی کھا اور اپنے میکہ میں جو چاہے بھیج دے۔ لیکن بات یہ ہے کہ اگر میں اُس کی ساری عطاؤں کو جمع کروں تب بھی ابو زرع کی چھوٹی سے چھوٹی عطا کے برابر نہیں ہو سکتی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قصّہ سُنا کر مجھ سے یہ ارشاد فرمایا کہ میں بھی تیرے لئے ایسا ہی ہوں جیسا کہ ابو زرع ام زرع کے واسطے۔ فائدہ: اس کے بعد اور احادیث میں یہ بھی آتا ہے کہ مگر میں تجھے طلاق نہیں دوں گا۔ طبرانی کی روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس پر فرمایا کہ حضرت! ابو زرع کی کیا حقیقت! میرے ماں باپ آپ پر قربان،

أمّ أبي زرع: [لما مدحت أبا زرع انتقلت إلى مدح أمه مع ما جبل عليه النساء من كراهة أمّ الزوج غالبا؛ إعلامًا بأنها في نهاية حسن الخلق وكمال الإنصاف.] عكومها: بضم العين وتفتح جمع عكم بالكسر، هو العدل إذا كان فيه متاع. الرداح بفتح أوله، وروي بالكسر أي: عظام كبير. فساح بفاء مفتوحة، وروي بالضم أي: واسع، كناية عن الثروة وكثرة الخدم والحشم، أو كناية عن كثرة الأضياف، وصفت بها؛ لأنها خلاف ما خلقت عليه النساء من اللوم والبخل. فساح: [أي: واسع، وذلك دليل على سعة الثروة وسبوغ النعمة.] ابن أبي زرع: [لما مدحت أبا زرع وأمه انتقلت إلى مدح ابنه، والمقصود منه التعظيم والتفخيم.] كمسل: بفتح الميم والسين وتشديد اللام مصدر ميميّ بمعنى المسلول، ويحتمل اسم مكان من السلول. وشطبة بفتح الشين المعجمة وسكون الطاء المهملة: جريدة النخل الخضراء، وقيل: هي السيف. والمعنى: أن محل اضطجاعه وهو الجنب كشطبة مسلولة من الجريد في الدقة، فهو خفيف اللحم دقيق الخصر. والجفرة بفتح الجيم وسكون الفاء: ولد الشاة أي: هو قليل الأكل.

بنت أبي زرع، فما بنت أبي زرع؟ **طَوع** أبيها وطوع أمها، **ومِلءُ كسائها، وغيظ جارتها.** جارية أبي زرع، فما جارية أبي زرع؟ **لا تبثُّ حديثنا** تبثيثا، **ولا تنقث مِيْرَتَنا** تنقيثا، ولا تَملأ بيتَنا **تعشيشا.** قالت: خرج أبو زرع **والأوطاب تُمخض،** فلقي امرأة معها **وَلَدان** لها **كالفَهْدين،**

پرا گندہ کردن طعامنا

آپ میرے لئے اُس سے بہت زیادہ بڑھ کر ہیں۔ حق تعالیٰ شانہ ہر مسلم زوجین کو حضور اقدس ﷺ کا اتباع اس مضمون میں بھی نصیب فرمادیں کہ یہ عفت کا باعث ہوتا ہے۔ آمین۔ **بعض** علماء نے اس قصہ میں یہ اشکال کیا ہے کہ جن عورتوں نے اپنے خاوندوں کی بُرائی بیان کی ہے وہ غیبت ہے جو حضور کی مجلس میں ہوئی، اور اگر خود حضور نے اس قصّہ کو ارشاد فرمایا تو اشکال اور بھی قوی ہوجاتا ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ غیبت کی حدود میں داخل نہیں ہے، کسی غیر معروف شخص کا حال بیان کرنا جس کو لوگ نہ جانتے ہوں غیبت نہیں ہے۔

طوع: أي: مطيعة لهما غاية الإطاعة، ولذلك بالغت فيها وجعلتها نفس الطوع، وأعادت إشارة إلى أن طوع كل منهما مستقل. وَمِلءُ كسائها: كناية عن ضخامتها وسمنها وكثرة شحمها ولحمها، وهو مطلوب في النساء، أو هو كناية عن المبالغة في خبائها بحيث لا يسعها غير ثوبها. غيظ جارتها: أي مغيظ ضرتها، وسميت جارة؛ للمجاورة بين الضرتين غالباً فتغيظ ضرتها لحسنها صورة وسيرة. لا تبث حديثنا: [أي: لا تنشر كلامنا الذي نتكلم به فيما بيننا لديانتها.] بضم الموحدة وتشديد المثلثة، وروي بالنون بدل الموحدة، ومعناهما واحد، أي: لا تظهر.

ولا تنقث ميرتنا: [أي: لا تنقل طعامنا نقلا لأمانتها وصيانتها، والميرة هي الطعام.] بضم التاء وكسر القاف أو فتح التاء وضم القاف، فالنون في كليهما ساكنة، أو ضم التاء وفتح النون وكسر القاف المشددة، معناه على كل: لا تنقل، وفيه عدة روايات. والميرة بكسر الميم: الطعام. تعشيشا: بعين مهملة من عش الطائر أي: لا تترك بيتنا مملوءة من القمامة والكناسة، حتى يصير كأنه عش الطائر، وروي بالغين المعجمة من الغش ضد الخالص أي: لا تملؤه الخيانة أو النميمة، وقيل: كناية عن عفة فرجها. والأوطاب: جمع قلة لوطب بفتحتين، وقيل: كفلس، وهو أسقية اللبن.

تمخض: بصيغة المجهول: أي: تحرك لاستخراج الزبد من اللبن. ولدان: أي: مصاحبان لها، ولا يلزم من ذلك أن يكونا ولديها فلذلك أتت بقولها: "معها". كالفهدين: أي: مشبهان لهما في الوثوب واللعب وسرعة الحركة. الفهد: سبع مشهور يضرب به المثل في الوثوب.

يلعبان من تحت **خَصْرها برُمّانتين، فطلقني** ونكحها، فنكحتُ بعده رجلا **سريّا**، ركب **شريّا**، وأخذ **خطِّيّا، وأراح** عليّ **نَعما ثَريّا**، وأعطاني من كل **رائحة زوجا**، وقال: كلي أمّ زرع **ومِيْرى** أهلك، فلو جمعتُ كلَّ (أي: أعطاني) شيء أعطانيه ما بلغ أصغر آنية أبي زرع. قالت عائشة رضي الله عنها: فقال لي رسول الله ﷺ: كنت لك **كأبي زرع** لأم زرع.

خصرها: بفتح الخاء المعجمة وسكون الصاد المهملة أي: وسطها. **برمانتين**: أي: ذات كفل عظيم، إذا استلقت يصير تحتها فجوة يجري فيها الرمان، يلعب ولداها برمي الرمان في تلك الفجوة، أو ذات ثديين صغيرين كالرمانتين فيلعبان بهما.
فطلقني: وفي رواية: فخطبها أبو زرع فتزوجها فلم تزل به حتى طلق أم زرعٍ كذا في الفتح. **سريا**: بسين مهملة أي: من سراة الناس. **شريّا**: [أي: فرسا يتشرّى في مشيه أي: يلج فيه بلا فتور.] بالمعجمة: أي: فرساً يستشري ويلج في سيره بلا فتور ولا انكسار، وقال ابن السكيت: فرساً فائقاً جيداً. **خطيا**: بفتح الخاء المعجمة ويكسر وتشديد الطاء المهملة المكسورة بعدها تحتية مشددة، رمح منسوب إلى الخط قرية بساحل البحر عند عمان والبحرين.
وأراح: أي: أتى بعد الزوال. **نعما**: بفتحتين أي: أنعاماً من الإبل والبقر، وفي رواية: نعما بكسر النون على أنه جمع نعمة، قال الحافظ: والأول أشهر. **ثريا**: بفتح المثلثة وكسر الراء وتشديد التحتانية، أي: كثيرة من الثروة، وهو كثرة المال.
رائحة: أي: كل ما يروح في المساء إلى المراح من الإبل والبقر والغنم، وفي رواية مسلم: ذابحة أي: مذبوحة أي: أعطاني من كل شيء يذبح، وفي رواية الطبراني: من كل سائمة، كذا في الفتح.
زوجا: [أي: أعطاني مما يروح إلى منـــزله من إبل وبقر وغنم وعبيد ودواب اثنين اثنين أو صنفا صنفا.] **ميري**: [أي: أعطي أقاربك، من الميرة بكسر الميم، وهي: الطعام الذي يمتازه الإنسان ويحلبه لأهله.] **كأبي زرع**: [أي: من الألفة والعطاء لا في الفرقة والجلاء، فالتشبيه ليس من كل وجه، يعني في النفع لا في الضرر الذي حصل بطلاقها.]

بابُ ما جاء في صفة نوم رسول الله ﷺ

حدثنا محمد بن المثنّى، أنبأنا عبد الرحمن بن مهديّ، أنبأنا إسرائيل، عن أبي إسحاق، عن عبد الله بن يزيد، **عن** (۱) البراء بن عازب رضي الله عنه: أن رسول الله ﷺ كان إذا أخذ **مضجعه** وضع كفّه اليُمنى تحت خَدِّه **الأيمن** وقال: رَبِّ **قِنِيْ** عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ.

أي يوم القيامة

باب۔ حضور اقدس ﷺ کے سونے کا ذکر

فائدہ: یعنی حضور اقدس ﷺ کس طرح سوتے تھے، سوتے وقت کیا کیا پڑھتے تھے۔ اس باب میں چھ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں:

(۱) حضرت براء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جس وقت آرام فرماتے اپنا دایاں ہاتھ دائیں رخسار کے نیچے رکھتے تھے اور یہ دعا پڑھتے: رَبِّ قِنِيْ عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ. اے اللہ! مجھے قیامت کے دن اپنے عذاب سے بچائیو۔

فائدہ: حصن حصین میں ہے کہ تین مرتبہ یہ دعا پڑھتے تھے۔ دوسری حدیث میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی یہ مضمون نقل کیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور کا یہ عام معمول تھا جس کو متعدّد حضرات نے سُنا۔ حضور اقدس ﷺ کا معصوم ہونے کے باوجود اِس قسم کی دعاؤں کو پڑھنا یا اظہارِ عبدیت کے لئے ہوتا تھا کہ بندگی کا مقتضٰی مولیٰ سے مانگنا ہی ہے، یا امت کی تعلیم کے لئے۔ اس حدیث سے حضور اقدس ﷺ کا دائیں کروٹ پر سونا معلوم ہوتا ہے اور یہی حضور کا دائمی معمول تھا، اسی وجہ سے دائیں کروٹ پر سونا مستحب بھی ہے اور اس میں ایک خاص مصلحت بھی ہے وہ یہ کہ آدمی کا دل چونکہ سینہ کے بائیں طرف ہوتا ہے اس لئے دائیں کروٹ پر سونے سے وہ اوپر رہتا ہے اور استغراق کی اور گہری نیند نہیں آتی، بلکہ آدمی چوکنّا سوتا ہے، اور اگر بائیں کروٹ پر سوتا ہے تو دل نیچے کی جانب ہوتا ہے اور اس صورت میں گہری نیند آتی ہے، اس وجہ سے بعض اطباء نے بائیں جانب سونے کو اچھا بتایا ہے کہ گہری نیند آنے سے ہضم بہتر ہوتا ہے،

نوم إلخ: هو غشية ثقيلة تهجم على القلب فتقطعه عن المعرفة بالأشياء. ولما كان النوم بعد السمر غالباً ناسب أن يذكره بعده. [أو حالة طبيعية تتعطل معها القوى بسبب ترقي البخارات إلى الدماغ، تتعطل الحواس الخمسة والشعور والإدراك.]
مضجعه: [إذا استقر في محل اضطجاعه لينام فيه] بفتح الميم والجيم ويكسر محل الاضطجاع، والمراد بأخذ المضجع: النوم فيه، فالمعنى: إذا أراد النوم واستقر في المضجع لينام. الأيمن: [وضع راحته مع أصابعه اليمنى تحت شقه الأيمن من وجهه.]
قني: [أي: جنّبني عذابك.]

حدثنا محمد بن المثنى، أنبأنا عبد الرحمن، أنبأنا إسرائيل، عن أبي إسحاق، عن أبي عُبيدة، عن عبد الله مثله، وقال: يوم تجمع عبادك. **حدثنا** محمود بن غيلان، حدثنا عبد الرزاق، أخبرنا سفيان، عن عبد الملك بن عُمير، عن **ربعي** بن حِراش، **عن**[۲] حُذيفة ﷺ قال: كان النَّبيُّ ﷺ

اور یہ صحیح ہے، لیکن اس میں ایک مضرّت بھی ہے جس کی طرف ان کا ذہن نہیں گیا، وہ یہ کہ جب دل نیچے کی جانب ہوگا تو تمام بدن کا زور اُس پر پڑے گا اور بدن کا مواد اُس پر اثر کرے گا۔ دل اعضاء رئیسہ میں اہم عضو ہے اُس پر مواد کا تھوڑا سا اثر ہونا بھی بہت سے امراض کا سبب ہے، اس لئے بائیں کروٹ پر سونے میں اگر ایک طبّی مصلحت ہے تو ایک طبّی مضرّت بھی ہے اور مضرّت سے بچنا زیادہ اہم ہے، اس لئے طبّی حیثیت سے بھی دائیں کروٹ پر سونا بہتر ہے اس کے علاوہ دائیں کروٹ پر لیٹنا موت کے بعد قبر میں لیٹنے کی یاد کو تازہ کرتا ہے اور موت کو یاد کرنے کا حکم بھی ہے، اور دینی دنیوی بہت سے فوائد موت کو یاد رکھنے سے حاصل ہوتے ہیں۔ آدمی کو چاہئے کہ اس لذتوں کے ختم کر دینے والی چیز کو کثرت سے یاد کیا کرے اور حق تو یہ ہے کہ آدمی ایسی چیز کو کیسے بھولے جو بہر حال آنے والی ہے، نہ معلوم کب آجائے۔

(۲) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جب بستر پر لیٹتے تو **اَللّٰھُمّ بِاسْمِكَ أَمُوْتُ وأَحْيَا.** پڑھتے تھے۔ یا اللہ! تیرے ہی نام سے مرتا (یعنی سوتا) ہوں اور تیرے ہی نام سے زندہ ہوں گا (یعنی سو کر اٹھوں گا) فائدہ: نوم موت کے مشابہ ہوتی ہے اس لئے سونے کو مرنے سے اور جاگنے کو زندگی سے تعبیر کر دیتے ہیں، اور اس لئے بھی سوتے وقت دائیں کروٹ پر لیٹنا چاہئے کہ سونا مرنے کا نمونہ ہے۔ اور جب جاگتے تو یہ دعا پڑھتے تھے: **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وإِلَيْهِ النُّشُوْرُ.** تمام تعریف اُس اللہ جلّ وعلا کے لئے ہے جس نے موت کے بعد زندگی عطا فرمائی اور اسی پاک ذات کی طرف قیامت میں لوٹنا ہے۔ (یا زندگی کی پریشانیوں میں وہی مرجع ہے)

فائدہ: چونکہ نیند موت کے مشابہ تھی اس لئے جاگنے کو دوبارہ زندہ ہونے سے تعبیر کیا۔ علماء نے لکھا ہے کہ سو کر اٹھنے کے بعد یہ بھی سوچنے کی چیز ہے کہ اسی طرح مرنے کے بعد قیامت میں دوبارہ زندہ ہونا ہے۔ درحقیقت حق تعالیٰ جلّ شانُہٗ نے اس دنیا کو آخرت کی مثال بنایا ہے اور عبرت اور غور کے واسطے ہر قسم کی چیزیں یہاں پیدا فرمائیں۔ دنیا کی ساری زندگی

ربعي: بكسر الراء وسكون الموحدة تابعي. ابن حراش بكسر الحاء المهملة.

إذا أوى إلى فراشه قال: **اللّٰهُمَّ** بِاسْمِكَ أَمُوتُ وأَحْيى، وإذا استيقظ قال: الْحَمْدُ للهِ الَّذِيْ أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ **النُّشُورُ**. **حدثنا** قُتيبة بن سعيد، حدثنا **الْمُفضَّل** بن فضالة، عن عُقيل: **أُراهُ** عن الزهريّ، عن عُروة،

ایک خواب سے زیادہ نہیں ہے۔ ایک آدمی نہایت خوش حال ہے، متمول ہے، ہر قسم کی راحت کے سامان اُس کے پاس موجود ہیں، کسی قسم کی اُس کو کوئی بھی تکلیف نہیں ہے، وہ خواب میں اگر اپنے کو قید میں کوڑے کھاتا ہوا دیکھے، ہر قسم کی مصیبتوں میں گرفتار دیکھے، وہ نہیں سمجھ رہا کہ یہ خواب ہے، وہ اُس سے پریشان بھی ہے، رو بھی رہا ہے، لیکن دفعتہً آنکھ کھل جاتی ہے، وہ سب راحت وآرام مل جاتے ہیں، اس خواب کی تکلیف کا ذرا بھی احساس اُس کو نہیں رہتا۔ اسی طرح ایک دین دار کا حال سمجھ لو، وہ اس دنیا میں جتنی بھی تکالیف اُٹھائے، وہ خواب ہے، اگر آنکھ کھلنے کے بعد اُس کو ساری راحتیں میسّر ہیں تو اس خواب کا کیا اثر اُس پر ہو سکتا ہے۔ اس کے بالمقابل حسرت سے غور کرو اُس تہی دست پر جو اس خواب میں ہر قسم کے آرام پا رہا ہے، مگر آنکھ کھلنے کے بعد وہ جیل خانہ میں ہے، کوڑے اُس پر پڑ رہے ہیں، تو اس خواب کی راحت وآرام کو لے کر وہ کیا چاٹ لے گا۔ ایک بامشقّت سزا کا قیدی خواب میں اپنے کو ہفت اقلیم کا بادشاہ بنا ہوا دیکھے، لیکن آنکھ کُھلنے کے بعد وہ جیل کی اندھیری کوٹھری میں ہے، ہتھکڑی لگی ہوئی ہے، تو اس خواب کی بادشاہت سے اُس کو کیا ملا۔ اس گر کو صحابہ نے سمجھا تھا اس لئے وہ دنیا میں ہر مشقّت کو لطف و لذّت سے برداشت کرتے تھے، وہ سمجھتے تھے کہ یہ خواب ہے۔ حق تعالیٰ جَلَّ شَانُہٗ اپنے لطف سے ہم لوگوں کو بھی یہ دولت نصیب فرمادے تو اُس کے کرم سے بعید نہیں۔

اللهم: أي: يا الله، فالميم عوض من "يا" ولذا لايجتمعان إلاشذوذاً، كما قال ابن المالك: وشذ "يا اللّٰهم" في قريض أي: شعر. النشور: [الرجوع للثواب أو العقاب، أو إليه الإحياء بعد الموت يوم القيامة] أي التفرق في أمر المعاش كالافتراق حال المعاد، وقيل: النشر هو الحيوة بعد الممات. المفضل: بفتح الضاد المعجمة المشددة، ابن فضالة بفتح الفاء.
أراه: بضم الهمزة، قال البيجوري: قائله المفضل، والضمير المنصوب لعقيل يعني قال المفضل: أظن عقيلاً رواه عن الزهري. قلت: والحديث أخرجه المصنف في جامعه بهذا السند والمتن بعينه، وليس فيه لفظ: "أراه" بل قال عقيل: عن ابن شهاب إلخ فلعله وقع السهو لأحد من الرواة.

عن(۳) عائشة رضي الله عنها قالت: كان رسول الله ﷺ إذا أوى إلى فراشه كل ليلة، **جمع كفّيه فنفث فيهما، وقرأ فيهما:** ﴿قل هو الله أحد﴾ و﴿قل أعوذ برب الفلق﴾ و﴿قل أعوذ برب الناس﴾ ثم **مسح بهما** ما استطاع من جسده، يبدأ بهما رأسه و وجهه وما أقبل من جسده،

بالقصر والمد

(۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ہر شبانہ جب بستر پر لیٹتے تھے تو دونوں ہاتھوں کو دعا مانگنے کی طرح ملا کر اُن پر دم فرماتے اور سورۂ اخلاص اور معوّذ تین پڑھ کر تمام بدن پر سر سے پاؤں تک جہاں جہاں ہاتھ جاتا، ہاتھ پھیر لیا کرتے تھے۔ تین مرتبہ ایسی ہی کرتے، سر سے ابتداء فرماتے اور پھر منہ اور بدن کا اگلا حصّہ، پھر بقیہ بدن پر۔

فائدہ: نبی کریم ﷺ سے سونے کے وقت مختلف دعائیں پڑھنا بھی ثابت ہے اور کلام اللہ کی مختلف سورتیں پڑھنا بھی ثابت ہے۔ ایک حدیث میں حضور کا یہ ارشاد بھی نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص قرآن پاک کی کوئی سورت سوتے وقت پڑھے، اللہ کی طرف سے ایک فرشتہ محافظ اُس کے لئے مقرر ہو جاتا ہے جو جاگنے کے وقت تک اُس کی حفاظت کرتا رہتا ہے۔ خود حضور اکرم ﷺ سے تین سورتوں کا پڑھنا حدیثِ بالا میں وارد ہے ان کے علاوہ مسبّحات یعنی ان سورتوں کا پڑھنا جو سَبّح، يُسبّحُ، سُبحَانَ،سبّحْ سے شروع ہوئی ہیں، وارد ہے۔ نیز الم سجدہ اور تبارک الذی کا ہمیشہ پڑھنا وارد ہے۔ نیز آیۃ الکرسی اور سورۂ بقرہ کی اخیر دو آیتوں کا پڑھنا بھی وارد ہے۔ ایک صحابی کہتے ہیں کہ مجھے حضور نے ارشاد فرمایا کہ سوتے ہوئے ہمیشہ قل یا ایہا الکافرون پڑھ کر سویا کرو۔ ان کے علاوہ بہت سی دعائیں پڑھنا بھی حضور سے ثابت ہے۔ (فتح الباری)

فنفث إلخ: [أي: نفخ فيهما نفخا خفيفا غير ممزوج بريق] ظاهره تقديم النفث على القراءة، وأوضح منه ما في بعض طرق الحديث من لفظ: ثم نفث فقرأ، واستبعد ذلك بعض العلماء بأنه لا فائدة فيه، وحمله على وهم الرواة. وأجاب بعضهم بأن الحكمة فيه مخالفة السحرة، وقيل: معناه: ثم أراد النفث فقرأ ونفث، وبعضهم حمله على التقديم والتأخير بأنه قرأ ثم نفث، وقال بعضهم: إن النفث وقع قبل القراءة وبعدها أيضاً، وأما رواية هذا الكتاب بلفظ الواو فأخف إشكالاً؛ لأن الواو لمطلق الجمع، وكذا رواية البخاري بالواو، وقال شارح من علمائنا: هو الوجه؛ لأن تقديم النفث على القراءة لم يقل به أحد، وقال الفراء: لا تفيد الفاء للترتيب؛ لقوله تعالى: ﴿أَهْلَكْنَاهَا فَجَاءَهَا بَأْسُنَا بَيَاتاً﴾ [الأعراف: ٤] وأجيب: بأن المعنى أردنا إهلاكها أو هي للترتيب الذكري. وفي القاموس: إن الفاء تأتي بمعنى الواو قاله القاري، ومال الحافظ في الفتح إلى تقديم القراءة على النفث. وقرأ فيهما: [يعني السور الثلاث بكمالها.] مسح بهما: [فوق الثوب، وهو: ما وصلت إليه يده من بدنه.]

يصنع ذلك ثلاث مرّات. **حدثنا** محمد بن بشّار، حدثنا عبد الرحمن بن مهديّ، حدثنا سُفيان، عن سَلَمَة بن كُهَيل، عن كُريب، **عن**[٤] ابن عباس رضي الله عنهما أن رسول الله ﷺ نام حتى **نفخ**، وكان إذا نام نفخ، فأتاه بلال فآذنه بالصَّلوة، فقام وصلّى و**لم يتوضأ**، وفي الحديث **قصّة**. **حدثنا** إسحاق بن منصور، حدثنا عفّان، حدثنا حمّاد بن سلمة، عن ثابت، **عن**[٥] أنس بن مالك رضي الله عنه:

---

(۴) ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ایک مرتبہ سوئے اور خراٹے لینے لگے۔ حضور کی یہ عادتِ شریفہ تھی کہ جب سوتے تو خراٹے لیتے تھے، پس حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آکر نماز کی تیاری کی اطلاع دی، حضور تشریف لے گئے اور نماز پڑھائی، وضو نہیں کیا۔ اس حدیث میں ایک قصّہ بھی ہے۔ **فائدہ:** انبیاء علیہم السلام کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کی نیند ناقضِ وضو نہیں ہوتی، اس لئے حضور نے وضو نہیں فرمایا، اور اس کی وجہ حضور نے یہ ارشاد فرمائی ہے کہ سونے کی حالت میں انبیاء کی آنکھ سوتی ہے لیکن دل نہیں سوتا، وہ جاگتا رہتا ہے، اسی وجہ سے انبیاء کا خواب بھی وحی ہوتا ہے کہ شیطان کے اثر سے وہ محفوظ ہوتے ہیں۔ وہ قصّہ جس کی طرف امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ کیا ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اپنی خالہ کے گھر سونے کے متعلق ہے، جو آئندہ باب کی پانچویں حدیث میں مفصّل مذکور ہے۔ اس باب سے اُس کو کچھ تعلق نہیں تھا اس لئے مصنف نے اُس کو اختصاراً چھوڑ دیا۔

(۵) انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جب اپنے بستر پر تشریف لاتے تو یہ دعا پڑھتے: **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَكَفَانَا وَآوَانَا، فَكَمْ مِّمَّنْ لاَ كَافِيَ لَه وَلاَ مُؤْوِيَ.** تمام تعریفیں اللہ جل جلالہ کے لئے ہیں جس نے شکم سیر فرمایا اور

يصنع ذلك: [أي: المذكور من جمع الكفين والنفث فيهما والقراءة والمسح.] نفخ: [أي: أخرج الريح من فمه بصوت، وذلك عند استغراق النائم في نومه.] ولم يتوضأ: قال البيجوري: لأن من خصائصه ﷺ أن نومه لا ينقض وضوءه؛ لبقاء يقظة قلبه كما في حديث: نحن معاشر الأنبياء، تنام أعيننا ولا تنام قلوبنا. فهذه خصوصية له ﷺ على أمته لا على باقي الأنبياء. قصّة: [هي نوم عبد الله ابن عباس عند خالته ميمونة وصلاته مع النبي ﷺ بالليل، وستأتي في حديث مفصل من باب عبادته ﷺ] قال البيجوري تبعا لغيره: ستأتي قريبا في الحديث الخامس من باب عبادته ﷺ من نوم ابن عباس عند خالته ميمونة رضي الله عنها. قال المناوي: ذهل شارح زعم أنها في كتاب آخر كالمشكوة.

أن رسول الله ﷺ كان إذا أوى إلى فراشه قال: **الْحَمْدُ للهِ الَّذِيْ أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا، وَكَفَانَا وآوانا، فَكَمْ مِمَّنْ لا كَافِي له وَلَا مُؤْوِيَ.**

سیراب کیا اور ہماری مہمات کے لئے خود کفایت فرمائی اور سونے کے لئے ٹھکانا مرحمت فرمایا، بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کو نہ کوئی کفایت کرنے والا ہے نہ کوئی ٹھکانا دینے والا ہے۔

فائدہ: چونکہ عادت اللہ یہ ہے کہ جو شخص اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ پر اپنے کاموں کو چھوڑ دیتا ہے، حق تعالیٰ بھی اُس کے کاموں کو غیب سے پورا فرماتے ہیں۔﴿وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ فَهُوَ حَسْبُهُ﴾ [الطلاق: ۳] جس کا کسی نے ترجمہ کیا ہے: خدا خود میر سامان است ارباب توکل را۔ اور حضور اقدس ﷺ میں یہ مضمون علی وجہ الاتم ہونا ہی چاہئے تھا، اس لئے وہاں کفایت بھی علی وجہ الاتم ہوتی تھی۔ اس کے بعد جو شخص جتنا زیادہ بھروسہ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ پر کرتا ہے اتنا ہی حق تعالیٰ جَلَّ شَانُہٗ اس کی طرف سے اُس کی اعانت ہوتی ہے۔ متعدّد احادیث میں مختلف عنوانات سے یہ مضمون وارد ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہے: جس شخص کو فاقہ پہنچے اور وہ لوگوں سے اُس کے ازالہ کی درخواست کرے تو اُس کی حاجت پوری نہیں کی جاتی اور اگر اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی بارگاہ میں اُس کو پیش کرے تو بہت جلد کسی نہ کسی طرح سے اُس کی ضرورت پوری کر دی جاتی ہے۔ ایک حدیث میں حق تعالیٰ جَلَّ شَانُہٗ کا ارشاد ہے: آدمی کے بچے! اگر تو میری عبادت کے لئے فارغ ہو جائے تو میں تیری ضرورتوں کو پورا کروں اور تیرے دل کو غنا سے بھر دوں، ورنہ تیرے دل کو تفکرات سے بھر دوں گا اور ضرورتیں پوری نہ ہونے دوں گا۔ جو لوگ دینی کاموں میں مشغول ہونے کے لئے ضروریات سے فراغت کا انتظار دیکھا کرتے ہیں وہ اس سے سبق حاصل کریں کہ ضروریات سے فراغت کا راستہ ہی اللہ کی طرف متوجّہ ہونا اور اُس کے کاموں میں مشغول ہونا ہے۔ حدیثِ بالا میں جو دعا نقل کی گئی ہے اُس میں حضور اقدس ﷺ نے شکر کی طرف متوجّہ فرمایا ہے کہ ہر شخص کو اپنی حالت میں شکر کرنا ضروری ہے کہ زیادتیٔ انعام کا ذریعہ ہے۔ حق تعالیٰ جَلَّ شَانُہٗ کا ارشاد ہے: ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ﴾ [إبراهيم: ۷] اگر تم شکر کرتے رہو گے تو میں

أطعمنا وسقانا: قيل: ذكرهما؛ لأن الحيوة لاتتم بدونهما كالنوم، فالثلاثة من وادٍ واحد فكان ذكره مستدعيا لذكرهما، وأيضاً النوم فرع الشبع والري. وكفانا: [أي: كفانا مهماتنا ورفع عنّا أذياتنا.] وآوانا: [أي: ردّنا إلى مسكننا و لم يجعلنا من المنتشرين كالبهائم في الصحراء.] فكم ممن: [أي: كم من الخلق لا كافي له ولا مؤوي على الوجه الأكمل.]

حدثنا الحسين بن محمّد **الجريري**، حدثنا سليمان بن حرب، حدثنا حماد بن سلمة، عن حُميد، عن بكر بن عبد الله المزنيّ، عن عبد الله بن رَبَاحٍ، **عن**(٦) أبي قتادة رضي الله عنه: أن النّبي ﷺ كان إذا **عرّس** بليل اضطجع على شِقّه الأيمن، وإذا عرّس قُبيل الصّبح نصب ذراعه و وضع رأسه **على كفّه**.

اسمه الحارث بن ربعي الأنصاري الخزرجي

[اليمنى]

اپنے احسانات میں اضافہ کروں گا، اور اس طرف متوجّہ فرمایا کہ اپنے سے کمتر کی حالت کی طرف بھی غور کرنا چاہیے تاکہ شکر دل سے نکلے، کتنے آدمی دنیا میں ایسے ہیں جن کو کھانا میسّر نہیں فاقہ کرتے ہیں، کتنے لوگ ایسے ہیں جن کو ٹھکانا نصیب نہیں بے ٹھکانے گزر کرتے ہیں۔اسی طرح سے کوئی حامی مددگار نہیں ہے جو مصائب میں کوئی اعانت کر سکے، اللہ تعالیٰ کے کتنے احسانات ہیں جس نے یہ سب کچھ عطا فرما رکھا ہے۔

(٦) ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ (سفر میں رات کو چلنے کے بعد)اگر اخیر شب میں کچھ سویرے کسی جگہ پڑاؤ ڈالتے تو دائیں کروٹ پر لیٹ کر آرام فرماتے، اور اگر صبح کے قریب ٹھہرنا ہوتا تو اپنا دایاں بازو کھڑا کرتے اور ہاتھ پر سر رکھ کر کچھ آرام فرما لیتے۔ **فائدہ**: مقصود یہ ہے کہ اگر وقت وسیع ہوتا تو لیٹ کر سو جاتے تھے اور عادت شریفہ دائیں کروٹ پر لیٹنے کی تھی ہی، لیکن اگر وقت قلیل ہوتا تو پھر ہاتھ پر ٹیک لگا کر تھوڑی دیر آرام فرما لیتے، ایسے وقت میں بالکل لیٹ کر آرام نہ فرماتے تھے کہ نیند گہری آجائے اور نماز فوت ہو جائے، بلکہ کہنی پر ٹیک لگا کر سر مبارک کو ہاتھ پر رکھ کر تھوڑا سا آرام کر لیتے تھے۔

الجريري: قيل: بمهملة مفتوحة مكبّرا، وقيل: بجيم مضمومة مصغراً، صوبه ابن حجر في شرح الشمائل، ورجح القاري الأول وقال: في نسخة ضعيفة بالجيم المضمومة. وسكت أهل الرجال عن ضبطه. عرس: التعريس: نزول القوم في السفر من آخر الليل للاستراحة، وقوله: "بليل" المراد به زمن ممتد؛ بدليل قوله في الشق الثاني: قبيل الصبح.

على كفّه: [لأنه أعون على الانتباه، ولا يستغرق في النوم على هذه الهيئة.]

بابُ ما جاء في عبادة رسول الله ﷺ

حدثنا قتيبة بن سعيد وبشر بن مُعاذ الوضاح قالا: أخبرنا أبو عوانة، عن زياد بن عِلاقة،

باب۔ حضور اقدس ﷺ کی عبادت کا ذکر

فائدہ: حضورِ اکرم ﷺ کی ہر حرکت و سکون عبادت ہے، ہر کلام و خاموشی ذکر و فکر ہے، لیکن مثال کے طور پر شمائل کا جزو ہونے کی وجہ سے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے چند عبادات کا ذکر کیا ہے جس سے اندازہ ہو جائے کہ نبی کریم ﷺ معصوم ہونے کے باوجود مغفرت اور مراتب عالیہ کے حصول کا پروانہ ملنے کے باوجود، اُس مرتبہ پر فائز ہو جانے کے باوجود جہاں تک نہ کوئی ولی پہنچ سکتا ہے نہ کوئی نبی پہنچا، کس قدر نفلی عبادات کا اہتمام فرماتے تھے، اور ہم لوگ جو امّتی کہلاتے ہیں، حضور کے اتباع کا دعویٰ کرتے ہیں، کتنا اہتمام کرتے ہیں، حالانکہ ہم گنہگار ہیں، سیاہ کار ہیں، گناہوں کے مقابلے اور تول کے لئے بھی ہم عبادات کے حضور سے زیادہ محتاج ہیں، پھر ہماری عبادتیں بھی ایسی ہیں جن کا پورا معاوضہ تو درکنار، ان کا کوئی بھی معاوضہ مل جائے تو بسا غنیمت ہے۔ اللہ جَلَّ شَأنُہٗ کے یہاں ہر عبادت کا وزن اور اس کی قیمت اخلاص پر مبنی ہے، جس درجہ کا اخلاص ہوگا اسی درجہ کا عبادت میں وزن ہوگا۔

عبادة: [هو فعل المكلف على خلاف هوى نفسه تعظيما لربّه، والمراد بها ههنا النافلة الزيادة على الواجبات] قال المناوي: العبادة أقصى غاية الخضوع، وتعارف في الشرع فيما جعل علامة لنهاية الخضوع من صلوة وصوم وجهاد وقراءة. قال القاري: والمراد بها ههنا الزيادة على الواجبات. واختلف هل كان ﷺ قبل النبوة متعبداً بشرع من قبله؟ فقال الجمهور: لا، وإلا لنقل، وقال إمام الحرمين: بالوقف، وقال آخرون: نعم، ثم أحجم بعضهم عن التعيين وجسر عليه بعضهم، وعلى هذا فقيل: آدم، وقيل: نوح، وقيل: إبراهيم، وقيل: موسى، وقيل: عيسى، وقيل: جميع الشرائع، وقال السراج البلقيني في شرح البخاري: لم يجئ في الأحاديث التي وقفنا عليها كيفية تعبّده، لكن روى ابن إسحاق وغيره: أنه عليه السلام كان يخرج إلى حراء في كل عام شهراً يتنسك فيه. قال القاري: الظاهر أنه ﷺ كان متعبداً بالعبادات الباطنية من الأذكار القلبية والتفكر في الصفات الإلٰهية والمصنوعات الآفاقية على ما يكون حال كمل الأولياء، ولذا قيل بداية الأنبياء نهاية الأولياء، وما قال بعضهم "بداية الولي نهاية النبي" فإنما هو باعتبار التكاليف الشرعية من الأوامر الفرضية والزواجر المنهية، فما لم يتصف السالك بما انتهى إليه أمر دينه لم يدخل في باب الولاية. علاقة: بكسر العين وتخفيف اللام والقاف، ووهم من فتح العين، كذا في الشروح.

عن[1] المغيرة بن شعبة رضي الله عنه قال: **صلّى رسول الله ﷺ حتى انتخفت قدماه،**

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایک آدمی نماز سے فارغ ہوتا ہے اور اُس کے لئے اُس نماز کا دسواں حصّہ لکھا جاتا ہے، کسی کے لئے نواں، اسی طرح آٹھواں، ساتواں، چھٹا، پانچواں، چوتھائی، تہائی اور آدھا حصّہ لکھا جاتا ہے (ابو داوٗد)اور دسواں بھی مثال کے طور پر ارشاد ہے ورنہ اس سے بھی کم ہوتا ہے۔ دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ قیامت میں سب سے اول نماز کا حساب ہوگا، حق تعالیٰ جَلَّ شَأْنُہٗ فرشتوں سے ارشاد فرمائے گا کہ میرے بندے کی نماز کو دیکھو، پوری ہے یا ناقص ہے، اگر وہ پوری ہوگی ہے تو جائزہ میں پوری لکھ دی جائے گی اور اگر ناقص ہوگی تو ارشاد ہوگا کہ دیکھو اس کے لئے کچھ نوافل بھی ہیں یا نہیں، اگر نوافل ہوتی ہیں تو اُن سے فرائض کی تکمیل کر دی جاتی ہے، اُس کے بعد پھر اسی طرح دوسری عبادات زکوۃ وغیرہ کا محاسبہ ہوتا ہے (ابو داوٗد)ہم لوگوں کے فرائض جیسے ادا ہوتے ہیں وہ ہمیں بھی معلوم ہیں، ایسی صورت میں کیا ضروری نہیں کہ نفلی عبادات نماز کے قبیلہ سے ہوں یا صدقات کے یا اور دوسری عبادات کے، نہایت کثرت و اہتمام اور اخلاص سے کی جائیں؟ عدالت میں پیشی کا وقت نہایت سخت ہے اور ہمارے اعمال کے دو نگراں ہر وقت ہمارے ساتھ ہیں، اور اسی پر بس نہیں بلکہ آدمی کے بدن کا ہر ہر جزو اُس عمل نیک یا بد کی گواہی دینے والا ہے جو اس سے صادر ہوئے ہیں، اسی لئے حضور کا ارشاد ہے کہ انگلیوں پر کلمہ طیّبہ اور تسبیحات کو گنا کرو کہ قیامت کے دن ان انگلیوں سے بھی محاسبہ ہوگا کہ اپنے اپنے اعمال بتائیں اور ان کو گویائی عطا کی جائے گی، اور حضور پر میرے ماں باپ قربان! کہ آپ کا نمونہ ہر چیز میں ہمارے سامنے ہے۔ اس باب میں چوبیس حدیثیں ہیں۔

(۱) مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اس قدر لمبی نفلیں پڑھتے تھے کہ آپ کے قدم مبارک ورم کر گئے تھے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ آپ اس قدر مشقّت برداشت کرتے ہیں! حالانکہ حق تعالیٰ نے آپ کے اول و آخر سب گناہ بخش دیے ہیں۔ حضور نے ارشاد فرمایا (کہ جب حق جَلَّ جَلَالُہٗ نے مجھ پر اتنا انعام فرمایا ہے)تو کیا میں اُس کا شکر ادا نہ کروں؟

فائدہ: سائل کی غرض بظاہر یہ تھی کہ کثرتِ عبادت معاصی کے کفارہ کے لئے ہوتی ہے۔ جب آپ معصوم ہیں آپ سے گناہ صادر ہی نہیں ہوتا پھر آپ کو اس درجہ مشقّت برداشت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ حضور نے اُس کا جواب فرمادیا کہ

صلى رسول الله: [أي: اجتهد في الصلاة.] انتفخت قدماه: [تورمت قدماه الشريفتان من طول قيامه فيهما واعتماده عليهما.]

فقيل له: **أتتكلّف** هذا! و قد غفر الله لك ما تقدّم من ذنبك وما تأخر، قال: **أفلا أكون** عبداً **شكورا؟ حدثنا** أبو عمّار الحُسين بن **حُريث**، أخبرنا الفضل بن موسى، عن محمد بن عمرو،

عبادت کی یہی ایک غرض نہیں ہوتی، بلکہ مختلف وجوہ سے ہوتی ہے اور جب اللہ نے میرے سارے گناہ معاف فرمادیئے تو اس کا مقتضا تو یہی ہے کہ میں اُس کے احسان کے شکر میں کثرت سے عبادت کروں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ عبادت کبھی جنت وغیرہ کی رغبت کی وجہ سے ہوتی ہے، یہ تاجروں کی عبادت ہے کہ عبادت سے خریداری مقصود ہے۔ یہاں قیمت ادا کی جارہی ہے وہاں مال مل جائے گا۔ اور کبھی عبادت خوف کی وجہ سے ہوتی ہے، یہ غلاموں کی عبادت ہے کہ ڈنڈے کے خوف سے کام کرتے ہیں، جیسا نوکروں کا عام دستور ہوتا ہے۔ ایک وہ عبادت ہے جو بلا رغبت و بلا خوف محض اللہ کے انعامات کے شکر میں ہو، یہ احرار کی عبادت ہے۔ حدیثِ بالا میں گزرا ہے کہ حق تعالیٰ جَلَّ شَأْنُہٗ نے آپ کے سب گناہ معاف فرمادیے اس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ گناہ تو آپ سے صادر ہوئے لیکن حق تعالیٰ جَلَّ شَأْنُہٗ نے معاف فرمادیئے، حالانکہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں، اُن سے گناہ صادر نہیں ہوتا۔ اس کے بہت سے جواب علماء نے مرحمت فرمائے ہیں جو اپنے موقعوں پر درج ہیں، بالخصوص سورہ اِنّا فتحنا کی تفسیروں میں مختلف جواب نقل کیے گئے ہیں۔ بندہ کے نزدیک سہل یہ ہے کہ حسنات الأبرار سیئات المقربین (نیک لوگوں کی خوبیاں مقربین کے لئے گناہ بن جاتی ہیں) ہر شخص کے گناہ اُس کے درجہ کے مناسب ہوتے ہیں۔ آپ کے درجہ اور رتبہ کے مناسب جو کوتاہیاں شمار کی گئیں وہ ایسے امور ہیں جو ہمارے لئے عینِ طاعت ہیں۔ مثال کے طور پر دیکھ لیجئے کہ حضور اقدس ﷺ کافر سرداروں کے اسلام لانے کی توقع اور اُمید میں اُن سے گفتگو فرما رہے تھے جو عینِ دین تھا، اس وقت ایک نابینا صحابی حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے آکر کچھ بات کی جس کی طرف حضور ﷺ کو ان لوگوں کی اہمیت کی وجہ سے ان کا درمیان میں دخل دینا گراں ہوا۔ اس پر سورۂ عَبَسَ میں حضور پر تنبیہ ہوئی۔

فقيل: قالوا: القائل عمر. أتتكلّف: التكليف اسم لما يصنعه الإنسان بمشقة أو تصنع، الأول محمود والثاني مذموم، ومن البين أن المراد ههنا الأول دون الثاني، والمعنى: أتلزم نفسك هذه الكلفة والمشقة التي لا تطاق. أفلا أكون: عطف على مقدر أي: أأترك صلاتي اعتماداً على الغفران فلا أكون عبداً مشكوراً. ولا يخفى ذكر "العبد" في هذا المقام أدعى إلى الشكر على الدوام؛ لأنه إذا لاحظ كونه عبداً أنعم عليه مولاه وجب عليه القيام بشكره. شكورا: [أي: إذا أكرمني مولاي بغفرانه أفلا أكون عبدًا شكورا لإحسانه.] حريث: بضم الحاء وفتح الراء المهملتين فتحتية ساكنة فمثلثة.

عن أبي سلمة، **عن** [۲] أبي هريرة ﷺ قال: كان رسول الله ﷺ يصلّي حتى **تَرِم** قدماه، قال: فقيل له: أتفعل هذا وقد جاءك: أن الله تعالى قد غفرلك ما تقدّم من ذنبك وما تأخر؟ قال: **أفلا أكون** عبدا شكورا ؟ **حدثنا** عيسى بن عثمان بن عيسى بن عبد الرّحمن الرّمليّ،

نسبة إلى رملة كطلحة من بلاد الشام

اسی طرح جنگ بدر کے قیدیوں کے بارے میں حضور اقدس ﷺ نے غایتِ شفقت اور رحمت کی وجہ سے اس توقع پر کہ یہ لوگ مسلمان ہو جائیں یا ان کی نسل سے مسلمان پیدا ہوں، فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دیا تو قرآن پاک میں اس پر تنبیہ ہوئی۔ غرض اس نوع کے واقعات ہیں جو حضور کی علوِّشان کے لحاظ سے وہ تقصیر شمار کیے گئے۔

(۲) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اس درجہ نوافل پڑھا کرتے تھے کہ پاؤں پر ورم ہو جاتا تھا۔ کسی نے عرض کیا کہ آپ پر اگلے پچھلے سب گناہوں کی معافی کی بشارت نازل ہو چکی ہے پھر آپ اس درجہ کیوں مشقت برداشت فرماتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا: کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟

فائدہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی اس شکریہ کے بارے میں ایک مفصّل روایت نقل کی گئی ہے۔ حضرت عطاء کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا کہ حضور اقدس ﷺ کی کوئی عجیب ترین بات سُنائیں۔ انھوں نے ارشاد فرمایا کہ حضور کی کونسی بات ایسی تھی کہ جو عجیب ترین نہ تھی، اُس کے بعد فرمانے لگیں۔ ایک رات کا قصّہ ہے کہ سونے کے لئے مکان پر تشریف لائے اور میرے پاس میرے لحاف میں لیٹ گئے، لیٹتے ہی تھوڑی سی دیر میں فرمایا کہ چھوڑ! میں تو اپنے رب کی عبادت کروں، یہ فرما کر کھڑے ہوگئے، وضو کیا اور نماز کی نیت باندھ لی اور رونا شروع کر دیا، یہاں تک کہ سینہ مبارک تک آنسو بہہ کر آنے لگے، اُس کے بعد رکوع کیا اُس میں بھی روتے رہے، پھر سجدہ کیا اُس میں بھی روتے رہے، پھر سجدہ سے اٹھے اور روتے رہے۔ غرض صبح تک یہی کیفیت رہی، حتی کہ بلال صبح کی نماز کے لئے بلانے کو آگئے۔

ترم: [أصله تورم، وإنما تورمت قدماه؛ لأنه بسبب طول القيام تنصبّ المواد من أعلى البدن إلى أسفله، ومن ثمّ يسرع الفساد إلى القدم قبل غيره من الجسد] بنصب الفعل بإضمار "أن" بعد "حتى" وهو بفتح المثناة وكسر الراء وتخفيف الميم على وزن "تعد" وفي نسخة: حتى تورّم بناءً على أنه فعل ماض أو مضارع بحذف إحدى تائيه. أفلا أكون: الفاء للعطف على المقدر، تقديره: أأترك فلا أكون إلخ عف.

حدثني عمي يحيى بن عيسى الرّملي، عن الأعمش، عن أبي صالح، **عن**[3] أبي هريرة رضي الله عنه قال: كان رسول الله ﷺ **يقوم يصلّي** حتى **تنتفخ** قدماه، فيقال له: يا رسول الله! **أتفعل هذا** وقد غفر الله لك ما تقدم من ذنبك وما تأخر؟ قال: أفلا أكون عبداً شكورا ؟

میں نے عرض کیا: حضور آپ اس قدر کیوں روئے؟ اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے تو آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیئے۔ آپ نے فرمایا کہ تو میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ اس کے بعد ارشاد فرمایا: میں ایسا کیونکر نہ کرتا حالانکہ آج مجھ پر یہ آیتیں نازل ہوئیں، اُس کے بعد ﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوَاتِ﴾ [آل عمران: ۱۹۰] سورۂ آلِ عمران کے آخر رکوع کی آیت تلاوت فرمائی۔

(۳) نیز ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نماز اتنی طویل پڑھتے کہ آپ کے قدم مبارک ورم کر آئے۔ آپ سے عرض کیا گیا کہ آپ اتنی طویل نماز پڑھتے ہیں حالانکہ آپ کے سب گناہ اولین و آخرین معاف ہو چکے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ **فائدہ**: امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اہتمام کی وجہ سے تین طریقوں سے اس مضمون کو ذکر کیا۔ ان روایات پر ایک اشکال وارد ہوتا ہے، وہ یہ کہ نبی کریم ﷺ سے مختلف طریقوں سے طاقت سے زیادہ مجاہدات اور عبادات کی ممانعت وارد ہوئی ہے، لیکن حق یہ ہے کہ آدمی صرف عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے، حق تعالیٰ نے قرآن شریف میں ارشاد فرما دیا کہ میں نے جن و انس کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔ جب یہی اصل مقصد پیدائش کا ہے تو اس میں جتنا بھی اضافہ اور اہتمام اور زیادتی ہو گی وہ ممدوح اور پسندیدہ ہو گی۔

يقوم يصلّي: [أي: يقوم بالليل حال كونه يصلي.] تنتفخ: بصيغة التأنيث، ويروى بالتذكير من الانتفاخ. قال القاري: ذكر المصنف الحديث بالأسانيد الثلاثة للتأكيد والتقوية. قلت: ويشكل على هذه الروايات ما ورد من النهي عن التشديد في العبادة، كما بسط الروايات المختلفة في ذلك صاحب إقامة الحجة، ثم قال: وخلاصة المرام أن الإكثار من المجاهدات والرياضات ليس ببدعة ولا بمنهي عنه في الشرع، بل هو أمر حسن مرغوب فيه لكن بشروط، ثم ذكر لها عشرة شرائط، فارجع إليه لوشئت التفصيل. وقال الحافظ في الفتح تحت حديث الباب: فيه أخذ الإنسان على نفسه بالشدة بالعبادة وإن أضرّ ذلك ببدنه، ومحله ما إذا لم يفض إلى الملال، وعليه يحمل قوله ﷺ: خذوا من العمل ما تطيقون فإن الله لا يملّ حتى تملّوا.
تفعل هذا: [أتفعل هذا الاجتهاد والتكلف.]

حدثنا محمد بن بشّار، أنبأنا محمد بن جعفر، حدثنا شعبة، عن أبي إسحاق، **عن**(٤) الأسود بن يزيد قال: سألت عائشة رضي الله عنها عن صلوة رسول الله ﷺ **بالليل**، فقالت: كان ينام أوّل الليل ثم **يقوم**، فإذا كان من السّحر أوتر، قريبا من السحر

اس کے بعد زیادتی کی ممانعت جہاں جہاں وارد ہوئی ہے وہ عوارض کی وجہ سے ہے، جہاں کوئی عارض اور مانع پیش آجائے گا وہاں غیر مستحسن ہو جائے گی۔ منجملہ ان عوارض کے اکتا جانا اور گھبرا کر بالکل ترک کر دینا ہے۔ مثل مشہور ہے: "نہ بھاگ کر چلنا نہ اکھڑ کر گرنا"۔ احادیثِ منع میں اسی طرف اشارہ ہے، چنانچہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اعمال اسی قدر کرو جتنے کا تحمّل ہو سکے، اللہ جَلّ شَانُہٗ ثواب عطا کرنے سے نہیں دریغ فرماتے جب تک کہ تم عمل سے نہ اکتا جاؤ۔ اسی لئے علماء مجاہدات کی زیادتی سے روکتے ہیں کہ مبادا اکتا کر بالکل ہی ترک ہو جائے، نبی کریم ﷺ کی شان اس سے بہت بلند تھی، وہاں اکتا جانے کا کیا احتمال پیدا ہو سکتا ہے جب کہ حضور کا ارشاد ہے کہ میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ اور کیوں نہ ہوتی جب کہ نماز اللہ کے ساتھ راز و نیاز ہے، تو حضور جیسے مخلص بندے کے لئے آقا کے ساتھ سرگوشی میں جتنی بھی لذت ہو قرینِ قیاس ہے۔ اکتائے وہ جو اس لذّت سے محروم ہو۔ اسی طرح دوسرا مانع جو احادیث میں وارد ہوا ہے حقوقِ لازمہ کی ادائیگی میں کوتاہی ہے کہ مجاہدات کی کثرت سے ضعف پیدا ہو کر حقوق میں کوتاہی ہو گی۔ حضور کے یہاں یہ سوال بھی پیدا نہیں ہوتا، اس لئے کہ جو قدسی ذات ان مجاہدات اور تقلیلِ طعام وغیرہ پر بھی ایک دفعہ میں نو بیبیوں سے صحبت کر سکتا ہو وہاں ضعف کا کیا سوال! اسی طرح دیگر عوارض کا حال ہے جو حضور کے یہاں منتفی تھے، اس لئے ان جیسی روایات پر کوئی اشکال نہیں ہے۔

(۴) اسود کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضور اقدس ﷺ کی رات کی نماز یعنی تہجد اور وتر کے متعلق استفسار کیا کہ حضور کا کیا معمول تھا؟ انھوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ (عشاء کی نماز کے بعد) شب کے نصفِ اول میں استراحت فرماتے تھے، اُس کے بعد تہجد پڑھتے رہتے تھے یہاں تک کہ اخیر شب ہو جاتی تب وتر پڑھتے، اُس کے بعد اپنے

بالليل: [أي: في أيّ وقت كان منه، والمراد بصلاته بالليل ما يشمل الوتر والتهجد.] يقوم: أي: يصلي؛ فإن قيام الليل متعارف في الصلوة فيه فيستمر يصلي السدس الرابع والخامس.

ثم أتى **فراشه فإذا كانت كان** له حاجة **ألمّ بأهله**، فإذا سمع الأذان **وثب**، فإن كان جُنُبا **أفاض** عليه من الماء، وإلا توضّأ وخرج إلى الصلوة. **حدثنا** قتيبة بن سعيد، عن مالك بن أنسٍ.
الإفاضة: آب برتن ریختن
ح وحدثنا إسحاق بن موسى الأنصاريّ، حدثنا مَعنٌ، عن مالك، عن **مَخرَمة** بن سُليمان، عن كُــريب، **عن**(۵) ابن عباس رضي الله عنهما: أنه أخبره: أنه بات عند **ميمونة** - وهي خالته- قال:
إشارة إلى أنه محرم

بستر پر تشریف لے آتے، اگر رغبت ہوتی تو اہل کے پاس تشریف لے جاتے یعنی صحبت کرتے، پھر صبح کی اذان کے بعد فوراً اُٹھ کر غسل کی ضرورت ہوتی تو غسل فرماتے ورنہ وضو فرما کر نماز کے لئے تشریف لے جاتے۔

فائدہ: اطباء کے نزدیک صحبت کے لئے بہترین وقت اخیر شب ہے کہ وہ اعتدال کا وقت ہے، نیز سو کر اٹھنے کے بعد طرفین کی طبیعت بھی نشاط پر ہوتی ہے۔ اول شب میں پیٹ بھرا ہوا ہوتا ہے ایسی حالت میں صحبت مضر ہوتی ہے اور بھوک کی حالت میں زیادہ مضر ہے، اخیر شب کا وقت اس لحاظ سے بھی اعتدال کا ہوتا ہے۔ لیکن یہ سب طبی مصالح ہیں، شرعاً جواز ہر وقت حاصل ہے۔ نبی کریم ﷺ سے بھی اول شب اور دن کے مختلف اوقات میں صحبت کرنا ثابت ہے۔ البتہ بعض مشائخ نے لکھا ہے کہ عین نماز کے وقت اگر صحبت کی جائے اور اُس سے حمل ٹھہر جائے تو وہ اولاد والدین کی نافرمان ہوتی ہے۔

(۵) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک رات (لڑکپن میں) اپنی خالہ حضرت میمونہ (ام المومنین رضی اللہ عنہا) کے یہاں سویا۔ حضور اقدس ﷺ اور اُن کی اہل تکیہ کے طولانی حصہ پر سر رکھے ہوئے تھے اور میں تکیہ کی چوڑان پر سر رکھے ہوئے تھا (قاضی عیاض وغیرہ حضرات نے بجائے تکیہ کے بسترے کا ترجمہ فرمایا ہے، لیکن جب لفظ کا اصل ترجمہ تکیہ

أتى فراشه: [لينام السدس السادس، ليقوم لصلاة الصبح بنشاط.] **فإذا كانت:** قال ميرك: وفي أكثر الروايات بلفظ: "ثم" وقيل: في كلمة "ثم" فائدة، وهي أنه ﷺ يقضي حاجته بعد إحياء الليل بالتهجد، فأداء العبادة قبل قضاء الشهوة جدير به ﷺ، وقيل: يحتمل أن "ثم" لتراخي الإخبار أي: كان عادته ﷺ هكذا، ثم إن اتفق أحيانا أن يقضي حاجته فيقضيها. **ألم بأهله:** أي: قرب من زوجته، كناية عن الجماع.
وثب: [أي: قام بنهضة وشدة.] **أفاض:** [أسال على جميع بدنه من الماء.] **مخرمة:** بفتح الميم وسكون الخاء المعجمة وفتح الراء المهملة. **ميمونة:** [هي الواهبة نفسها له ﷺ، لأنها لما بلغها أن النبي ﷺ خطبها، وكانت إذ ذاك على بعير لها، قالت: هو وما عليه لله ولرسوله، وفوّضت أمرها للعباس فزوجها النبي ﷺ.]

فاضطجعت في **عَرْض الوسادة**، واضطجع رسول الله ﷺ في طولها، فنام رسول الله ﷺ حتى إذا انتصف الليل، **أو قبله** بقليل، فاستيقظ رسول الله ﷺ فجعل **يمسح النّوم** عن وجهه، وقرأ العشر الآيات **الخواتيم** من سورة **آل عمران**، ثم قام إلى **شنٍّ** معلّق فتوضّأ منه، فأحسن الوضوء، ثم قام يُصلّي.

خواتم الآيات — من قوله ان في خلق السموات — مشك كهنه

ہی کا ہے اور تکیہ مراد لینے میں کوئی بُعد بھی نہیں تو پھر بستر مراد لینے کی ضرورت نہیں ہے کہ مثلاً: تکیہ کی لمبائی پر حضور اقدس ﷺ سر رکھ کر قبلہ کی طرف منہ کر کے لیٹ گئے ہوں اور ابن عباس رضی اللہ عنہ تکیہ کے چوڑان پر سر رکھ کر یعنی قبلہ کی طرف سر کر کے لیٹ گئے ہوں) حضور اقدس ﷺ (اپنی اہل سے تھوڑی باتیں فرمانے کے بعد) سوگئے اور تقریباً نصف رات ہونے پر اپنے چہرۂ مبارک پر ہاتھ پھیر کر نیند کے آثار کو دور فرمانے لگے، پھر سورۂ آلِ عمران کے اخیر رکوع ﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوَاتِ﴾ [آل عمران: ۱۹۰] کو تلاوت فرمایا (علماء کہتے ہیں کہ جاگنے کے بعد تھوڑا سا قرآن شریف پڑھ لینا چاہیئے کہ اُس سے نشاط پیدا ہوتا ہے اور ان آیات کا پڑھنا مستحب ہے) اُس کے بعد مشکیزہ کی طرف جو پانی سے بھرا ہوا لٹک رہا تھا، تشریف لے گئے اور اُس سے (برتن میں پانی لے کر) وضو کیا اور نماز کی نیت باندھ لی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں بھی وضو کر کے حضور اقدس ﷺ کی (بائیں جانب) برابر کھڑا ہوگیا۔ حضور اقدس نے (اس لئے کہ مقتدی کو دائیں جانب کھڑا ہونا چاہئے) میرے سر پر ہاتھ رکھ کر میرا کان مروڑا (تنبیہ کے لئے ایسا کیا ہوگا۔ اور ایک روایت میں ہے

عرض: بفتح العين على الأصح الأشهر، وفي رواية بضمها، وهو بمعنى مفتوح العين أي: جانبها قاله القاري.

الوسادة: بكسر الواو، المخداة المعروفة الموضوعة تحت الرؤوس، ونقل القاضي عياض وغيره أن المراد هناك الفراش؛ لقوله: اضطجع ﷺ في طولها إلخ فكأنه ﷺ نام تحت رجليه تأدبا وتبركا. قلت: كان هذا أحسن ولوساعده اللفظ. فالأوجه عندي أن المراد بالمخداة هو معناه الحقيقي ولا محذور فيه كما لا يخفى. أو قبله: الظاهر أنه ترديد من ابن عباس رضي الله عنه بناءً على تردده في أن غاية النوم نصف الليل أو أقل منه أو أكثر، ويحتمل الشك من الراوي قاله القاري.

يمسح النوم: [أي: فشرع يمسح أثر النوم.] الخواتيم: وفي نسخة: الخواتم، جمع ختام بمعنى الخاتمة، منصوب على أن الآيات بدل من العشر قاله المناوي. آل عمران: [وهي بداية قوله تعالى: ﴿إن في خلق السموات والأرض﴾ إلى آخر السورة، آل عمران ۱۹۰.] شنٍّ: [هي القربة الصغيرة يكون الماء فيها أبرد من غيرها.]

قال عبد الله بن عباس: فقمتُ إلى جنبه، فوضع رسول الله ﷺ يده اليُمنى على رأسي، ثم أخذ بأذني اليمنى **ففتلها**، فصلّى ركعتين، ثم ركعتين، ثم ركعتين، ثم ركعتين، ثم ركعتين، ثم ركعتين - قال مَعْن: ست مرات - ثم أوتر، ثم اضطجع، ثم جاءه **المؤذّن** فقام فصلّى **ركعتين خفيفتين**، ثم خرج فصلى الصبح. **حدثنا** أبو كُريب محمد بن العلاء، حدثنا وكيع، عن شُعبة، عن **أبي جمرة، عن**(٦) ابن عباس رضي الله عنهما قال: كان النبي ﷺ يصلّي من اللَّيْل ثلاث عشرة ركعة.

أي بعد الوضوء كما هو مصرح في رواية الصحيحين

الفتل: تافتن ودونا كردن

اتفقوا على توثيق أبي جمرة عن ابن عباس

کہ میں اونگھنے لگا تو حضور نے میرا کان پکڑا۔ایک روایت میں ہے کہ کان پکڑ کر دائیں جانب کو کھینچا تاکہ سنت کے موافق امام کے دائیں جانب کھڑے ہو جائیں) پھر حضور اقدس ﷺ دو دو رکعت پڑھتے رہے۔ معن جو اس روایت کے راوی ہیں، وہ کہتے ہیں کہ چھ مرتبہ حضور نے دو دو رکعت پڑھی، گویا بارہ رکعت ہو گئی (ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک تہجد کی بارہ رکعتیں ہیں) پھر وتر پڑھ کر لیٹ گئے۔ صبح نماز کے لئے جب بلال بلانے آئے تو دو رکعت سنت مختصر قرأت سے پڑھ کر صبح کی نماز کے لئے تشریف لے گئے۔

فائدہ: نبی کریم ﷺ سے تہجد کی مختلف رکعات نقل کی گئی ہیں جو مختلف اوقات کے اعتبار سے ہیں کہ وقت میں گنجائش زیادہ ہوئی تو زیادہ پڑھ لیں ورنہ کم پڑھ لیں۔ کوئی خاص تحدید تہجد کی رکعات میں ایسی نہیں ہے جس سے کم و بیش جائز نہ ہوں، بسا اوقات نبی کریم ﷺ باوجود وسیع وقت ہونے کے بھی رکعات کم پڑھتے تھے، البتہ ان میں قرآن پاک کی تلاوت زیادہ مقدار میں فرماتے تھے، جیسا کہ اسی باب کی مختلف احادیث میں یہ مضامین آرہے ہیں۔

(٦) ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ تہجد (مع وتر کبھی) تیرہ رکعت پڑھا کرتے تھے۔ **فائدہ:** یعنی دس رکعت تہجد اور تین رکعت وتر۔ بعض علماء نے ان میں صبح کی دو سنّتیں شمار کی ہیں، اس صورت میں آٹھ رکعت تہجد کی ہوئیں۔

ففتلها: [أي: لفها ولواها برحمة و رقة، فأخذ بأذني فأدارني عن يمينه تنبيها على ما هو السنة من وقوف المأموم الواحد عن يمين الإمام، فإن وقف عن يساره حوّله الإمام ندبا] قال القاري: وفتلها إما لينبهه على مخالفة السنة، أو ليزداد تيقظه لحفظ تلك الأفعال، أو ليزيل ما عنده من النعاس لرواية، فجعلت إذا أغفيت يأخذ بشحمة أذني. زاد المناوي: أو استعطافا للصبي المحتاج إلى العطف في مقام العبادة، أو إزعاجاً، أو تهييجاً، أو تحريضاً له على قيام الليل وتعلم الدين. المؤذن: [أي: بلال، كما هو الظاهر للإعلام بدخول وقت الصلاة.] ركعتين خفيفتين: [هما سنتا الصبح.] أبي جمرة: بجيم وراء كطلحة، اسمه نصر بن عمران الضبعي.

حدثنا قُتيبة بن سعيد، حدثنا أبو عوانة، عن قتادة، عن **زُرَارة** بن أوفى، عن سعد بن هشام، **عن**(٧) عائشة رضي الله عنها: أن النبي ﷺ كان إذا لم يُصلِّ بالليل، **منعه** من ذلك النوم، أو غلبته عيناه، (شك من الراوي عن عائشة أو من دونه) صلّى من النّهار **ثنتي** عشرة ركعة. **حدثنا** محمد بن العلاء، أخبرنا أبو أسامة، عن هشام -يعني ابن حسان- عن محمد بن سيرين، **عن**(٨) أبي هريرة رضي الله عنه، عن النبي ﷺ **قال:** إذا قام أحدكم من الليل **فليفتتح صلاته** [أي قضاء لتهجده.] بركعتين خفيفتين. **حدثنا** قتيبة بن سعيد، عن مالك بن أنس.

---

(۷) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جب کبھی کسی عارض کی وجہ سے رات کو تہجد نہیں پڑھ سکتے تھے تو دن میں (چاشت کے وقت) بارہ رکعتیں پڑھ لیا کرتے تھے۔ **فائدہ:** اگر حضور پر تہجد فرض تھا تو قضا ظاہر ہے اور اگر فرض نہیں تھا تب بیانِ افضلیت کے لئے قضا فرماتے تھے۔ مسلم شریف میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے حضور کا یہ ارشاد بھی وارد ہے: جو شخص اپنا ورد اور معمول رات کو پورا نہ کر سکے اُس کو چاہئے کہ صبح کے بعد سے دوپہر تک کسی وقت پورا کر لے، یہ ایسا ہی ہے گویا رات ہی کو پورا کر لیا۔ اسی سے مشائخِ سلوک کا یہ معمول ماخوذ ہے کہ ذکر وغیرہ اگر رات کو پورا نہ ہو سکے تو صبح کے وقت اُس کو پورا کر لے۔ وقت گزر جانے کی وجہ سے بالکل ترک نہ کر دے کہ پھر نفس اس کا عادی ہو جاتا ہے۔

(۸) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ جب رات کو تہجد کے لئے اٹھو تو شروع میں اول دو مختصر رکعتیں پڑھ لو۔ **فائدہ:** تاکہ شروع ہی سے طویل رکعتیں شروع کرنے سے تھکان نہ ہو جائے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ دو رکعتیں تحیۃ الوضوء ہوتی تھیں اور تحیۃ الوضوء کا مختصر پڑھنا اولیٰ ہے اس لئے ان کو مختصر پڑھنے کا ارشاد ہے اور حضور بھی مختصر پڑھتے تھے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے شرح بخاری میں ایک لطیف بات لکھی ہے، وہ کہتے ہیں کہ حدیث میں آتا ہے کہ جب آدمی سوتا ہے تو شیطان اُس کے بالوں میں تین گرہیں جادوگر کی طرح سے لگاتا ہے جن میں یہ افسون ہوتا ہے کہ ابھی تو رات بہت ہے اور سوتا رہوں۔ جب آدمی اٹھ کر اللہ کا پاک نام لیتا ہے یعنی کوئی دعا وغیرہ پڑھتا ہے

زرارة: بضم الزاي أول الحروف ثم مهملات. منعه: لحاجة دعا إلى النوم فاختار النوم فلا حاجة إلى الشك. ثنتي: قال القاري: فيه دليل على جواز قضاء النافلة بل على استحبابه، وعلى أن صلوة الليل ثنتا عشرة ركعة، كما هو المختار عند أبي حنيفة. قال إلخ: مناسبة الحديث بالترجمة بأن أمره بشيء يقتضي فعله ﷺ. فليفتتح صلاته: [أي: الأحد أو الليل، ولعلها صلاة التهجد.]

ح وحدثنا إسحاق بن موسى، حدثنا معن، حدثنا مالك، عن **عبد الله** بن أبي بكر، عن أبيه: أن عبد الله بن قيس بن مَخْرَمة أخبره **عن**(۹) زيد بن خالد **الجهني** ؓ: أنه قالَ: **لَأَرْمُقَنّ** صلوة رسول الله ﷺ **فتوسّدت عتَبتَه** - أو **فسطاطه** - فصلى رسول الله ﷺ ركعتين خفيفتين،
شك من الراوي

تو ایک گرہ کھل جاتی ہے اور جب وضو کرتا ہے تو دوسری گرہ کھلتی ہے اور جب نماز پڑھتا ہے تو تیسری گرہ کھلتی ہے۔ چونکہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تیسری گرہ نماز پڑھنے پر کھُلتی ہے اس لئے دو رکعت مختصر طور پر پڑھنے کا حکم ہے تاکہ وہ تیسری گرہ بھی کھل جائے اور پھر ساری نماز شیطان کے اثر سے محفوظ ہونے کے بعد پڑھی جائے۔ نبی کریم ﷺ شیطان کے تسلّط سے گو محفوظ تھے مگر حضور کا معمول اُمت کی تعلیم کے لحاظ سے ایسے امور کی رعایت فرمانے کا تھا جن کی اُمت کو احتیاج ہو، اس لئے نبی کریم ﷺ بھی بسا اوقات ان مختصر رکعتوں کو پڑھتے تھے جیسا کہ بعض روایات میں وارد ہے۔

(۹) حضرت زید بن خالد ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دن یہ ارادہ کیا کہ حضور اقدس ﷺ کی نماز کو آج غور سے دیکھوں گا۔ میں آپ کے مکان یا خیمہ کی چوکھٹ پر سر رکھ کر لیٹ گیا (تاکہ غور سے دیکھتا رہوں) حضور اقدس ﷺ نے اول دو مختصر رکعتیں پڑھیں اُس کے بعد طویل طویل طویل رکعتیں پڑھیں (تین دفعہ طویل کا لفظ اس کے زیادتی طول بیان کرنے کے لئے فرمایا) پھر اُن سے مختصر دو رکعتیں پڑھیں، پھر اُن سے بھی مختصر دو رکعتیں پڑھیں، پھر اُن سے بھی مختصر دو رکعتیں، پھر اُن سے بھی مختصر دو رکعتیں پڑھیں، پھر وتر پڑھے۔ یہ سب تیرہ رکعتیں ہوئیں۔

فائدہ: جو لوگ وتر کی ایک رکعت ہونے کے قائل ہیں اُن کے نزدیک چھ مرتبہ دو دو رکعتیں نوافل اور ایک رکعت وتر، کل تیرہ ہوئیں اور جن کے نزدیک وتر تین رکعت ہیں اُن کے نزدیک کل پندرہ رکعتیں ہوئیں، تیرہ رکعتیں فرمانا اس بنا پر ہے کہ تحیۃ الوضوء شروع کی دو رکعت اس میں شمار نہیں کی گئیں۔ بعض روایتوں میں "پھر اُن سے مختصر دو رکعت پڑھیں"

عبد الله: هو عبد الله بن أبي بكر بن محمد بن عمرو بن حزم، فما في بعض النسخ من زيادة التاء في آخر لفظ "أبي بكر" سهو من الناسخ. **الجهني:** بضم الجيم وفتح الهاء، نسبة إلى قبيلة جهينة. **لأرمقنّ:** [أي: لأنظرن من الرمق، وهو: النظر إلى الشيء على وجه المراقبة.] **فتوسدت عتبته:** [أي: جعلتها وسادة، والعتبة: هي الدرجة التي يوطأ عليها.] **فسطاطه:** بضم فاء ويكسر، بيت من شعر، وهو شك من الراوي. عن زيد أنه توسد عتبة بيته أو عتبة فسطاطه، والظاهر الثاني؛ لأن الاطلاع على صلوته ﷺ إنما يتصوّر حال كونه في الخيمة في دوران السفر الخالي عن الأزواج الطاهرات قاله القاري، وهو مختار المناوي؛ إذ قال: الظاهر أن ذلك كان في السفر؛ فإنه عند نسائه في الحضر، فلا يمكن أن يرمقه زيد.

ثم صلى ركعتين طويلتين طويلتين طويلتين، ثم صلى ركعتين وهما دون اللتين قبلهما، ثم صلى ركعتين وهما دون اللّتين قبلهما، ثم صلى ركعتين وهما دون اللّتين قبلهما، ثم صلى ركعتين وهما دون اللّتين قبلهما، ثم أوتر، فذلك ثلث عشرة ركعة. **حدثنا** إسحاق بن موسى، حدثنا معن، حدثنا مالك، عن سعيد بن أبي سعيد المَقْبُرِيّ، **عن**(١٠) أبي سلمة بن عبد الرحمن أنه أخبره: أنّه سأل عائشة رضي الله عنها: كيف كان صلوة رسول الله ﷺ **في رمضان؟**

كرره ثلثا للمبالغة في طول الركعتين الأولين

یہ لفظ بجائے چار مرتبہ کے تین مرتبہ ہے، اس صورت میں تحیۃ الوضوء کی دو خفیف رکعتیں جو شروع میں وارد ہوئی ہیں اُن کے باوجود دس رکعت نوافل ہوتی ہیں۔ ایسی حالت میں لامحالہ وتر کو تین ہی رکعت ماننا پڑے گا، ایک رکعت ماننے کی صورت میں تیرہ رکعت کا عدد پورا نہ ہوگا۔ اس حدیث میں ایک لفظ گزرا ہے کہ "آپ کے مکان یا خیمہ کی چوکھٹ پر" یہ کسی راوی کو شک ہے کہ اُستاد نے مکان کی چوکھٹ کہا تھا یا خیمہ کی، اور یہ حضرات محدثین رحمہم اللہ کی غایتِ احتیاط ہوتی ہے کہ جس لفظ میں اُن کو ذرا بھی تردّد ہوا کرتا ہے اُس کو ظاہر فرمادیا کرتے ہیں۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ خیمہ کی چوکھٹ مراد ہے اور یہ قصہ کسی سفر کا ہے، اس لئے کہ مدینہ طیبہ کے قیام میں حضور کا معمول زنانہ مکان میں آرام فرمانے کا تھا، وہاں کوئی سی بیوی پاس ہوتی تھیں، اس لئے حضرت خالد کو دیکھنے کا موقع نہ مل سکتا تھا، سفر میں یہ صورت کہ خیمہ میں حضور تنہا آرام فرمارہے ہوں، بیبیوں میں سے کوئی ساتھ نہ ہوں، قرینِ قیاس ہے، اس لئے یہی اقرب ہے۔ اکثر علماء نے اس قصہ کو سفر ہی کا تجویز فرمایا ہے۔

(١٠) ابو سلمہ کہتے ہیں کہ انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ حضور اقدس ﷺ رمضان المبارک میں تہجد

في رمضان: قال القاري: أي في لياليه وقت التهجد، فلا ينافيه ما صلاه بعد صلوة العشاء من صلوة التراويح. وكتب الشيخ في البذل: يشكل عليه ما ورد من روايتها أنه كان يصلي من الليل ثلاث عشرة ركعة، وأيضًا يشكل عليه بصلوة التراويح، فإنه ﷺ صلاها بثلاث ليال ثم تركها بعذر فرضيتها. والجواب عن الأول: أن السائل لما سأل عن صلوة الليل وزاد لفظ: "في رمضان" فظن أن عنده أن رسول الله ﷺ لعله كان يزيد في رمضان على تهجده في غير رمضان فردته بقولها: ما كان "يزيد في رمضان ولا في غيره" أي: في غالب الأحوال والأوقات، فغرضها بهذا الرد على ما يظن أنه ﷺ كان يزيد في رمضان على غيره، فلا ينافيه ما كان يزيده في بعض الأوقات، وأما عن الثاني: فإن هذا الحديث لا تعلق له لصلوة التراويح، لانفيا ولا إثباتا؛ لأنها صلوة أخرى، والاستدلال بهذا الحديث على أن التراويح ثمان ركعات لغو. هكذا كتاب مولانا محمد يحيى المرحوم من تقرير شيخه. مختصراً.

فقالت: ما كان رسول الله ﷺ ليزيد في رمضان ولا في غيره على إحدى عشرة ركعة، يصلّي أربعا لا تسأل عن حُسنهن وطُولهن، ثم يصلّي أربعا لا تسأل عن حُسنهن وطُولهن، ثم يصلّي ثلاثا. قالت عائشة رضي الله عنها: قلت: يا رسول الله! **أتنام قبل أن توتر**؟ قال: يا عائشة! إنّ عيْنَيّ تنامان **ولاينام قلبي**.

کی کتنی رکعتیں پڑھتے تھے؟ انھوں نے فرمایا کہ حضور رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے (گویا آٹھ رکعت تہجد اور تین رکعت وتر، چنانچہ خود اُس کی تفصیل فرماتی ہیں) کہ اول چار رکعت پڑھتے تھے، یہ نہ پوچھ کہ وہ کتنی طویل ہوتی تھیں اور کس عمدگی کے ساتھ بہترین حالت یعنی خشوع و خضوع سے پڑھی جاتی تھیں۔ اسی طرح پھر چار رکعت اور پڑھتے تھے ان کی بھی لمبائی اور عمدگی کا حال کچھ نہ پوچھ۔ پھر تین رکعات پڑھتے تھے یعنی وتر۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور سے عرض کیا کہ آپ وتر سے پہلے سو جاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن دل جاگتا رہتا ہے (یہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا خاصہ ہے کہ اُن کے قلوب جاگتے رہتے ہیں)۔

فائدہ: اس حدیث میں چند ضروری مباحث ہیں جن میں سے دو ذکر کئے جاتے ہیں۔ اول تو یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس حدیث میں رمضان اور غیر رمضان میں تہجد کی گیارہ رکعت سے زیادہ کی نفی فرماتی ہیں، حالانکہ حضرت ابن عباس، زید بن خالد وغیرہ وغیرہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی روایات سے تیرہ ثابت ہے بلکہ بعض روایات میں تیرہ سے زیادہ بھی وارد ہوئی ہیں، چنانچہ ابو داؤد میں خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عبد اللہ بن ابی قیس کے سوال پر حضور کی شب کی نماز کی رکعات یہ گنوائی ہیں کہ چار اور تین، چھ اور تین، آٹھ اور تین، دس اور تین جو تیرہ ہوتی ہیں۔ حتی کہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی تیرہ رکعتیں نقل کی گئی ہیں،

أتنام: المشهور عند الشراح في معنى الحديث أنها تعني أن الوتر ربما يفوت بأن لا يستيقظ في الوقت، ثم أشكلوا عليه بقصة ليلة التعريس، فأجابوا عنها بأجوبة عديدة، والأوجه عندي: أن الحديث من باب نقض الوضوء بالنوم دون باب الوقت، والمعنى: أنك تنام قبل الوتر بعد الاستيقاظ ولا تجدّد الوضوء أحيانا، فأجابها ﷺ بأن قلبه يقظان فيدرك الحدث، فلا إيراد ولا جواب، فتأمل. أتنام قبل أن توتر: [مع أنّك أمرت بعض أصحابك بالوتر قبل النوم مخافة أن يغلب النوم فيفوته الوتر.]

ولا ينام قلبي: [أي: فلا أخاف فوت الوتر، ومن أمن فوته سُنّ له تأخيره، الحاصل: أنّ من وثق بيقظته سُنّ له تأخيره، ومن لم يثق بها سُنَّ له تقديمه.]

چنانچہ ابو داؤد کی ایک روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا گیا ہے کہ حضور ﷺ سات رکعات سے کم اور تیرہ سے زیادہ نہ پڑھتے تھے اور مؤطا امام مالک کی روایت ہے:

عن عائشة رضي الله عنها قالت: كان رسول الله ﷺ يُصلّي بالليل ثلاث عشرة ركعة، ثم يصلي إذا سمع النداء للصبح بركعتين خفيفتين.

یعنی حضور رات کو تیرہ رکعت پڑھتے تھے، اُس کے بعد صبح کی اذان پر دو رکعت صبح کی سنتیں پڑھتے تھے۔

بعض علماء نے تو اس اختلاف کو دیکھ کر یہ کہہ دیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایتیں تہجد کی رکعات کے بارے میں مضطرب ہیں یعنی ضعیف ہیں، لیکن مضطرب کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس میں کیا اشکال ہے! کہ گیارہ رکعات اکثر اوقات اور عام معمول کے اعتبار سے ہوں اور کبھی کبھی ان سے کم و بیش بھی حضور نے پڑھی ہوں، جیسا کہ دوسری روایات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ دوسری بحث یہ ہے کہ بعض لوگ اس حدیث سے یہ بھی مسئلہ نکالتے ہیں کہ تراویح بھی آٹھ رکعت ہے، حالانکہ اس روایت سے تہجد کا صرف آٹھ رکعت ہونا بھی معلوم نہیں ہوتا جیسا کہ پہلے گزر چکا، چہ جائیکہ تراویح۔

اس حدیث کو تراویح سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ صلوٰۃ اللیل کے لفظی معنی رات کی نماز کے ہیں، لیکن اس سے مراد قرینہ سے تہجد کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ اس سے اگر رات کی ہر نماز مراد لی جائے تو تراویح کے ساتھ مغرب اور عشاء کے فرض اور اُن کی سنتیں سب ہی خارج ہو جائیں گی جن کو کوئی بھی نہیں نکال سکتا۔ غرض اس حدیث میں صرف تہجد کا ذکر ہے، وہی پوچھنا مقصود ہے، اسی کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب مرحمت فرمایا، اور بظاہر پوچھنے کی یہ ضرورت پیش آئی تھی کہ حضور کی عادت شریفہ رمضان المبارک میں زیادتی عبادت کی تھی جیسا کہ متعدد روایات میں آیا ہے، اس لئے ابو سلمہ کو خیال ہوا کہ شاید تہجد کے عددِ رکعات میں بھی کچھ اضافہ فرماتے ہوں اس لئے پوچھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اُس کی نفی فرما دی، ورنہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بھی یہ مقصود نہیں کہ تراویح تو درکنار تہجد کی رکعات بھی گیارہ سے زیادہ کبھی نہیں ہوتی تھیں، اس لئے کہ تیرہ رکعات تک خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہو چکا ہے۔

تراویح کے بارے میں حضرت اقدس فخر المحدثین مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس اللہ سرہٗ کا ایک مفصل رسالہ ''الرّأي النّجيح'' اُردو میں شائع شدہ ہے، جس کا دل چاہے اُسے دیکھ لے۔ مختصر امر یہ ہے کہ احادیث میں تہجد کو صلوٰۃ اللیل (رات کی نماز) سے تعبیر کیا جاتا ہے اور تراویح کو قیامِ رمضان (رمضان کی نماز) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ دونوں نمازیں علیحدہ علیحدہ ہیں۔

متعدّد علماء نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ قیامِ رمضان سے تراویح مراد ہے۔ نبی کریم ﷺ کو قیامِ رمضان کا بہت اہتمام تھا، متعدّد احادیث میں قولاً اور فعلاً اس کی اہمیت وارد ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص ایمان اور ثواب کی امید کے ساتھ قیامِ رمضان کرے، اُس نے جتنے بھی گناہ کیے ہیں تمام معاف ہو جاتے ہیں (علماء کے نزدیک صغائر مراد ہیں) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ قیامِ رمضان کا ایجابی حکم تو نہ فرماتے تھے البتہ ترغیب دیا کرتے تھے، خود نبی اکرم ﷺ کبھی کبھی بڑی لمبی جماعت کے ساتھ اس نماز کو پڑھتے تھے اور ہمیشہ نہ پڑھنے کا یہ عذر فرماتے تھے کہ مجھے اس کے فرض ہو جانے کا اندیشہ ہے، اور حضور کے ہمیشہ پڑھنے سے فرض ہو جانا کئی وجوہ سے محتمل تھا۔ البتہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین متفرق طور پر کچھ تنہا اور کچھ جماعت میں پڑھتے تھے جو تقریباً نصف رات تک پڑھتے تھے اور کبھی اس سے بھی زیادہ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں ان متفرّق جماعتوں اور علیحدہ پڑھنے والوں کو ایک امام کے پیچھے پڑھنے کا حکم فرما دیا کہ انتشار نہ ہو۔ سائب کہتے ہیں کہ امام عموماً ہر رکعت میں سو سو آیتوں والی سورتیں پڑھتے تھے، ہم لوگ کھڑے کھڑے تھکان کی وجہ سے کسی چیز پر سہارا لگاتے تھے اور سحر کے قریب فارغ ہوتے تھے۔

بہت سے علماء نے لکھا ہے کہ تراویح کے مسنون ہونے پر اہلِ سنت والجماعت کا اجماع ہے اور اہلِ قبلہ میں سے روافض کے سوا کوئی فرقہ بھی اس کا انکار نہیں کرتا۔ ائمہ اربعہ یعنی امام اعظم، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ سب حضرات کے فقہ کی کتابوں میں اس کی تصریح ہے کہ تراویح کی بیس رکعات سنّتِ مؤکدّہ ہیں، البتہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مشہور قول کے موافق چھتیس رکعتیں ہیں۔ فقہ حنبلی کی مشہور کتاب ''مغنی'' میں لکھا ہے کہ امام احمد کے نزدیک راجح قول بیس رکعات کا ہے اور یہی مذہب ہے سفیان ثوری اور امام ابو حنیفہ، امام شافعی کا، البتہ امام مالک کے نزدیک چھتیس رکعات ہیں۔ امام مالک سے نقل کیا گیا کہ میرے پاس بادشاہ کا قاصد آیا کہ تراویح کی رکعات میں تخفیف کی اجازت دے دی جائے، میں نے انکار کر دیا۔ امام مالک کے شاگرد کہتے ہیں کہ مدینہ میں انتالیس رکعات پڑھی جاتی تھیں، یعنی چھتیس تراویح اور تین وتر۔ اوجز میں یہ بحث مفصل ہے۔ میرے اساتذہ کا ارشاد ہے کہ مدینہ میں چھتیس رکعات جو پڑھی جاتی تھیں، ان میں بیس تراویح ہوتی تھیں، لیکن ہر ترویحہ میں اتنی دیر ٹھہرنا مستحب ہے جتنی دیر میں چار رکعت پڑھے اس لئے وہ حضرات ہر ترویحہ میں چار رکعت نفل پڑھ لیتے تھے، اس لئے یہ سولہ رکعات چار درمیانی ترویحوں کی بڑھ گئیں۔ بہر حال یہ مالکیہ کا مذہب ہے، بقیہ تینوں اماموں کے نزدیک راجح قول بیس رکعات ہی کا ہے۔

حدثنا إسحاق بن موسى، حدثنا معن، حدثنا مالك، عن ابن شهاب، عن عروة، **عن**(۱۳) عائشة رضي الله عنها: أن رسول الله ﷺ كان يُصلّي من اللّيل إحدى عشْرة ركعة، يوتر منها بواحدة، فإذا فرغ منها **اضطجع على شِقّه الأيمن. حدثنا** ابن أبي عمر، أخبرنا معن، عن مالك، عن ابن شهاب، نحوه. وحدثنا قتيبة، عن مالك، عن ابن شهاب، **نحوه.**

---

(۱۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ گیارہ رکعت پڑھا کرتے تھے جس میں ایک رکعت وتر ہوتی تھی۔ جب آپ اس سے فارغ ہوتے تو اپنی دائیں کروٹ پر آرام فرماتے۔ فائدہ: یہ حدیث خود اس پہلی حدیث کے خلاف ہے جس میں آٹھ رکعت کا بیان تھا، اسی وجہ سے بعض علماء نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایات میں کلام کیا ہے جیسا کہ پہلی حدیث کے ذیل میں گزر چکا۔ البتہ توجیہ کے درجہ میں اس اختلافِ روایات کو اختلافِ اوقات پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ گاہے حضور اکرم ﷺ آٹھ رکعتیں پڑھتے تھے اور گاہے کم و بیش۔ دوسرا مسئلہ وتر کی ایک رکعت کا ہے۔ وتر کے بارے میں چند اختلافات ہیں۔ سب سے اول اس کے حکم میں اختلاف ہے۔ حنفیہ کے نزدیک وہ واجب ہے۔
بعض دیگر ائمہ کے نزدیک مستحب ہے۔ حدیث چونکہ اس سے ساکت ہے اس لئے اس بحث کو چھوڑ دیا گیا۔ دوسرا اختلاف اس کی رکعات میں ہے حنفیہ کے نزدیک تین رکعتیں حتمی ایک سلام سے ہیں، دوسرے بعض اماموں کے نزدیک ایک رکعت ہے۔ اُن میں بھی اختلاف ہے، بعض صرف ایک رکعت فرماتے ہیں اور بعض ائمہ ایک رکعت کے ساتھ اُس سے پہلے دو رکعت علیحدہ سلام کے ساتھ واجب بتاتے ہیں۔ احادیث میں مختلف روایات اس بارے میں وارد ہوئی ہیں جن کی ترجیح میں ائمہ میں اختلاف ہوا اسی وجہ سے اس مسئلہ میں اختلاف ہوا۔ حنفیہ اپنے مسلک پر چند احادیث سے استدلال کرتے ہیں:

اضطجع على شقّه الأيمن: [لينام حتى يأتيه المؤذن فيؤذنه بالصلاة كما تقدم.]

نحوه: اختلفت النسخ في ذكر لفظ "نحوه" ولفظ "ح" التحويل، ففي بعضها أحدهما وفي بعضها ذكرهما معا، ولا وجه لذكرهما معا، والوجه الاقتصار على أحدهما، والمقصود بيان الطرف لعديدة الرواية المتقدمة، قال القاري: إجماع النسخ على قوله: "وحدثنا قتيبة" بالواو العاطفة يدل على ثبوت التحويل، سواء ضم معه لفظ "نحوه" للتأكيد أو حذف، نعم! كان حق التحويل أن يؤتى بعد قوله "حدثنا معن"، كما لا يخفى.

حدثنا هنّاد، حدثنا أبو الأحوص، عن الأعمش، عن إبراهيم، عن الاَسْوَد، **عن**[۱۲] عائشة رضي الله عنها

اوّل: عبد اللہ بن ابی قیس کی وہ روایت جو ابو داؤد وغیرہ نے ذکر کی ہے، گزشتہ حدیث کی بحث اول میں گزر چکی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کی شب کی نماز چار اور تین، چھ اور تین، آٹھ اور تین، دس اور تین رکعتیں ذکر فرمائیں۔ اس تکلف کے ساتھ ذکر کرنا اور تین رکعت کو ہر جگہ بلا کم و زیادہ علیحدہ ذکر کرنا اس پر صاف دلیل ہے کہ یہ کوئی ایسی نماز ہے جس میں کمی زیادتی نہیں ہوتی تھی یہ تین ہی رکعتیں رہتی تھیں، ورنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سات، نو، گیارہ فرماتیں۔ چار اور تین، چھ اور تین وغیرہ کیوں فرماتیں۔

دوم: ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے حنفیہ کی دلیل یہ لکھی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس پر اجماع ہے کہ تین رکعات وتر جائز و مستحسن ہیں اور اس سے کم میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک ایک رکعت بھی جائز ہے اور بعض کے نزدیک جائز ہی نہیں، اور یہ ظاہر ہے کہ صحابہ کا مجمع علیہ قول اَولیٰ ہے مختلف فیہ سے۔ حسن بصری رضی اللہ عنہ جو مشہور محدثین اور اکابر صوفیہ میں ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ وتر تین رکعت ہیں۔ حضرت عمر بن عبد العزیز عمرِ ثانی رضی اللہ عنہ نے علمائے مدینہ سے تحقیق کے بعد یہ حکم نافذ کر دیا تھا کہ وتر تین رکعات پڑھی جائیں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے کسی نے کہا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ وتر کی تین رکعات میں دو پر سلام پھیرتے ہیں اور تیسری رکعت علیحدہ پڑھتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ ان کے باپ حضرت عمر تینوں رکعات ایک ہی سلام سے پڑھتے تھے اور وہ ابن عمر سے زیادہ عالم تھے۔

سوم: احادیث میں ایک رکعت پڑھنے کی ممانعت آئی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کسی نے کہا کہ حضرت سعد وتر کی ایک رکعت پڑھتے ہیں۔ اُنھوں نے فرمایا کہ ایک رکعت نماز ہی نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ اور بہت سے طریقوں سے حنفیہ استدلال فرماتے ہیں۔ علماء نے اس بارے میں مستقل رسائل تحریر فرمائے ہیں۔ اس رسالہ میں فقہی مسائل سے بحث نہیں کی گئی، بقدر ضرورت مختصر اشارے کر دیے گئے۔

(۱۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ رات کو نو رکعات پڑھتے تھے۔

فائدہ: حنفیہ کے نزدیک چھ رکعت تہجد اور تین رکعت وتر۔ چنانچہ عبد اللہ بن ابی قیس کی روایت میں خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے چھ اور تین فرمایا۔

قالت: كان رسول الله ﷺ يُصلّي من الليل **تسع** ركعات. **حدثنا** محمود بن غيلان، حدثنا يحيى بن آدم، حدثنا سفيان الثوريّ، عن الأعمش، نحوه. **حدثنا** محمد بن المثنّى، حدثنا محمد بن جعفر، حدثنا شُعبة، عن عمرو بن مُرّة، عن **أبي حمزة** -رجل من الأنصار- عن رجل من **بني عبس، عن** [13] حذيفة بن اليمان رضي الله عنه: أنه صلّى **مع رسول الله** ﷺ **من اللّيل،**

(۱۳) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ انھوں نے ایک رات حضور اقدس ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی (بعض روایات میں آیا ہے کہ یہ قصّہ رمضان المبارک کی رات کا تھا، اس لئے محتمل ہے کہ یہ تہجد کی نماز ہو یا تراویح ہوں) حضور نے نماز شروع فرما کر یہ دعا پڑھی: **الله أكبر ذو الملكوت والجبروت والكبرياء والعظمة** (اللہ جَلّ جلالُہٗ کی ذات والاصفات سب سے برتر ہے۔ وہ ایسی ذات ہے جو بڑی بادشاہت والی ہے، بڑے غلبہ والی ہے، بڑائی اور بزرگی و عظمت والی ذات ہے) پھر حضور نے (سورۂ فاتحہ پڑھ کر) سورۂ بقرہ تلاوت فرمائی، پھر رکوع کیا۔ یہ رکوع قیام ہی جیسا تھا (اس کے دو مطلب علماء فرماتے ہیں اور دونوں محتمل ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ رکوع تقریباً اتنا ہی طویل تھا کہ جتنا قیام یعنی اگر قیام، مثلاً ایک گھنٹہ کا تھا تو تقریباً ایک ہی گھنٹہ کا رکوع بھی تھا۔ اس قول کے موافق اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر رکوع سجدہ نماز میں عام معمول سے زیادہ لمبا ہو جائے تو نماز ہو جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ جیسے قیام معمول سے زائد تھا

تسع: قال القرطبي: استشكل حديثها على كثير حتى نسب إلى الاضطراب، وأجيب: بأنه إنما يتم لو اتحد الراوي عنها والوقت والصلوة، والصواب حمله على أوقات متعددة وأحوال مختلفة، فتارة يصلي سبعا وتارةً تسعاً وتارة إحدى عشرة وهو الأغلب. أبي حمزة: قال القاري: قال المؤلف في جامعه: أبو حمزة عندنا طلحة بن زيد، وقال النسائي: هو عندنا طلحة بن يزيد، قال ميرك: هو قول الأكثر. قلت: وبه جزم أهل الرجال، وسيأتي شيء منه في آخر الحديث.

بني عبس: بمهملتين بينهما موحدة تحتية ساكنة كفلس، اسمه صلة بن زفر العبسي الكوفي، حكاه القاري عن المنذري.

مع رسول الله: قال البيجوري: أي: جماعة، فإن كانت الصلوة صلوة التراويح فالأمر ظاهر؛ لأن الجماعة مشروعة فيها، وإن كانت غيرها ففعلها جماعة جائز، ويؤيده ظاهر السياق من أن الأربع ركعات كانت بسلام واحد، وعلى كونها صلوة التراويح يتعين أنها كانت بسلامين؛ لأن التراويح يجب فيها السلام من كل ركعتين، ولا يصح فيها أربع ركعات بسلام واحد. من اللّيل: "من" للتبعيض أو بمعنى "في"، ولفظ أحمد والنسائي: أنه معه في ليلة من رمضان.

قال: فلمّا **دخل** في الصلوة **قال**: الله أكبر **ذوالملكوت والجبروت، والكبرياء والعظمة، قال**: ثم قرأ **البقرة**، ثم ركع فكان ركوعه نحوًا **من قيامه**،

الملك والتاء للمبالغة

أي بكمالها كما هو ظاهر العبارة

ایسے ہی یہ رکوع بھی معمولی رکوع سے طویل تھا۔اس صورت میں قیام کے ایک گھنٹہ ہونے کی صورت میں رکوع اگر پندرہ منٹ کا بھی ہوگیا تو اس حدیث کا مصداق بن گیا۔ اس قول کے موافق نماز اپنے عام معمول کے موافق رہی یعنی جو رکن لمبا ہوتا ہے جیسا کھڑا ہونا، وہ لمبا رہا اور جو مختصر ہوتا تھا جیسے رکوع یا سجدہ، وہ مختصر رہا، البتہ ہر رکن عام نمازوں کے اعتبار سے بڑھا ہوا تھا۔ حضور اپنے اس رکوع میں **سبحان ربي العظيم، سبحان ربي العظيم** فرماتے رہے۔ رکوع سے سر اٹھا کر کھڑے ہوئے اور یہ کھڑا ہونا بھی رکوع ہی جیسا تھا۔ اُس وقت **لربي الحمد، لربي الحمد** فرماتے رہے، پھر سجدہ ادا کیا اور وہ سجدہ بھی کھڑے ہونے کے برابر ہی تھا۔ اُس میں **سبحان ربي الأعلى، سبحان ربي الأعلى** فرماتے رہے، پھر سجدہ سے اٹھ کر بیٹھے۔ یہ بھی سجدہ کی طرح سے طویل تھا، اس میں حضور ﷺ **رب اغفرلي، رب اغفرلي** فرماتے رہے۔ غرض حضور نے اپنی اس نماز میں سورۂ بقرہ، سورۂ آل عمران، سورۂ نساء، سورۂ مائدۃ یا سورۂ انعام (راوی کو ان اخیر کی دو سورتوں میں شک ہوگیا کہ کونسی تھی، لیکن اول کی تین محقّق ہیں۔ غرض تینوں سورتیں وہ اور ان دونوں میں سے ایک سورت) یہ چاروں سورتیں تلاوت فرمائیں۔ **فائدہ:** اس حدیث کا ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ چاروں سورتیں تلاوت فرمائیں، لیکن مسلم وغیرہ کی روایت میں اس کی تصریح ہے کہ حضور نے سورۂ بقرہ، سورۂ نساء، سورۂ آل عمران تین سورتیں ایک ہی رکعت میں تلاوت فرمائیں۔ اس لئے مسلم اور ابو داؤد کی روایت کے موافق بظاہر دو قصّے علیحدہ علیحدہ ہیں۔

دخل: [أي: بتكبيرة الإحرام.] قال: قال القاري: الأظهر أنه بعد تكبيرة التحريمة، وقال المناوي: أي: أراد الدخول فيها. ذوالملكوت: [صاحب الملك والعزة.] والجبروت: [الجبر والقهر.] والكبرياء: [الترفع عن جميع الخلق مع انقيادهم له، والتنـــزه عن كل نقص.] والعظمة: [تجاوز القدر عن الإحاطة به، وقيل: الكبرياء عبارة عن كمال الذات، والعظمة عبارة عن جمال الصفات.] قال: [أي: حذيفة بن اليمان.] البقرة: أي بعد الفاتحة لا كما توهم أنه افتتحها، بدون الفاتحة، ولم يذكرها الراوي اعتماداً على فهم السامع، وكان معروفاً من عادته، فقد قال: لا صلوة إلا بفاتحة الكتاب.

من قيامه: قال القاري: المراد أن ركوعه كان متجاوزاً عن المعهود كالقيام، وأغرب من زعم أن "من" هذه للبيان، حيث قال: هذا بيان لقوله "نحواً" أي: مثلا. وقال المناوي: والظرف متعلق بـــ"نحو" المتضمن معنى القرب، أي: قريباً.

وكان **يقول: سُبحان ربي العظيم**، سبحان ربي العظيم، ثم رفع رأسه، **فكان قيامه** نحوًا من ركوعه، وكان يقول: لربّي الحمد، ثم سجد فكان سجوده نحوًا من قيامه، وكان يقول: سُبحان ربي الأعلى، سبحان ربي الأعلى، ثم رفع رأسه فكان ما بين السجدتين نحوا من السجود، وكان يقول: ربّ اغفرلي، ربّ اغفرلي، **حتى قرأ** البقرة وآل عمران والنساء والمائدة أو الأنعام - شعبة الذي شكّ [أي: في جلوسه] في المائدة والأنعام - **قال أبو عيسى**: وأبو حمزة اسمه طلحة بن زيد، وأبو جمرة الضُّبَعيُّ اسمه نصر بن عمران.

اگرچہ یہ بھی احتمال ہے یہ ایک ہی قصّہ ہو اور کوئی سی روایت میں کچھ سہو واقع ہوگیا ہو۔ لیکن غلطی پر حمل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں جب کہ حضور اقدس ﷺ کا لمبی لمبی نماز پڑھنا روزانہ کا معمول تھا، اس لئے ایک مرتبہ چار سورتیں چار رکعت میں اور ایک مرتبہ تین سورتیں ایک رکعت میں پڑھی ہوں تو کیا مانع ہے۔

يقول إلخ: كرر الألفاظ لإفادة التكثير، أو إشارة إلى جمع كل من ثنتين بنفس واحد، ذكره جمع من الشراح.
سبحان ربي العظيم: [المرتان، المراد منها التكرار مرارا كثيرة، فكان يكرر هذه الكلمة ما دام راكعا.]
فكان قيامه: فيه حجة للجمهور، منهم الأئمة الثلاثة، أن من أطال الاعتدال أو الجلسة تصح صلوته، خلافا للشافعية. قال المناوي: لا دليل فيه لما ذهب أكثر الشافعية، منهم النووي: أن الاعتدال والقعود بين السجدتين ركنان طويلان، بل المذهب أنهما ركنان قصيران، فمتى زاد فيهما على قدر الذكر المشروع عمداً لبطلت صلوته.
حتى قرأ: ظاهره أنه قرأ السور الأربع في الركعات الأربع، وبه صرحت رواية أبي داود، لكن رواية الشيخين ظاهرة في أنه قرأ الكل في ركعة، فلعل الواقعة تعددت، قاله المناوي، وتعقبه القاري: بأن الرواية لمسلم وحده لا البخاري، وأنه قرأ السور الثلاث أي: البقرة وآل عمران والنساء في ركعة، ثم قال: فإما أن يحمل على تعدد الواقعة وتكون صلوة حذيفة معه ﷺ وقعت في ليلتين، في إحداهما قرأ السور الثلاث في ركعة، وفي الأخرى قرأ السور الأربع في أربع ركعات، أو يقال: إن في رواية أبي داود والترمذي وهما، والصواب رواية مسلم والنسائي، فإن فيهما التفصيل والتبيين.
قال أبو عيسى إلخ: غرض المصنف: أن أبا حمزة الراوي في أول السند مختلف في اسمه، وأيضاً كان يحتمل اللبس بأبي حمزة الضبعي رجل آخر من الرواة، فبين أولاً اسمه وذكر بعده اسم أبي حمزة الضبعي أنه رجل آخر، اسمه نصر بن عمران. وأبو طلحة هذا الذي في سند الترمذي مختلف في اسمه، كما تقدم في أول السند.

حدثنا أبو بكر محمد بن نافع البصريّ، حدثنا عبد الصمد بن عبد الوارث، عن إسماعيل بن مُسلم **العَبَديّ**، عن **أبي المتوكّل، عن**[١٤] عائشة رضي الله عنها قالت: قام رسول الله ﷺ **بآية من القرآن ليلة.**
يعني صلى رسول الله ﷺ

---

(۱۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ایک رات تہجد میں صرف ایک آیت کو تکرار فرماتے رہے۔

فائدہ: وہ آیت سورۂ مائدہ کے اخیر رکوع کی آیت: ﴿إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ [المائدة: ١١٨] تھی۔ اے اللہ! اگر تو ان سب کو عذاب دینا چاہے تو یہ تیرے بندے ہیں یعنی ہر طرح سے تیری ملک ہیں، تیری چیز ہیں، تو جو چاہے تصرّف فرمادے اور اگر تو ان کی مغفرت فرمادے اور سب کو معاف کر دے تو تیری شان سے کچھ بھی بعید نہیں۔ تو بڑی قدرت والا ہے، بڑی حکمت والا ہے۔

فائدہ: جس شخص کو زبردست قدرت حاصل ہو وہ جس مجرم کو چاہے معافی دے دے اور جو بڑی حکمت والا ہو اُس کے ہر فعل میں حکمت اور مصالح ہو سکتے ہیں۔ حضور کا کھڑے ہونے میں اور رکوع سجدہ میں بھی اس آیت کو پڑھتے رہنا اور بار بار دُہراتے رہنا اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی دو صفت عدل و مغفرت کے مستحضر ہو جانے کی وجہ سے تھا کہ قیامت کا سارا منظر انہی دو صفتوں کا مظہر ہے۔ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی نقل کیا گیا ہے کہ ایک شب تمام رات یہ آیت پڑھتے رہے: ﴿وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ﴾ [یٰسٓ: ٥٩] اس آیت شریفہ میں بھی قیامت کے منظر کا بیان ہے، کہ اُس دن یہ حکم ہوگا کہ آج مجرم لوگ غیر مجرموں سے علیحدہ اور ممتاز ہو جائیں۔ کس قدر سخت اور کپکپا دینے والا حکم ہے کہ آج اللہ والوں کے ساتھ ملے جلے ہیں، ان کی برکات سے نفع اُٹھا رہے ہیں لیکن اُس وقت مجرم لوگوں کو ان سے علیحدہ کر دیا جائے گا۔ اللہ ہی اپنے فضل سے وہاں بھی ان مقدّس نفوس کے زیر سایہ رکھے ورنہ بڑی ہی مشکلات ہیں۔

العبدي: نسبة لبني عبد قيس، قبيلة مشهورة. **أبي المتوكل**: الناجي، اسمه علي بن دواد بضم الدال وتقديم الواو، وقيل: داود بفتح الدال. **بآية من القرآن**: وهي ﴿إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ﴾ [المائدة: ١١٨] وكان عليه السلام بها يركع ويسجد كما رواه أبو عبيد وغيره، ويشكل عليه: ما في رواية مسلم وغيره من النهي عن القراءة في الركوع والسجود، وأجيب: بأنه يحتمل أن يكون لبيان الجواز إشارة إلى أن النهي للتنـزيه، أو قبل النهي، أو يوجه بأن المعنى يركع ويسجد بمقتضى هذه الآية، مثلاً: بلفظ "سبحان ربي العزيز الحكيم". **ليلة**: [أي: كلها، قد استمر يكررها ليلته كلها في ركعات تهجده، فلم يقرأ فيها بغيرها، وإنما كرّرها؛ لما اعتراه عند قراءتها من هول ما ابتدأت به، ومن حلاوة ما اختتمت به.]

حدثنا محمود بن غيلان، حدثنا سُليمان بن حرب، حدثنا شعبة، عن الأعمش، عن أبي وائل، **عن** (۱۵) عبد الله قال: صليت ليلة مع رسول الله ﷺ فلم يزل قائماً حتى هممت بأمر **سوء**، قيل له: وما هممت به؟ قال: هَمَمْتُ أن **أقعد** وأَدَعَ النَّبيَّ ﷺ. **حدثنا** سفيان بن وكيع، حدثنا جرير، عن الأعمش، نحوه. **حدثنا** إسحاق بن موسى الأنصاريّ، حدثنا معن، حدثنا مالك، عن أبي النضر، عن أبي سلمة،

شقيق بن سلمة الكوفي

---

(۱۵) عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شب حضور اقدس ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، حضور نے اتنا طویل قیام فرمایا کہ میں نے ایک بُرے کام کا ارادہ کر لیا۔ کسی نے پوچھا کہ کس کام کا ارادہ کر لیا تھا؟ کہنے لگے کہ میں بیٹھ جاؤں اور حضور کو تنہا چھوڑ دوں۔

فائدہ: اس کے دو مطلب محتمل ہیں کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے لگوں اور حضور تنہا کھڑے رہیں۔ یہ اس بناء پر بُرا ارادہ تھا کہ بے ادبی کو متناول تھا، اور ہو سکتا ہے کہ بیٹھ جاؤں کا یہ مطلب ہے کہ نماز ہی پڑھنی چھوڑ دوں۔ اس کا بُرا ہونا بالکل ظاہر ہے کہ حضور کے ساتھ ساتھ نماز کی بھی بے ادبی اور اس سے لا پرواہی بھی معلوم ہوتی ہے کہ حضور کے ساتھ نماز پڑھتے پڑھتے نیت توڑ کے بیٹھ جائیں۔ مگر کھڑے کھڑے جب تھک گئے تو اس قسم کے خیال آنے لگے۔

سوء: بالفتح، نقيض المسرة، مصدر وبالضم اسم، وشاع الإضافة إلى المفتوح، قاله المناوي، وقال القاري: بأمرسوء بالإضافة، وروي بقطعها على الصفة، قال ميرك: الرواية بالإضافة كما يفهم من كلام الحافظ ابن حجر، وجوز الكرماني أن يكون بالصفة.

أقعد: قال القاري: أي: أصلي قاعداً وأتركه ﷺ يصلي قائما، أو معنى "أقعد": لا أصلي معه ﷺ بعد ذلك الشفع وأتركه يصلي، وكلاهما أمر سوء في الجملة؛ لظهور صورة المخالفة. وما يتبادر إلى الفهم أن مراده إبطال الصلوة للإطالة وقعوده للملالة فباطل؛ لقوله تعالى: ﴿وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ﴾ [محمد: ٣٣] فلا يجوز حمل فعل صحابي جليل على ذلك. مختصراً. وقال المناوي مؤولاً على مسلك الشافعية: أي: ينوي قطع القدوة ويتم صلوته منفرداً، لا أنه يقطع صلوته كما ظنه القسطلاني وغيره؛ لأن ذلك لا يليق بجلالة ابن مسعود. قلت: وظاهر السياق مع القسطلاني وغيره.

عن(۱٦) عائشة رضي الله عنها: أن النبي ﷺ كان يُصلّي جالسا فيقرأ وهو **جالس، فإذا بقي** من قراءته قدرُ ما يكون ثلاثين **أو أربعين** آية **قام فقرأ** وهو قائم، ثم ركع وسجد، ثم صنع في الركعة الثانية مثل ذلك. **حدثنا** أحمد بن منيع، حدثنا هُشيم، أنبأنا خالد **الحذاء**،

---

(۱٦) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ (زمانۂ ضعف میں) نوافل میں قرآن شریف (چونکہ زیادہ پڑھتے تھے اس لئے) بیٹھ کر تلاوت فرماتے تھے اور جب رکوع کرنے میں تقریباً تیس چالیس آیت رہ جاتی تھیں تو کھڑے ہو کر تلاوت فرماتے اور رکوع میں تشریف لے جاتے اور کھڑے ہونے کی حالت میں رکوع فرماتے پھر سجدہ کرتے اور اسی طرح دوسری رکعت ادا فرماتے۔ **فائدہ:** بعض علماء نے اس شخص کے لئے جو بیٹھ کر نماز پڑھے، کھڑے ہو کر رکوع سجدہ کرنا ناجائز بتایا ہے۔ مگر جمہور علماء جن میں چاروں امام بھی شامل ہیں، کے نزدیک یہ صورت جائز ہے۔ اسی طرح اس کے خلاف جو شخص کھڑے ہو کر نماز پڑھے اُس کو بیٹھ کر رکوع سجدہ کرنا بھی جائز ہے، مگر یہ سب نفلوں میں ہے۔ فرضوں میں جو شخص کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتا ہے اُس کو بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں ہے۔

جالس: [ومن خصائصه ﷺ أن تطوعه قاعدا كهو قائما؛ لأنه مأمون الكسل فلا ينقص أجره، بخلاف غيره.]

فإذا بقي: فيه إيماء إلى أن الذي كان يقرأه قبل أن يقوم أكثر؛ لأن البقية تطلق في الغالب على الأقل.

أو أربعين: يحتمل أن يكون شكا من الراوي عن عائشة أو ممن دونه، ويحتمل أن يكون من كلامها إشارة إلى أن ما ذكرته مبني على التخمين تحرزاً عن الكذب، أو إشارة إلى التنويع، بأن يكون تارة إذا بقي ثلاثون وتارة إذا بقي أربعون. زاد المناوي: أو بحسب طول الآيات وقصرها، والظاهر أنها إشارة إلى أن المذكور مبني على التخمين. قلت: وهو المرجع عندي.

قام فقرأ: في الحديث مسألتان خلافيتان: الأولى ما قال الزين العراقي: الحديث يقتضي أن من افتتح الصلوة قاعداً ثم انتقل إلى القيام لا يقرأ حال نهوضه، بخلاف عكسه فيقرأ حال الهوى، وبه صرح الشافعية في فرض المعذور، وأما في النفل فمخير في القراءة حال النهوض والهوى، لكن الأفضل القراءة هاويا لاناهضا. والثانية ما قال ميرك: إن في الحديث رداً على من اشترط على من افتتح النافلة قاعداً أن يركع قاعدا، أو قائما أن يركع قائما، وهو محكي عن أشهب وبعض الحنفية. قلت: والأئمة الأربعة على جواز القيام لمن افتتح قاعداً وعكسه، وتفصيل الخلاف في المطولات.

الحذاء: بمفتوحة وشدة ذال معجمة، هو خالد بن مهران، و لم يكن بحذاء، ولكن كان يجلس إليهم فنسب إليهم.

عن (١٧) عبد الله بن شقيق قال: سألت عائشة رضي الله عنها عن صلوة رسول الله ﷺ: عن **تطوّعه**؟ فقالت: كان يُصلّي **ليلا** طويلاً قائما، وليلا طويلا قاعداً، فإذا قرأ وهو قائم ركع **وسجد وهو قائم**، وإذا قرأ وهو جالس ركع وسجد وهو جالس.

---

(۱۷) عبد اللہ بن شقیق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضور کے نوافل کے متعلق دریافت کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ حضور رات کے طویل حصّہ میں نوافل کھڑے ہو کر پڑھتے تھے اور طویل حصہ میں نوافل بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ حضور کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب کھڑے ہو کر قرآن پڑھتے تو رکوع و سجود بھی کھڑے ہونے کی حالت میں ادا فرماتے اور جب قرآن بیٹھ کر پڑھتے تو رکوع و سجود بھی بیٹھنے ہی کی حالت میں ادا فرماتے۔ **فائدہ**: رات کے طویل حصّہ میں نوافل کے علماء نے دو مطلب تحریر فرمائے ہیں: ایک تو یہ کہ ایک ہی رات میں بہت سا حصّہ کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے اور بہت سا حصہ بیٹھ کر۔ اور دوسرا مطلب یہ کہ یہ مختلف راتوں کا حال ہے کہ بعضے راتوں میں طویل نماز کھڑے ہو کر پڑھتے تھے اور بعض راتوں میں طویل نماز بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ دوسرا مطلب راجح ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ حضور کا معمول رات کی نماز یعنی تہجد کی رکعات لمبی لمبی پڑھنے کا تو ہمیشہ ہی رہتا تھا، اگر طبع مبارک پر ضعف،اضمحلال ہوتا تو بیٹھ کر پڑھتے تھے ورنہ کھڑے ہو کر پڑھتے تھے۔ اس حدیث کا اخیر مضمون بظاہر اس سے پہلی حدیث کے مخالف ہے، اس لئے علماء نے ان دونوں کو دو حالتوں پر محمول فرمایا کہ نوافل کا مدار نشاط اور سرور پر ہے، جس وقت جس طرح نشاط زیادہ حاصل ہوتا اُسی طرح پڑھتے۔ اس کے علاوہ حضور اقدس ﷺ کے بہت سے افعال میں تعلیم بھی مقصود ہوتی تھی، یعنی بہت سے افعال حضور اس لئے بھی کرتے تھے کہ لوگوں کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ اس طرح بھی یہ کام کرنا جائز ہے اس کو بیانِ جواز کہتے ہیں۔

تطوعه: [التطوُّع: فعل شيء مما يتقرب به إلى الله تعالى تبرعًا من النفس] بدل مما قبله بإعادة الجار، وهذا في البدل كثير تنبيها على أنه هو المقصود، والمبدل منه توطية، وفي لفظ "التطوع" إشعار إلى أن صلوة الليل لم تكن فرضا عليه ﷺ.

ليلا: قال في المفاتيح: يعني يصلي صلوة كثيرة من القيام والقعود، أو يصلي ركعات مطولة في بعض الليالي من القيام وفي بعضها من القعود، كذا في البذل، وبسط القاري في إعراب "ليلا طويلا"، فارجع إليه. **وسجد وهو قائم**: لا ينافي حديث عائشة رضي الله عنها المتقدم؛ فإن له ﷺ أحوالا مختلفة في تهجده، فكان يفعل مرة كذا ومرة كذا.

حدثنا إسحاق بن موسى الأنصاريّ، حدثنا معن، حدثنا مالك، عن ابن شهاب، عن السائب بن يزيد، عن المطّلب بن أبي **وَداعة السهميّ، عن**[١٨] **حفصةَ** زوج النبي ﷺ قالت: كان رسول الله ﷺ يُصلّي في **سُبْحته** قاعدًا، ويقرأ بالسُّورة **ويُرتّلها** حتى تكون أطول من أطول منها.
أي النافلة ليلا

حدثنا الحسن بن محمد **الزعفراني**، حدثنا الحجاج بن محمد،

اسی لئے نبی کریم ﷺ کو بیٹھ کر نماز پڑھنے کا ثواب پورا ملتا ہے، دوسروں کو کھڑے ہو کر نماز پڑھنے پر جتنا ثواب ملتا ہے، بیٹھ کر پڑھنے پر اُس سے سے آدھا ملتا ہے اس لئے کہ حضور کا بیٹھ کر نماز پڑھنا بھی نبوت کے مقصد کو پورا کرنا ہے یعنی اعمال کو کر کے دکھا دینا، یہی نبی کے آنے کی غرض ہوتی ہے۔

(۱۸) حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نوافل بیٹھ کر پڑھتے اور اُس میں کوئی سورت پڑھتے تو اس قدر ترتیل سے پڑھتے کہ وہ سورت اپنے سے لمبی سورت سے بھی بڑھ جاتی تھی۔ **فائدہ:** یعنی چھوٹی سورت میں ترتیل اور قرأت سے پڑھنے کی وجہ سے بڑی سورتوں کے برابر دیر لگ جاتی تھی۔ مقصد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ قرآن پاک کو نہایت اطمینان سے ٹھہرا ٹھہرا کر پڑھتے تھے، جلدی جلدی نہ پڑھتے تھے جس سے چھوٹی سورت بھی اتنی دیر میں ختم ہوتی جتنی دیر میں دوسرے آدمی لمبی سورت پڑھ لیں، اور پھر جب حضور لمبی لمبی سورتیں بھی پڑھتے تھے تو کتنی دیر لگتی ہو گی۔ اسی وجہ سے کھڑے کھڑے پاؤں پر وَرم آجاتا تھا۔

وداعة: بفتح الواو وتخفيف الدال المهملة بعدها ألف ثم عين مهملة. **السهميّ:** نسبة لقبيلة من قريش، صحابي أسلم يوم الفتح.
حفصة: [بنت عمر بن الخطاب، كانت تحت خنيس السهمي، ثم تزوجها المصطفى ﷺ، ثم طلقها وراجعها بأمر جبريل له حيث قال له: "راجع حفصة فإنها صوّامة قوّامة، وإنها زوجتك في الجنة".]
سبحته: بضم السين وسكون الموحدة أي: نافلته، سميت سبحة؛ لاشتمالها على التسبيح، وإنما خصت النافلة بذلك؛ لأن التسبيح الذي في الفريضة أيضاً نافلة، والتخصيص باعتبار الغالب، وقد تطلق على الصلوة مطلقا، يقال: فلان يسبح أي: يصلي فرضاً أو نفلا. ويُرتلها: [أي: يبيّن حروفها وحركاتها و وقوفها مع التأني في قراءتها.]
الزعفراني: بفتح الزاي المعجمة وسكون العين المهملة وفتح الفاء والراء، وبعد الألف نون نسبة إلى الزعفرانية، قرية قرب بغداد، وقيل: محلة قديمة بكرخ بغداد، كذا في هامش تهذيب التهذيب.

عن ابن جُريج قال: أخبرني عثمان بن أبي سُليمان: أن أبا سلمة بن عبد الرحمن أخبره: أن عائشة رضي الله عنها أخبرته: أن النبي ﷺ لم يمت حتّى **كان** أكثر صلوته وهو **جالس**. (١٩) **حدثنا** أحمد بن منيع، حدثنا إسماعيل بن إبراهيم، عن أيوب، عن نافع، **عن** (٢٠) ابن عمر رضي الله عنه قال: صلّيت **مع رسول الله** ﷺ ركعتين قبل الظهر، وركعتين بعدها،

بالجيمين. أي: نافلته. أي: في المسجد، ويفيد هذا تقييد المغرب بقوله، في بيته.

(١٩) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس وصال کے قریب زمانہ میں اکثر نوافل بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے۔ **فائدہ**: چونکہ زمانہ ضعف کا تھا اور نیز حضور تلاوت زیادہ فرماتے تھے جیسا کہ پہلی روایات میں گزر چکا ہے، اس لئے اکثر حصہ نوافل کا بیٹھ کر ادا فرماتے تھے۔ گو بیٹھ کر نماز پڑھنے کا ثواب کھڑے ہونے سے آدھا ہوتا ہے، لیکن حضور اقدس ﷺ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں۔ حضور کے لئے بیٹھ کر نماز پڑھنے کا ثواب اتنا ہی ہے جتنا کھڑے ہو کر ہوتا ہے جس کی وجہ پہلے گزر چکی ہے، چنانچہ ابو داؤد وغیرہ کی روایات میں اس کی تصریح ہے کہ میں (یعنی حضور ﷺ) اس بارے میں تم جیسا نہیں ہوں، میرے لئے بیٹھ کر نماز پڑھنے میں بھی اتنا ہی ثواب ہے۔

(٢٠) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کے ساتھ دو رکعتیں ظہر سے قبل اور دو ظہر کے بعد اور دو مغرب کے بعد اپنے گھر میں اور دو عشاء کے بعد وہ بھی گھر میں پڑھیں۔ **فائدہ**: اس حدیث میں سنتوں کا ذکر ہے سنت مؤکدہ حنفیہ کے نزدیک بھی اس طرح ہیں جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گزرا، البتہ ظہر کی سنتیں حنفیہ کے نزدیک چار رکعت ہیں۔ نبی کریم ﷺ سے متعدد احادیث میں یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص رات دن میں بارہ رکعات پر

كان: تامة، أي وجد أكثر صلوته والحال أنه جالس، وقيل: ناقصة الخبر محذوف، مثل: كان ضربي زيدًا قائما، وقيل: الواو زائدة كما هو شائع في خبر "كان"، وجملة: "وهو جالس"، خبر "كان"، والرابطة محذوفة. قال ابن حجر: هذا تكلف بعيد لا يعول عليه. جالس: [يعني كان أكثر صلاته قاعدا إلا المكتوبة.] مع رسول الله: أي: شاركته في الصلوة، بمعنى أن كلا منهما فعل تلك الصلوة، وليس المراد أنه صلى معه جماعة؛ لأنه يبعد ذلك ههنا، وان كانت الجماعة جائزة في الرواتب، لكنها غير مشروعة فيها، قاله البيجوري، وقال أبو زرعة: ذلك يحتمل ثلاثة أوجه: أحدها: المراد المعية في صلوة الجماعة، وهو بعيد؛ لأنه لم يفعل الراتبة جماعة، الثاني: المعية في الزمان أو المكان أو فيهما وإن كانا منفردين، والثالث: المعية في أصل الفعل أي: كل منهما فعل ذلك وإن اختلف زمن الفعل ومحله، وهذا أرجح.

ورکعتين بعد المغرب في بيته، وركعتين بعد العشاء في بيته. حدثنا أحمد بن منيع، حدثنا إسماعيل ابن إبراهيم، حدثنا أيوب، عن نافع،

مداومت کرے حق تعالیٰ اُس کے لئے جنت میں گھر بنادیتے ہیں۔ ان بارہ رکعات کی تفصیل حضرت عائشہ اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہما کی روایات سے کئی حدیثوں میں یہی آئی ہے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں گزری۔ البتہ ظہر سے قبل ان روایتوں میں چار رکعت وارد ہوئی ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ظہر سے پہلے چار رکعت ایک سلام کے ساتھ ہوں ان کے لئے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں یعنی بہت جلد قبول ہوتی ہیں۔ بخاری شریف اور مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ ظہر سے قبل چار رکعت کبھی ترک نہیں فرماتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مسند احمد، ابو داؤد وغیرہ میں روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ ظہر کی نماز کے لئے تشریف لے جاتے وقت چار رکعت گھر سے پڑھ کر تشریف لے جاتے تھے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور سنتیں مکان پر پڑھ کر تشریف لاتے تھے اور وہ چار رکعت ہوتی تھیں۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ کی روایت میں ہے۔ ابو داؤد شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک مفصّل روایت نقل کی گئی ہے جس میں وہ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ ظہر سے پہلے چار رکعت میرے گھر پڑھتے تھے پھر مسجد میں تشریف لے جاتے اور فرض پڑھاتے اس کے بعد گھر تشریف لاتے اور دو رکعت پڑھتے اور مغرب کی نماز کے بعد میرے گھر تشریف لاتے اور دو رکعت پڑھتے اور عشاء کی نماز کے بعد بھی تشریف لاتے اور دو رکعت پڑھتے اور صبح صادق کے بعد دو رکعت پڑھتے اور نماز کے لئے تشریف لے جاتے۔

اس مفصّل حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سنتیں اکثر گھر پر پڑھتے تھے اور مسجد میں تشریف لاکر غالب یہ ہے کہ دو رکعت تحیّۃ المسجد پڑھا کرتے تھے جس کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے کبھی

في بيته: متصل بالثلاثة قبله أو بسنة المغرب فقط، وهو الظاهر؛ لقوله الآتي في العشاء أيضاً: "في بيته"، فإنه لو كان هذا راجعاً إلى الثلاثة لا يحتاج إلى ذكره ههنا، بل يكتفي بذكره بعد العشاء فقط، وأصرح منه دلالة ما في رواية للبخاري: فأما المغرب والعشاء ففي بيته، وأغرب ابن أبي ليلى فقال: لا تجزئ سنة المغرب في المسجد. قاله القاري.

عن (٢١) ابن عمر رضي الله عنهما قال: **وحدثني** حفصة: أن رسول الله ﷺ كان يُصلي ركعتين حين يطلع [أي يظهر] **الفجر وينادي المنادي.** قال أيوب: **أراه** [أي أظنه] قال: **خفيفتين. حدثنا** قتيبة بن سعيد، حدثنا مروان بن معاوية **الفزاريّ**، عن جعفر بن بُرْقَان، عن مَيْمون بن مهران، [ثقة فقيه]

کبھی کسی ضرورت کی وجہ سے دو ہی رکعت سنت پڑھی ہوں جن کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے نقل فرمایا، نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا اس حدیث میں یہ ارشاد کہ میں نے حضور کے ساتھ یہ نمازیں پڑھیں، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حضور کے ساتھ جماعت کی بلکہ مطلب یہ ہے کہ حضور بھی پڑھتے تھے اور میں بھی پڑھتا تھا۔ سنتوں کا جماعت کے ساتھ پڑھنا ثابت نہیں ہے۔

(۲۱) ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ سے (میری بہن ام المؤمنین) حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کہتی تھیں کہ حضور اقدس ﷺ صبح صادق کے بعد جس وقت مؤذن اذان کہتا ہے اُس وقت دو مختصر رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ **فائدہ:** صبح کی سنتوں کے متعلق اکثر روایات میں یہی آیا ہے کہ حضور ان کو مختصر پڑھا کرتے تھے، حتیٰ کہ بعض علماء نے ان احادیث کی وجہ سے یہ کہہ دیا کہ ان میں صرف الحمد شریف پڑھی جائے اور کوئی سورت پڑھنے کی بھی ضرورت نہیں ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ سے ان میں سورت کا پڑھنا ثابت ہے، البتہ مختصر سورت پڑھنا اولیٰ ہے۔ مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ حضور ان سنتوں میں سورۂ کافرون اور سورۂ اخلاص پڑھا کرتے تھے، اگرچہ بعض احادیث میں اِن کے علاوہ کا پڑھنا بھی وارد ہے۔ ایک حدیث میں حضور کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ دونوں سورتیں کیسی اچھی ہیں! کہ صبح کی سنتوں میں پڑھی جاتی ہیں۔

وحدثني: قيل: الواو زائدة، وقيل: عطف على محذوف، أي: حدثني غير حفصة وحدثتني حفصة قاله القاري، زاد المناوي: هذا أحسن من جعله زائدة. **الفجر:** [هو ضوء الصبح، وهو حمرة الشمس في سواد الليل، والمراد: الصبح الصادق، وهو: الذي يبدو ساطعا مستطيرا يملأ الأفق ببياضه.] **وينادي المنادي:** [ويؤذن المؤذن، وسمي الأذان نداء؛ لأن أصل النداء الدعاء، والأذان دعاء للصلاة.] **أراه:** الضمير المنصوب لنافع؛ لأن أيوب راوٍ عنه.

خفيفتين: وقد صح ذلك من طرق في الصحيحين وغيرهما فيسن تخفيفهما، والحديث المرفوع في تطويلهما من مرسل سعيد بن جبير، يحمل على بيان الجواز على أن فيه راوياً لم يسم، فلا حجة فيه لمن قال: يندب تطويلهما ولو لمن فاته شيء من قراءته صلوة الليل، قاله القاري، قال المناوي: وأخذ مالك من تخفيفهما أنه لا يقرأ فيهما غير الفاتحة، وحكاه ابن عبد البر عن الأكثر، وبالغ السلف فقال: لا يقرأ فيهما شيئاً أصلاً. **الفزاري:** بفتح الفاء وتخفيف الزاي وبعد الألف راء، نسبة إلى فزارة، وهي قبيلة.

عن (۲۲) ابن عمر رضي الله عنهما قال: حفظت من رسول الله ﷺ **ثماني ركعات**: ركعتين قبل الظهر، وركعتين بعدها، وركعتين بعد المغرب، وركعتين بعد العشاء. قال ابن عمر: وحدثتني حفصة **بركعتي الغداة**، ولم أكن **أراهما** من النبي ﷺ. **حدثنا** أبو سلمة يحيى بن خَلَف، حدثنا بِشر بن المفضّل، عن خالد الحذّاء،

---

(۲۲) ابن عمر رضی اللہ عنہ ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ میں نے حضور ﷺ سے آٹھ رکعتیں یاد کی ہیں: دو ظہر سے قبل، دو ظہر کے بعد، دو مغرب کے بعد، دو عشاء کے بعد۔ مجھے میری بہن حفصہ نے صبح کی دو رکعتوں کی بھی خبر دی ہے جن کو میں نے نہیں دیکھا تھا۔ **فائدہ**: یہ دو رکعتیں چونکہ ہمیشہ گھر میں ہی پڑھی جاتی تھیں اور صبح کا وقت زیادہ تر حاضر باشی کا ہوتا نہیں اس لئے ابن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کچھ مستبعد نہیں۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ نہ دیکھنے کا یہ مطلب ہے کہ اُس وقت تک نہیں دیکھا تھا جس وقت حضرت حفصہ نے خبر دی تھی، اُس کے بعد دیکھنے کی نوبت آئی، اس لئے کہ بعض روایات سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا اپنا مشاہدہ بھی ان سنتوں کے متعلق معلوم ہوتا ہے۔ تمام سنتوں میں صبح کی سنتیں سب سے زیادہ مؤکد ہیں۔ حضور سے بھی ان کی تاکید اور اہتمام کثرت سے نقل کیا گیا ہے، اسی وجہ سے بعض علماء نے ان کو واجب بتایا ہے، اسی وجہ سے ان کا بہت زیادہ اہتمام چاہئے۔

ثماني ركعات: [أي: من السنن المؤكدة.] بركعتي الغداة: [أي: الفجر، وأصل الغداة ما بين طلوع الفجر وطلوع الشمس.] أراهما: بفتح الهمزة أي: لم أبصرهما، قال القاري: قد روى المصنف أي: في الجامع والنسائي عن ابن عمر رضي الله عنهما: رمقت النبي ﷺ شهراً كان يقرأ بهما، أي: بسورتي الإخلاص في ركعتي الفجر؛ ومن ثم استدل به بعضهم على الجهر بالقراءة فيهما، وأجيب: بأنه لا حجة فيه؛ لاحتمال أنه عرف ذلك بقراءته بعض السورة، وقد صح عن عائشة رضي الله عنها أنه كان يسر فيهما بالقراءة، ويوافقه قياس الإخفاء في سائر السنن النهارية والليلية، قال ابن حجر: وهذا كله صريح في أنه رأى النبي ﷺ يصليهما، فينافي رواية الشمائل أنه لم يره يصليهما، ويمكن أن يجاب: بأنه لم يره قبل أن تحدثه. وتعرض المناوي عن التعارض، وسكت عن الجواب، وحكى البيجوري عن الشَّبْر امَلِّسي: أن النفي محمول على الحضر، فإنه كان يصليهما عند نسائه، والرؤية محمولة على البصر، فإنه كان فيه يصليهما عند صحبه.

عن (۲۳) عبد اللّٰہ بن شقيق قال: سألت عائشة رضي الله عنها عن صلوة النبي ﷺ ؟ قالت: كان يصلّي قبل الظهر **ركعتين**، وبعدها ركعتين، وبعد المغرب ركعتين، وبعد العشاء ركعتين، **وقبل الفجر** ثِنْتَين.

رسول الله خ — ركعتين خ

حدثنا محمد بن المثنّى، حدثنا محمد بن جعفر، حدثنا شعبة، **عن** (۲٤) أبي إسحاق قال: سمعت عاصم بن **ضَمْرة** يقول: سألنا عليّا رضي الله عنه عن صلوة رسول الله ﷺ من النهار،

[أي: عن كيفيتها]

(۲۳) عبد اللہ بن شقیق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضور اقدس ﷺ کے نوافل کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے دو رکعت ظہر سے قبل اور دو ظہر کے بعد اور دو مغرب کے بعد اور دو عشاء کے بعد اور دو صبح کی نماز سے قبل بتلائیں۔ **فائدہ:** اس میں ظہر کے قبل دو سنتوں کے علاوہ باقی میں حنفیہ کا اتفاق ہے۔ ظہر کی سنتیں حنفیہ کے نزدیک چار رکعت ہیں، چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے ذیل میں وضاحت سے گزر چکا ہے۔ بخاری شریف میں خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے نقل کیا گیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ ظہر سے قبل چار رکعت اور صبح سے قبل دو رکعت نہیں چھوڑتے تھے یعنی ہمیشہ پڑھتے تھے، اس لئے اس کو کبھی کسی ضرورت پر حمل کریں گے۔

(۲۴) عاصم بن ضمرہ کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضور اقدس ﷺ کی اُن نوافل کے متعلق استفسار کیا جن کو آپ دن میں پڑھتے تھے (رات کی نوافل یعنی تہجد وغیرہ ان کو پہلے سے معلوم ہوں گی، تہجد کی روایات بالخصوص کثرت

ركعتين: هكذا في هذه الرواية ركعتان قبل الظهر، لكن المعروف عن عائشة المروي عنها بطرق: أربع قبل الظهر، ويؤيده أيضاً ما روي عنها مرفوعاً: من ثابر على ثنتي عشر ركعة، الحديث، وفسر فيه بأربع قبل الظهر، فيمكن أن يؤوّل حديث الباب على بعض الأوقات، وقد أخرج البخاري في صحيحه برواية ابن المنتشر، عن عائشة: أن النبي كان لا يدع أربعا قبل الظهر وركعتين قبل الغداة، وقال الطبري: الأربع كانت في كثير من أحواله والركعتان في قليلها، قال ميرك: وبهذا يجمع بين ما اختلف عن عائشة في ذلك.

وقبل الفجر: قال المناوي: أفضل الرواتب ركعتا الفجر للخلاف في وجوبهما، قال العراقي: و لم أر لأصحابنا تعرضاً لآكدها بعدهما، وقال المالكية والحنابلة: آكدها بعدهما الركعتان بعد المغرب، ويشهد له أن الحسن قال بوجوبهما أيضاً، ثم "بعدهما" يحتمل بعدية العشاء؛ لأنها من صلوة الليل وهي أفضل، ويحتمل سنة الظهر لاتفاق الروايات عليها. واختلفت الحنفية في ذلك كما بسط في مراقي الفلاح والطحطاوي. **ضمرة**: بفتح الضاد المعجمة وسكون الميم.

فقال: إنكم **لا تُطيقون** ذلك، قال: فقلنا: **من أطاق** منّا ذلك صلّى، فقال: كان إذا كانت الشمس من ههُنا كهيئتها من ههُنا عند العصر صلّى **ركعتين**، وإذا كانت الشمس من ههُنا كهيئتها من ههُنا عند الظهر **صلى أربعا**، ويُصلّي قبل الظهر أربعاً وبعدها ركعتين،

إشارة إلى جانب المشرق — إشارة إلى جانب المغرب — أي: صلوة الضحى — إشارة إلى جانب المشرق — إشارة إلى جانب المغرب — أي: الصلوة قبل الزوال

سے منقول ہیں اور مشہور ہیں) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم اس کی طاقت کہاں رکھ سکتے ہو؟ (یعنی جس اہتمام و انتظام اور خشوع خضوع سے حضور پڑھتے تھے وہ کہاں ہو سکتا ہے۔ اس سے مقصود تنبیہ تھی کہ محض سوال اور تحقیق سے کیا فائدہ جب تک عمل کی سعی نہ ہو)۔ ہم نے عرض کیا کہ جو طاقت رکھ سکتا ہوگا وہ پڑھے گا (اور جو طاقت نہیں رکھے گا وہ معلوم کرلے گا تاکہ دوسروں کو بتلا سکے اور خود عمل کرنے کی کوشش کرے) اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ صبح کے وقت جب آفتاب آسمان پر اتنا اوپر چڑھ جاتا جتنا اوپر عصر کی نماز کے وقت ہوتا ہے، اُس وقت حضور دو رکعت (صلوۃ الاشراق) پڑھتے تھے اور جب مشرق کی طرف اس قدر اوپر ہو جاتا جس قدر ظہر کی نماز کے وقت مغرب کی طرف ہوتا ہے تو اُس وقت چار رکعت (چاشت کی نماز جس کا مفصّل بیان دوسرے باب میں آرہا ہے) پڑھتے تھے۔ ظہر سے قبل چار رکعت پڑھتے تھے اور ظہر کے بعد دو رکعت (یہ چھ رکعتیں سنّتِ مؤکدہ ہیں) اور عصر سے قبل چار رکعت پڑھتے۔ چار رکعت کے درمیان بیٹھ کر ملائکہ مقربین اور انبیاء ومؤمنین پر سلام بھیجتے تھے۔ **فائدہ:** اس سے التحیات بھی مراد ہو سکتی ہے کہ اس میں **السلام عليك أيها النبيُّ إلخ** ہوتا ہے۔ اس صورت میں حدیث میں جہاں جہاں چار رکعت بیان کیا گیا ہے،

لا تطيقون: أي بحسب الكيفية والحالة أو باعتبار الدوام والمواظبة، وفيه إشارة إلى ترغيب السائلين على المداومة في المتابعة. **أطاق إلخ:** يعني ومن لم يطق منا ذلك علم. **ركعتين:** قال القاري والمناوي: هذه صلوة الضحى والأربع الآتية عند الزوال، تسمى صلوة الأوابين؛ لما روى مسلم من حديث زيد بن أرقم مرفوعاً: صلوة الأوابين حين ترمض الفصال. قلت: والأوجه عندي أن هذه صلوة الإشراق والآتية صلوة الضحى، وهما واحد عند الفقهاء والمحدثين، فإنهم ذكروا أن وقت الضحى من ارتفاع الشمس إلى قريب من الزوال، وصلوتان عند مشائخ السلوك، يسمون الأولى صلوة الإشراق، ووقتها من ارتفاع الشمس إلى ربع النهار، والثانية صلوة الضحى، ووقتها من ربع النهار إلى قريب من نصف النهار وهو الأوجه عندي، كما حققته في أوجز المسالك على مؤطا مالك. **صلّى أربعا:** [هي صلاة الأوابين، ورد في الحديث صلاة الأوابين حين ترمض الفصال.]

وقبل العصر أربعا يَفصِل بين كل ركعتين **بالتسليم** على الملائكة المقرّبين **والنبيين** ومن تبعهم من **المؤمنين والمسلمين**.

سب کو شامل ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے دو رکعت پر سلام پھیرنا مراد ہو، تو مقصود یہ ہے کہ ان چار رکعتوں میں جو عصر سے قبل پڑھی جاتی تھیں دو سلام پھیر دیتے تھے۔ عصر کی نوافل دو رکعت اور چار رکعت دونوں طرح سے ثابت ہیں، خود حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی دونوں روایتیں ہیں۔

بالتسليم: قيل يعني به التشهد، سمي تسليما؛ لاشتماله عليه. **والنبيين:** هذه قرينة قوية على أن المراد "بالتسليم" التشهد، لا تسليم التحلل، كما جزم به الشراح الشافعية، قال القاري: أي يفصل بالتشهد المشتمل على قوله: السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين، فإنه يشمل كل عبد صالح في السماء والأرض على ماورد في الصحيح، ويؤيده حديث ابن مسعود في المتفق عليه: كنا إذا صلّينا مع النبي ﷺ قلنا: السلام على الله من عباده، السلام على جبرئيل، السلام على ميكائيل، السلام على فلان. الحديث ذكره الطيبيّ وتبعه الحنفي. وأغرب ابن حجر حيث تعقبهما بقوله: فيه نظر؛ إذ لفظ الحديث يأبى ذلك، وإنما المراد "بالتسليم" فيه تسليم التحلل، قال القاري: ولا يخفى أن سلام التحلل إنما يكون مخصوصاً بمن حضر المصلى من الملائكة والمؤمنين، ولفظ الحديث أعم منه حيث ذكر الملائكة والمقربين والنبيين ومن تبعهم من المؤمنين إلى يوم الدين.

المؤمنين والمسلمين: لعل الجمع بين الوصفين مع أن موصوفهما واحد؛ للإشارة إلى انقيادهم الباطني والظاهري، والجمع بين النسبة العلمية والمباشرة العملية.

بابُ صلوة الضحى

چاشت گاہ

حدثنا محمود بن غيلان، حدثنا أبو داود الطّيالسي، حدثنا شعبة، **عن** يزيد **الرِّشك** قال:

باب۔ چاشت کی نماز کا ذکر

فائدہ: فقہاء اور محدثین کے نزدیک صبح کے بعد وقتِ مکروہ نکل جانے کے بعد سے زوال تک سب صلوۃ الضحیٰ کہلاتی ہے، لیکن صوفیہ کے یہاں یہ دو نمازیں ہیں: ایک اشراق کی نماز کہلاتی ہے دوسری چاشت کی نماز کہلاتی ہے۔ چوتھائی دن تک اشراق کا وقت رہتا ہے اور چوتھائی کے بعد سے نصف النہار تک چاشت کا وقت۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی وہ روایت جو گزشتہ باب کے اخیر میں ذکر کی گئی ہے اور ایسی ہی اور دیگر روایات صوفیہ کا ماخذ ہیں۔ صلوۃ الضحیٰ میں علماء کا بہت اختلاف ہے۔ شرّاح حدیث نے اس میں علماء کے آٹھ مذہب لکھے ہیں، حنفیہ کے نزدیک یہ نماز مستحب ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ اس نماز کے بارے میں بہت کثرت سے روایات وارد ہوئی ہیں، اُنیس حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس نماز کی حدیثیں نقل کی گئی ہیں اور اوجز میں پچیس حضرات صحابہ کرام کی روایات ذکر کی گئی ہیں، انکے علاوہ اور بھی ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ آدمی میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں، ہر جوڑ پر روزانہ ایک صدقہ لازم ہوتا ہے، یعنی اس کے شکر میں کہ حق تعالیٰ جَلَّ شَانُہٗ نے اس کو صحیح سالم اپنی وضع پر رکھا۔ انگلی ہی کا ایک جوڑ دیکھ لیجئے، اگر جُدا ہو جائے انگلی بے کار ہے، وہ بجائے نرم ہونے کے سخت بن جائے، نہ انگلی حرکت کر سکے، نہ کسی چیز کو پکڑ سکے وغیرہ وغیرہ۔

صلوة الضحى: [الصلاة التي تصلى في الضحى، والضحى اسم للوقت الذي يكون من تمام ضوء الشمس إلى تمام ربع النهار] اختلف في ضبطه ومصداقه لغة، كما بسط في الأوجز، واختلفت مذاهب السلف في ندبه وعدمه، كما بسط في البذل، فارجع إليهما. قال المناوي: شهد تسعة عشر من أكابر الصحب: أنهم رأوا المصطفى ﷺ يصليها، حتى قال ابن جرير: أحاديثها بلغت حد التواتر. قلت: وبسط في الأوجز أسماء من رواها من الصحابة، فبلغت أكثر من خمس وعشرين، فارجع إليه لو شئت تفصيل أسمائهم. **الرشك:** بكسر الراء وسكون المعجمة: كبير اللّحية، لقب يزيد بن أبي يزيد الضبعي، كذا في القاموس، وقال أبو الفرج الجوزي: هو بالفارسية: الكبير اللحية، ولقب به لكبر لحيته، قال ابن الجوزي: دخل عقرب في لحيته فأقام بها ثلاثا، هذا هو المشهور، وقيل: الرشك: القسام، كما يأتي في الصيام من المصنف.

سمعت[۱] مُعاذة قالتْ: قلت لعائشة : أكان النبي ﷺ يصلي الضُّحى؟ **قالت**: نعم، أربع ركعات، ويزيد ما شاء الله عزّوجل. **حدثنا** محمد بن المثنى، حدثني حَكيم بن معاوية **الزِّيادِيُّ**، حدثنا زياد بن **عبيد الله** بن الرِّبيع الزِّياديّ، عن حُميد الطويل، **عن**[۲] أنس بن مالك : أن النبي ﷺ كان يُصلّي الضُّحى **ستّ ركعات**.

پھر حضور نے صدقے گنوائے ہیں کہ ایک مرتبہ سبحان اللہ کہنا بھی ایک قسم کا صدقہ ہے، الحمد اللہ کہنا بھی وغیرہ وغیرہ۔ پھر ارشاد فرمایا کہ چاشت کی دو رکعت ان تین سو ساٹھ جوڑوں کی سب کی طرف سے صدقہ ہے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں آٹھ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں:

(۱) معاذہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کی نماز پڑھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں! چار رکعت (کم سے کم) پڑھتے تھے اور اس سے زائد جتنا دل چاہتا پڑھ لیتے۔ فائدہ: صلوۃ الضحیٰ نوافل ہیں اس لئے کم سے کم دو رکعت اور زیادہ جتنا دل چاہے پڑھے کوئی انتہا نہیں، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بارہ رکعات تک پڑھنا ثابت ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضور سے پڑھنا آٹھ ہی رکعت کا ثابت ہے البتہ ترغیب بارہ رکعات تک وارد ہوئی ہے۔

(۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صلوۃ الضحیٰ یعنی چاشت کی چھ رکعات پڑھا کرتے تھے۔

فائدہ: اختلاف اوقات کے لحاظ سے حضور کی صلوۃ الضحیٰ کی رکعات بھی مختلف ہیں، لہٰذا ان احادیث کو کچھ ایک دوسرے سے تعارض نہیں ہے، اسی لئے علماء نے لکھا ہے کہ کم از کم دو رکعت اور بہتر یہ ہے کہ آٹھ رکعت یا بارہ رکعت پڑھے۔ حضور سے زیادہ تر آٹھ رکعت نقل کی گئی ہیں۔

قالت: اختلفت الروايات عن عائشة في صلوته ﷺ الضحى، كما سيأتي قريبا، وفي هذا الحديث إثباتها عنها مطلقا، وقال ابن عبد البر: حديث معاذة عن عائشة منكر، وتعقبوا كلامه كما في الأوجز. الزياديّ: بكسر الزاى وفتح التحتية، وبعد الألف دال مهملة، نسبة إلى أحد أجداده زياد. عبيد الله: مصغراً، وفي نسخة مكبرا قاله القاري. قلت: والمؤيد بكتب الرجال هو المصغر. ست ركعات: قال المناوي: وهذا روي من حديث علي وجابر وعائشة، قال القسطلاني: لا يخلو إسناد كل منهما من مقال.

حدثنا محمد بن المثنّ، حدثنا محمد بن جعفر، أخبرنا شعبة، عن عمرو بن مُرّة، **عن**(۳) عبد الرحمن بن أبي ليلى قال: ما أخبرني **أحد** أنه رأى النبي ﷺ يُصلّي الضّحى إلا **أُمّ هانئ** رضي الله عنها،

(۳) عبد الرحمن ایک تابعی کہتے ہیں کہ مجھے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے سوا اور کسی نے حضور کی صلوۃ الضحیٰ کی خبر نہیں پہنچائی، البتہ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے یہ فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ اُس روز جس دن مکہ مکرمہ فتح ہوا تھا، اُن کے مکان پر تشریف لے گئے اور غسل فرما کر آٹھ رکعات نماز پڑھی۔ میں نے اُن آٹھ رکعات سے زیادہ مختصر حضور کی کبھی کوئی نماز نہیں دیکھی، لیکن باوجود مختصر ہونے کے رکوع، سجود پورے پورے فرمارہے تھے، یہ نہیں کہ مختصر ہونے کی وجہ سے رکوع اور سجدے ناقص ہوں۔

فائدہ: عبد الرحمن رضی اللہ عنہ کے اس کہنے سے کہ ام ہانی رضی اللہ عنہا کے سوا کسی اور نے روایت نہیں کی، یہ نہیں لازم آتا کہ یہ نماز ام ہانی کے سوا کسی اور صحابی کو معلوم نہیں تھی، خود اسی باب میں چند صحابہ کی روایات موجود ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ تو کہتے ہیں کہ صلوۃ الضحیٰ کی روایات اس کثرت سے موجود ہیں کہ تواتر تک پہنچ گئیں اور یہ پہلے معلوم ہو چکا کہ انیس صحابہ سے یہ نماز منقول ہے، البتہ عبد الرحمن نے جن حضرات سے تحقیق کیا ان کو علم نہ ہوگا، اس میں کوئی اشکال نہیں۔ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ نماز جو اس حدیث میں ذکر کی گئی چاشت کی نماز نہ تھی بلکہ مکہ مکرمہ فتح ہونے کے شکرانہ کی نماز تھی۔ حضور اقدس ﷺ کا معمول تھا کہ جب کوئی مسرّت کی بات ہوتی تو شکرانہ کی نماز پڑھتے تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان آٹھ رکعات میں سے کچھ حصّہ چاشت کی نماز ہو اور کچھ حصہ شکرانہ کی نماز ہو۔

أحد: أي: من الصحابة، وفي ابن أبي شيبة من وجه آخر عن ابن أبي ليلى قال: أدركت الناس وهم متوافرون فلم يخبرني أحد أن النبي ﷺ صلى الضّحى إلا أم هانئ، ولمسلم، عن عبد الله بن الحارث قال: سألت وحرصت على أن أحداً من الناس يخبرني أن النبي ﷺ سبح سبحة الضحى، فلم يخبرني أحد غير أم هانئ، فذكر الحديث، وبين ابن ماجة في رواية وقت سؤال عبد الله بن الحارث عن ذلك، ولفظه: سألت في زمن عثمان - والناس متوافرون - أن أحداً يخبرني، فلم يخبرني أحد غير أم هانئ. أمّ هانئ: [بنت أبي طالب، شقيقة علي كرم الله وجهه.]

فإنها حدّثت: أن رسول الله ﷺ دخل **بيتها** يوم فتح مكة، فاغتسل فسبّح **ثماني ركعات**، ما رأيته ﷺ صلى صلوة قطّ أخفّ منها غير أنه كان يتم الركوع والسجود. **حدثنا** ابن أبي عمر، حدثنا وكيع، حدثنا كَهمَس بن الحسن، **عن**(٤) عبد الله بن شَقيق قال: قلت لعائشة رضي الله عنها: أكان النبي ﷺ يُصلّي الضُّحى؟ قالت: لا،

---

(۴) عبد اللہ بن شقیق کہتے ہیں میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ حضور صلوۃ الضحیٰ پڑھتے تھے؟ انھوں نے یہ فرمایا کہ معمولاً تو نہیں پڑھتے تھے، ہاں! سفر سے جب لوٹتے تو ضرور پڑھتے۔ **فائدہ:** حضور ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ اکثر مدینہ منورہ صبح کے وقت میں داخل ہوتے اور اول مسجد میں تشریف لے جاکر نوافل ادا فرماتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ جواب معاذہ کے اُس جواب کے بالکل خلاف ہے جو شروع باب میں گزر چکا ہے۔ اس لئے علماء نے اس کی مختلف طرح سے توجیہ فرمائی۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ توجیہ کی ہے کہ جس حدیث میں نفی وارد ہے اُس میں نفی دوام کی مراد ہے جو گاہے گاہے پڑھنے کے منافی نہیں یعنی ہمیشہ نہیں پڑھتے تھے اور جس حدیث میں اثبات ہے اُس میں اکثر اوقات کے اعتبار سے ہے۔ بعض علماء نے اس طرح جمع فرمایا کہ سفر سے لوٹنے کے علاوہ اور ایام میں مسجد میں نہیں پڑھتے تھے بلکہ گھر میں پڑھتے تھے۔ اس حدیث میں نفی خاصۃً مسجد میں پڑھنے کی مقصود ہے کہ مسجد میں جب ہی پڑھتے تھے جب سفر سے واپس تشریف لاتے جیسا کہ اوپر گزرا۔

بيتها: بظاهره يخالف رواية الشيخين عنها، قالت: ذهبت إلى رسول الله عام الفتح فوجدته يغتسل وفاطمة ابنته يستره بثوب الحديث. اللّهم إلا أن يقال: فوجدته يغتسل في بيتي، أو يقال: كان لها بيتان: أحدهما كان ﷺ نزل فيه، والآخر سكناها، فالإضافة باعتبار الملك، أو يحمل على تعدّد الواقعة، أو كان في بيتها في ناحية عنها، وعنده فاطمة رضي الله عنها فذهبت إليه، قال ميرك: وظاهر حديث الباب أن الاغتسال وقع في بيتها، ولمسلم من طريق أبي مرة عنها: أنها ذهبت إلى النبي ﷺ وهو بأعلى مكة فوجدته يغتسل. ويجمع بينهما بأن ذلك تكرر منه، ويؤيده مارواه ابن خزيمة من طريق مجاهد عنها، وفيه: أن أبا ذر ستره لما اغتسل، ويمكن أن يكون نزل في بيتها في أعلى مكّة وكانت هي في بيت آخر، وأما الستر فيحتمل أن يكون أحدهما ستره في ابتداء الغسل، والآخر في أثنائه، على ما أشار إليه العسقلاني، لكنه لا يخلو عن بعد.

ثماني ركعات: وفي الطبراني من حديث ابن أبي أوفى: أنه صلى الضحى ركعتين، فسألته امرأته، فقال: إن النبي ﷺ صلّى يوم الفتح ركعتين، وهو محمول على أنه رأى من صلوته ركعتين، وأن أم هانئ رأت بقية الثمان، وهذا يقوّي أنه صلاها مفصولة، كذا أفاده الحافظ العسقلاني، وروى أبوداود عنها: أنه ﷺ صلّى يوم الفتح سبحة الضحى ثماني ركعات، يسلم من كل ركعتين.

إلا أن يجيء من غيبته. **حدثنا** زياد بن أيوب البغداديّ، حدثنا محمد بن رَبِيعة، عن فُضيل بن مَرْزُوق، عن عطيّة، **عن**(۵) أبي سعيد الخدريّ ﷺ قال: كان النبي ﷺ يُصلّي الضُّحى حتى نقول: لا يَدَعُها، ويَدَعُها حتى نقول: لا يُصلّيها. **حدثنا** أحمد بن مَنِيع، عن هُشيم، أخبرنا **عُبيدة**، عن إبراهيم، عن **سَهم** بن مِنْجاب،

(۵) ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ صلوۃ الضحیٰ کبھی تو اس قدر اہتمام سے پڑھتے تھے کہ ہم لوگوں کو یہ خیال ہوتا تھا کہ آپ کبھی نہیں چھوڑیں گے اور حضور کبھی (فرض ہونے کے خوف سے یا کسی اور مصلحت سے) ایسا ترک فرماتے تھے کہ ہم یہ سمجھتے تھے کہ بالکل چھوڑ دی، اب کبھی نہیں پڑھیں گے۔ **فائدہ:** بہت سے امور کو حضور اقدس ﷺ امت کی سہولت کے خیال سے ترک فرمادیتے تھے، جس کی بہت سی مثالیں ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بعض امور حضور کا کرنے کو دل چاہتا تھا مگر اس ڈر سے اہتمام نہیں فرماتے کہ مبادا اُمت پر فرض ہو جائیں۔

إلا أن يجيء: اختلفت الروايات عن عائشة في صلوته ﷺ الضحى، ففي حديث الباب تقييده بالمجيء عن مغيبه، وتقدم في أول الباب من حديث معاذة عنها الإثبات مطلقا، وفي الصحيحين وغيرهما برواية عروة عنها: ما رأيته ﷺ يصلي سبحة الضحى قط، الحديث. وهذا لفظ مالك في المؤطا، ففيه نفي رؤيتها مطلقا مؤكداً، واختلف العلماء في ذلك، فذهب ابن عبد البر إلى ترجيح ما اتفق عليه الشيخان، وقالوا: لا يستلزم من عدم رؤيتها عدم الوقوع، فيقدم إثبات من روي عنه من الصحابة، وذهب آخرون إلى الجمع بين رواياتها، فقال البيهقي: عندي المراد بقولها: "ما سبحها" أي: ما داوم عليها، وأنت خبير بأن تأكيد نفي الرؤية بـــ"قط" يأبى هذا التأويل، وحكى المحب أنه جمع بعضهم بين روايتي الشمائل يعني: حديثي معاذة وابن شقيق بأن حديث ابن شقيق محمول على المسجد وحديث معاذة على البيت، وينكر عليه حديث عروة، ويجاب عنه: بأن المنفي صفة مخصوصة، وأخذ الجمع المذكور من كلام ابن حبان، وقيل في الجمع أيضاً: بأن النفي محمول على المعهودة حينئذٍ من هيئة مخصوصة بعدد محصور في وقت مخصوص، وكان ﷺ يصلّيها بغير عدد مخصوص كما قالت: يصلي أربعا ويزيد ما شاء الله، ملخص من جمع الوسائل. والأوجه عندي في الجمع: أن حديث عروة محمول على صلوة الإشراق، ويطلق عليها أيضاً صلوة الضحى في الروايات، فإنه ﷺ كان يصليها في المسجد، فما رأتها عائشة ﷺ قط، وحديث معاذة على البيت، وحديث ابن شقيق على المسجد، كما في الأوجز.

عبيدة: مصغراً، ابن معتب، كما جزم به القاري، وذكره المناوي بلفظ: أبي عبيدة، والظاهر أنه وهم، وإبراهيم شيخه هو النخعي.

سهم إلخ: بفتح سين وسكون هاء كفلس. ابن منجاب، بكسر ميم فسكون نون فجيم فألف بعدها موحدة آخر الحروف.

عن **قَرْثع** الضَّبيّ، - **أو عن قزعة**، عَنْ قَرْثَع، - **عن**[٦] أبي أيوب الأنصاريّ رضي الله عنه: أن النبي ﷺ كان يُدمِن أربع ركعات **عند زوال** الشمس فقلت: يا رسول الله! **إنك تدمن** هذه الأربع ركعاتٍ عند زوال الشمس، فقال: إن أبواب السماء تُفتح عند زوال الشمس، فلا تُرتج حتى **يُصلّى** الظهر،

أي: يداوم [لا تغلق]

(٦) ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ہمیشہ زوال کے وقت چار رکعت پڑھتے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ ان چار رکعتوں کا بڑا اہتمام فرماتے ہیں۔ حضور نے فرمایا کہ آسمان کے دروازے زوال کے وقت سے ظہر کی نماز تک کھلے رہتے ہیں، میرا دل چاہتا ہے کہ میرا کوئی کارِ خیر اُس وقت آسمان پر پہنچ جائے۔ میں نے عرض کیا کہ ان کی ہر رکعت میں قراءت کی جائے؟ حضور نے فرمایا کہ ہاں! قراءت کی جائے۔ میں نے عرض کیا کہ ان میں دو رکعت پر سلام پھیرا جائے؟ حضور نے فرمایا کہ نہیں، چاروں رکعات ایک ہی سلام سے ہونی چاہئیں۔

فائدہ: یہ نماز صوفیہ کے یہاں "صلوۃ الزوال" سے تعبیر کی جاتی ہے اور اُن کے نزدیک مستحب نمازوں میں زوال کی نماز کا بھی شمار ہے۔ لیکن اکثر محدثین کے نزدیک یہ ظہر کی سنتیں ہیں اس لئے کہ اُن کے نزدیک ظہر کی سنت کے علاوہ اور کوئی نوافل زوال کے بعد ایسے نہیں ہیں جن کو حضور ہمیشہ پڑھتے ہوں۔ بہر صورت دونوں قول کے موافق اس کو اور نیز آئندہ احادیث کو صلوۃ الضحیٰ سے کوئی ظاہری مناسبت نہیں اس لئے امام ترمذی کا ان احادیث کو چاشت کی نماز کے ذیل میں ذکر کرنا مشکل ہے۔ لیکن مشائخ نے اس کی مختلف توجیہات فرمائی ہیں: اول یہ کہ چونکہ ان کا وقت چاشت کی نماز کا منتہا تھا اس لئے تبعاً اُن کے ساتھ ذکر فرما دی، مستقل باب کی ضرورت نہیں۔ بعض لوگوں کی یہ رائے ہے کہ یہ کاتب کی غلطی سے اس جگہ نقل ہو گئی۔

قرثع: بفتح قاف وسكون راء فمثلثة مفتوحة فعين مهملة على وزن جعفر. أو عن قزعة: بفتح قاف وزاي وعين مهملة كدرجة. وغرضه أنه شك هشيم في أن الرواية بواسطة قزعة أو بدون الواسطة، وسيأتي الحديث الآتي بدون الشك بزيادة الواسطة. عند زوال إلخ: قيل في المناسبة بالترجمة: إن لفظ "عند" كما يطلق على عقب زوال الشمس يمكن حمله على ما قبله، فتكون صلوة الضحى، وحكى البيجوري: أن هذه الأحاديث وجدت في باب العبادة، كما في بعض النسخ، وهو الأحسن. ولعل إيرادها في هذا الباب من تصرف النساخ، و لم يكن في النسخ المقروءة على المصنف ترجمة بباب صلوة الضحى، ولا بباب التطوع، ولا بباب الصوم، ووقعت هذه الأحاديث كلها في باب العبادة، فلا إشكال. إنك تدمن إلخ: [والقصد الاستفهام عن حكمة ذلك.] يصلى: على صيغة المجهول والظهر قائم مقام فاعله

فأُحِبّ أن **يصعد** لي في تلك الساعة خير، قلت: أ في كلّهنّ قراءة؟ قال: نعم، قلت: هل فيهنّ تسليم فاصِلٌ؟ قال: لا. **حدثنا أحمد** بن مَنيع، حدثنا **أبومعاوية**، حدثنا عبيدة، عن إبراهيم، عن سهم بن منجاب، عن قزعة، عن قرثع، **عن** أبي أيوب رضي الله عنه، عن النبي ﷺ (رسول الله ﷺ)، **نحوه**. **حدثنا** محمد بن المثنى، أخبرنا أبوداود، حدثنا محمد بن مُسلم بن أبي الوَضّاح، عن **عبد الكريم** الجزريّ، عن مجاهد، **عن** (٧) عبد الله بن السائب:

ورنہ اس کا اصل محل گزشتہ باب ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ بعض نسخوں میں اس جگہ ذکر نہیں بلکہ اُس پہلے ہی باب میں ذکر کی گئی ہیں اور بھی مختلف توجیہات کی گئی ہیں۔

(٧) عبد اللہ بن سائب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ زوال کے بعد ظہر سے قبل چار رکعت پڑھتے تھے اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ اس وقت میں آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میرا کوئی عمل صالح اُس وقت بارگاہِ عالی تک پہنچے۔ **فائدہ**: اور نماز سے بڑھ کر کوئی اور عمل صالح کیا ہو سکتا ہے کہ تمام عبادات سے افضل ترین عبادت ہے۔ حضور کا ارشاد ہے کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ نماز پڑھنے والا اللہ جَلَّ شَانُہٗ سے سرگوشی کرتا ہے۔

يصعد: يشكل عليه: أن الملائكة الحفظة لايصعدون إلابعد صلوة العصر وبعد صلوة الصبح، ويبعد أن العمل يصعد قبل صعودهم، وقد يراد بالصعود القبول، قاله البيجوري، وقال المناوي: قديراد بالصعود تعلق علم الله به.

أحمد بن إلخ: غرض المصنف بإيراد هذا السند: أن أحمد بن منيع روى هذا الحديث عن هُشيم بالشك في ذكر قزعة وعدمه، وروى عن أبي معاوية بالواسطة بدون الشك، والجزم قاض على الشك، فكان واسطة قزعة ثابتة في الرواية، وكذا بإثبات الواسطة أخرجه ابن ماجة والإمام أحمد في مسنده، إلا أن أبا داود أخرجه عن ابن منجاب، عن قرثع، عن أبي أيوب، فتأمل.

أبو معاوية: قيل: هو هشيم المذكور في السند المتقدم، وأشكل: بأنه إن كان كذلك فلا فائدة لتكرار السند، ووجه: بأن الغرض أن ابن منيع روى تارة عن هشيم بالتردد وتارة بدونه، قاله المناوي. قلت: وأنت خبير بأن المشهور بهذه الكنية عدة رجال، لكن الظاهر هناك هو كونه هشيما المذكور، فإنه أيضاً يكنى بأبي معاوية.

نحوه: [الحديث السابق في المعنى وإن اختلف اللفظ.] عبد الكريم: هو ابن مالك الجزري.

أن رسول الله ﷺ كان يُصلّي أربعاً بعد أن **تزول الشمس**، قبل الظهر، وقال: **إنها ساعة** تُفتح فيها أبواب السماء، فأُحِبّ أن يَصْعَدَ لي فيها عمل صالح. [أي: قبل فرضه] **حدثنا** أبو سلمة يحيى بن خَلَف، حدثنا عمر بن عليّ **المقدّميّ**، عن مِسعر بن كِدام، عن أبي إسحاق، عن عاصم بن ضَمْرة، **عن** (۸) عليّ ﷺ: أنه كان يُصلّي قبل الظهر أربعا، وذكر أن النبي ﷺ كان يُصلّيها [أي: تلك الأربع] عند الزوال **ويَمُدُّ فيها**.

---

(۸) حضرت علی رضی اللہ عنہ ظہر سے قبل چار رکعت پڑھتے تھے اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان چار رکعت کو پڑھتے تھے اور ان میں طویل قراءت پڑھتے تھے۔ **فائدہ**: امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ ان چار رکعات میں بہتر یہ ہے کہ سورہ بقرہ پڑھے ورنہ کوئی ایسی سورت جو سو آیت سے زیادہ ہو تاکہ حضور کا اتباع طویل قراءت میں ہو جائے۔

تزول الشمس: هذه قرينة على أن المراد في الرواية السابقه بقوله: "عند زوال الشمس" هو بعد الزوال؛ فإن الصلوة عند الزوال لا تجوز. واختلفوا في هذه الصلوة هل هي صلوة الزوال أو سنة الظهر؟ قال القاري: أبعد ابن حجر حيث قال: هذه ورد مستقل، سببه انتصاف النهار، وبُعده لا يخفى؛ إذ لا يعرف منه ﷺ المداومة حينئذٍ على غير سنة الظهر؛ ولذا لم يعدّ أحد من الفقهاء صلوة الزوال، لا من السنن المؤكدة ولا من المستحبة. مختصراً، ووافق المناوي ابن حجر؛ إذ قال: هذه الأربع ورد مستقل، سببه انتصاف النهار، إلى آخر ما قاله. إنها ساعة: [أي: قطعة الزمن التي بعد الزوال.]
المقدّميّ: بضم الميم وفتح القاف وتشديد الدال المهملة المفتوحة، هو عمر بن علي بن عطاء بن مقدم المقدمي.
ويمدّ فيها: قال الغزالي في الإحياء: وليطول هذه الركعات، وليقرأ فيها سورة البقرة أو سورة من المئين أو أربعاً من المثاني.

بابُ صلوة التطوع في البيت

حدثنا عبّاس **العَنبريّ**، حدثنا عبد الرحمن بن مهديّ، عن معاوية بن صالح، عن العلاء بن الحارث، عن **حرام** بن معاوية، **عن**[1] عمّه **عبد الله** بن سعد قال: سألت رسول الله ﷺ عن الصلوة في بيتي والصلوة في المسجد؟ قال: قد ترى **ما أقرب بيتي** من المسجد،

باب۔ حضور اقدس ﷺ کے نوافل گھر میں پڑھنے کا ذکر

فائدہ: نوافل کا گھر میں پڑھنا افضل ہے، نبی کریم ﷺ سے قولاً اور فعلاً متعدّد روایات میں یہ مضمون وارد ہے اور بہت سے مصالح اس میں ملحوظ ہیں، منجملہ ان کے یہ بھی ہے کہ نماز کی برکات سے گھر میں برکت اور نورانیت بڑھے، گھر کے لوگ نماز کو سیکھیں اور ان کو بھی شوق پیدا ہو۔ حضور کا حکم بعض احادیث میں آیا ہے کہ نماز کا کچھ حصّہ گھر میں ادا کیا کرو اور گھروں کو قبرستان نہ بناؤ، یعنی جیسا قبرستان میں نماز نہیں پڑھی جاتی یا جیسا کہ مردے نماز نہیں پڑھتے، تمہارے گھر بھی قبرستان کے مشابہ بن جائیں، ایسا نہ کرو۔ اس باب میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث ذکر فرمائی ہے۔

(۱) عبد اللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ سے دریافت کیا کہ نوافل مسجد میں پڑھنا افضل ہیں یا گھر میں؟ حضور نے فرمایا کہ تم دیکھتے ہو کہ میرا گھر مسجد سے کتنا قریب ہے۔ (جس کی وجہ سے مسجد کے آنے میں کسی قسم کی دقّت یا رُکاوٹ نہیں ہوتی، لیکن اس کے باوجود) فرائض کے علاوہ مجھے اپنے گھر میں نماز پڑھنا مسجد سے زیادہ پسند ہے۔

التطوع إلخ: [اسم لما شرع زيادة على الفرض والواجبات، والتطوع: التبرع، والمراد به ههنا ما زاد على الفرائض] قال القاري: المراد بالتطوع: غير الفرض، فيشمل السنن المؤكدة المستحبّة وغيرها من صلوة الضحى وأمثالها.

العنبري: نسبة لبني عنبر، حي من تميم. **حرام:** بمهملتين مفتوحتين، ابن معاوية، وهو حرام بن حكيم بن خالد بن سعد بن الحكم، ووهم من جعلهما اثنين، قاله القاري. **عبد الله:** عبد الله بن سعد الأنصاري الحرامي، ووهم من جعله عبد الله بن سعيد بالياء. **ماأقرب بيتي:** صيغة تعجب، وفيه زيادة في الجواب، إذ بين له أن ما يفعله يكون أدعى إلى التأسّي به، وليفهمه أنه لا فرق في كونها أفضل في البيت بين قرب المسجد عن بيته وبعده عنه.

فَلأَنْ أصليَ في بيتي **أحبُّ إليَّ** من أن أُصلّي في المسجد إلا أن تكون صلوة مكتوبة.

فائدہ: نوافل کا مبنیٰ چونکہ اخفا پر ہے اس لئے اُن کا گھر میں پڑھنا افضل ہے تاکہ اخفا کامل ہو، ریاکاری سے بُعد ہو جائے، البتہ فرائض وغیرہ جن کا اخفا مناسب نہیں، وہ مسجد ہی میں افضل ہیں جیسے طوافِ کعبہ کی رکعتیں اور صلوۃ التراویح وغیرہ۔ صلوۃ التراویح اگرچہ فرائض میں نہیں لیکن رمضان المبارک کا خصوصی امتیاز ہے اور جماعت اس میں مسنون ہے اور اسی طرح ہر وہ نماز جو جماعت سے ادا کی جاتی ہے جیسے کسوف کی نماز کہ ان نمازوں کا اظہار مقصود ہے، اس لئے ان کا مسجد میں پڑھنا اولیٰ ہے۔

أحبّ إليّ: [وذلك لتحصل البركة للبيت وأهله، ولتنـــزل الملائكة، وليذهب عنه الشيطان.]

بابُ ما جاء في صوم رسول الله ﷺ

حدثنا قتيبة بن سعيد، حدثنا حماد بن زيد، عن أيوب،

باب۔ حضور اقدس ﷺ کے روزوں کا ذکر

فائدہ: اس باب سے مقصود حضور اقدس ﷺ کے نفل روزوں کا بیان ہے۔ آپ کی عادت شریفہ روزے بہت رکھنے کی تھی، کبھی کبھی آپ مسلسل کئی کئی دن کے روزے رکھتے تھے۔ روزے کی فضیلتیں احادیث کی کتابوں میں بہت سی وارد ہوئی ہیں۔ حق تعالیٰ جَلَّ شَأْنُہٗ کے ہر حکم میں ہر ارشاد میں ہزاروں مصالح ہیں، حکمتیں ہیں۔ آدمی کی عقل کی اتنی پرواز کہاں ہے کہ حق تعالیٰ جَلَّ شَأْنُہٗ جیسے حکیم کی حکمتوں تک پہنچ سکے، ہر شخص کی جہاں تک پرواز ہے وہاں تک وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے دینی اور دنیوی فوائد کا ادراک کر سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمتیں اُس سے بھی اونچی ہوتی ہیں۔ جس طرح اور احکام میں ہزاروں مصلحتیں ہیں روزے میں بھی ہیں، منجملہ ان کے چند مصالح ظاہر اور بدیہی ہیں جن میں سے ایک جذبۂ مواساۃ اور ہمدردی ہے، جو شخص خود بھوکا رہتا ہے اُس کو بھوکے کی ہمدردی پیدا ہو سکتی ہے، جو خود بھوک کی تکلیف اُٹھاتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ غریب پر کیا گزرتی ہے، بھوکے کو کس مصیبت کا سامنا ہے، ایسی حالت میں اُس کو بھوکے کی امداد کا جذبہ بھی پیدا ہوتا ہے اور غریب کے ساتھ ہمدردی کو بھی طبیعت تقاضا کرتی ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ روزہ سے قوت بہیمیہ اور شہوانیہ کا زور کم ہوتا ہے یہ قوت جب زور پکڑتی ہے تو بہت سے ایسے امور آدمی سے سرزد ہوتے ہیں جو دین و دنیا میں رُوسیاہی کا سبب بنتے ہیں۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں:

ایں نہ عشق است آں کہ در مردم بَود — ایں فسادِ خوردنِ گندم بَود

صوم: [الصوم في اللغة: مطلق الإمساك، وفي الشرع: عبارة عن إمساك مخصوص، وهو الإمساك عن الأكل والشرب والجماع من الصبح إلى المغرب مع النية، والمراد به هنا ما يشمل الفرض والنفل] قال البيجوري: وفي بعض النسخ: صيام رسول الله، وكل منهما مصدر لـــ"صام"، فهما بمعنى واحد، وهو لغة: الإمساك ولو عن الكلام، ومنه قوله تعالى: ﴿إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَنِ صَوْماً﴾ [مريم: ٢٦]، وشرعاً: الإمساك عن المفطرات جميع النهار بنيته، والمراد به ههنا ما يشمل الفرض والنفل.

عن[1] عبد الله بن شَقيق قال: سألت عائشة ؓ عن صيام رسول الله ﷺ؟ قالت: **كان يصوم** حتى **نقول: قد صام**، ويُفطر حتى نقول: قد أفطر، [أي: يداوم الفطر] قالت: وما صام رسول الله ﷺ شهرا كاملا **مُنْذ قَدِم** المدينة إلا **رمضان**.

یہ عشق یعنی جو آج کل لوگوں میں ہوتا ہے، وہ عشق نہیں ہے جو بھلے آدمیوں میں ہوتا ہے، یہ پیٹ بھرنے کا فساد ہے کہ جب پیٹ بھرائی مل جاتی ہے تو ناپاک حرکتیں خوب سوجھتی ہیں اور جب بھوک کا غلبہ ہو رہا ہو تو عشق وشق سب بھول جاتا ہے۔ اسی لئے حدیث پاک میں آیا ہے کہ جو نکاح نہ کر سکتا ہو اُس کو چاہئے کہ روزے کثرت سے رکھا کرے کہ یہ شہوت کو توڑنے والا ہے۔ اس کے علاوہ ایک بڑی مصلحت روحانیت کی قوت ہے۔ روزہ سے روحانیت کو بہت زیادہ ترقی ہوتی ہے، اسی وجہ سے ہر ملت و مذہب میں کسی نہ کسی صورت سے روزے کا وجود ہے اور مذاہب حقّہ میں حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ سے روزہ کی مشروعیت رہی ہے۔ حضرات انبیاء کرام علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا معمول روزے میں مختلف رہا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کا معمول ہمیشہ بارہ مہینے روزے رکھنے کا تھا اور حضرت داوٗد علیہ السلام کا معمول ایک دن روزہ اور ایک دن افطار، حضرت عیسی علیہ السلام کا معمول ایک دن روزہ دو دن افطار تھا، اسی طرح دیگر انبیاء علیہم السلام کے مختلف معمولات رہے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کا معمول اس میں بھی عجیب نرالا تھا کہ مصالحِ وقتیہ کے تحت میں خاص خاص ایّام کے روزے معمول اور متعین فرما رکھے تھے اور ان کے علاوہ وقتی مصالح کے تحت میں بسا اوقات لگاتار روزے رکھتے اور بسا اوقات افطار فرماتے جس کی وجہ ظاہر ہے کہ جب روزہ بمنزلہ ایک تریاق اور دوا کے ہے تو وقتی مصالح سے اس میں قلّت و کثرت جیسا کہ دوا کا اصول ہے لابد ہے۔ چنانچہ حضور کے چند معمولات نمونہ کے طور پر مصنّف رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمائے ہیں۔

(۱) عبد اللہ بن شقیق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضور اقدس ﷺ کے روزے رکھنے کے متعلق پوچھا، انھوں نے فرمایا کہ کبھی حضور اس قدر متواتر روزے رکھتے کہ ہمارا یہ خیال ہوتا کہ اس ماہ میں افطار ہی نہیں فرمائیں گے

كان يصوم: [أي: يتابع صوم النفل.] نقول: بالنصب على الرواية الصحيحة، وجوز بعضهم الرفع، قال القسطلاني: وهو ضعيف رواية ودراية. قد صام: أي: الشهر كله أو داوم على الصيام، وعبّر عن المستقبل بالماضي دلالة على عدم الشك في تحققه. منذ قدم: قيدت به؛ لأن الأحكام إنما كثرت من حين قدمها، ورمضان لم يفرض إلا فيها.
رمضان: [سمّي بذلك؛ لأنه يرمض الذنوب أي: يذهبها.]

حدثنا علي بن **حُجر**، حدثنا إسماعيل بن جَعْفَر، عن حُميد، **عن**(۲) أنس بن مالك: أنه سُئِل عن صوم النبي ﷺ، فقال: كان يصوم من الشّهر حتى **نرى أن لا يُريد** أن يفطر منه، ويُفطر حتى نرى أن لا يُريد أن يصوم منه شيئاً، وكُنتَ لا تشاء أن تراه من الليل مُصلّيا إلا أن رأيته مُصليا، **ولا نائما** إلا رأيته نائما.

اور کبھی ایسا مسلسل افطار فرماتے تھے کہ ہمارا خیال یہ ہوتا کہ اس ماہ میں روزہ ہی نہیں رکھیں گے۔ لیکن مدینہ منورہ تشریف آوری کے بعد رمضان المبارک کے علاوہ کسی ماہ کے تمام روزے نہیں رکھے (ایسے ہی کسی ماہ کو کامل افطار میں گزار دیا ہو یہ بھی نہیں کیا۔ **كما في أبي داود**) حضور اقدس ﷺ کے اس معمول کے متعلق کسی قدر تفصیل حدیث نمبر ۳ کے ذیل میں آئے گی۔

(۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کسی نے حضور کے روزوں کے متعلق پوچھا، انھوں نے فرمایا کہ عادت شریفہ اس میں مختلف تھی۔ کسی ماہ میں تو اتنی کثرت سے روزے رکھتے تھے جس سے خیال ہو جاتا کہ اس میں افطار فرمانے کا ارادہ ہی نہیں ہے اور کسی ماہ میں ایسا مسلسل افطار فرماتے تھے جس سے ہم یہ سمجھتے کہ اس ماہ میں آپ کا روزہ کا ارادہ ہی نہیں ہے۔ آپ کی عادت شریفہ یہ بھی تھی کہ اگر تم حضور ﷺ کو رات کو سوتا ہوا دیکھنا چاہو تو یہ بھی مل جاتا اور اگر نماز پڑھتا ہوا دیکھنا چاہو تو یہ بھی میسّر ہو جاتا۔ **فائدہ:** مقصود یہ ہے کہ حضور ﷺ کی عادت شریفہ نہ تمام رات سونے کی تھی نہ تمام رات جاگنے کی، بلکہ درمیانی رفتار میں حقوقِ نفس کی رعایت فرماتے ہوئے عبادات کا اہتمام بھی پورا پورا فرماتے تھے۔ اس لئے شب کو سوتے ہوئے دیکھنا بھی ممکن تھا کہ کچھ حصّہ آرام بھی فرماتے تھے اور نماز کی حالت میں دیکھنا بھی کہ کچھ حصّہ نماز میں گزرتا تھا۔

حجر: بضم الحاء المهملة وسكون الجيم. نرى: بنون الجمع أو بالتحتانية على بناء المجهول أو بالخطاب، ثلاثة وجوه، قاري. وجعل المناوي الثاني أيضاً ببناء المعروف فقال: وفيه ضمير من غير مرجع.

أن لا يريد: بالنصب، ووجهه ظاهر، وروي بالرفع على أن "أن" مخففة من الثقيلة.

ولا نائما: قال المناوي: لا يشكل على الحديث قول عائشة: كان إذا صلى صلوة داوم عليها، وقولها: كان عمله ديمة؛ لأن المراد بذلك ما اتخذ راتباً، لا مطلق النفل، فهذا وجه الجمع بين الحديثين، وإلا فظاهرهما التعارض. قال ميرك: وهو لايشفي العليل، كما ترى، قال القاري: والأظهرأن يقال: إعمال العمل المسمى بالتهجد مثلا تارة في أول الليل وتارة في آخره لا ينافي مداومة العمل، كما أن صلوة الفرض تارة يصلّي في أول الوقت وتارة في آخره، وهو ظاهر، يشفي العليل.

حدثنا محمود بن غيلان، حدثنا أبو داود، حدثنا شعبة، عن أبي بِشر قال: سمعت سعيد بن جُبير، عن[۳] ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: كان النبي ﷺ يصوم حتى نقول: ما يُريد أن يفطر منه، ويفطر حتى نقول: ما يُريد أن يصوم، وما صام شهرا كاملا منذ قدِم المدينة إلا رمضان.

بعض علماء نے اس کا دوسرا مطلب بھی بتایا ہے وہ یہ کہ عادت شریفہ اس باب میں مختلف تھی کہ کبھی اول شب میں نوافل پڑھتے، کبھی وسطِ رات میں، کبھی اخیر میں۔ اس لئے رات کے کسی حصّۂ خاص میں کوئی سوتے ہوئے یا نماز پڑھتے ہوئے دیکھنا چاہے تو دیکھ سکتا ہے، یعنی اگر کوئی یہ چاہے کہ میں اول رات میں حضور کو نماز پڑھتا ہوا دیکھوں تو کسی دن یہ بھی مل جاتا اور اس وقت سوتا ہوا دیکھنا چاہے تو یہ بھی مل جاتا۔ اس لئے کہ رات کا ہر حصّہ کسی نہ کسی دن حضور نماز میں گزارتے تھے اور اس کی دو مصلحتیں سمجھ میں آتی ہیں: اول تو یہ کہ عبادت جو اصل مقصد اور آدمی کے وجود کی غرض ہے اور اللہ کی رضا کا سبب ہے، رات کے ہر حصّہ کو کبھی نہ کبھی اُس کی برکات میسّر ہو جائیں اور قیامت میں رات کا ہر حصّہ اپنے اندر عبادت کا وجود رکھے۔ دوسرے یہ کہ عبادت جب ایک ہی وقت میں ہوتی رہے تو بمنزلہ عادت بن جاتی ہے پھر مشقّت کا لطف نہیں رہتا اور جب رات کے مختلف حصوں میں عبادت کی جائے گی تو عادت نہ بنے گی۔

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی حضور کی یہ عادت شریفہ مروی ہے کہ کسی ماہ میں اکثر حصہ روزہ رکھتے تھے جس سے ہمارا خیال ہوتا تھا کہ اس میں افطار کا ارادہ نہیں اور کسی ماہ میں ایسے ہی اکثر افطار فرماتے تھے، لیکن کسی ماہ میں بجز رمضان المبارک کے تمام ماہ روزہ نہیں رکھتے تھے۔ فائدہ: نبی کریم ﷺ کا یہ معمول متعدد روایات میں گزر چکا ہے۔ اس معمول کی دو وجہ ہیں: اول تو یہ کہ باب کے شروع میں گزر چکا ہے کہ روزہ حقیقت میں ایک تریاق ہے اور بسا اوقات روحانی ترقی اور دیگر وقتی مصالح کے لئے بطور دوا کے بھی رکھا جاتا ہے ایسی صورت میں دوا کے عام اصول کے موافق بسا اوقات اُس کے مسلسل استعمال کی حاجت ہوتی ہے اور بسا اوقات خاص ضرورت نہیں ہوتی، یا اگر معمولی ضرورت بھی ہوتی ہے تو دوسرے وقتی عوارض کی وجہ سے دوا کا ترک ضروری ہوتا ہے جو اطبا کے یہاں ایک معروف چیز ہے، اور نبی کریم ﷺ کے برابر روحانیت کا طبیب کون ہو سکتا ہے! اس لئے نبی کریم ﷺ وقتی ضروریات کے لحاظ سے بسا اوقات مسلسل روزے رکھتے تھے

حدثنا محمد بن بشّار، حدثنا عبد الرحمن بن مهديّ، عن سفيان، عن منصور، عن سالم بن أبي الجَعد، عن أبي سلمة، **عن**(٤) أم سلمة رضي الله عنها قالت: ما رأيت النبي ﷺ يصوم شهرين مُتَتَابعين إلا **شعبان** ورمضان.

اور بسا اوقات مسلسل افطار فرماتے تھے۔ امت کے لئے بھی جو حضرات خود روحانی طبیب ہیں وہ روحانی مصالح کے لحاظ سے روزے اور افطار کے اوقات متعین فرما سکتے ہیں اور جو شخص خود طبیب نہیں ہے وہ کسی روحانی طبیب کے زیر علاج عمل درامد کرے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے کچھ خصوصی معمولات تھے، مثلاً: پیر، جمعرات کا روزہ رکھنا، ہر مہینہ میں تین روزے رکھنا، ایام بیض، عشرہ محرم، عشرۂ ذی الحجہ کے روزے رکھنا وغیرہ وغیرہ، یہ معمولات بسا اوقات اسفار وغیرہ عوارض کی وجہ سے چھوٹ جاتے تھے اس لئے عوارض دُور ہو جانے کے بعد بطور قضا اور تلافی کے جتنے روزے معمول میں سے ترک ہو جاتے تھے ان کو پورا فرما لیا کرتے تھے کہ یہ بھی حضور کی ایک خصوصی عادتِ شریفہ تھی کہ جب کسی عبادت کو شروع فرماتے تو اُس پر دوام اور نباہ فرمایا کرتے تھے، اس لئے جتنے روزے معمول سے رہ جاتے تو ان کو رکھتے اس لئے لگاتار روزے رکھنے کی نوبت آجاتی تھی۔ **اللّٰهمَّ وفقْنا اتباعَه.**

(۴) ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو رمضان و شعبان کے سوا دو ماہ کامل روزے رکھتے نہیں دیکھا۔

فائدہ: یہ حدیث بظاہر گزشتہ تمام احادیث کے خلاف ہے کیونکہ اب تک سب روایتیں اس پر متفق تھیں کہ حضور رمضان المبارک

شعبان: [سمي بذلك؛ لتشعبهم في الغارات بعد أن يخرج رجب، وقيل: لتشعبهم في طلب الماء]هذا ينافي ما سبق أنه ﷺ لم يصم شهراً كاملاً غير رمضان، وجمع بأن المراد أنه صام أكثره؛ لرواية مسلم: كان يصوم شعبان كله، كان يصومه إلا قليلا، قال النووي: الثاني مفسر للأول، يعني معنى قولها: "كله" غالبه، وقد نقل الترمذي عن ابن المبارك أنه جاء في كلام العرب: إذا صام أكثر الشهر أن يقال: صام الشهر كله، واستبعده الطيبي معللا بأن الكل تأكيد لإرادة الشمول ودفع التجوز، فتفسيره بالبعض مناف له، قال: فيحمل على أنه كان يصومه كله في وقت ويصوم أكثره في وقت آخر؛ لئلا يتوهم أنه واجب كرمضان، فعلى هذا مراد عائشة وابن عباس رضي الله عنهم من قولهما: "ما صام شهراً" ما صامه على الدوام، وقيل: المراد بقولها: "كله": أنه يصوم من أوله تارة، وآخره أخرى، وأثنائه طوراً، فلا يخلي شيئًا منه من صيام ولا يخلو عن بعد، على أنه صام شعبان كله، واطلعت عليه أم سلمة و لم يطلع عليه ابن عباس وعائشة رضي الله عنهم.

قال أبو عيسى: هذا الإسناد صحيح، وهكذا قال: عن أبي سلمة، عن أم سلمة، ورَوى هذا الحديث غير واحدٍ عن أبي سلمة، عن عائشة رضي الله عنها، عن النبي ﷺ.

کے علاوہ کسی ماہ کے مسلسل روزے نہیں رکھتے تھے، لیکن اس حدیث میں اُس کے ساتھ شعبان کو بھی ملا دیا۔ ان دونوں کی تطبیق علماء نے مختلف طریقہ سے فرمائی ہے: اول یہ کہ اس حدیث میں تمام شعبان کو مبالغہ کے طور پر کہا گیا ہے۔ حضور کی عادت شریفہ اکثر حصہ شعبان کے روزے رکھنے کی تھی، چنانچہ آئندہ حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے خود اس کی تصریح موجود ہے۔ دوسرے یہ کہ ممکن ہے کسی وقت میں اتفاقاً حضور نے تمام ماہ شعبان کے روزے رکھے ہوں جس کی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اطلاع ہوئی اَوروں کو نہیں ہوئی۔ تیسرے یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ حضرات کی روایت میں عادت کی نفی ہے کہ حضور کی عادت شریفہ رمضان کے علاوہ اور کسی ماہ کے مسلسل روزے رکھنے کی نہیں تھی، اتفاقاً کسی ماہ کے پورے روزے رکھ لینا اُس کے منافی نہیں ہے، اس لئے اگر کسی سال کسی عارض کی وجہ سے حضور نے شعبان کے بھی پورے روزے رکھ لئے ہوں، تو چونکہ وہ معمول نہ تھا اس لئے حضرت عائشہ وغیرہ نے ان کا تذکرہ نہیں کیا اور چونکہ پورے مہینے کے رکھے تھے اس لئے حضرت امّ سلمہ نے ان کو ذکر کر دیا، اس لئے اس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ چوتھے یہ کہ حضور ابتدا میں شعبان کے تمام مہینہ کے روزے رکھتے ہوں اور اخیر میں ضعف کی وجہ سے کم کر دیئے ہوں، اس لئے جس نے آخری فعل ذکر کیا اس وجہ سے کہ وہ آخری فعل تھا، اُس نے اکثر ذکر کر دیا اور جس نے یہ خیال کیا کہ یہ عارض کی وجہ سے تھا، اصل معمول تمام مہینہ کا تھا، اُس نے تمام مہینہ ذکر کر دیا۔

قال أبو عيسى إلخ: غرض المصنف دفع ما يظهر في هذا الحديث من الاختلاف على أبي سلمة بأن سالماً رواه عن أبي سلمة، عن أم سلمة، وغير واحد رواه عنه، عن عائشة فدفعه المصنف بقوله: إنه يحتمل أن أبا سلمة روى عنهما جميعاً. الإسناد: يشكل عليه: بأن المصنف أخرج الحديث في الجامع بهذا الإسناد، وحكم عليه بأنه حسن، فكيف حكم عليه في الشمائل بالصحة؟ وأجيب: بأنه حكم ههنا بالصحة على الإسناد، والحكم على الإسناد بالصحة أنزل درجة من الحكم على الحديث بالصحة، كما ذكره ابن الصلاح. غير واحد: أي: كثير من الرواة. قال ميرك: رواه محمد بن إبراهيم التيمي عن أبي سلمة، عن عائشة، ووافقه يحيى بن أبي كثير، وسالم أبو النضر عند البخاري وغيره، ومحمد بن إبراهيم، وزيد بن أبي غياث عند النسائي، وخالفهم يحيى بن سعيد، وسالم بن أبي الجعد، فروياه عن أبي سلمة، عن عائشة.

ويحتمل: أن يكون أبو سلمة بن عبد الرحمن قد روى هذا الحديث، عن عائشة وأم سلمة جميعاً عن النبي ﷺ. **حدثنا** هنّاد، حدثنا عَبدة، عن محمد بن عمرو، حدثنا أبو سلمة، **عن**(٥) عائشة رضي الله عنها قالت: لم أر رسول الله ﷺ يصوم في شهر أكثر من صيامه في شعبان، **كان يصوم** شعبان إلا قليلا **بل كان** يصومه كلّه.

أي كأنه يصوم كله

بعض نے اس کا عکس بتایا ہے جیسا کہ روایت کے ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اول اکثر مہینے کے روزے رکھتے تھے بعد میں تمام کے رکھنے لگے۔

(۵) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو (رمضان کے علاوہ) شعبان سے زیادہ کسی ماہ میں روزے رکھتے نہیں دیکھا۔ شعبان کے اکثر حصہ میں آپ روزے رکھتے تھے، بلکہ (قریب قریب) تمام مہینہ کے روزے رکھتے تھے۔ **فائدہ**: یہ ترقی کر کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا تمام ماہ رمضان کے روزوں کا ذکر صاف بتلا رہا ہے کہ اس سے مبالغہ مقصود ہے۔ شعبان میں روزوں کی کثرت کی وجہ خود حضور اقدس ﷺ نے یہ ارشاد فرمائی کہ اس مہینہ میں وہ دن بھی ہے جس میں سال کے اعمال حق تعالیٰ جَلَّ شَانُہٗ کے دربار میں پیش ہوتے ہیں، میرا دل چاہتا ہے کہ میرے اعمال ایسی حالت میں پیش ہوں کہ میں روزہ دار ہوں۔ اس کے علاوہ اور بھی بعض وجوہ احادیث وغیرہ میں وارد ہوئی ہیں اور بعض اوقات ایک وجہ کا ہونا دوسرے وقت میں دوسری وجہ کا ہونا بھی ممکن ہے اور متعدّد وجوہ کا جمع ہو جانا بھی۔

كان يصوم: حال من مفعول "لم أر" إن كانت الرؤية بصرية، وإلا بأن كانت علمية وهو الأظهر فهي مفعول ثان، وقوله: "أكثر" صفة مفعول مطلق، أي: صياماً أكثر من صيام النبي ﷺ في شعبان. بل كان إلخ: يعني: أن ما لا يصومه من شعبان في غاية من القلة بحيث يظن أنه صام كله، فكلمة "بل" للترقي، ولاينافيه حينئذ قولها: "إلا قليلا" ولا ما سبق من أنه "ما صام شهراً كاملا منذ قدم المدينة" ويشكل: إكثاره ﷺ صيام شعبان مع أنه ورد عند مسلم وغيره: أفضل الصيام بعد رمضان صوم شهر الله المحرم، وأجيب: باحتمال أنه كان يعرض له ﷺ أعذار تمنعه عن الصوم كالسفر وغيره، أو لأن لشعبان تخصيص رفع الأعمال وهو لا يوجد في المحرم، أو لأنه ﷺ ماعلم أفضلية المحرم إلا في آخر عمره الشريف، قاله البيجوري. قلت: يحتمل أن المراد بشهر المحرم صوم بعضه وهو يوم عاشوراء دون تمام الشهر، وكان ﷺ يصوم، فلا إيراد.

حدثنا القاسم بن دينار الكوفيّ، حدثنا **عبيد الله بن موسى**، وطَلْق بن **غَنّام**، عن شَيْبَان، عن عاصم، عن زرٍّ، **عن**[٦] **عبد الله** رضی اللہ عنہ قال: كان رسول الله ﷺ يصوم من **غُرّة** كُلّ شهر **ثلاثة أيّام**، [أول الشهر]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا گیا ہے کہ حضور کا معمول تین دن ہر ماہ روزے رکھنے کا تھا، وہ بسا اوقات عوارض کی وجہ سے رہ جاتے تھے اور سب کا مجموعہ شعبان میں حضور رکھا کرتے تھے، اس کے ساتھ دوسری روایات میں پیر، جمعرات کا روزہ بھی حضور کا معمول نقل کیا گیا ہے۔ ایسی صورت میں اگر دو تین مہینے بھی تمام سال میں کسی عذر سے چھوٹ گئے تو ایک مہینہ کے روزے بن جانا کیا مشکل ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ رمضان کی تعظیم کی وجہ سے شعبان کا روزہ افضل ہے، یعنی جیسا فرض نمازوں سے قبل سنتیں پڑھی جاتی ہیں ایسے ہی رمضان سے قبل نفل روزے ہیں۔ اگرچہ حضور نے ضعف کے خیال سے رمضان شریف سے قبل روزے کو منع بھی فرمایا ہے مگر حضور پر ضعف روزہ کا کچھ ایسا نہ ہوتا تھا اسی وجہ سے لگاتار روزے بھی رکھ لیتے تھے۔ ایک حدیث میں آیا ہے حضور سے کسی نے شعبان میں روزوں کی کثرت کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ اس مہینہ میں ہر اُس شخص کا نام مرنے والوں میں لکھا جاتا ہے جو اس تمام سال میں مرنے والے ہوں، میرا دل چاہتا ہے کہ میری موت ایسی حالت میں لکھی جائے کہ میں روزہ دار ہوں۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ہر مہینہ میں نفل روزے رکھنے کا مخصوص معمول تھا اور رمضان المبارک میں نفل روزے رکھنے کی کوئی صورت نہ تھی اس لئے ماہ رمضان کے حصے کے روزے بھی پیشگی شعبان ہی میں رکھ لیتے تھے اور اسی بناء پر شعبان رمضان دو مہینوں کے روزے مل کر اکثر حصّہ مہینہ کا ہو جاتا تھا۔

(٦) عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ہر مہینہ کے شروع میں تین دن روزہ رکھا کرتے تھے اور جمعہ کے دن بہت کم افطار فرماتے تھے۔ **فائدہ:** ہر مہینہ میں تین دن روزہ رکھنے کی ترغیب مختلف احادیث میں وارد ہوئی ہے۔

عبيد الله بن موسى: بلفظ التصغير. فما في بعض النسخ: عن عبد الله بن موسى غلط. غنام: بغين معجمة فنون مشددة. عبد الله: أي: ابن مسعود كما هو مصرّح في رواية المشكوة، مع أنه يكون هو المراد عند الإطلاق في اصطلاح المحدثين قاله القاري. غرة: بضم غين معجمة وتشديد راء أي: أوله، والمراد هناك أوائله. ثلاثة أيام: [أي افتتاحا للشهر بما يقوم مقام صوم كله، إذ الحسنة بعشر أمثالها.]

وقلّما كان يفطر يوم الجمعة. **حدثنا** محمود بن غيلان، حدثنا أبو داود، أخبرنا شعبة، عن يزيد الرِّشك قال: **سمعت** (۷) مُعاذة قالت: قلت لعائشة: أكان النبي ﷺ يصوم ثلاثة أيام من كلّ شهر؟ قالت: نَعَم، قلت: من أيّه كان يصوم؟ قالت: كان لا يُبالي من أيّه [أي: من أيامه] صام. قال **أبو عيسى**: يزيد الرِّشك هو: يزيد **الضُّبَعيّ** البصريّ،

ہر نیکی کا ثواب دس گنا ہونے کی وجہ سے تین روزوں کا ثواب ایک ماہ کے روزوں کے برابر ہو جاتا ہے اور اس حیثیت سے یہ شخص گویا عمر بھر روزہ دار رہنے کے حکم میں ہوگا۔ ان تین دن کی تعیین میں مختلف روایات وارد ہوئی ہیں لیکن کوئی مخالفت نہیں، کبھی حضور اقدس ﷺ مہینہ کے شروع ہی میں تین روزے رکھ لیتے تھے، کبھی کبھی ہر پیر، جمعرات کو، کبھی تیرہ، چودہ، پندرہ کو، ایسے ہی اور مختلف اوقات میں بھی، اسی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آئندہ حدیث میں وارد ہے کہ متعین ایام نہ تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ایام بیض کے روزے کبھی سفر یا حضر میں ترک نہیں فرماتے تھے۔ دوسرا مضمون حدیثِ بالا میں جمعہ کے روزہ کے متعلق ہے، اس حدیث سے جمعہ کے دن روزہ کا اہتمام معلوم ہوتا ہے لیکن دوسری روایات میں روزہ کے لئے جمعہ کی تخصیص کی ممانعت آئی ہے، اسی وجہ سے بعض علماء حدیثِ بالا کی وجہ سے اس کے استحباب کے قائل ہوئے ہیں اور بعض علماء ممانعت کی وجہ سے جمعہ کی تخصیص کو مکروہ بتاتے ہیں، خود حنفیہ کے یہاں بھی دونوں قول ہیں۔

وقلّما: [أي: قل إفطاره يوم الجمعة] قيل: "ما" كافة، وقيل: صلة لتأكيد معنى القلة، وقيل: مصدرية أي: قل كونه مفطراً يوم الجمعة، وهو دليل لأبي حنيفة ومالك حيث ذهبا إلى أن صوم يوم الجمعة وحده حسن، وعند جمهور الشافعية يكره إفرادها بالصوم؛ لرواية الصحيحين عن أبي هريرة مرفوعاً: "لا يصوم أحدكم يوم الجمعة" الحديث. إلى آخر ما بسطه القاري، وفيه أيضاً: قال القاضي: يحتمل أن يكون المعنى: أنه لا يتغدى إلا بعد الجمعة، كما روي عن سهل بن سعد الساعدي وبعده لا يخفى، وبسط اختلاف المذاهب في ذلك في الأوجز، واختلفت الأقوال في كل مذهب من مذاهب الأئمة، والجملة المرجح عند الشافعية والحنابلة كراهة الإفراد، وعند المالكية ندب الصوم، واختلف الترجيح عند الحنفية في الندب والكراهة.

قال أبو عيسى إلخ: غرض المصنف بيان توثيقه، ويشكل عليه: بأنه تقدم ترجمته في أبواب الضحى، فكان الأنسب إيراد التوثيق هناك، وأجيب: بأنه احتيج إلى بيان توثيقه ههنا؛ لأن ما رواه ههنا يعارضه ما مر من أنه كان يصوم غرة كل شهر.

الضبعيّ: بضم المعجمة وفتح الموحدة بعدها مهملة، نسبة إلى ضبيعة بن ثعلبة، قاله السمعاني في الأنساب.

وهو ثقة، وروى عنه شعبة وعبد الوارث بن سعيد وحمّاد بن زيد وإسماعيل بن إبرهيم، وغير واحد من الأئمة، وهو يزيد القاسم، ويقال: القسّام. **والرِّشك** بلُغة أهل البصرة هو: القسّام. **حدثنا** أبو حفص **عمرو** بن علي، حدثنا **عبد الله بن داود**، عن ثور بن يزيد، عن خالد بن مَعدان، عن ربيعة **الجرشيّ**، **عن**[۸] عائشة رضي الله عنها قالت: كان النبي ﷺ **يتحرّى**، صوم الاثنين والخميس.

الجرش: موضع باليمن

(۷) معاذۃ کہتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ حضور ہر ماہ میں تین روزے رکھتے تھے؟ انھوں نے فرمایا کہ رکھتے تھے۔ میں نے مکرّر پوچھا کہ مہینہ کے کن ایام میں رکھتے تھے؟ انھوں نے فرمایا کہ اس کا اہتمام نہیں تھا، جن ایام میں موقعہ ہوتا رکھ لیتے۔ **فائدہ**: یعنی کسی زمانہ میں یہ بھی معمول شریف رہا ہے کہ تعیینِ ایام کا اہتمام نہیں تھا اور کبھی مخصوص ایام میں، مثلاً مہینہ کی پہلی تین تاریخوں میں، کبھی مہینہ کی اخیر تین ایام میں، کبھی ایک مہینہ میں شنبہ، یکشنبہ، دو شنبہ کو رکھتے اور دوسرے مہینہ میں سہ شنبہ، چہار شنبہ، پنجشنبہ کو رکھتے، اسی لئے اس بارے میں مختلف روایات وارد ہوئی ہیں اور اسی لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تعیین کا انکار فرمادیا۔

(۸) عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ پیر جمعرات کے روزہ کا (اکثر) اہتمام فرماتے تھے۔ **فائدہ**: بعض روایات میں ان دِنوں کے روزے کے اہتمام کی وجوہ بھی وارد ہوئی ہیں، چنانچہ ایک وجہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں قریب ہی آرہی ہے

والرشك: اختلف في معنى الرشك، وسبب تلقيبه به فقيل: إنه بمعنى كثير اللحية، وتقدم في باب الضحى، ومال المصنف إلى أنه بمعنى القسمة، وكان يزيد يعرف علم القسمة، أو كان يباشرها من جهة المملكة، وكان ماهرًا في قسمة الأراضي وحرفها، وقيل: الرشك: العقرب، لقب به؛ لدخوله في لحيته ومكثه ثلاثا، وقيل: لأنه كان غيورًا فكان عين الغيرة والرشك، قال العسقلاني: هو المعتمد. فالرشك بالفتحة في الفارسية بمعنى الغيرة، وعرب فغير، أوله قاله القاري.

عمرو: بفتح أوله وبالواو، هو أبو حفص الفلاس الحافظ. **عبد الله بن داود**: كذا في الأصل وكذا في جامع الترمذي والنسائي، فما في نسخة القاري والمناوي من عبد الله بن أبي داود بزيادة لفظ "أبي" سهو من الناسخ.

الجرشيّ: بضم جيم وفتح راء فشين معجمة، موضع باليمن. **يتحرّى**: [من التحري، وهو: القصد والاجتهاد، والعزم في الطلب] تحراه: تعمده وطلب ماهو أحرى بالاستعمال، فالمعنى على الأول: يتعمد صومهما فيصبر عن الصوم منتظراً لهما، وعلى الثاني: مجتهداً في إيقاع الصوم فيهما.

حدثنا أبو مُصْعَب المدينيّ، عن مالك بن أنس، عن أبي النضر، عن أبي سلمة بن عبد الرحمن، **عن**(۹) عائشة رضي الله عنها قالت: ما كان رسول الله ﷺ يصوم في شهرٍ أكثر من صيامه في شعبان.

حدثنا محمد بن يحيى، حدثنا أبو عاصم، عن محمد بن **رِفاعة**، عن سُهيل بن أبي صالح، عن أبيه، **عن**(۱۰) أبي هريرة رضي الله عنه أن النبي ﷺ قال: **تعرض** الأعمال يوم الاثنين والخميس، فأُحبّ أن يُعرض (الفاء لسببية السابق للاحق) عملي وأنا صائم.

کہ یہ دونوں دن اعمال کی پیشی کے ہیں۔ پیر کے دن کے متعلق مسلم شریف کی ایک روایت میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ میں پیر ہی کے دن پیدا کیا گیا ہوں اور پیر ہی کے روز مجھ پر قرآن شریف نازل ہونا شروع ہوا ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ پیر اور جمعرات کے دن حق تعالیٰ شانہ ہر مسلمان کی مغفرت (بشرطِ قواعد) فرمادیتے ہیں، مگر جن دو شخصوں میں آپس میں چھوٹ چھٹاؤ ہو، ان کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ ان کی مغفرت کو اُس وقت تک روک دیا جائے جب تک یہ آپس میں صلح نہ کرلیں۔

(۹) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ شعبان سے زیادہ کسی ماہ میں روزے نہیں رکھتے تھے۔ **فائدہ**: اس کا بیان مفصّل گزر چکا ہے۔

(۱۰) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اعمال پیر اور جمعرات کے دن حق تعالیٰ کی عالی بارگاہ میں پیش ہوتے ہیں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میرے اعمال روزہ کی حالت میں پیش ہوں۔ **فائدہ**: تاکہ قبولیت کے زیادہ قریب ہو جائیں۔

أبو مصعب: بصيغة المفعول، واختلفت نسخ الشمائل في صفته بين المدييني والمدني، والأكثر على الأول، قال المناوي: هو عبد السلام بن حفص الليثي أو السلمي، ولهم أبو مصعب آخر وآخر. رفاعة: بكسر الراء وبعد الألف عين مهملة، وقال المناوي: كعمامة بفاء ومهملات. تعرض: [العرض ثلاثة أقسام: عرض لعمل اليوم والليلة، وعرض لعمل الأسبوع، وعرض لعمل السنة، وحكمة العرض: أن الله تعالى يباهي بالطائعين الملائكة، وإلّا فهو غني عن العرض؛ لأنه أعلم بعباده من الملائكة] أشكل عليه برواية مسلم: يرفع إليه عمل الليل قبل عمل النهار، وعمل النهار قبل عمل الليل، وأجيب: بأن الرفع غير العرض، وفيه توجيهات أخر، قال المناوي: وكذا تعرض ليلة النصف من شعبان وليلة القدر، فالأول إجمالي باعتبار الأسبوع، والثاني والثالث باعتبار العام، وفائدة تكرير العرض إظهار شرف العاملين بين الملإ الأعلى، وبالخبر يعلم شذوذ قول الحليمي: اعتياد صومها مكروه.

حدثنا محمود بن غيلان، حدثنا أبو أحمد ومعاوية بن هشام قالا: حدثنا سفيان، عن منصور، عن **خَيْثَمة، عن** (۱۱) عائشة ﷺ قالت: كان رسول الله ﷺ يصوم من الشهر: **السبت والأحد** والاثنين، ومن الشهر الآخر: الثّلاثاء والأربعاء **والخميس**.

اعمال پیش ہونے میں یہ اشکال ہے کہ مسلم شریف کی ایک روایت کا یہ حاصل ہے کہ اعمال صبح شام دو مرتبہ روزانہ بارگاہ تک پہنچتے ہیں، پھر پیر جمعرات کو پیش ہونے کا کیا مطلب؟ ان دونوں کے درمیان میں محدثین نے مختلف طریقہ سے جمع کیا ہے، سہل یہ ہے کہ رات دن کے اعمال تفصیلی طور پر روزانہ دو مرتبہ پیش ہوتے ہیں، رات کے علیحدہ، دن کے علیحدہ اور معمولی تفصیل سے، اور پھر ہفتہ میں دو بار پیر جمعرات کو پیش ہوتے ہیں اور تمام سال کے مجموعی اعمال اجمالی طور پر شعبان میں اور شبِ قدر میں بھی پیش ہوتے ہیں۔ اور بار بار کی پیشی میں منجملہ متعدد مصالح کے ایک مصلحت فرشتوں کے سامنے نیک لوگوں کا اظہارِ شرف ہے کہ ان حضرات نے آدمی کے پیدائش کے وقت یہ اشکال کیا تھا کہ آپ ایسی مخلوق کو پیدا فرما رہے ہیں جو دنیا میں کشت وخون اور فساد برپا کریں گے، اسی لئے حق تعالیٰ جَلَّ شَأْنُہٗ بہت سے نیک اعمال پر فرشتوں کے سامنے تفاخر کے طور پر تذکرہ بھی فرماتے ہیں، ورنہ حق تعالیٰ جَلَّ شَأْنُہٗ ہر شخص کے ہر عمل سے ہر وقت واقف ہیں، ان کے لئے اعمال پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔

(۱۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم (کبھی) ہر مہینہ کے تین روزے اس طرح بھی رکھتے تھے کہ ایک مہینہ میں ہفتہ، اتوار، پیر کو روزہ رکھ لیتے اور دوسرے ماہ میں منگل، بدھ، جمعرات کو۔ فائدہ: تاکہ ہفتہ کے تمام دنوں میں روزہ ہو جائے اور جمعہ کا روزہ قصداً نہ رکھتے ہوں جیسا کہ بعض روایات میں اس کو عید کا دن قرار دیا گیا اور دوسرے اہم مشاغل اس میں ہوتے ہیں، یا اس روایت میں ذکر نہیں کیا گیا دوسری روایت میں اُس کے روزے کا ذکر ہے ہی۔

خيثمة: بفتح خاء معجمة وثاء مثلثة بينهما تحتانية. السّبت: سمي به؛ لأن السبت: القطع، وذلك اليوم انقطع فيه الخلق؛ لأنه عز اسمه خلق السموات والأرض في ستة أيام، ابتدأ يوم الأحد وختم يوم الجمعة بخلق آدم ﷺ. والأحد: [سمّي بذلك؛ لأنه أوّل ما بدأ الله الخلق فيه، وأوّل الأسبوع على خلاف فيه.] والخميس: بالنصب فيه وفيما قبله على أنه مفعول فيه لـــ"يصوم"، قال المظهر: أراد ﷺ أن يبين سنية جميع أيام الأسبوع، وإنما لم يصمها متوالية؛ لئلا يشق على الأمة الاقتداء به، ولم يذكر في هذا الحديث يوم الجمعة، وقد ذكر في حديث ابن مسعود قبل هذا: أنه قلما كان يفطره أي: منفرداً أو منضماً إلى ما قبله أو بعده قاله القاري، وقال المناوي: ترك الجمعة؛ لأنه كان يكره صومه. وأنت خبير بأن الكراهة ليست في المنضمة.

حدثنا هارون ابن إسحاق **الهمداني**، حدثنا عَبْدة بن سُليمان، عن هشام بن عروة، عن أبيه، **عن**[۱۲] عائشة رضي الله عنها قالت: كان **عاشوراءُ** يوماً يصومه

---

(۱۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ عاشوراء کا روزہ زمانۂ جاہلیت میں قریش رکھا کرتے تھے اور حضور اقدس ﷺ بھی (ہجرت سے قبل تطوّعاً) رکھ لیا کرتے تھے (لیکن ہجرت کے بعد) جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو خود بھی (اہتمام سے) رکھا اور امت کو بھی (وجوباً) حکم فرمایا۔ مگر جب رمضان المبارک نازل ہوا تو وہی فرضی روزہ بن گیا اور عاشورے کی فرضیت منسوخ ہوگئی (اب استحباب باقی ہے) جس کا دل چاہے رکھے، جس کا دل چاہے نہ رکھے۔

فائدہ: عاشورے کے روزے کی فضیلت میں مختلف روایتیں وارد ہوئی ہیں۔ چنانچہ مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ عرفہ کے روزہ سے دو سال کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور عاشورے کے روزہ سے ایک سال کے۔ بعض شروح میں لکھا ہے عاشورے کے دن حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی تھی اور حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کنارے پر آئی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نجات ملی تھی اور فرعون غرق ہوا تھا، اُسی دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی اور اسی دن آسمان پر اُٹھائے گئے، اُسی دن حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ سے خلاصی ملی اور اُسی دن اُن کی اُمت کا قصور معاف ہوا اور اسی دن حضرت یوسف علیہ السلام کنویں سے نکالے گئے، اسی دن حضرت ایوب علیہ السلام کو مشہور مرض سے صحت عطا ہوئی اور اسی دن حضرت ادریس علیہ السلام آسمان پر اُٹھائے گئے، اسی دن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت ہوئی، اسی دن حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملک عطا ہوا۔ اس کے علاوہ اور بھی کرامات اس دن کی شروح حدیث اور کتبِ سیر میں لکھی ہیں، محدثانہ حیثیت سے ان میں کلام بھی ہے مگر بہت سی کرامات صحیح طور سے بھی ثابت ہیں۔ کہتے ہیں کہ وحشی جانور بھی اُس دن روزہ رکھتے ہیں۔ اللہ اکبر! کس قدر متبرک دن ہے جس کو ہم لوگ لہو و لعب میں ضائع کر دیتے ہیں۔ غالباً انہیں میں سے کسی وجہ سے زمانہ جاہلیت میں اس دن کی فضیلت مشہور تھی جس کی وجہ سے قریش اسلام سے قبل اس کا روزہ رکھتے تھے، جب حضور مدینہ طیبہ ہجرت کر کے تشریف لائے تو دیکھا کہ یہود جو اہلِ کتاب ہیں وہ بھی اس دن کا روزہ رکھتے ہیں۔

الهمداني: بسكون الميم، وعبدة كطلحة. عاشوراء: [بالمد وقد يقصر، وهو: عاشر المحرم.]

قريشٌ في **الجاهليّة**، وكان رسول الله ﷺ **يصومه**، فلمّا قدم المدينة صامه **وأمر بصيامه**،

حضور نے ان سے دریافت فرمایا کہ یہ روزہ کیوں رکھتے ہو؟ انھوں نے کہا کہ اس دن حق تعالیٰ شانہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خلاصی عطا کی تھی اور فرعون کو غرق کیا تھا جس کے شکریہ میں حضرت موسیٰ نے اس دن کا روزہ رکھا ہے۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ ہم لوگ حضرت موسیٰ کی اتباع کے تم سے زیادہ مستحق ہیں اس لئے حضور نے خود بھی روزہ رکھا اور امت کو بھی اس روزہ کا حکم فرمایا۔ مسلم شریف میں یہ قصہ مذکور ہے، اسی وجہ سے حنفیہ کے نزدیک رمضان سے پہلے یہ روزہ فرض تھا جب رمضان شریف کا روزہ فرض ہوا تو اس کی فرضیت منسوخ ہوگئی، استحباب اور ایک سال کے گناہ معاف ہونے کی فضیلت اب بھی باقی ہے۔

مسئلہ: عاشورے کا روزہ اصل دسویں تاریخ کا ہے لیکن نبی کریم ﷺ ابتدائے اسلام میں اہلِ کتاب کی موافقت فرماتے تھے کہ ان کا مذہب بہر حال آسمانی ہے اور مشرکین کے مذہب سے اولیٰ۔ مگر اخیر زمانہ میں اہلِ کتاب کی مخالفت کا قولاً اور فعلاً اہتمام ہوگیا تھا جو بہت سی وجوہ سے ضروری تھا اسی سلسلہ میں کسی صحابی نے ادھر توجہ دلائی تو حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اگر زندہ رہا تو آئندہ سال نویں تاریخ کا روزہ رکھوں گا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہود کی مخالفت کرو اور

الجاهليّة: أي: قبل بعثته ﷺ تلقيا من أهل الكتاب أو باجتهاد منهم، وقال القرطبي: لعلهم استندوا في صومه إلى شرع إبراهيم أو نوح عليهما السلام، فقد ورد في أخبار أنه اليوم الذي استوت فيه السفينة على الجوديّ فصامه نوح شكرا، ولذا كانوا يعظمونه أيضاً لكسوة الكعبة، وعن عكرمة أنه سئل عن ذلك، فقال: أذنبت قريش ذنبا في الجاهلية فعظم في صدورهم، فقيل لهم: صوموا عاشوراء يكفر ذلك.

يصومه: [أي: موافقة لقريش كما هو ظاهر السياق، أو موافقة لأهل الكتاب، أو بإلهام من الله تعالى.]

وأمر بصيامه: فيه دليل لما قاله الحنفية إنه كان فرضاً ثم نسخ، خلافاً لجمهور الشافعية، وقد روى مسلم عن سلمة بن الأكوع أنه ﷺ بعث رجلاً من أسلم يوم عاشوراء، فأمره أن يؤذن في الناس: "من كان لم يصم فليصم، ومن أكل فليتم صومه إلى الليل"، وقال ميرك: هكذا وقع في حديث عائشة، وفيه اختصار، وأخرج الشيخان من حديث ابن عباس رضي الله عنهما أن النبي ﷺ لما قدم المدينة وجد اليهود يصوم عاشوراء، فسألهم عن ذلك، فقالوا: هذا يوم أنجى الله فيه موسى، وأغرق فيه فرعون وقومه فصامه شكرا، فقال: نحن أحق بموسى منكم، فصامه وأمر بصيامه، واستشكل رجوعه ﷺ إليهم في ذلك، وأجيب باحتمال أن يكون أوحي إليه بصدقهم، أو بتواتر الخبر بذلك، أو أخبر به من أسلم منهم، أو باجتهاد منه ﷺ.

فلما افتُرض رمضان كان رمضان **هو الفريضة**، وتُرك **عاشوراءُ**، فمن شاء صامه ومن شاء
[نسخ وُجوب صومه]
تركه. **حدثنا** محمد بن بشّار، حدثنا عبد الرحمن بن مهديّ، حدثنا سفيان، عن منصور، عن إبراهيم، **عن** (۱۳) عَلقمة قال: سألت عائشة رضي الله عنها: أكان رسول الله ﷺ **يَخُصّ من الأيام** شيئا؟

نویں یا گیارھویں کا روزہ رکھا کرو، یعنی دسویں کے ساتھ ایک اور ملا لیا کرو کہ اس سے تشبہ جاتا رہتا ہے اس لئے تنہا عاشورے کا نہیں رکھنا چاہئے۔ بہتر تو یہ ہے کہ اُس کے ساتھ نویں تاریخ کا روزہ ملا لے تاکہ دونوں حدیثوں پر عمل ہو جائے، اگر نویں کا نہ ملا سکے تو پھر گیارہویں کا ملا لے۔

(۱۳) علقمہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: کیا حضور اقدس ﷺ ایام کو عبادت کے لئے مخصوص فرمایا کرتے تھے؟ انھوں نے فرمایا کہ (نہیں) حضور کے اعمال دائمی ہوتے تھے، تم میں سے کون طاقت رکھتا ہے جس کی حضور اقدس ﷺ طاقت رکھتے تھے!۔ **فائدہ**: یعنی کسی دن کو کسی عبادت کے ساتھ مخصوص فرما لیتے ہوں، مثلاً پیر کا دن روزہ کے ساتھ مخصوص ہو کہ ہر پیر کو روزہ رکھتے ہوں کبھی افطار نہ فرماتے ہوں، یا یہ کہ پیر کے علاوہ روزہ نہ رکھتے ہوں۔ یہ دونوں باتیں نہ تھیں، البتہ یہ حضور کا معمول تھا کہ جو کام شروع فرماتے اُس پر مداومت فرماتے تھے۔ تم لوگ اس قدر مداومت اور اہتمام کی طاقت نہیں رکھتے جتنا حضور اپنے معمولات کا اہتمام فرماتے تھے کہ جو معمول کسی عذر سے رہ جاتا

هو الفريضة: يعني صارت الفريضة منحصرة في رمضان؛ لأن تعريف المسند مع ضمير الفصل يفيد قصر المسند على المسند إليه، وهذا أصرح دليل في أن الفرض قبل رمضان كان غيره.

عاشوراء: وهذا أيضاً دليل على الوجوب السابق، فإنه ما ترك استحبابه بل هو باق. قال الحافظ ابن حجر: يؤخذ من مجموع الأحاديث أنه كان واجبا لثبوت الأمر بصومه، ثم تأكيد الأمر بذلك، ثم بالنداء العام، ثم زيادته بأمر من أكل بالإمساك، ثم زيادته بأمر الأمهات أن لا يرضعن فيه الأطفال، وبقول ابن عباس وعائشة رضي الله عنهما: لما فرض رمضان ترك عاشوراء مع العلم بأنه ماترك استحبابه بل هو باق فدل على أن المتروك وجوبه، وأما قول بعضهم: إن المتروك تأكد استحبابه والباقي مطلق استحبابه، فلا يخفى ضعفه، بل تأكد استحبابه باق، ولاسيما استمرار الاهتمام به حتى عام وفاته ﷺ حيث يقول: إن عشت فلأصومن التاسع والعاشر، ولترغيبه في صومه، وإنه يكفر سنة، وأي تأكيد أبلغ من هذا.

يخص من الأيام: [أي: يتطوع في يوم معين بعمل مخصوص فلا يفعل في غيره مثله.]

قالت: كان عمله **ديمةً، وأيّكم يُطيق** ما كان رسول الله ﷺ يطيق؟. **حدثنا** هارون بن إسحاق، أخبرنا عبدة، عن هشام بن عروة، عن أبيه، **عن** (١٤) عائشة رضي الله عنها قالت: دخل عليَّ رسول الله ﷺ

دوسرے وقت اُس کو پورا فرماتے جیسا کہ شعبان کے روزوں کے بیان میں گزرا۔ حاصل یہ کہ اس حیثیت سے تخصیص نہ تھی کہ وہ عمل اُسی دن کیا جائے اور اس دن میں دوسرا عمل نہ کیا جائے۔ البتہ معمولات کے پورا کرنے کا اہتمام تھا جن میں خاص ایام کے روزے بھی داخل ہیں۔ اس تقریر پر یہ اشکال نہیں رہا کہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حدیث نمبر ۸ پر پیر جمعرات کے روزے کا اہتمام گزر چکا ہے۔ حافظِ حدیث ابن حجر رحمہ اللہ کی تحقیق یہ ہے کہ یہ سوال جواب ان تین روزوں کے متعلق ہے جو ہر ماہ میں حضور کے رکھنے کا معمول تھا جن کا ذکر حدیث نمبر ۷ میں گزرا۔ اس صورت میں کوئی اشکال ہی نہیں ہے۔

(۱۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ایک مرتبہ تشریف لائے تو میرے پاس ایک عورت بیٹھی ہوئی تھیں۔ حضور نے دریافت فرمایا کہ: یہ کون ہے؟ میں نے عرض کیا کہ فلانی عورت ہیں جو رات بھر نہیں سوتیں۔ حضور نے فرمایا کہ نوافل اس قدر اختیار کرنے چاہئیں جن کا تحمل ہو سکے، حق تعالیٰ جل شانہ ثواب دینے سے نہیں گھبراتے یہاں تک کہ تم عمل کرنے سے گھبرا جاؤ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کو وہی عمل زیادہ پسند تھا جس پر آدمی نباہ کر سکے۔

قالت: ولفظ البخاري برواية يحيى عن سفيان في هذا الحديث: قالت: لا، قال ابن التين: استدل به بعضهم على كراهة تحري صيام يوم من الأسبوع، وأجاب الزين بن المنير بأن السائل في حديث عائشة إنما سأل عن تخصيص يوم من حيث كونها أياما، فإنما خصّص لأمر لا يشاركه فيه بقية الأيام، كيوم عرفة، وعاشوراء، وجميع ما عين لمعنى خاص، ويشكل على هذا الجواب صوم الاثنين، فقد وردت فيها أحاديث صحيحة، فالجواب أن يقال: لعل المراد بالأيام المسئول عنها: الأيام الثلاثة من كل شهر، فكأن السائل لما سمع أنه ﷺ كان يصوم ثلاثة أيام، ورغب في أنها تكون أيام البيض، سأل عائشة: هل يخصها بالبيض؟ فقالت: لا، كان عمله ديمة يعني لو جعلها البيض لتعينت، وداوم عليها؛ لأنه كان يحب أن يكون عمله ديمة، لكن أراد التوسعة بعدم تعيينها، فكان لايبالي من أي الشهر صامها، كما تقدمت الإشارة إليها في حديث عائشة، ملخص من الفتح، وحديث عائشة هو المتقدم قريباً من حديث معاذة عنها.

ديمة: فِعْلَة من الدوام، انقلب واوه ياءً لكسرة ما قبلها، وأصل الديمة: المطر يدوم أياماً لا رعد فيه ولا برق، أقله ثلاث ليال، ثم شبه به غيره مما له دوام. وأيّكم يطيق: [أيّ واحد منكم يطيق العمل الذي كان رسول الله ﷺ يطيقه من المواظبة والخشوع والخضوع والإخلاص وغير ذلك.]

وعندي **امرأةٌ**، فقال: من هذه؟ قلت: **فلانة، لا تنام الليل**، فقال رسول الله ﷺ: **عليكم** من الأعمال **ما تطيقون**، فو الله، لا **يَمَلُّ** حتى تَمَلّوا، وكان أحبّ ذلك إلى رسول الله ﷺ الذي يَدُوم عليه صاحبُه.

أي الله كما في رواية

فائدہ: یہ صحابیہ حضرت حولاء رضی اللہ عنہا تھیں۔ صحابۂ کرام میں عبادت کا ولولہ اور جوش تھا۔ حدیث کی کتابوں میں بہت سے قصے اس قسم کے مذکور ہیں کہ ان حضرات کا شوق ان کو حد سے زیادہ مجاہدہ پر مجبور کرتا تھا مگر حضور اکرم ﷺ اعتدال کی نصیحت فرماتے تھے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ایک مشہور صحابی ہیں، فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ یہ طے کر لیا کہ عبادت میں بہت ہی کوشش کروں گا، دن میں ہمیشہ روزہ رکھا کروں گا اور رات کو روزانہ ایک کلامِ مجید ختم کیا کروں گا۔ میرے والد نے ایک شریف عورت سے میرا نکاح کر دیا۔ ایک مرتبہ والد نے بیوی سے میرا حال دریافت کیا، اُس نے عرض کیا: بہت نیک آدمی ہیں، رات بھر بستر پر نہیں آتے نہ کسی سے کوئی واسطہ رکھیں۔ میرے والد مجھ پر خفا ہوئے کہ میں نے کیسی شریف عورت سے تو تیرا نکاح کیا تھا تو نے اُس کو معلق چھوڑ رکھا ہے۔ مجھ پر غلبۂ شوق میں کچھ اثر نہ ہوا۔ والد نے حضور اکرم ﷺ سے شکایت کر دی۔ حضور نے مجھ سے دریافت فرمایا میں نے سُنا ہے کہ تم دن کو ہمیشہ روزہ رکھتے ہو اور رات بھر نماز پڑھتے ہو۔ میں عرض کیا کہ حضرت! صحیح ہے۔ حضور نے ارشاد فرمایا: ایسا نہ کیا کرو کبھی روزہ رکھا کرو اور کبھی افطار۔ اسی طرح رات کو نمازیں بھی پڑھا کرو اور سویا بھی کرو، تمہارے بدن کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے کہ رات بھر جاگنے سے ضعیف ہو جاتی ہیں، تمہاری بیوی کا بھی حق ہے، اولاد کا بھی حق ہے، ملنے والوں کا بھی حق ہے۔

امرأة: زاد عبد الرزاق في رواية: حسنة الهيئة، وفي رواية البخاري: أنها من بني أسد، وفي مسلم: أنها الحولاء بنت تويت.
فلانة: قال الرضي: يكنى بفلان وفلانة على أعلام الأناسي خاصة، فيجريان مجرى المكني عنه، فيكونان كالعلم فلا يدخلهما اللام، ويمتنع صرف فلانة، ولا يجوز تنكير فلان، فلا يقال: جاءني فلان وفلان آخر.
لا تنام الليل: [أي: تحييه بصلاة وذكر وتلاوة قرآن ونحوها.] عليكم: عبربه مع أن المخاطب النساء لتعميم الحكم فغلب الذكور على الإناث، والمعنى اشتغلوا وألزموا. ما تطيقون: [يعني خذوا من الأعمال العمل الذي تطيقون الدوام عليه بلا ضرر، والمقصود بالخطاب عموم الأمة] لا يملّ: بفتح أولهما وثانيهما، وإسناد الملال إليه تعالى على سبيل المشاكلة، كما في قوله تعالى: ﴿نَسُوا اللَّهَ فَنَسِيَهُمْ﴾ [التوبة: ٦٧] وإلا فالملال وهو: استثقال الشيء محال عليه تعالى باتفاق العلماء، وقيل: إن الله تعالى لما كان يقطع ثوابه عمن قطع عن العمل ملالاً عبر عنه بالملال من تسمية الشيء باسم سببه، وهذا كله إذا كان حتى على بابها، وقيل: هي بمعنى الواو، أي: لا يمل الله أبداً وأنتم تملون، وقيل: بمعنى حين.

حدثنا أبو هشام محمد بن يزيد **الرفاعي**، حدثنا ابن فُضَيل، عن الأعمش، **عن**[(١٥)] أبي صالح قال: **سألت** عائشة وأمّ سلمة: **أيّ العمل** كان أحبّ إلى رسول الله ﷺ؟ قالتا: ما ديم عليه وإن قلّ. **حدثنا** محمد بن إسماعيل، حدثنا عبد الله بن صالح، حدثني معاوية بن صالح، عن عمرو بن قيس: أنه سمع عاصم بن حُميد قال: **سمعت**[(١٦)] عوفَ بن مالك يقول: كنت مع

(۱۵) ابو صالح کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ حضور اقدس ﷺ کے نزدیک کونسا عمل زیادہ پسندیدہ تھا؟ دونوں نے یہ جواب دیا کہ جس عمل پر مداومت کی جائے، خواہ کتنا ہی کم ہو۔ **فائدہ**: ان سب روایتوں سے یہ مقصود ہے کہ روزہ اور ایسے ہی ہر نفلی عمل خواہ قلیل ہو، لیکن جتنا کر سکے اتنا نباہ کر اہتمام سے کرے، مگر ایسا بھی نہ کرے کہ نہ نبھنے کے خوف سے نفل اعمال کو بالکل ہی خیر باد کہہ دے کہ فرائض میں کوتاہی کو پورا کرنے والی چیزیں نوافل ہی ہیں، اس لئے اہتمام کے ساتھ جس قدر نباہ سکے اُس کی سعی کرے۔

(۱۶) عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک شب حضور اقدس ﷺ کے ساتھ تھا، حضور نے مسواک فرمائی، پھر وضو فرمایا، پھر نماز کی نیت باندھ لی۔ میں نے بھی حضور کی اقتدا کی اور حضور کے ساتھ نماز کی نیت باندھ لی۔ حضور نے سورۂ بقرہ شروع فرمائی اور جس آیتِ رحمت پر گذرتے وہاں وقفہ فرما کر حق جل شانہ سے رحمت کا سوال فرماتے اور ایسے ہی جس آیتِ عذاب پر گذرتے وہاں وقفہ فرما کر حق تعالیٰ جل شانہ سے اُس عذاب سے پناہ مانگتے۔ پھر حضور نے تقریباً اُتنی ہی دیر رکوع فرمایا، رکوع میں **سُبْحَانَ ذِيْ الْجَبَرُوتِ وَالْمَلَكُوْتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظمةِ**. یہ دعاء پڑھتے رہے۔ پاک ہے وہ ذات جو حکومت اور سلطنت والی، نہایت بزرگی اور عظمت و بڑائی والی ہے۔ پھر رکوع ہی کی مقدار کے موافق سجدہ کیا اور اُس میں بھی یہی دعا پڑھی (پھر دوسری رکعت میں) سورۂ آل عمران (اور اسی طرح ایک ایک رکعت میں) ایک ایک سورۃ پڑھتے رہے۔ **فائدہ**: یہ چار رکعتیں کتنی لمبی ہوں گی، الفاظ سے خود ظاہر ہے کہ ایک سورۂ بقرہ ڈھائی پارے کی سورت اور پھر حضور کی تلاوت کہ نہایت اطمینان سے ہر حرف علیحدہ ظاہر ہو، اس پر ہر آیتِ رحمت اور عذاب پر ٹھہر کر دعائیں مانگنا، پھر اتنا ہی طویل رکوع اور

الرفاعي: بكسر الراء وتخفيف الفاء، نسبة إلى أحد أجداده رفاعة. سألت: بصيغة المعلوم من المتكلم وحده، وفي نسخة: سئلت ببناء المجهول بنصب عائشة وأم سلمة على الأول ورفعهما على الثاني. أي العمل: [أي: أيُّ أنواع العمل.]

رسول الله ﷺ ليلة فاستاك، ثم توضّأ، ثم قام يُصلّي، **فَقُمْتُ معه**، فبدأ فاستفتح البقرة، فلا يمُرُّ بآية رحمة إلاوقف **فسأل**، ولا يمُرُّ بآية عذاب إلا وقف فتعوّذ، [تعوذ من العذاب] ثم ركع، فمكث راكعاً بقدر قيامه، ويقول في ركوعه: سبحان ذي الجبروت [صاحب الجبر والقهر] والملكوت [الملك مع اللطف] **والكبرياء والعظمة**، ثم سجد بقدر ركوعه ويقول في سجوده: سبحان ذي الجبروت والملكوت والكبرياء والعظمة،

پھر سجدہ بھی ایسا ہی، یہ ایک رکعت ہوئی اس طرح کی چار رکعت جو تمام رات میں بھی بمشکل پوری ہوں، لیکن غلبۂ شوق کے سامنے بالخصوص ایسی ذات کے لئے جس کی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہو، یہ چیز کچھ بھی گراں نہ تھی۔ اخیر کی چند حدیثوں کو حضور کے روزے کے تذکرہ سے بظاہر کوئی تعلق نہیں۔ شمائل کے بعض نسخوں میں تو یہ متفرق باب چاشت کا بیان اور روزہ کا بیان وغیرہ ہیں ہی نہیں بلکہ یہ تمام حدیثیں حضور کی عبادت کے باب میں ہیں، اس میں تو کوئی اشکال ہی نہیں لیکن جن نسخوں میں یہ متفرق باب موجود ہیں ان میں ایک دقیق بات معلوم ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ عموماً جو لوگ روزوں کے شوقین ہوتے ہیں اکثر دیکھا گیا ہے کہ وہ ایسا افراط کرنے لگتے ہیں کہ حقوق میں کوتاہی ہو جاتی ہے اس لئے اول امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اعتدال اور میانہ روی کی روایتیں ذکر کیں اور اخیر روایت سے اس طرف بھی اشارہ کر دیا کہ اگر غلبۂ شوق میں کسی وقت کچھ معمول سے زیادتی ہو جائے تو مضائقہ نہیں، ایسا نہ ہونا چاہئے کہ عبادت سے ملال اور نفور پیدا ہو جائے۔

رسول الله إلخ: قال ميرك: اعلم أنه لم يظهر وجه مناسبة هذه الأحاديث بعنوان الباب، وحكي أنه وقعت في بعض النسخ عقب حديث حذيفة وهو أشبه بالصواب، وأظن أن إيرادها ههنا من تصرف النساخ، وقيل: ليس في بعض النسخ المقروءة على المصنف باب صلوة الضحى ولا باب صلوة التطوع ولا الصوم، بل وقع جميع الأحاديث في باب العبادة فلا إشكال. وقال المناوي في حديث عائشة وأم سلمة: أخره إلى الصوم مع أنه بباب العبادة أليق؛ لأن كثيراً يداومون عليه أكثر من غيره فذكره في ذلك زجراً عن الملازمة وإن كان لا اختصاص له بالصوم، ثم قال في حديث عوف: وجه ختم الباب بهذا الخبر أنه لما استطرد إلى أن أفضل الأعمال ما يطاق، بين أن ارتكاب المشقّ نادراً لا يفوت الفضيلة، وهذا أولى من قول القسطلاني: إنه وقع سهواً من النساخ. فقمت معه: أي [الصلاة معه، والاقتداء به.]
فسأل: [يعني أمسك عن القراءة وسأل الله الرحمة.] والكبرياء: [الترفع عن جميع الخلق مع انقيادهم له والتنـــزه عن كل نقص.]
العظمة: [وهي تجاوز القدر عن الإحاطة به.]

ثم قرأ آل عمران، **ثم سورةً** سورةً يفعل مثل ذلك.

ثم سورةً: أي: ثم قرأ سورة في الثالثة وأخرى في الرابعة، ففيه حذف حرف العطف، فزعم أنه تأكيد لفظي عدول عن ذلك، قال ميرك: ويحتمل أن يكون المراد أنه قرأ السور المذكورة في ركعة واحدة، كما في حديث حذيفة المتقدم في باب العبادة، والاحتمال الأول أوفق بظاهر هذا السياق.

بابُ ما جاء في قراءة رسول الله ﷺ

حدثنا قتيبة بن سعيد، حدثنا **الليث** عن **ابن أبي مُلَيْكَة، عن** يعلى بن **مَمْلَك** (بفتح الميم): أنه سأل أمَ سلمة عن قراءة [عن صفتها] رسول الله ﷺ؟ فإذا هي **تنعت** قراءةً **مفسرةً** (أي: مبينة من المفسر وهو البيان والتفسير مثله): حرفا حرفا. **حدثنا** محمد بن بشّار، حدثنا وَهْب بن جرير بن حازم، حدثنا أبي، **عن**(۲) قتادة قال: قلت لأنس بن مالك: كيف كانت قراءة رسول الله ﷺ؟

باب۔ حضور اقدس ﷺ کی قراءت کا ذکر

فائدہ: یعنی حضور کی تلاوت کی کیفیت کا بیان ہے کہ حضور کس طریقہ سے ترتیل اور تجوید کے ساتھ تلاوت فرماتے تھے۔اس باب میں آٹھ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) یعلی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ام المؤمنین سے حضور ﷺ کی قراءت کی کیفیت پوچھی، انھوں نے ایک ایک حرف علیحدہ علیحدہ صاف صاف کیفیت بتائی۔ **فائدہ:** یعنی حضور اقدس ﷺ کے پڑھنے میں حروف واضح طور سے ظاہر ہوتے تھے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے زبانی یہ کیفیت بتائی ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس طرح پڑھ کے بتایا ہو جس سے کیفیت ظاہر ہو، شرّاح حدیث دونوں احتمال بتاتے ہیں مگر اقرب دوسرا احتمال ہے، اس لئے کہ حضرت ام سلمہ سے اسی نوع کی ایک حدیث نمبر ۳ پر آرہی ہے، اُس میں حضرت ام سلمہ نے پڑھ کر بتایا کہ اس طرح تلاوت فرماتے تھے۔

(۲) قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ کی قراءت کی کیفیت پوچھی تو انھوں نے فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ (مد والے حروف کو) مد کے ساتھ کھینچ کر پڑھتے تھے۔ **فائدہ:** یعنی جو حروف ایسے ہوتے تھے کہ ان کو مد کے

قراءة: يعني في كيفية قراءة القرآن ترتيلا ومداً ووقفا، إسراراً وإعلانا وترجيعاً وغيرها. الليث: وقع في بعض النسخ "ليث بن شهاب" وهو غلط، ليس في الرواة أحد اسمه ليث بن شهاب، بل هو ليث بن سعد. ابن أبي مليكة: بالتصغير، اسمه عبد الله بن عبيد الله. مملك: بفتح الميم الأولى وسكون الثانية وفتح اللام بعدها كاف. تنعت: [تصف، من قولهم: نعت الرجل صاحبه أي وصفه.] قال الطيبي: وصفها بذلك إما بالقول بأن تقول: كانت قراءته كذا، أو بالفعل بأن تقرأ كقراءته، قال عصام: هو الظاهر. مفسرة: [أي: حال كونها مفصولة الحروف.]

قال: **مداً. حدثنا** علي بن حُجر، حدثنا يحيى بن سعيد **الأموي**، عن ابن جُريج، عن ابن **أبي مُلَيكة**، **عن**[3] أم سلمة رضي الله عنها قالت: كان النبي ﷺ **يقطّع قراءته يقول:** ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ﴾ [الفاتحة:٢]،

من التقطيع، وهو: جعل الشيء قطعة قطعة

ساتھ پڑھا جاتا ہے ان کو مد کے ساتھ پڑھتے تھے اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے جب اطمینان سے تلاوت کی جائے، جلدی جلدی میں مد کے ساتھ پڑھنا مشکل ہے۔ اس سے دونوں باتیں ظاہر ہو گئیں: اطمینان سے پڑھنا بھی اور مدوں کی رعایت کرنا بھی۔ شرّاح حدیث نے لکھا ہے کہ مد کے بھی قواعد ہیں جو تجوید کی کتابوں میں مفصّل موجود ہیں، ان کی رعایت ضروری ہے، ہمارے زمانہ کے بعض قاری مدوں کو اتنا کھینچتے ہیں کہ حدود سے بڑھ جاتا ہے، ہر چیز اصول اور قواعد کے موافق ہی صحیح ہے، افراط اور تفریط دونوں مذموم ہیں۔

(۳) ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ تلاوت میں ہر آیت کو جُدا جُدا کر کے علیحدہ علیحدہ اس طرح پڑھتے تھے کہ ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ﴾ [الفاتحة:٢] پر ٹھہرتے، پھر ﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ﴾ [الفاتحة:٣] پر وقف کرتے، پھر ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّينِ﴾ [الفاتحة:٤] پر وقف کرتے۔ **فائدہ:** غرض ہر ہر آیت کو جُدا جُدا نہایت اطمینان سے ترتیل کے

مَدًّا: [أي يمد الحرف الذي يستوجب المد.] بلفظ المصدر: أي ذات مد، والمراد به: تطويل النفَس في حروف المد واللين، وفي رواية البخاري: كان يمد مداً، وفي بعض النسخ: مداء على وزن فعلاء، قال القاري: لم نقف عليه رواية.

الأمويّ: بضم الهمزة وفتح ميم، نسبة إلى بني أمية. أبي مُلَيْكة: قال المصنف في الجامع: هكذا روى يحيى بن سعيد وغيره عن ابن جريج، عن ابن أبي مليكه، عن أم سلمة، وليس إسناده بمتصل؛ لأن الليث بن سعد روى هذا الحديث عن ابن أبي مليكة، عن يعلى، عن أم سلمة أنها وصفت قراءة النبي ﷺ حرفا حرفا، وحديث الليث أصح. قال المناوي: تعقبه القسطلاني: بأن سماع ابن أبي مليكة من أم سلمة ثابت عند علماء أسماء الرجال، فما أدري كيف حكم بعدم اتصاله، ورواية الليث غير نص في الانقطاع؛ لاحتمال كونه من المزيد في متصل الأسانيد. وقال الحافظ العسقلاني نقلا عن ابن أبي مليكة: أدركت ثلاثين من أصحاب النبي ﷺ وذكر في من سمع منهم أم سلمة، قال القاري: وإذا ثبت سماعه منها فلم لا يجوز أن يسمع الحديث بهذا اللفظ من أم سلمة، وباللفظ المتقدم عن يعلى عنها؟

يقطع قراءته: [أي: يقف على رؤوس الآي وإن تعلقت بما بعدها، فيسنّ الوقف على رؤوس الآي.] يقول إلخ: فيه دليل على أن البسملة ليست جزءاً من الفاتحة على ما هو مذهبنا الحنفية ومذهب مالك، قاله القاري، خلافاً للشافعية.

ثم يقف، ثم يقول: ﴿الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ﴾ [الفاتحة:۳]، ثم يقف، وكان يقرأ: ﴿**مَالِكِ يَوْمِ** الدِّينِ﴾. [الفاتحة:٤]. **حدثنا** قتيبة بن سعيد، حدثنا اللّيث، عن معاوية بن صالح، **عن**[٤] عبد الله بن أبي قيس قال: سألت عائشة رضي الله عنها عن قراءة النبي ﷺ: **أكان يُسِرّ** بالقراءة أم يجهر؟ قالت: كل ذلك قد كان يفعل، قد كان رُبّما أسرّ ورُبّما جَهَر، **فقلت**: الحمد لله الذي جعل في الأمر **سعة**.

ساتھ پڑھتے تھے۔ قراء کے یہاں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ ہر آیت پر سانس لینا افضل ہے یا نہیں۔ مرشد عالم حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ کا ایک **مستقل** رسالہ (ردّ الطغيان في أوقاف القرآن) جو نہایت **مختصر** ہے، اُردو زبان میں شائع ہے، اس مسئلہ کے لئے اُس کا مطالعہ مفید ہے۔

(۴) عبد اللہ بن ابی قیس کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ حضور اقدس ﷺ قرآن شریف آہستہ پڑھتے تھے یا پکار کر؟ انھوں نے فرمایا کہ دونوں طرح معمول تھا۔ میں نے کہا کہ **الحمد اللہ** اللہ کا شکر و احسان ہے جس نے ہر طرح سہولت عطا فرمائی (کہ بمقتضائے وقت جیسا مناسب ہو، آواز سے آہستہ اسی طرح پڑھ سکے)۔

فائدہ: یہ سوال جیسا کہ جامع ترمذی شریف کی روایت میں تصریح ہے تہجد کی نماز کے بارے میں تھا اور اس کے جواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمانا کہ دونوں طرح معمول تھا یعنی آواز سے بھی اور آہستہ بھی، اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے

ثم يقف: قاله القاري: الحاصل أنه كان يقف على رؤوس الآي تعليماً للأمة ولو فيه قطع الموصوف عن الصفة، ولذا قال البيهقي والحليمي وغيرهما: يسن أن يقف على رؤوس الآي وإن تعلقت بما بعدها للاتباع، فقدح بعضهم في الحديث. بأن محل الوقف "يوم الدين" غفلة عن قواعد القراء؛ إذ أجمعوا على أن الوقف على الفواصل وقف حسن، وإنما الخلاف في الأفضل، هل هو الوصل أو الوقف؟ فالجمهور كالسجاوندي وغيره على الأول والجزري على الثاني. مالك يوم: قال المناوي: بالألف في جميع نسخ الشمائل، قال القسطلاني: أظنّه وهماً من النساخ، والصواب: "ملك" بحذف الألف. قلت: اختلفت روايات أم سلمة في هذا اللفظ جداً، فأخرجه أبو داود وأحمد والبيهقي بالألف، والترمذي في الجامع والحاكم بدون الألف.
أكان يُسرّ: [أي: يخفي قراءته بحيث لا يسمعه غيره أم يظهرها بحيث يسمعه غيره.] فقلت: [القائل هو عبد الله بن أبي قيس.]
سعة: [يعني من حيث الجهر والإسرار سعة، ولم يضيق علينا بتعيين أحد الأمرين.]

حدثنا محمود بن غيلان، حدثنا وكيع، حدثنا مِسْعر، عن أبي العلاء **العبديّ**، عن يحيى بن جَعدة، **عن**[٥] أم هانئ رضي الله عنها قالت: كنت أسمع **قراءة النبي** ﷺ بالليل وأنا على **عريشي**. سقف مكان

کہ ایک رات میں ہی دونوں طرح معمول تھا اور یہ بھی صحیح ہے کہ کسی رات میں آواز سے پوری نماز پڑھنے کی نوبت آتی تھی اور کسی رات میں آہستہ تمام نماز پڑھ لیتے تھے، دونوں صحیح ہیں اور تہجد میں دونوں طرح پڑھنے میں مضائقہ نہیں ہے۔ وقت کی مناسبت سے بسا اوقات آواز سے پڑھنا افضل ہوتا ہے، بالخصوص جہاں دوسروں کی ترغیب کا سبب بنے یا نشاط پیدا ہوتا ہو اور جہاں کسی کی تکلیف کا احتمال ہو یا ریا کا شائبہ ہو وہاں آہستہ پڑھنا اولیٰ ہوتا ہے۔ جہر سے پڑھنے میں دوسروں کی تکلیف کی رعایت ضروری ہے اور کسی وقت دونوں برابر ہوں تو معمولی جہر اولیٰ ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا معمول تہجد میں آہستہ پڑھنا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بلند آواز سے پڑھتے تھے، ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ کا دونوں حضرات پر گزر ہوا، دونوں کا حال دیکھا، صبح کو جب دونوں حضرات حاضرِ خدمت تھے، حضور اقدس ﷺ نے اس کا تذکرہ فرمایا۔ ابو بکر! میں تمہارے پاس سے گزرا تم بہت آہستہ آہستہ پڑھ رہے تھے۔ انھوں نے عرض کیا کہ میں جس پاک ذات سے باتیں کر رہا تھا وہ سُن ہی رہا تھا، پھر حضرت عمر سے فرمایا کہ تم بہت بلند آواز سے پڑھ رہے تھے۔ اُنھوں نے عرض کیا کہ غفلت سے سونے والوں کو جگانا اور شیطان کو اپنے سے دُور رکھنا مقصود تھا۔ حضور نے دونوں حضرات کی تصویب فرمائی اور حضرت ابو بکر سے فرمایا کہ تم اپنی آواز کو تھوڑا سا بڑھا لیا کرو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم ذرا آہستہ کر دو۔

(۵) ام ہانی رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ (مسجد حرام میں قرآن شریف پڑھتے تھے اور میں حضور) کے پڑھنے کی آواز رات کو اپنے گھر کی چھت سے سُنا کرتی تھی۔ **فائدہ:** یعنی یہ کہ حضور اقدس ﷺ نہایت صاف صاف بلند آواز سے پڑھتے

العبديّ: بفتح عين وسكون موحدة، وفي بعض النسخ: الغنوي بفتح الغين المعجمة والنون وكسر الواو، قاله القاري. قلت: والمؤيد بكتب الرجال هو الأول. قراءة النبي: [أي: وهو يقرأ في صلاته ليلا عند الكعبة، قبل الهجرة.]
عريشي: [العريش، وهو: ما يُستَظَلُّ به، والمقصود هنا الفراش، والحال أنّي نائمة على سريري.] قال المناوي: هو بإثبات الياء، وفي نسخ بحذفها. والعريش والعرش: السرير، وشبه بيت من جريد يجعل فوقه الثمام وسقف البيت، وكلها يستظل به أو يهيأ للكرم؛ ليرتفع عليه، قال القاري: والمراد به السرير، وفي رواية للنسائي وابن ماجة: قالت: كنت أسمع وأنا نائمة على فراشي، وفي المواهب عن ابن ماجة: قالت: كنا نسمع قراءة النبي ﷺ في جوف الليل عند الكعبة وأنا على عريشي.

حدثنا محمود بن غيلان، حدثنا أبو داود، أنبأنا شعبة، عن معاوية بن قرّة قال: سمعت(٦) عبد الله بن مغفّل يقول: رأيت النبيّ ﷺ على ناقته يوم الفتح وهو يقرأ: ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحاً مُبِيناً

تھے کہ میں اپنے مکان سے سُن لیتی تھی۔ رات کے وقت ویسے بھی آواز دُور تک جایا کرتی ہے اور پھر مکان کی چھت پر تو اور بھی صاف جاتی ہے، بالخصوص جب مکان قریب ہو۔

(٦) عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو فتح مکہ کے دن ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحاً مُبِيناً لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ﴾ [الفتح: ٢،١] پڑھتے دیکھا، حضور اقدس ﷺ ترجیع کے ساتھ پڑھ رہے تھے۔ معاویہ بن قرۃ (جو اس حدیث کے ایک راوی ہیں، وہ) کہتے ہیں کہ اگر لوگوں کے جمع ہو جانے کا ڈر نہ ہوتا تو میں اُس لہجہ میں پڑھ کر سُناتا۔

فائدہ: ترجیع کے معنی لغت کے اعتبار سے لوٹانے کے ہیں آواز کو لوٹا کر پڑھنا مراد ہے۔ خود عبد اللہ بن مغفل سے اس کی تفسیر "آ آ" منقول ہے، اس کا مطلب بعض علماء نے آواز کو درست کر کے پڑھنے کا فرمایا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کو مکہ مکرمہ کے فتح ہونے اور دار الاسلام بن جانے کی وجہ سے غایت سرور تھا اس لئے نہایت لطف سے پڑھ رہے تھے، مگر میرے استاذ حضرت والد صاحب قدس سرہٗ کی تحقیق یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ چونکہ اُونٹنی پر تشریف فرما تھے اس لئے اُس کی حرکت سے آواز ترجیعی معلوم ہوتی تھی۔ اسی بناء پر عبد اللہ بن مغفل نے اُس کی تفسیر "آ آ" سے نقل کی اور اسی وجہ سے معاویہ نے اُس کی نقل کرنے کی ہمت نہیں کی کہ دانستہ اُس طرح آواز بنانے سے لوگ مجتمع ہو جائیں گے، اس توجیہ کے موافق آئندہ حدیث کے بھی مخالف نہیں ہوگی۔ بندہ کے نزدیک یہی توجیہ زیادہ پسندیدہ ہے، اس لئے کہ اگر پہلے قول کے موافق آواز بنا کر اور درست کر کے پڑھنا مراد ہے تو پھر لوگوں کے مجتمع ہونے کا کیا خوف ہے!۔ قرآن پاک کو اچھی آواز سے جس میں گانے سے مشابہت پیدا نہ ہو، پڑھنا ہی چاہئے۔ بہت سی احادیث میں مختلف عنوان سے قرآن پاک کو ترتیل سے اچھی آواز کے ساتھ پڑھنے کی ترغیب وارد ہوئی ہے، جن میں سے بعض روایات میں اپنے رسالہ چہل حدیث میں لکھ چکا ہوں، جس کا دل چاہے اُس کو دیکھے۔

قرة: بضم قاف وتشديد راء مهملة. على ناقته: [أي: حال كونه راكبا على ناقته الغضباء أو غيرها.]

فتحا مبينا: [وهذا الفتح هو فتح مكة كما روي عن أنس، أو فتح خيبر كما روي عن مجاهد، والأكثرون على أنه صلح الحديبية؛ لأنه أصل الفتوحات كلها.]

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ﴾ [الفتح: ۱،۲] قال: فقرأ و **رجّع**، قال: وقال معاوية بن قرة: لولا أن يجتمع الناس عليّ لأخذت لكم في ذلك الصوت -أو قال: اللّحن-. **حدثنا** قتيبة بن سعيد، حدثنا نوح بن قيس **الحُدّاني**، عن **حُسام** بن مِصَكٍّ، **عن**(۷) قتادة قال: ما بعث الله نبيّاً **إلا حَسَن** الوجه حَسَن الصوت،

(۷) قتادہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ جَلَّ شَانُہٗ نے ہر نبی کو حسین صورت اور حسین آواز والا مبعوث فرمایا ہے۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ حسین صورت اور جمیل آواز والے تھے۔ حضور اقدس ﷺ قرآن شریف (گانے والوں کی طرح) آواز بنا کر نہیں پڑھتے تھے۔ فائدہ: اس حدیث کو پہلی حدیث سے بظاہر تعارض ہے، جس کی توجیہ گذشتہ حدیث کے ذیل میں گزر چکی ہے کہ آواز کو لوٹا کر پڑھنے کی نفی مقصود ہے، بعض علماء نے اس سے گانے کی آواز مراد لی ہے کہ گانے کی آواز سے تلاوت کی ممانعت متعدّد احادیث میں وارد ہوئی ہے۔

ليغفر لك الله: [أي: لتجتمع لك هذه الأمور الأربعة: وهي المغفرة، وإتمام النعمة، وهداية الصراط المستقيم، والنصر العزيز.]
رجّع: قال القاري: من الترجيع بمعنى التحسين، وإشباع المد في موضعه، وقال المناوي: أي ردّد صوته بالقراءة، ومنه ترجيع الأذان، أو قارب ضروب الحركات في الصوت، وقد فسره عبد الله بن مغفل بقوله: "آ آ آ" وذلك ينشأ غالباً عن أريحة وانبساط، والمصطفى ﷺ حصل له من ذلك حظ وافر يوم الفتح، وزعم ابن الأثير أن ذلك حصل من هز الناقة، ورُدّ: بأنه لو كان بغير اختيار لما حكاه عبد الله وفعله اقتداءً. وفيه: أنه لم يفعله بل تركه مخافة اجتماع الناس، ولو كان هذا باختياره ومما ينبغي أن يقتدى به فعله معاوية ولو اجتمع، بل أحب أن يجتمع له الناس؛ ولذا تعقب القاري على المناوي: بأن حكايته ليس للتأسي، بل للعلم بكيفيته.
الحدّاني: نسبة إلى حدان، بضم حاء وتشديد دال مهملتين، قبيلة من الأزد. حسام: بضم حاء مهملة بعدها سين مهملة، "مِصَك": بكسر ميم وفتح مهملة بعدها مثقّلة، ضعيف. قال الدار قطني: حسام متروك، ومن مناكيره حديث: ما بعث الله نبياً إلاحسن الصوت، وقال القسطلاني: حديث مقطوع ضعيف، قاله المناوي. قلت: وذلك؛ لأن قتادة تابعي.
إلا حسن: وفي هامش الكوكب عن شرح الشفاء للقاري: حكى الترمذي عن قتادة مرسلاً، ورواه الدار قطني من حديث قتادة عن أنس مرفوعاً: ما بعث الله نبيًا إلاحسن الوجه حسن الصوت، وكان نبيكم أحسنهم وجهاً وأحسنهم صوتا، وفيه أنه يشمل حسن صورة يوسف وحسن صوت داود، وتمامه فيه.

وكان نبيّكم ﷺ حَسَنَ الوجه حسن الصوت، وكان **لا يرجّع**. **حدثنا** عبد الله بن عبد الرحمن، حدثنا يحيى بن حسّان، حدثنا عبد الرحمن بن أبي الزِّناد، عن عمرو بن أبي عمرو، عن عِكْرِمة، **عن** (٨) ابن عباس رضي الله عنهما قال: كان قراءة النبي ﷺ رُبّما يَسْمَعُهَا مَنْ في **الحجرة** وهو في البيت.

---

(٨) ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی آواز (صرف اس قدر بلند ہوتی تھی کہ) آپ اگر کوٹھڑی میں پڑھتے تو صحن والے سُن لیتے تھے۔

فائدہ: یعنی صحن سے آگے نہیں بڑھتی تھی۔ قرآن پاک کا آہستہ اور آواز سے پڑھنا دونوں مواقع کے لحاظ سے افضل ہیں، اگر ترغیب کا موقع ہو یا کوئی اور سبب جہر کی ترجیح کا ہو تو جہر سے پڑھے اور اگر ریاء وغیرہ کا خوف ہو تو آہستہ پڑھے، غرض یہ کہ موقع کے لحاظ سے مختلف ہوتا رہتا ہے۔ اسی لئے نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ آواز سے قرآن پاک پڑھنے والا ایسا ہے جیسا اعلان سے صدقہ کرنے والا اور آہستہ قرآن شریف پڑھنے والا ایسا ہے جیسا کہ چپکے سے صدقہ کرنے والا، اور صدقہ کے متعلق اظہار اور اخفا کا افضل ہونا موقع کے لحاظ سے بدلتا رہتا ہے، اسی طرح تلاوت کا بھی حکم ہے۔

لا يرجّع: أي: قصداً، أو ترجيع الغناء، قاله القاري، وقد علمت أن الحديث ضعّف، وقال البيجوري: أي لا يرجع في بعض الأحيان، أو كان لا يرجع ترجيع الغناء فلا ينافي مامر. قلت: وعلى الأول، فيكون دليلا على جواز القراءة بدون تحسين الصوت في بعض الأحيان للضرورة. الحجرة: هي الأرض المحجورة أي: الممنوعة بحائط محوط عليها، والمراد: صحن البيت، والمعنى: أنه ﷺ إذا قرأ في البيت ربما يسمع قراءته من في صحنه، ولا تجاوز صوته عنهم إلى ما وراء الحجرة، وقال القاري: يحتمل أن يكون المراد بالبيت هو الحجرة نفسها أي: يسمع من في الحجرة وهو ﷺ فيها.

بابُ ما جاءَ في **بكاء** رسول الله ﷺ

حدثنا سُوید بن نصر، أخبرنا عبد الله بن المبارك، عن حماد بن سَلَمة، عن ثابت، عن **مُطرِّف**

باب۔ حضور اقدس ﷺ کی گریہ وزاری کا ذکر

فائدہ: آدمی کا رونا چند وجوہ سے ہوتا ہے، کبھی رحمت اور مہربانی کی وجہ سے ہوتا ہے، کبھی خوف کی وجہ سے ہوتا ہے، کبھی اشتیاق و محبت کی وجہ سے ہوتا ہے، کبھی غلبۂ خوشی سے ہوتا ہے، کبھی کسی درد وغیرہ کی تکلیف کی وجہ سے اور کبھی رنج کی وجہ سے ہوتا ہے، کبھی کسی کے ظلم کی وجہ سے ہوتا ہے، ایک رونا توبہ کا ہوتا ہے جو گناہ کے صادر ہو جانے سے آتا ہے۔ ایک رونا نفاق کا کہلاتا ہے جو کسی دوسرے کے دکھلانے کی وجہ سے نماز وغیرہ میں خشوع خضوع ظاہر کرنے کے طور پر رویا جائے، ایک رونا مانگے کا کہلاتا ہے جیسے کسی کے مردہ کو بلا مزدوری لئے رویا جائے، ایک رونا مزدوری کا رونا کہلاتا ہے، جیسا کہ کسی میت کے گھر مزدوری لے کر رویا جائے، جیسا کہ بعض جگہ دستور ہے، ایک موافقت کا رونا کہلاتا ہے وہ یہ کہ کسی کو روتا ہوا دیکھ کر رونا آجائے وغیرہ وغیرہ۔ نبی کریم ﷺ کا گریہ اکثر میت پر شفقت و رحمت یا امت پر خوف یا اللہ کے ڈر یا اُس کے اشتیاق سے ہوتا تھا جیسا کہ روایات سے معلوم ہوگا، انہی اقسام کا رونا محمود ہے۔ مشائخ نے لکھا ہے کہ ایک رونا جھوٹ کہلاتا ہے، وہ اُس شخص کا رونا ہے جو کسی گناہ پر روئے اور اُس پر جما رہے۔ شرّاح حدیث نے لکھا ہے کہ حضرت داوٗد علیہ السلام کا رونا رنج کا رونا تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا رونا شوق کا رونا تھا اور نبی کریم علیہ افضل الصلوات والتسلیم کا رونا محبت کا رونا تھا۔ بندہ کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ راتوں کا اکثر رونا اس ذیل میں تھا ورنہ جیسا ابھی گزرا حضور کا رونا مختلف انواع کا ہوتا تھا، چنانچہ مختلف انواع کی روایات آرہی ہیں۔

بكاء: [بالمد والقصر، وهو أنواع: بكاء رحمة ورأفة، وبكاء خوف وخشية، وبكاء محبة وشوق، وبكاء فرح وسرور، وبكاء جزع وفزع، وبكاؤه ﷺ تارة يكون رحمة وشفقة على الميّت، وتارة يكون خوفًا على أمّته، وتارة يكون خشية من الله تعالى.] قال القاري: هو بضم الموحدة مقصوراً: خروج الدمع مع الحزن، وممدوداً: خروجه مع رفع الصوت، كذا ذكره بعض الشراح، وأطلق صاحب القاموس حيث قال: بكى يبكي بكاء وبكا. وقال المناوي: قيل: بالمد إذا كان الصوت أغلب، وبالقصر إذا كان الحزن أغلب. مطرف: بضم الميم وفتح الطاء المهملة وكسر الراء المشددة ابن الشخير بكسر المعجمتين المشددتين فمثناة تحتية فراء مهملة.

–وهو ابن عبد الله بن الشِّخِير – **عن**[1] أبيه قال: أتيت رسول الله ﷺ وهو يصلّي، ولجوفه **أزيز** كأزيز المِرجل **من البكاء**. **حدثنا** محمود بن غيلان، حدثنا معاوية بن هشام، حدثنا **سفيان**، عن الأعمش عن **إبراهيم**، عن **عَبيدة**، **عن**[2] عبد الله بن مسعود رضي الله عنه قال: قال لي رسول الله ﷺ:

مثل آواز دیگ روغن

اس باب میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے چھ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) عبد اللہ بن شخیر کہتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور نماز پڑھ رہے تھے اور رونے کی وجہ سے آپ کے سینہ سے ایسی آواز نکل رہی تھی جیسے ہنڈیا کا جوش ہوتا ہے۔

فائدہ: یہ حضور اقدس ﷺ کے کمال خشوع و خضوع کی وجہ سے تھا۔ بعض مشائخ نے لکھا ہے کہ یہ حالت حضور اقدس ﷺ پر اُس وقت ہوتی تھی جب اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کی صفاتِ جلالیہ اور صفاتِ جمالیہ دونوں کا ظہور اکٹھے ہوتا تھا اور صفات جلالیہ کے ظہور کی تو کوئی چیز طاقت ہی نہیں رکھتی البتہ صرف صفاتِ جمالیہ کا جس وقت ظہور ہوتا تھا اُس وقت ایک سرور اور انبساط کی کیفیت پیدا ہوتی تھی اور حضور کے طفیل مشائخِ سلوک کو بھی یہی دو کیفیتیں پیش آتی ہیں۔

(۲) عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ سے حضور ﷺ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ قرآن شریف سُناؤ (شاید حضور نے اس لئے ارشاد فرمایا ہو کہ سُننے میں غور وتدبّر پڑھنے سے زیادہ ہوتا ہے یا کسی اور وجہ سے سننے کی رغبت فرمائی ہو کہ بہت

أزيز: بالزائين المعجمتين بينهما تحتية على وزن فعيل أي: غليان، وقيل: صوت. والمرجل بكسر الميم وفتح الجيم: القدر من نحاس أو حجر أو حديد أو غير ذلك، أو القدر مطلقا كما اختاره الحافظ ابن حجر. من البكاء: [أي: من أجله بسبب عظم الخوف والإجلال لله سبحانه وتعالى.] قال الحراني: ومن هذا الحديث ونحوه استن أهل الطريق الوجد والتواجد في أحوالهم. سفيان: قال المناوي: لعله سفيان بن وكيع. والظاهر عندي أنه الثوري؛ فإن الحديث أخرجه البخاري عنه عن الأعمش، وذكر الحافظ في مشائخ معاوية بن هشام الثوري.

إبراهيم: قال المناوي: هو متعدد، فليحرر ما المراد به. قلت: هو إبراهيم النخعي التابعي الشهير، جزم به الحافظان في الفتح والعيني. ثم الحديث أخرجه المصنف برواية أبي الأحوص، عن الأعمش، عن إبراهيم، عن علقمة، عن عبد الله، ثم قال: هكذا روى أبو الأحوص، وإنما هو إبراهيم عن عبيدة عن عبد الله. عبيدة: بفتح عين مهملة وكسر باء موحدة، ابن عمرو السلماني التابعي، كذا في الشروح وكتب الرجال.

اقرأ عليّ، فقلت: يا رسول الله! أقرأ عليك وعليك أُنــزل؟ قال: إني أُحبُّ أن أَسْمعه من غيري، فقرأت سورة النِّسآء حتى بلغت ﴿وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلاءِ **شَهِيداً**﴾ [النساء: ٤١] قال: فرأيت عيني النبي ﷺ **تَهْمُلان**. **حدثنا** قتيبة، حدثنا جريرٌ، عن عطاء بن السائب، عن أبيه،

سی وجوہ اس کی ہو سکتی ہیں، مثلاً یہی کہ قرآن شریف سننے کی سنیت بھی حضور کے فعل سے ثابت ہو جائے) میں نے عرض کیا کہ حضور آپ ہی پر تو نازل ہوا ہے اور آپ ہی کو سُناؤں؟ (شاید ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ خیال ہوا ہو کہ سُنانا تبلیغ اور یاد کرانے کے واسطے ہوتا ہے) حضور نے ارشاد فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ دوسرے سے سُنوں۔ میں نے امتثالِ حکم میں سُنانا شروع کیا اور سورۂ نساء (جو چوتھے سپارہ کے پونے سے شروع ہوتی ہے) پڑھنا شروع کی۔ میں جب اس آیت پر پہنچا۔ ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾ [النساء: ٤١] تو میں نے حضور کے چہرۂ مبارک کی طرف دیکھا کہ دونوں آنکھیں گریہ کی وجہ سے بہہ رہی تھیں۔

فائدہ: حضور اکرم ﷺ کا یہ رونا کلامِ الٰہی کے سُننے سے ہو کہ تلاوتِ کلام اللہ کی شان یہی ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ تلاوت کے وقت رونا عارفین کی شان ہے اور صالحین کا شعار ہے۔ حق تعالیٰ شانہ نے کلام پاک میں متعدد جگہ اس کی تعریف کی ہے چنانچہ ارشاد ہے: ﴿إِذَا تُتْلَى عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّحْمَنِ﴾ [مریم: ٥٨] جب ان پر رحمن کی آیتیں پڑھی جاتی تھیں تو زمین پر گر جاتے سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے، دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ﴾ [الإسراء: ١٠٧] کہ یہ قرآن شریف جب اُن پر پڑھا جاتا ہے تو ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہیں روتے ہوئے اور یہ قرآن شریف یعنی اس کا سننا ان کے خشوع کو اور بڑھا دیتا ہے اور ظاہر ہے کہ حضور سے زیادہ ان آیات کے مطابق اور کون ہو سکتا ہے۔ اس لئے حضور کا یہ رونا کلام اللہ شریف کی عظمت و جلال کی وجہ سے ہونا قرینِ قیاس ہے۔ اس صورت میں حضور پہلے سے رو رہے ہوں اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی نگاہ اسی وقت پڑی ہو قرینِ قیاس ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ خاص اُس آیت پر حضور کو رونا

شهيدا: أي مزكيا أو مثنيا أو مشاهداً أو حاضراً. تهْمُلان: بفتح التاء وكسر الميم وضمها أي تسيلان، ولفظ الصحيحين: حتى أتيت هذه الآية قال: حسبك، فالتفت إليه فإذا عيناه تذرفان. [أي: تسيل دموعهما لفرط رأفته ومزيد شفقته ﷺ لأنه استحضر أهوال القيامة.]

(۳) عن عبد الله بن عمرو قال: انکسفت الشمس **يوماً** على عهد رسول الله ﷺ، فقام رسول الله ﷺ يصلّي حتى **لم يكد يركع**، ثم **ركع** فلم يكْد يرفع رأسه، ثم رفع رأسه فلم يكد أن يسجد،
أي في زمان رسول ﷺ — أي لم يقرب

آیا ہو کہ اس آیتِ شریفہ کا ترجمہ یہ ہے: اُس وقت بھی کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے ایک ایک گواہ کو حاضر کریں گے اور آپ کو ان لوگوں پر گواہی دینے کے لئے حاضر کریں گے۔ یہ قیامت کا منظر ہے کہ اُس دن ہر نبی کو ان کی امت پر گواہی دینے کے لئے بطور سرکاری گواہ کے لایا جائے گا، جس کے حالات محشر کی احادیث میں مفصل موجود ہیں، اس صورت میں حضور کا یہ رونا قیامت اور محشر کے سخت حالات کے تصور سے ہو کہ نہایت ہی سخت دن ہوگا اور ہر شخص نفسی نفسی میں مبتلا ہوگا اور ممکن ہے کہ حضور کو چونکہ اس آیتِ شریفہ میں بطور گواہ کے پیش ہونے کا ارشاد ہے تو اس گواہی کی شدت کی وجہ سے خوف ہو، چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ حضور نے اس وقت جب یہ آیت پڑھی گئی یہ کہا: یا اللہ! جو لوگ میرے سامنے نہیں ہیں ان پر کیسے گواہی دوں گا؟ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس گواہی کے سلسلہ میں قیامت کا منظر سامنے آیا اور امت کی فکر حضور کو ہر وقت رہتی ہی تھی اس لئے امت کے گناہ گاروں کے حال پر شفقت کی وجہ سے رونے کا غلبہ ہوگیا۔
ان میں سے ہر وجہ ایسی ہے کہ وہ گریہ کا سبب بن سکتی ہے اور ان سب کا مجموعہ اور ان کے علاوہ اور بھی وجوہ ہو سکتی ہیں۔

(۳) عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں ایک مرتبہ سورج گہن ہوا (یہ قصّہ جمہور کے نزدیک سنہ ۱۰ ہجری کا ہے) حضور اقدس ﷺ مسجد میں تشریف لے گئے اور نماز شروع فرما کر اتنی دیر تک کھڑے رہے گویا رکوع کرنے کا ارادہ ہی نہیں ہے (دوسری روایت میں ہے کہ سورۂ بقرہ پڑھی تھی) اور پھر رکوع اتنا طویل کیا کہ گویا رکوع سے اٹھنے کا ارادہ ہی نہیں، پھر ایسے ہی رکوع کے بعد سر اٹھا کر قومہ میں بھی اتنی دیر تک کھڑے رہے گویا سجدہ کرنا ہی نہیں ہے،

يوماً: [وذلك اليوم: هو يوم ولده إبراهيم] اختلفوا في أن الكسوف وقع في عهده مرة أو أكثر منها؟ فالجمهور من أهل الحديث وأهل السير على الأول، وقوى النووي وغيره الثاني. لم يكد يركع: [وهو كناية عن طول القيام مع القراءة، فإنه قرأ قدر البقرة في الركعة الأولى.] ركع: اختلفت الروايات في عدد الركوع إلى ست ركوعات، فقالت الشافعية وغيرهم: إن مازاد على الركوعين وهم أو مرجوح، والراجح روايات الركوعين، وقالت الحنفية: إن الأصل في الصلوة ركوع واحد، وهو المؤيد بالروايات القولية، وروايات الفعل متعارضة، فبقي الاستدلال بالقول سالماً عن المعارضة.

ثم سجد فلم يكد أن يرفع رأسه، ثم رفع رأسه فلم يكد أن يسجد، **ثم سجد** فلم يكد أن يرفع رأسه، فجعل **ينفخ** ويبكي ويقول: رَبّ! ألم تعدْني أن لا تعذّبهم وأنا فيهم؟ ربّ! ألم تعدني ألاّ تعذّبهم **وهم يستغفرون**؟ ونحن نستغفرك. فلمّا صلّى ركعتين انجلت الشمس، فقام فحمد الله تعالى، وأثنى عليه، ثم قال: إن الشّمس والقمر آيتان من آيات الله،

پھر سجدہ کیا اور اس میں بھی سر مبارک زمین پر اتنی دیر تک رکھے رہے گویا سر اٹھانا ہی نہیں ہے، اسی طرح سجدہ سے اٹھ کر جلسہ اور پھر جلسہ کے بعد دوسرے سجدہ میں۔ غرض ہر ہر رکن اس قدر طویل ہوتا تھا کہ گویا یہ ہی رکن اخیر تک کیا جائے گا، دوسرا کوئی رکن نہیں ہے (اسی طرح دوسری رکعت پڑھی اور اخیر سجدہ میں) شدّتِ غم اور جوش کے سے سانس لیتے تھے اور روتے تھے اور حق تعالیٰ جَلَّ شَانُہٗ کی بارگاہِ عالی میں یہ عرض کرتے تھے کہ اے اللہ! تو نے مجھ سے یہ وعدہ کیا تھا کہ میری موجودگی تک اُمت کو عذاب نہ ہوگا، اے اللہ! تو نے ہی یہ وعدہ کیا تھا کہ جب تک یہ لوگ استغفار کرتے رہیں گے، عذاب نہیں ہوگا، اب ہم سب کے سب استغفار کرتے ہیں۔ (حضور کا یہ ارشاد اُس مضمون کی طرف اشارہ ہے جو کلام اللہ شریف میں نویں پارہ کے اخیر میں ہے۔ ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ﴾ [الأنفال:۳۳] اس آیتِ شریفہ کا ترجمہ یہ ہے کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ ایسا نہ کریں گے کہ ان لوگوں میں آپ کے موجود ہوتے ہوئے ان کو عذاب دیں اور اس حالت میں بھی ان کو عذاب نہ دیں گے کہ وہ استغفار کرتے رہتے ہوں) حضور اکرم ﷺ جب نماز سے فارغ ہوئے تو آفتاب نکل چکا تھا۔ حضور نے اس کے بعد وعظ فرمایا، جس میں حق تعالیٰ جَلَّ شَانُہٗ کی حمد و ثنا کے بعد یہ مضمون ارشاد

ثم سجد: ولفظ أبي داود: ثم سجد فلم يكد يرفع، ثم رفع وفعل في الركعة الأخرى مثل ذلك، ثم نفخ في آخر سجوده فقال: أف أف، ثم قال: رب! ألم تعدني، الحديث. علم منه أن في رواية الشمائل اختصاراً. ينفخ: قال القاري والمناوي: أي بغير أن يظهر من فمه حرفان. قلت: فلا بطلان للصلوة ولا حاجة إلى تضعيف الحديث، ولفظ أبي داود: ثم نفخ في آخر سجوده فقال: أف أف، وكتب الوالد المرحوم في تقريره عليه: هذه حكاية لصوته ﷺ ثمة، ولا يستلزم صدور الحروف في الحكاية صدورها في المحكي عنه، ولا يلزم فساد الصلوة، وهذا كما في حكايتهم لصوت الغراب بـ "غاق" مع أن شيئا من الحروف لا يصدر منه، فإثبات الحروف في الحكاية لضرورة النقل أو الكتابة. فللّه درّه، برد الله مضجعه، فما أجادا. وهم يستغفرون: [إشارة إلى قول الله عزوجل: ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ﴾ [الأنفال: ۳۳]

فإذا انكسفا فافزعوا إلى ذكر الله تعالى. **حدثنا** محمود بن غيلان، حدثنا أبو أحمد، حدثنا [بادروا إلى الصلاة]
سفيان، عن عطاء بن السائب، عن عكرمة، **عن** (٤) ابن عباس رضي الله عنهما قال: أخذ رسول الله ﷺ **ابنة**

فرمایا کہ شمس و قمر کسی کی موت یا حیات کی وجہ سے گہن نہیں ہوتے بلکہ یہ حق تعالیٰ جَلَّ شَانُہٗ کی دو نشانیاں ہیں (جن سے حق سبحانہ اپنے بندوں کو عبرت دلاتے ہیں اور ڈراتے ہیں) جب یہ گہن ہو جایا کریں تو اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کی طرف فوراً متوجہ ہو جایا کرو (اور استغفار و نماز شروع کر دیا کرو)۔ فائدہ: اس وعظ کی یہ مصلحت تھی کہ ایامِ جاہلیت میں یہ بات مشہور تھی کہ چاند و سورج کا گہن کسی بڑی موت یا کسی بڑے شخص کی پیدائش کی وجہ سے ہوتا ہے اور اتفاقِ وقت کہ حضور کے زمانہ میں جب گہن ہوا تو اُسی دن صاحبزادۂ اقدس حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال بھی ہوا تھا۔ اس لئے اُس سے جاہلی خیال کی اور بھی تائید ہوتی تھی اور لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ گہن حضرت ابراہیم کے انتقال کی وجہ سے ہوا۔ صلوۃ الکسوف میں ائمہ کا خلاف ہے کہ ایک رکوع سے پڑھنی چاہئے یا ایک سے زائد رکوع کے ساتھ۔ حنفیہ کا مسلک ایک ہی رکوع کا ہے، اس حدیث سے اُن کی تائید ہوتی ہے، باقی علمی بحث اور فریقین کے دلائل اس جگہ سے مناسبت نہیں رکھتے۔

(۴) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور کی ایک لڑکی قریب الوفات تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو گود میں اُٹھایا اور اپنے سامنے رکھ لیا۔ حضور کے سامنے ہی رکھے رکھے اُن کی وفات ہو گئی۔ امّ ایمن (جو حضور کی ایک باندی تھیں) چلا کر رونے لگیں۔

فإذا انكسفا: [أي: أحدهما؛ لأنهما لا يجتمعان عادة.] فافزعوا: بفتح الزاي أي: خافوا وتضرعوا والتجؤوا وبادروا إلى ذكر الله، وفي رواية لأبي داود والنسائي: "إنما هذه الآيات يخوف الله بها عباده، فإذا رأيتموها فصلوا وتذكروا"، وجاء في بعض الروايات: "آيتان من آيات الله، وإن الله سبحانه إذا تجلّى لشيء من خلقه خضع له"، وظاهره أن سبب الكسوف خشوعها له، وسببه: أن النور والإضاءة من عالم الجمال، فإذا تجلت صفة الجلال انطمست الأنوار الإلهية، وذلك لا يبطل قول أهل الهيئة: إن الكسوف أمر عادي، لا يتقدم ولا يتأخر؛ لأن ذلك لا ينافي كون ذلك تخويفا لعباده، ومن ثم قال القشيري: لا تنافي بين ما قالوه وبين الحديث؛ لأن له تعالى أفعالاً بحسب العادة وأفعالا خارجة عنها، وقدرته حاكمة على كل سبب، يقطع مايشاء عن الأسباب والمسببات بعضها عن بعض، فالعارفون لقوة اعتقادهم في عموم قدرته على خرق العادة، إذا وقع شيء غريب قوي خوفهم، وذلك لا يمنع أن يكون ثمة أسباب تجري عليها العادة.

ابنة: قيل: لا يخلو هذا الحديث عن إشكال؛ لأن المراد بنته حقيقة، كما هو ظاهر اللفظ فهو مشكل؛ لأن أرباب السير والحديث اتفقوا على أن بناته ﷺ كلهن مُتْنَ في الكبر، وأما أن يراد ابنة إحدى بناته فيكون الإضافة مجازية، وهو ليس ببعيد، =

له **تقضي**، **فاحتضنها**، فوضعها بين يديه، فماتت وهي بين يديه، وصاحت **أم أيمن**، فقال - يعني النبي ﷺ -: أتبكين عند رسول الله؟ فقالت: ألست أراك **تبكي**؟ قال: إني لست أبكي،

الاحتضان: چیزی بغل گرفتن

حضور نے فرمایا: کیا اللہ کے نبی کے سامنے ہی چلا کر رونا شروع کر دیا؟ (چونکہ حضور کے بھی آنسو ٹپک رہے تھے اس لئے) انھوں نے عرض کیا کہ حضور بھی تو رو رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ ممنوع رونا نہیں، یہ اللہ کی رحمت ہے (کہ بندوں کے قلوب کو نرم فرمادیں اور اُن میں شفقت و رحمت کا مادّہ عطا فرمادیں) پھر حضور نے فرمایا کہ مومن ہر حال میں خیر ہی میں رہتا ہے، حتی کہ خود اُس کا نفس نکالا جاتا ہے اور وہ حق تعالیٰ کی حمد کرتا ہے۔

فائدہ: اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ قصّہ کس صاحبزادی کا ہے؟ محدّثین اور مورّخین کی تحقیق کے موافق صاحبزادیوں میں کسی کا بھی یہ واقعہ نہیں بنتا، بلکہ دھیوتی یا دھیوتے کا ہے اور ممکن ہے کہ کوئی سے صاحبزادہ کا ہو کہ بواسطہ اولاد کے واقعات میں اس قسم کے حالات پیش آئے ہیں۔ جس کا بھی واقعہ ہو، اس جگہ مقصود حضور اقدس ﷺ کی نرم دلی کا بیان کرنا ہے کہ سنگدلی شفقت کے خلاف ہے اور اولاد کے ساتھ فطری محبت نہ نبوت کے منافی ہے نہ ولایت کے بلکہ نرم دلی ممدوح ہے۔

= لكن لم ينقل أن ابنة إحدى بناته ماتت في الصغر إلا مافي مسند أحمد عن أسامة قال: أتي النبي ﷺ بأمامة بنت أبي العاص من زينب بنت رسول الله ﷺ وهو في النـــزع، لكنه أشكل أيضاً: بأن أهل التاريخ قالوا: إن أمامة عاشت بعده حتى تزوجها علي ﷺ، ولذا حملوا رواية أحمد على أنها أشرفت على الموت، ثم عافاها الله ببركة النبي ﷺ، وهو مختار الحافظ في الفتح، قالوا: وقع الوهم في حديث الباب، والمراد به أحد بنيه، فإنهم ماتوا صغاراً في حياته ﷺ، أو المراد ابن بعض بناته، قال القاري: وهو الظاهر، ففي الأسباب الميلادي: أن عبد الله بن عثمان من رقية مات في حجره ﷺ فبكى، وقال: إنما يرحم الله من عباده الرحماء، وفي مسند البزار عن أبي هريرة ﷺ قال: ثقل ابن لفاطمة فبعث إلى النبي ﷺ. الحديث، وللبخاري عن أسامة قال: أرسلت بنت النبي ﷺ إليه أن ابنا لي قبض فأتنا، الحديث.

تقضي: بفتح التاء وكسر الضاد المعجمة، يريد أن تموت من القضاء وهو الموت، وقيل: أصل "قضى" مات، فاستعماله ههنا للإشراف على الموت مجاز. فاحتضنها: [أي: حملها في حضنه، وهو: ما دون الإبط إلى وسط الظهر، أي الكشح.] أم أيمن: [توفيت بعد عمر بعشرين يوماً، وكثيراً ما كان يقول النبي ﷺ: هي أمّي بعد أمّي، وبقية أهل بيتي، وقد شهدت أحداً وكانت تسقي الماء وتداوي الجرحى، وشهدت خيبر.] هي حاضنة النبي ﷺ ومولاته، ورثها من أبيه، وأعتقها حين تزوج خديجة، وزوّجها لزيد مولاه، فولدت له أسامة. تبكي: ولا ينافي قول عائشة: ما بكى رسول الله ﷺ على ميّت قط، وإنما غاية حزنه أن يمسك لحيته؛ لأن المراد ما بكى أسفا، بل رحمة، قاله القاري. قلت: بل ما بكى صياحاً بل أسال دمعاً.

إنما هي رحمة، إن المؤمن بكل خير على كل حالٍ، إن نفسه تنــزع من بين جنبيه، وهو يحمد
أي البكاء رحمة، والتأنيث باعتبار الخبر — فإن الموت تحفة المؤمن
الله تعالى. **حدثنا** محمد بن بشار، حدثنا عبد الرحمن بن مهديّ، حدثنا سفيان، عن عاصم
الثوري
بن عبيد الله، عن القاسم بن محمد، **عن** [٥] عائشة رضي الله عنها أن رسول الله ﷺ قَــبَّل **عثمان بن**
ابن أبي بكر
مظعون وهو **ميّتٌ وهو يبكي**، أو قال: وعيناه **تُهْرقان**. **حدثنا** إسحاق بن منصور، أخبرنا
أبو عامر، حدثنا **فُليح** – وهو ابن سليمان – عن هلال بن علي، **عن** [٦] أنس بن مالك رضي الله عنه قال:

---

(۵) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور ﷺ نے عثمان بن مظعون کی پیشانی کو اُن کی وفات کے بعد بوسہ دیا، اُس وقت حضور کے آنسو ٹپک رہے تھے۔ فائدہ: یہ جلیل القدر صحابی حضور کے رضاعی بھائی ہیں۔ ابتدائے اسلام میں تیرہ نفر کے بعد مسلمان ہوئے تھے، اول حبشہ کو ہجرت کی، اُس کے بعد مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ بڑے عابد زاہد تھے، شراب پینا جب جائز تھا جب بھی انھوں نے اس کا استعمال ترک کر رکھا تھا۔ مہاجرین میں سب سے پہلے ان کی ہی وفات ہوئی ہے، شعبان دو ہجری میں اُن کا انتقال ہوا اور بقیع میں دفن ہوئے۔

(٦) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ صاحبزادی (ام کلثوم) کی قبر پر تشریف فرما تھے اور آپ کے آنسو جاری تھے۔ حضور نے یہ ارشاد فرمایا کہ قبر میں وہ شخص اُترے جس نے آج رات مجامعت نہ کی ہو۔ ابو طلحہ نے عرض کیا کہ میں ہوں۔

عثمان بن مظعون: [وكان أخاه ﷺ من الرضاعة، وهو قرشي، أسلم بعد ثلاثة عشر رجلا، وهاجر الهجرتين، وشهد بدراً. وكان حرّم الخمر في الجاهلية، وهو أوّل من مات من المهاجرين بالمدينة في شعبان على رأس ثلاثين شهراً من الهجرة، وكان عابدا مجتهدا من فضلاء الصحابة، ودفن بالبقيع، ولما دفن قال ﷺ "نعم السلف هو لنا".]
ميّتٌ: وفي كتاب الوفاء لابن الجوزي عن عائشة قالت: لما مات عثمان بن مظعون كشف النبي ﷺ الثوب عن وجهه وقبّل بين عينيه، ثم بكى طويلاً فلمّا رفع عن السرير قال: طوبى لك يا عثمان! لم تلبسك الدنيا و لم تلبسها.
وهو يبكي: [والحال أنه ﷺ يبكي حتى سالت دموعه على وجه عثمان.] تُهْرقان: بضم التاء وفتح الهاء وسكونها مضارع مبني للمفعول، قال العصام: فيه لغتان: فتح الهاء على أنها عوض عن الهمزة، وحينئذٍ ماضيه هراق، وسكون الهاء على أنها زيدت والماضي أهراق، ورواية الكتاب على الوجهين. فُليح: بضم فاء وفتح لام وسكون تحتية فحاء مهملة.

شهدنا **ابنة** لرسول الله ﷺ، ورسول الله ﷺ جالس على القبر، فرأيت عينيه تدمعان، فقال: أفيكم رجل **لم يقارف** الليلة؟

حضور کے فرمانے سے وہ قبر میں اترے۔ فائدہ: کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر تعریض تھی کہ وہ باوجود یہ کہ اُن کی بیوی حضور کی بیٹی سخت بیمار تھیں حتی کہ اسی دن انتقال ہوگیا، اس کے باوجود وہ اس شب میں اپنی ایک باندی کے ساتھ مشغول رہے۔ بعض علماء نے **لَمْ يُقَارِفْ** کا ترجمہ "صحبت نہ کرنے" کا نہیں کیا بلکہ "گناہ نہ کرنے" کا کیا ہے اور بعض علماء نے "بات نہ کرنے" کا ترجمہ کیا ہے کہ عشاء کے بعد بات کرنا پسند نہ تھا، مشہور معنی پہلے ہیں اور تعریض میں کوئی اشکال نہیں ہے کہ تعلقات کی قوت پر شکایت ہوتی ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ فعل بضرورت ہو تو کوئی اشکال ہی نہیں اور پھر موت کا حال کس کو معلوم ہو سکتا ہے، حضور کا مقصود بھی غالباً لطیف تنبیہ تھی نہ کہ عتاب۔ اور عجب نہیں کہ تنبیہ کی غرض یہ ہو کہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح اہم تھا کہ اللہ کے حکم سے ہوا تھا۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی ہمشیرہ یعنی عثمان رضی اللہ عنہ کی پہلی بیوی کا جب انتقال ہوا تو حضور نے ارشاد فرمایا تھا کہ اگر میری سو بیٹیاں ہوتیں اور یکے بعد دیگرے مرتی رہتیں تو میں سب کا نکاح یکے بعد دیگرے عثمان سے کرتا۔ یہ جبرئیل یہ کہہ رہے ہیں کہ اللہ نے حکم فرمایا ہے کہ میں ام کلثوم کا نکاح عثمان سے کروں۔ ایسی صورت میں ام کلثوم جیسی بیوی کی بیماری یقیناً لطیف تنبیہ اور تعریض کے مناسب تھی۔ واللہ اعلم۔

ابنة: هي أم كلثوم، كما رواه الواقدي عن فليح بهذا الإسناد، وكذا أخرجه ابن سعد في الطبقات في ترجمة أم كلثوم، ووهم من قال: إنها رقية؛ لأنها دفنت والنبي ﷺ ببدر، والقول "بأنها بنت له صغيرة غيرهما" رد بأنه لم يثبت، وبالأول جزم الحافظ في الفتح، وذكر له الشواهد، وردّ القولين الآخرين.

لم يقارف: بقاف وفاء، زاد ابن المبارك عن فليح: أراه يعني الذنب، ذكره البخاري عنه تعليقا، وقيل: معناه: لم يجامع الليلة، وبه جزم ابن حزم، ويقويه مافي رواية بلفظ: لا يدخل القبر أحد قارف أهله البارحة فتنحّى عثمان، وحكى عن الطحاوي أنه قال: "لم يقارف" تصحيف، والصواب "لم يقاول" أي: لم ينازع غيره الكلام؛ لأنهم كانوا يكرهون الحديث بعد العشاء، وتعقب: بأنه تغليط للثقة بغير مستند، وكأنه استبعد أن يقع لعثمان ذلك؛ لحرصه على مراعاة الخاطر الشريف، ويجاب عنه: باحتمال أن يكون مرض المرأة طال، واحتاج عثمان إلى الوقاع، ولم يظن أنها تموت تلك الليلة، وليس في الخبر ما يقتضي أنه واقع بعد موتها، بل ولا حين احتضارها.

قال **أبو طلحة**: أنا، قال: انـــزل، **فنـــزل** في قبرها.

أبو طلحه: [هو زيد بن سهل الأنصاري الخزرجي، غلبت عليه كنيته، صحابي مشهور، شهد المشاهد كلها، قتل يوم حنين عشرين رجلا وأخذ أسلابهم، وفضائله كثيرة، وزوّج من أُمّ أنس أُمّ سليم بعد وفاة زوجها.]

فنـــزل: في قبرها، يشكل عليه: نـــزول الأجانب في قبر المرأة مع وجود المحرم، ويمكن أن يجاب عنه: بأنه لا محظور فيه إلا ترك الاستحباب، كما صرح به ابن نجيم في البحر، وترك الاستحباب لمثل هذا التنبيه الذي كان مقصوداً هناك مما لا استبعاد فيه، مع أنه يحتمل أن يكون بعض الأعذار هناك في المحارم، وإن كان المقصود بيان الجواز فلا إشكال.

بابُ ما جاء في فراش رسول الله ﷺ

حدثنا علي بن حُجر أخبرنا عليّ بن **مُسهر**، عن هشام بن عروة، عن أبيه، عن[1] عائشة رضي الله عنها قالت: إنما كان فراش رسول الله ﷺ الذي ينام عليه **من أدم، حشوه** ليف.

باب۔ اُن روایات کا ذکر جو حضور اقدس ﷺ کے بستر کے بارے میں وارد ہوئی ہیں

فائدہ: حضور اقدس ﷺ کس قسم کے بستر پر آرام فرماتے تھے، وہ ان روایات سے معلوم ہو گا جو مصنّف رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں ذکر فرمائی ہیں اور ہم امتیوں کے قالینوں اور فرشوں کا کیا حال ہے، وہ نگاہوں کے سامنے ہے۔ مصنف نے اس باب میں دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں:

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے سونے اور آرام فرمانے کا بستر چمڑہ کا ہوتا تھا جس میں کھجور کے درخت کی چھال بھری ہوئی تھی۔ فائدہ: حضور اقدس ﷺ کا بسترہ کبھی چمڑہ کا ہوتا تھا جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا، کبھی صرف ٹاٹ کا جیسا کہ دوسری حدیث میں آرہا ہے، کبھی صرف بوریا ہوتا تھا۔ متعدّد احادیث میں یہ مضمون وارد ہے کہ صحابہ جب نرم بسترہ بنانے کی درخواست کرتے تو حضور یہ ارشاد فرمادیا کرتے تھے کہ مجھے دنیاوی راحت وآرام سے کیا کام۔

فراش: [الفراش ما امتد على وجه الأرض، فرش له أي بسط، والمراد هنا ما جاء في خشوافته ليقتدى به في ذلك، والفراش ما يفرش ويبسط الرجل تحته سواء للجلوس أو النوم.] فراش: الفراش بكسر الفاء: ما يبسط الرجل تحته، ويجمع على فرش بضمتين، فعال بمعنى مفعول كلباس بمعنى ملبوس. مُسهر: بضم ميم وسكون سين مهملة وكسرها.

من أدم: بفتحتين جمع أديم وهو الجلد المدبوغ أو الأحمر أو مطلق الجلد على ما في القاموس. حشوه: بالفتح، أي محشوه والضمير للفراش، وقيل: للأدم باعتبار اللفظ وإن كان معناه جمعاً، به جزم المناوي وغيره وردّه القاري بأنه إنما يصح لو كان الأدم اسم جمع، وحيث أنه جمع فلا مطابقة بين الضمير والمرجع.

(٢) **حدثنا** أبو الخطاب زياد بن يحيى البصري، حدثنا **عبد الله** بن ميمون، أخبرنا **جعفر** ابن محمد، **عن** أبيه قال: سئلت عائشة رضي الله عنها: ما كان فراش رسول الله ﷺ في بيتك؟ قالت: من اَدَم، حشوه ليف.
بکسر لام پوست درخت خرما

میری مثال تو اُس راہ گیر جیسی ہے جو چلتے چلتے راستہ میں ذرا آرام لینے کے لئے کسی درخت کے سایہ کے نیچے بیٹھ گیا ہو اور تھوڑی دیر بیٹھ کر آگے چل دیا ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمائی ہیں کہ ایک مرتبہ ایک انصاری عورت آئیں، انھوں نے حضور کا بستره دیکھا کہ عباء بچھار کھا ہے، انھوں نے واپس جاکر ایک بستره تیار کیا جس کے اندر اُون بھر رکھی تھی اور حضور کے لئے میرے پاس بھیج دیا۔ حضور تشریف لائے، اُس کو رکھا ہوا دیکھ کر دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کر دیا کہ فلاں انصاری عورت آئی تھیں، حضور کا بستر دیکھ کر کر یہ بنوا کر بھیجا ہے۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ اس کو واپس کر دے، مجھے وہ اچھا معلوم ہوتا تھا، اس لئے دل نہ چاہتا تھا کہ واپس کروں، مگر حضور نے اصرار فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ واللہ اگر میں چاہوں تو حق تعالیٰ جَلَّ شَانُهُ میرے لئے سونے اور چاندی کے پہاڑ چالو کر دیں۔ حضور کے اس ارشاد پر میں نے اُس کو واپس کر دیا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور ایک بوریے پر آرام فرما رہے تھے، جس کے نشانات حضور کے بدن اطہر پر ظاہر ہو رہے تھے۔ میں یہ دیکھ کر رونے لگا۔ حضور نے فرمایا کہ کیا بات ہوئی، کیوں رو رہے ہو؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ قیصر و کسری تو ریشم اور مخمل کے گدوں پر سوئیں اور آپ اس بوریے پر! حضور نے فرمایا: رونے کی بات نہیں ہے، ان کے لئے دنیا ہے اور ہمارے لئے آخرت ہے۔ حضرت عمر کے ساتھ بھی ایک مرتبہ اس قسم کا قصّہ پیش آیا کہ وہ حضور کی خدمت میں حاضرت ہوئے اور اسی نوع کے سوال جواب حضور سے ہوئے، جس کا مفصّل قصّہ بخاری میں ہے۔

(٢) امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے یہاں حضور کا بستره کیسا تھا؟ انھوں نے فرمایا، کہا: چمڑہ کا تھا جس کے اندر کھجور کے درخت کی چھال بھری ہوئی تھی۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ گھر میں حضور کا بستر کیسا تھا؟ انھوں نے فرمایا کہ ایک ٹاٹ تھا جس کو دوہرا کر کے ہم حضور کے نیچے بچھا دیا کرتے تھے۔

ليف: [أي محشوه من ليف النخل وما شابهه.] عبد الله: عبد الله بن ميمون بن داود القداح، فما في المصرية عبد الله بن مهدي غلط. جعفر: الصادق الإمام المشهور، وأبوه الإمام محمد الباقر، لكن الحديث منقطع؛ لأنه لم يلق حفصاً ولا عائشة.(قاري)

وسئلت حفصة ﷞: ما كان فراش رسول الله ﷺ في بيتك؟ قالت: مِسْحاً، **نثنيه ثنيتين** فينام عليه، فلما كان ذات ليلة قلت: لو ثنيته أربع ثنيات كان أوطا له (أي أوفق والين)، فثنيناه باربع ثنيات، فلما أصبح قال: ما فرشتموني اللّيلة؟ قالت: قلنا هو فراشك، إلا أنا ثنيناه بأربع ثنياتٍ، قلنا: هو أوطأ لك، قال: رُدُّوه لحاله الأولى، فإنه منعتني وطأته صلوتي اللَّيلة.

ایک روز مجھے خیال ہوا کہ اگر اس کو چوہرا کر کے بچھا دیا جائے تو زیادہ آرام ہو جائے گا، میں نے ایسے ہی بچھا دیا۔ حضور نے صبح کو دریافت فرمایا کہ میرے نیچے رات کیا چیز بچھائی تھی؟ میں نے عرض کیا کہ وہی روز مرہ کا بستر ہ تھا، رات اُس کو چوہرا کر دیا تھا کہ زیادہ نرم ہو جائے۔ حضور نے فرمایا کہ اُس کو پہلے ہی حال پر رہنے دو، اس کی نرمی رات مجھے تہجد سے مانع ہوئی۔
فائدہ: یعنی تہجد کے لئے آنکھ نہیں کھلی یا معمول کے لحاظ سے دیر میں کھلی کہ نرم بستر ہ پر نیند گہری آتی ہے اور زیادہ آتی ہے اور اگر کھردری چار پائی ہو، اول تو نیند ہی غفلت سے نہیں آتی، دوسرے آنکھ بھی جلدی ہی کھل جاتی ہے۔

مسحا: كساء خشن يعدّ للفراش من صوف. نثنيه: بصيغة المتكلم مع الغير المبني للفاعل من الثنى من باب ضرب يقال: ثناه عطفه، ورد بعضه على بعض. ثنيتين: وفي رواية: ثنيين بدون التاء بكسر التاء فيهما، فالأولى تثنية ثنية صدرة، والثانية تثنية ثني كحمل: أي نعطفه عطفا يحصل منه طاقان. ما فرشتموني: [لعله لما أنكر نعومته ولينه ظنّ أنه غير فراشه المعهود.]

بابُ ما جاء في تواضع رسول الله ﷺ

فروتنی نمودن

حدثنا أحمد بن منيع وسعيد بن عبد الرحمن المخزومي، وغير واحد قالوا: أخبرنا سفيان بن عيينة، عن الزّهريّ، عن **عبيد الله**، عن عبد الله بن عباس، **عن**[1] عمر بن الخطاب رضي الله عنه،

باب۔ اُن روایات کا ذکر جو حضور اقدس ﷺ کی کثرت تواضع فرمانے کے بارے میں وارد ہوئی ہیں

فائدہ: حضور اقدس ﷺ تمام دنیا سے زیادہ متواضع تھے۔ صوفیہ کہتے ہیں کہ حقیقۃ تواضع تجلی شہود کے دوام بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ حضور اقدس ﷺ کے تواضع کے واقعات ایک دو نہیں ہزاروں سے زائد ہیں اس لئے اُن کا احاطہ تو کیسے ممکن ہو سکتا ہے، تاہم بطور نمونہ کچھ مصنف نے ذکر فرمائے ہیں۔ ایک مرتبہ کسی سفر میں چند صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک بکری ذبح کرنے کا ارادہ فرمایا اور اُس کا کام تقسیم فرما لیا۔ ایک نے اپنے ذمہ ذبح کرنا لیا، دوسرے نے کھال نکالنا، کسی نے پکانا۔ حضور نے فرمایا کہ پکانے کے لئے لکڑی اکٹھی کرنا میرے ذمہ ہے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ حضور! یہ کام ہم لوگ خود کر لیں گے۔ حضور نے فرمایا یہ تو میں بھی سمجھتا ہوں کہ تم لوگ اس کو بخوشی کر لوگے لیکن مجھے یہ بات پسند نہیں کہ مجمع میں ممتاز ہوں اور اللہ جل جلالہ بھی اس کو پسند نہیں فرماتے۔ ایسے ہی اور سیکڑوں واقعات ہیں۔ اس باب میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے تیرہ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ میری ایسی تعریف مبالغہ آمیز حد سے فزوں نہ کرو جیسے نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعریف میں مبالغہ کیا (کہ اللہ کا بیٹا ہی بنا دیا) میں حق تعالیٰ جل شانہ کا بندہ ہوں اس لئے

تواضع: هو التذلل، يقال: وضع الرجل يوضع صار وضيعا، ووضع منه فلان أي: حط من درجة، وضعفه الدهر فتضعضع أي: خضع وذل، وقال الحافظ العسقلاني: التواضع مشتق من الضعة بكسر أوله، وهي: الهوان، والمراد من التواضع: إظهار التنسـزل عن المرتبة يراد تعظيمه، وقيل: هو تعظيم من فوقه لفضله. **عبيد الله:** قال العلماء: كان حق المصنف أن يعينه؛ لأن المسمى به في الرواة كثيرون، لكن في البخاري أنه عبيد الله بن عبد الله بن عتبة بن مسعود قاله البيجوري.

قال: قال رسول الله ﷺ: **لا تُطْروني** كما أطْرَتِ النصارى عيسى بن مريم، إنما **أنا عبد الله**، فقولوا: **عبد الله** ورسوله. **حدثنا** عليّ بن حُجر، أخبرنا سويد بن عبد العزيز، عن حميد، **عن** (۲) أنس بن مالك ﷺ، **أن امرأة** جاءت إلى النبي ﷺ فقالت له: إن لي إليك **حاجة**؟ فقال:

مجھے اللہ کا بندہ اور اُس کا رسول کہو۔ **فائدہ**: یعنی ایسی کوئی تعریف نہ کرو جو بندگی کے منافی ہو، اُس میں رب کے ساتھ شرکت پائی جاتی ہو کہ بندہ بہر حال بندہ ہے، اسی طرح کوئی ایسی تعریف نہ کرو جو رسول اور اللہ کا قاصد ہونے کے خلاف ہو۔
(۲) حضرت انس ﷺ فرماتے ہیں کہ کسی عورت نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھے کچھ تخلیہ میں عرض کرنا ہے۔ حضور نے فرمایا کہ کسی سڑک کے راستہ پر بیٹھ جا، میں وہیں آکر سُن لوں گا۔
فائدہ: بعض روایات میں وارد ہے کہ یہ عورت کچھ بے عقل سی تھیں اس کے باوجود ان کی باتیں حضور سُنتے رہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ راستہ میں بیٹھنے کا ارشاد اس لئے تھا کہ اجنبیہ کے ساتھ تنہائی نہ ہو اور بعض نے لکھا ہے کہ چونکہ ان کی عقل میں کچھ فتور تھا اس لئے ظاہر یہ ہے کہ گلی کوچوں میں پھرتی رہتی ہوں گی، اسی لئے حضور نے وہیں تشریف لے جاکر بات سُننے کو ارشاد فرما دیا۔ بندہ کے نزدیک بعید نہیں کہ ایسی عورتوں کو زنانہ مکان پر بلانے میں مستوارت کو دقتیں اور مشکلات پیش آیا کرتی ہیں، جیسا کہ بسا اوقات مشاہدہ ہوتا ہے، اس لئے حضور نے سڑک ہی پر بات سُن لی۔

لا تُطْروني: بضم أوله من الإطراء، وهو: المبالغة في المدح كما بالغت النصارى في مدح نبيه، فجعله بعضهم إلٰهاً وبعضهم ابن الله، فحرفوا قوله تعالى في الإنجيل: "عيسى نبي وأنا ولّدته" بتشديد اللام، فجعلوا الأول "بني" بتقديم الموحدة، وخففوا اللام في الثاني، وإلى ذلك أشار صاحب البردة في قوله:

دع ما ادعته النصارى في نبيهم　　　واحكم بما شئت مدحاً فيه واحتكم

أنا عبد الله: أي: ملكه، يتصرف في ما شاء وكيف شاء، فلا خروج لي عن دائرة العبودية بوجه كسائر العباد، فالإضافة للعهد الذهني، والقصر قصر القلب أو إضافي، فلا ينافي أن له أوصافا غير العبودية. عبد الله: أي: لا تقولوا في حقي شيئًا ينافي العبودية والرسالة، فلا ينافي القول بأنه سيد ولد آدم. أن امرأة: وكان في عقلها شيء كما في رواية مسلم، قال الحافظ العسقلاني: لم أقف على اسم المرأة، وقال ميرك، رأيت في كلام بعض من كتب الحواشي على كتاب الشفاء أن اسم المرأة المذكورة في مسلم أم زفر ماشطة خديجة، وأظنه سهواً؛ فإن أم زفر ليست من الأنصار، وروايات البخاري صريحة في أنها أنصارية، اللّهم إلا أن يقال: إن المذكورة في رواية مسلم غير المذكورة في رواية البخاري، لكن الظاهر اتحاد القصة كما هو الظاهر من سياق الروايات. حاجة: [أي: أريد إخفاءها عن غيرك.]

اجلسي في أي **طريق** المدينة شئتِ **أجلس إليك. حدثنا** عليّ بن حُجر، أخبرنا عليّ بن مُسْهِر،
على صيغة المخاطبة من الأمر الحاضر
عن مسلم الأعور، **عن**(٣) أنس بن مالك رضی اللہ عنہ قال: كان رسول الله ﷺ يعود المريض،
وضيعاً كان أو شريفاً

---

(۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ مریضوں کی عیادت فرماتے تھے، جنازوں میں شرکت فرماتے تھے، گدھے پر سوار ہو جاتے تھے، غلاموں کی دعوت قبول فرمالیتے تھے۔ آپ بنو قریظہ کی لڑائی کے دن ایک گدھے پر سوار تھے جس کی لگام کھجور کے پھرٹوں کی تھی اور کاٹھی بھی اُسی کی تھی۔

فائدہ: عرب میں گدھوں کی ایک خاص قسم ہے جو جثہ میں یہاں کے موٹے خچروں سے بڑے ہوتے ہیں اور تیز اس قدر کہ معمولی ٹٹوؤں سے تیز ہوتے ہیں، دو دو تین تین آدمی ان پر بے تکلّف بیٹھ جاتے ہیں، وہ یہاں کے معمولی گھوڑوں سے بہتر ہوتے ہیں، ممکن ہے حضور کے زمانہ میں بھی یہی ہوں۔ لیکن گھوڑوں کے مقابلہ میں ادنیٰ درجہ کی سواری شمار ہوتی ہے۔ یہی مقصود ہے کہ حضور اقدس ﷺ کو باوجود اس عزت و رفعت کے جو دو جہان کی سرداری سے حاصل تھی، گدھے کی سواری سے استنکاف نہ تھا، اسی طرح مریضوں کی عیادت جس درجہ کا بھی بیمار ہو، شریف ہو یا کوئی معمولی آدمی ہو، حتی کہ غیر مسلموں تک کی عیادت بھی فرمایا کرتے تھے۔

ایک یہودی لڑکا حضور کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا، کوئی خدمت بھی کبھی کر دیتا تھا، وہ بیمار ہوا، حضور اس کی عیادت کو تشریف لے گئے، اُس کا آخری وقت تھا۔ حضور نے شفقت کے طور پر اپنا حق ادا فرمایا اور اُس کو اسلام کی تبلیغ فرمائی۔ اُس نے اپنے یہودی باپ کی طرف دیکھا، اُس نے اجازت دے دی اور وہ مسلمان ہوگیا۔ حضور نے اللہ کا شکر فرمایا کہ حق تعالیٰ جَلَّ شَانُہٗ ہی حمد کا سزاوار ہے جس نے میری وجہ سے اس کو عذاب جہنم سے بچا دیا۔ یہی نہیں بلکہ رأس المنافقین عبد اللہ بن اُبی کی عیادت کے لئے بھی حضور تشریف لے گئے حالانکہ اُس سے بہت سی اذیتیں پہنچی تھیں، اسی طرح معمولی معمولی جنازوں میں بھی شرکت کے متعدّد واقعات حدیث کی کتابوں میں وارد ہیں۔

طريق: أي: في أيّ طريق في المدينة، فالإضافة للطريق بمعنى "في"؛ لأن طريق الشيء ما يوصل إليه، أو في أيّ طريق من طرق المدينة أي: سكة من سككها كما في رواية مسلم، وقيل: المعنى في أيّ جزء من أجزاء الطريق.

أجلس إليك: بصيغة المتكلم وحده، مجزوم في جواب الأمر أي: أقعد أنا أيضاً في ذلك الطريق متوجهاً إليك.

ويشهد الجنازة، ويركب الحمار، ويجيب دعوة العبد، وكان **يوم بني قريظة** على حمار **مخطوم** بحبل من ليف، عليه **إكاف** من ليف. **حدثنا** واصل بن عبد الأعلى الكوفي، حدثنا محمد بن فضيل، عن الأعمش، **عن**(٤) أنس بن مالك ﷺ قال: كان رسول الله ﷺ يُدعٰى إلى خبز الشعير **والإهالة السَّنِخَةِ** فيجيب، **ولقد كان** له **دِرعٌ** عند **يهوديّ** فما وجد ما يَفُكُّها حتى مات.
ما يفك بها الدرع ﷺ

(۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جو کی روٹی اور کئی دن کی باسی پُرانی چکنائی کی دعوت کیے جاتے تو آپ (اُس کو بھی بے تکلف) قبول فرما لیتے۔ آپ کی ایک زرہ ایک یہودی کے پاس رہن تھی۔ اخیر عمر تک حضور کے پاس اُس کے چھڑانے کے لائق دام نہیں ہوئے۔

فائدہ: چکنائی میں پرانی ہونے کی وجہ سے بو کا اثر بھی آ جاتا ہے۔ یہ بات کہ دعوت جَو کی روٹی اور پُرانی چکنائی کی ہے، دعوت کرنے والے کی حالت اور تجربہ سے معلوم ہو جاتی یا اُن کی تصریح سے یہ بات معلوم ہونے کے باوجود بھی حضور اُس کے قبول فرمانے میں کوئی عذر نہ فرماتے۔ اخیر واقعہ قرض کا اتفاقاً ذکر کر دیا گیا کہ اس حدیث میں تھا اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یہ بھی غایتِ تواضع کی وجہ سے تھا اور فقر کے تمام ہی حالات اسی وجہ سے تھے ورنہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے تو آپ کو اختیار دیا تھا کہ بندگی کے ساتھ رسول بننا چاہتے ہو یا بادشاہت کے ساتھ؟ حضور نے خود ہی پہلی صورت کو پسند فرمایا۔

يوم بني قُريظه: [أي: يوم الذهاب إليهم لحربهم، وكان ذلك عقب الخندق.] **مخطوم:** [أي: ذو خطام وهو الزمام.] **إكاف:** [أي برذَعة، وهو لذوات الحافر بمنـــزلة السرج للفرس والرحل للجمل. **والإهالة:** بكسر الهمزة، كل شيء من الادهان مما يوتدم، أو يختص بما أذيب من الألية والشحم، وقيل: الدسم الجامد. **السَّنِخَةِ:** بفتح السين المهملة وكسر النون فالخاء المعجمة، المتغيرة الريح من الطعام لطول المكث.

ولقد كان إلخ: ذكر هذه القصة لإتمام الحديث لا لبيان التواضع، وقيل: بل فيهما غاية التواضع؛ لأنه ﷺ لو سأل مياسير الصحابة في رهن درعه لرهنوها على أكثر من ذلك، فاذا تركهم وسأل يهوديا ولم يبال بأن منصبه الشريف يأبى أن يسأل مثل يهودي في ذلك دل على غاية تواضعه. **درع:** [هو قميص ذو حلقات من الحديد، متشابكة يلبس وقاية من السلاح.] **يهودي:** [هو أبو الشحم، رهنه ﷺ عنده على ثلاثين صاعا من شعير.]

حدثنا محمود بن غيلان، حدثنا أبو داود **الحفريّ**، عن سفيان، عن الرَّبيع بن صَبِيح، **عن يزيد** بن أبان، **عن**[٥] أنس بن مالك ﷺ قال: حج رسول الله ﷺ على رَحْل **رَثٍّ، عليه قطيفة** لا تُساوي أربعة دراهم فقال: اللّٰهم اجْعله حجاً **لا رياءَ فيه** ولا سُمعة. **حدثنا** عبد الله بن عبد الرحمن، أخبرنا عفان، أخبرنا حمّاد بن سلمة، عن حُميد،

---

(۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک پُرانے پالان پر حج کیا۔ اُس پر ایک کپڑا پڑا ہوا تھا، جو چار درہم کا بھی نہیں ہوگا۔ (یہ بھی ممکن ہے کہ اُس پر سے مراد حضور کی ذات والا ہو، یعنی آپ ایک معمولی سی چادر اوڑھے ہوئے تھے جو چار درہم کی بھی نہیں تھی، بعض فضلائے درس کے نزدیک یہ مطلب زیادہ پسندیدہ ہے، لیکن بندۂ ناچیز کے نزدیک پہلا مطلب زیادہ راجح ہے اور اس باب کی گیارہویں حدیث اس کی تائید کرتی ہے) اور حضور یہ دعا مانگ رہے تھے کہ یااللہ! اس حج کو ایسا حج فرمائیو جس میں ریا اور شہرت نہ ہو۔

فائدہ: یہ دعا امت کی تعلیم کی غرض سے تھی یا حضور اقدس ﷺ کے کمالِ تواضع اور غایتِ عبودیت کی وجہ سے تھی کہ باوجود یہ کہ ریا و شہرت کا احتمال بھی حضور کے فعل میں نہ تھا لیکن پھر بھی حضور اس کی دعا فرما رہے ہیں اور اللہ جَلَّ شَانُہٗ سے یہ مانگ رہے ہیں کہ اس حج کو ریا و شہرت سے محفوظ رکھ۔ حضور کے بدن مبارک پر یا پالان پر جو کپڑا تھا وہ اس قدر معمولی کہ ایک روپیہ قیمت کا بھی نہ تھا۔ یہ بھی اُسی غایتِ تواضع کا اثر تھا جو نبی کریم ﷺ کی عام عادت تھی، گو بعض مصالح سے بعض اوقات نبی اکرم ﷺ سے بیش قیمت لباس پہننا بھی ثابت ہے لیکن عام عادت یہی تھی۔

الحفريّ: بفتح المهملة والفاء، وتقدم بيانه في باب تعطّره ﷺ. **عن يزيد**: تكلموا على الحديث لأجل يزيد بن أبان والربيع بن صبيح كما بسطه شرّاح الشمائل، وذكروا له شواهد، فارجع إليها لوشئت التفصيل. **رَثٍّ**: بفتح راء وتشديد مثلثة أي: خلق وبال. **وعليه قطيفة**: قال المناوي: أي على رسول الله ﷺ، أو على الرحل، وجزم القاري بالثاني وقال: لا على الرسول ﷺ عما توهمه الحنفي. **لارياءَ فيه**: قال المناوي: الرياء: العمل لغرض مذموم كأن يفعل ليراه الناس، والسمعة: ما يعمل ليسمع الناس ويصير به مشهوراً فيكرم ويعظم جاهه في قلوبهم. قال القاري: والتحقيق أنهما متغايران باعتبار أصل اللغة من حيث الاشتقاق، وإن كان يطلق أحدهما على الآخر تغليبا.

عن(٦) أنس رضي الله عنه، قال: لم يكن شخص **أحب إليهم** من رسول الله ﷺ. قال: وكانوا إذا رأوه **لم يقوموا**؛ لما يعلمون من كراهيته لذلك.

---

(٦) حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک حضور ﷺ سے زیادہ محبوب کوئی شخص دنیا میں نہیں تھا۔ اس کے باوجود پھر بھی وہ حضور اقدس ﷺ کو دیکھ کر اس لئے کھڑے نہیں ہوتے تھے کہ حضور کو یہ پسند نہیں تھا۔

فائدہ: یہ بھی نبی کریم ﷺ کی غایتِ تواضع پر مبنی تھا کہ باوجود اس علوِ شان اور رفعت اور دوجہان کی سرداری کے اس چیز کو حضور پسند نہ فرماتے تھے اور اسی وجہ سے کبھی صحابۂ کرام باوجود تقاضائے محبت کے حضور کی ناپسندیدگی کی وجہ سے کھڑے نہیں ہوتے تھے جیسا کہ اس روایت کا مقتضا ہے اور کبھی بتقاضائے محبت کھڑے ہو جاتے تھے۔ چنانچہ ابو داؤد میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ مسجد میں ہمارے ساتھ باتیں کرتے تھے اور جب حضور کھڑے ہو جاتے تو ہم بھی کھڑے ہو جاتے اور اُس وقت تک کھڑے رہتے جب تک حضور دولت خانہ میں نہ چلے جاتے۔ اسی طرح اس بارے میں بہت مختلف روایات

أحب إليهم: قيل: هذا مشكل؛ لأن الأحبية لا تقتضي القيام؛ لأن الولد أحب إلى الوالد ولا يقوم له. وأجيب: بأن الولد لو كان له فضل يقتضي القيام له سن للأب القيام له كما صرحوا، و رد بأن الناس اتفقوا على استهجان قيام الوالد للولد وإن عظم. قلت: ولو سلم فإن هذا القيام أيضاً لفضله، ولذا قالوا: لو كان له فضل يقتضي القيام له، فالأوجه في الجواب أن المحبّة إذا كانت ناشئة عن الفضيلة تقتضي القيام على وجه الكرامة، لا إن كانت المحبة طبعية أو لغرض آخر.

لم يقوموا: اختلفت الروايات في إباحة القيام لآخر ومنعه، كما بسط في المطولات لا سيما في فتح الباري، وأخرج أبو داود عن أبي هريرة: كان رسول الله ﷺ يجلس معنا في المسجد، فإذا قام قمنا قياما حتى نراه قد دخل بعض بيوت أزواجه، قال المناوي: فيه دليل لما عليه محرر مذهب الشافعية النووي من ندب القيام لأهل الفضل والشرف إكراماً وإعظاماً، وقد قام ﷺ لعكرمة بن أبي جهل لما قدم عليه، وكان يقوم لعدي بن حاتم كلما دخل عليه حسبما جاء ذلك في خبرين، وهما وإن كانا ضعيفين يعمل بهما في الفضائل، وحكى القاري عن الإمام الغزالي: أن القيام مكروه على سبيل الإعظام لا على سبيل الإكرام، وعن النووي: أن القيام للقادم من أهل الفضل من علم أو إصلاح أو شرف مستحب، وقد جاءت فيه أحاديث، و لم يثبت في النبي ﷺ عنه شيء صريح، وعن القاضي عياض: أن القيام المنهي عنه إنما ذاك فيمن يقومون عليه وهو جالس، ويمكثون قياما طول جلوسه. قلت: وفي الدر المختار عن الوهبانية: يجوز بل يندب القيام تعظيما للقادم كما يجوز القيام ولو للقاري بين يدي العالم، وحكى ابن عابدين عن مشكل الآثار: القيام لغيره ليس بمكروه لعينه، إنما المكروه محبة القيام لمن يقام له.

حدثنا سفيان بن وكيع، حدثنا جُميع بن **عمر** بن عبد الرّحمن **العِجْلي**، حدثني رجل من بني تميم، – **من ولد** أبي هالة **زوج خديجة** رضي الله عنها – يُكْنى أبا عبد الله– عن ابن لأبي هالة،
[من جهة الآباء] [ذلك الرجل التميمي]

کتبِ حدیث میں ہیں۔ حتی کہ بعض روایات میں کھڑے ہونے کی سختی سے ممانعت ہے اور بعض روایات میں بعض آنے والوں کے لئے کھڑے ہونے کا حکم بھی ہے۔ اسی وجہ سے علماء اس کھڑے ہونے کے جواز اور عدم جواز میں مختلف ہو گئے ہیں اور اکثر محققین کی رائے یہ ہے کہ ان میں تعارض نہیں ہے، بلکہ کھڑے ہونے کے اسباب اور وجوہ مختلف ہیں، اسی وجہ سے احادیث میں مختلف احکام ملتے ہیں۔ ابو الولید بن رشد کہتے ہیں کہ کسی شخص کے لئے کھڑا ہونا چار طرح ہوتا ہے:

۱۔ ناجائز ہے۔ وہ ایسے شخص کے واسطے کھڑا ہونا جو تکبر کی وجہ سے اس کو پسند کرتا ہو کہ جب وہ آئے تو لوگ کھڑے ہو جائیں۔

۲۔ مکروہ ہے۔ وہ ایسے شخص کے لئے کھڑا ہونا ہے جو متکبر تو نہیں ہے لیکن اندیشہ ہے کہ اُس کے ساتھ اگر ایسا معاملہ کیا جائے تو اُس میں تکبر اور عجب پیدا ہو جائے۔

۳۔ جائز ہے۔ وہ ایسے شخص کے لئے جہاں یہ اندیشہ نہ ہو۔

۴۔ مستحب ہے۔ وہ اُس شخص کے واسطے کھڑا ہونا جو سفر وغیرہ سے آیا ہو، اُس کے آنے کی خوشی میں کھڑا ہو جائے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اہلِ علم، اہلِ فضل، اہلِ شرف کے آنے پر کھڑا ہونا مستحب ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ممانعت اُس قیام کی ہے جو بڑا آدمی بیٹھا رہے اور لوگ اُس کے سامنے کھڑے رہیں۔ چنانچہ ممانعت کی احادیث میں یہ ارشاد بھی ہے کہ ایسی طرح نہ کھڑے ہو جیسے کہ عجمی لوگ اپنے سرداروں کیلئے کھڑے ہوتے ہیں۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق جو والد صاحب قدس اللہ سرہ کے واسطے سے بذل المجہود میں نقل کی گئی ہے کہ فی حد ذاتہ کھڑا ہونا جائز ہے جب تک کہ کوئی عارض ایسا پیش نہ آئے جو اس کو ناجائز بنا دے۔ مثلاً اُس شخص کا فتنہ میں پڑ جانا جس کے لئے کھڑا ہوا ہے کہ اُس میں تکبر وغیرہ امور پیدا ہو جانے سے اُس کو دینی نقصان پہنچے۔ اسی طرح سے نفاق کے طور پر کھڑا ہونا کہ جس کے لئے کھڑا ہوا ہے

عمر: بلا واو، وفي نسخة بالواو، قال القاري: صوابه عمير بالتصغير، وتقدم في مبدأ الكتاب بيانه. العِجْلي: بكسر العين وسكون الجيم. من ولد: [أي: من جهة الأمهات؛ لأنه من أسباط أبي هالة، والسِّبط: ولد البنت.] زوج خديجة: [صفة لأبي هالة، وقد تزوج خديجة رضي الله عنها في الجاهلية، فولدت له ذكرين: هندًا وهالة.]

عن(۷) الحسن بن عليّ رضي الله عنهما قال: سألت خالي هند بن أبي هالة - **وكان وصّافاً** - عن حلية النبي ﷺ، وأنا أشتهي أن يصف لي منها شيئًا، فقال: كان رسول الله ﷺ **فَخْما** مفخّمًا، الشكل والهيئة

اُس کی کوئی وقعت اور عظمت دل میں نہ ہو، ریاکاری اور نفاق کے طور پر کھڑا ہو کہ یہ صورتیں ناجائز ہیں۔ اور ان میں بھی اگر کھڑے نہ ہونے کی صورت میں اس شخص کو خود کسی قسم کا جانی مالی یا آبرو کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو اُس کے لئے جائز ہوگا۔

(۷) امام حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے پوچھا، وہ حضور کے حالات اکثر بیان کرتے تھے اور مجھے اُن کے سُننے کا اشتیاق تھا، تو انھوں نے میرے پوچھنے پر حضور کے حلیہ شریف کا ذکر فرمایا کہ حضور بلند پایہ، بلند مرتبہ تھے، آپ کا چہرۂ انور بدر کی طرح چمکتا تھا اور پورا حلیہ شریف (جیسا کہ شروع کتاب میں پہلے باب کی ساتویں حدیث میں مفصل گزر چکا ہے) بیان فرمایا۔ امام حسن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے (بعض وجوہ سے) اس حدیث کا امام حسین رضی اللہ عنہ سے ایک عرصہ تک ذکر نہیں کیا۔ ایک عرصہ کے بعد ذکر کیا تو معلوم ہوا کہ وہ مجھ سے پہلے اس حدیث کو سُن چکے تھے اور صرف یہی نہیں کہ ماموں جان سے یہ حدیث سُن لی ہو، بلکہ والد صاحب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضور کے مکان تشریف لے جانے اور باہر تشریف لانے اور حضور کا طرز و طریقہ بھی معلوم کر چکے تھے۔

چنانچہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے اپنے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضور کے مکان تشریف لے جانے کے حالات دریافت کیے تو آپ نے فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ مکان میں تشریف رکھنے کے وقت کو تین حصّوں پر منقسم فرماتے تھے: ایک حصّہ حق تعالیٰ جَلَّ شَأنُہٗ کی عبادت میں خرچ فرماتے تھے یعنی نماز وغیرہ پڑھتے تھے۔ دوسرا حصہ گھر والوں کے ادائے حقوق میں خرچ فرماتے تھے، مثلاً اُن سے ہنسنا بولنا، بات کرنا، ان کے حالات کی تحقیق کرنا۔ تیسرا حصّہ خاص اپنی ضروریات راحت آرام کے لئے رکھتے تھے۔ پھر اُس اپنے والے حصّہ کو بھی دو حصّوں پر اپنے اور لوگوں کے درمیان تقسیم فرما دیتے اس طرح پر کہ خصوصی حضرات صحابہ کرام اُس وقت میں داخل ہوتے، اُن خواص کے ذریعہ سے مضامین عوام تک پہنچتے،

وكان وصافا: [وكان هند وصّافاً لرسول ﷺ؛ لكونه قد أمعن النظر في ذاته الشريفة وهو صغير مثل علي رضي الله عنه؛ لأن كلامنهما تربى في حجر النبي ﷺ، والصغير يتمكن من التأمل وإمعان النظر، بخلاف الكبير فإنه تمنعه المهابة والحياء من ذلك.] **فَخْما**: فخما بسكون المعجمة وكسرها أي: عظيما في ذاته، ومفخما أي: معظما في صفاته، وفي النهاية: أي عظيما معظما في الصدور والعيون.

يتلألأ وجهُه تلألؤ القمر **ليلة البدر، فذكر الحديث** بطوله. قال الحسن: **فكَتمْتُها** الحُسينَ زماناً، [يشرق] [یک زمان]
ثم **حدَّثته**، فوجدتُه **قد سبقني إليه**، فسأله عمَّا سألته عنه، ووجدته قد سأل **أباه** عن: **مَدْخَله**،

ان لوگوں سے کسی چیز کو اُٹھا کر نہ رکھتے تھے (یعنی نہ دین کے امور میں نہ دنیوی منافع میں، غرض ہر قسم کا نفع بلا دریغ پہنچاتے تھے اُمت کے اس حصہ میں آپ کا یہ طرز تھا کہ) ان آنے والوں میں اہلِ فضل یعنی اہلِ علم و عمل کو حاضری کی اجازت میں ترجیح دیتے تھے، اُس وقت کو اُن کے فضل دینی کے لحاظ سے ان پر تقسیم فرماتے تھے۔
بعض آنے والے ایک حاجت لے کر آتے اور بعض حضرات دو دو حاجتیں لے کر حاضرِ خدمت ہوتے اور بعض حضرات کئی کئی حاجتیں لے کر حاضر ہوتے۔ حضور اُن کی تمام حاجتیں پوری فرمایا کرتے اور اُن کو ایسے امور میں مشغول فرماتے جو خود اُن کی اور تمام اُمت کی اصلاح کے لئے مفید اور کارآمد ہوں۔ مثلاً اُن کا دینی امور کے بارے میں حضور سے سوالات کرنا اور حضور اقدس ﷺ کا اپنی طرف سے مناسب اُمور کی اُن کو اطلاع فرمانا اور ان علوم و معارف کے بعد حضور یہ بھی فرمادیا کرتے تھے کہ جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ ان مفید اور ضروری اصلاحی امور کو غائبین تک بھی پہنچا دیں اور نیز یہ بھی ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ جو لوگ کسی عذر (پردہ یا دوری، شرم یا رعب) کی وجہ سے مجھ سے اپنی ضرورتوں کا اظہار نہیں کر سکتے، تم لوگ اُن کی ضرورتیں مجھ تک پہنچا دیا کرو۔ اس لئے کہ جو شخص بادشاہ تک کسی ایسے شخص کی حاجت پہنچائے جو خود نہیں پہنچا سکتا تو حق تعالیٰ قیامت کے دن اُس شخص کو ثابت قدم رکھیں گے، لہٰذا تم لوگ اس میں ضرور کوشش کیا کرو۔ حضور کی مجلس میں ضروری اور مفید ہی باتوں کا تذکرہ ہوتا تھا اور ایسے ہی امور کو حضور اقدس ﷺ صحابہ سے خوشی سے سُنتے تھے،

ليلة البدر: [وهي ليلة أربعة عشر، سمّي بذلك؛ لأنه يبدر الشمس بالطلوع أي: يسبق في طلوعه الشمس في غروبها.]
فذكر الحديث: تقدم بهذا السند بعضه في "باب الخلق" وبعضه في "باب كيف كان الكلام". **فكتمتها**: أي ليختبر اجتهاده في تحصيل العلم بحلية جده، أو ليستمعه الحسين من هند فيعرفه بأقصر إسناد، أو ينتظر أن يسأل ذلك الحسين؛ فإن التبليغ بعد الطلبة أبلغ، أو كان ذلك الكتم اتفاقيا، ورجحه عصام. **حدثته**: [أي: بما سمعته من خالي هند.]
سبقني إليه: [إلى السؤال عنها من خاله هند.] **أباه**: وفي نسخة: أبي، وهو علي بن أبي طالب ﷺ. **مَدْخله**: أي: طريق سلوكه حال كونه داخل بيته وعن أطوار خارج بيته قاله القاري، وقال المناوي: أي عن دخوله وخروجه بيته، أو عن حالة فيهما، أو عن زمانيهما أي زمن دخوله وخروجه.

ومَخْرجِه، وشَكْلِه، فلم يدعْ منه شيئًا. قال الحسين: فسألت أبي عن دخول رسول الله ﷺ
الظاهر ان يكون الضمير راجعا إلى أباه

فقال: كان إذا أوى إلى منـــزله جزَّأ دخوله ثلاثة أجزاء: جزءاً لله عزوجل، وجزءاً لأهله، و جزءاً
بالمد والقصر [وصل إليه واستقر فيه] [لعبادته والتفكر في مصنوعاته]

لنفسه، ثم جَزَّءَ جزأه بينه وبين الناس، فيردّ ذلك بالخاصّة على العامّة، ولا يدَّخر عنهم شيئًا.
أي لا يخفي أي عن العامة والخاصة

اس کے علاوہ لا یعنی اور فضول باتیں حضور کی مجلس میں نہ ہوتی تھیں۔ صحابہ حضور کی خدمت میں دینی امور کے طالب بن کر حاضر ہوتے تھے اور بلا کچھ چکھے وہاں سے نہیں آتے تھے (چکھنے سے مراد امورِ دینیہ کا حاصل کرنا بھی ہو سکتا ہے اور حسی چکھنا بھی مراد ہو سکتا ہے، اس لئے کہ حضور ﷺ جو کچھ موجود ہوتا اُس کی تواضع فرماتے اور خصوصی احباب کا جب مجمع ہوتا ہے تو موجودہ چیز کی تواضع ہوتی ہی ہے) صحابہ کرام حضور اقدس ﷺ کی مجلس سے ہدایت اور خیر کے لئے مشعل اور رہنما بن کر نکلتے تھے کہ وہ ان علوم کو حسبِ ارشاد دوسروں تک پہنچاتے رہتے ہیں۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے باہر تشریف آوری کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا کہ حضور ضروری امور کے علاوہ اپنی زبان کو محفوظ رکھتے تھے،

وشكله: بفتح أوله أي: طريقه أي: المسلوكة بين أصحابه في مجلسه، فهو أخص من مخرجه، وقيل: بكسر أوله حسن طريقة وهيئة قاله القاري. فلم يدع منه شيئا: [أي: فلم يترك عليّ مما سأله عنه الحسين شيئًا، أو لم يترك الحسين من السؤال عن أحواله شيئًا.] عن دخول رسول الله ﷺ: [أي: عن سيرته وطريقته وما يصنعه في زمن دخوله واستقراره في بيته.] لنفسه: [أي: لنفع نفسه، فيفعل فيه ما يعود عليه بالتكميل الأخروي والدنيوي.] وبين الناس: [أي: ثم قسم جزأه الذي جعله لنفسه بينه وبين جميع الناس، سواء من كان موجودًا، ومن سيوجد بعدهم إلى يوم القيامة بواسطة التبليغ عنه.] فيرد ذلك: أي: جزّء الناس بسبب الخاصة وواسطتهم على العامة، وقال ابن الأنباري: فيه ثلاثة أقوال: الأول: أن الخاصة تدخل عليه في ذلك الوقت دون العامة فتستفيد، ثم تخبر العامة بما سمعت من العلوم والمعارف، فكان ﷺ يوصل العلوم إلى العامة بواسطتهم، ويدل عليه ما سيأتي "يدخلون رواداً ويخرجون أدلة"، والثاني: أن الباء فيه بمعنى "من" أي: يرد على العامة من جزء الخاصة، والثالث: أن يجعل العامة مكان الخاصة، فيرد ذلك على العامة بدلاً من الخاصة، كذا نقله ميرك، والظاهر عندي الأول. بالخاصة: [المراد بالخاصة: الصحابة الذين يكثرون الدخول عليه، كالخلفاء الأربعة، والمراد بالعامة: هم الذين لم يعتادوا الدخول عليه في بيته، فخواص الصحابة يدخلون عليه في بيته فيأخذون عنه الأحاديث، ثم يبلغونها للذين لم يدخلوا بعد خروجهم من عنده، فكان يوصل العلوم لعامة الناس بواسطة خاصتهم.]

وكان من سيرته في جزء الأمّة إيثار أهل الفضل بإذنه، وقَسْمُه على قدر فضلهم في الدّين،

فضول تذکروں میں وقت ضائع نہیں فرماتے تھے، آنے والوں کی تالیفِ قلوب فرماتے، اُن کو مانوس فرماتے، متوحّش نہیں بناتے تھے (یعنی تنبیہ وغیرہ میں ایسا طرز اختیار نہ فرماتے جس سے ان کو حاضری میں وحشت ہونے لگے یا ایسے امور ارشاد نہ فرماتے تھے جن کی وجہ سے دین سے نفرت ہونے لگے) ہر قوم کے کریم اور معزز کا اکرام و اعزاز فرماتے اور اُس کو خود اپنی طرف سے بھی اسی قوم پر متولّی اور سردار مقرر فرما دیتے۔ لوگوں کو عذابِ الٰہی سے ڈراتے (یا مضر امور سے بچنے کی تاکید فرماتے یا لوگوں کو دوسروں سے احتیاط* رکھنے کی تاکید فرماتے) اور خود اپنی بھی لوگوں کے تکلیف پہنچانے یا نقصان پہنچانے سے حفاظت فرماتے، لیکن باوجود احتیاط رکھنے اور احتیاط کی تاکید کے کسی سے اپنی خندہ پیشانی اور

إيثار أهل الفضل: [أي: وكان من عادته وطريقته فيما يصنع في الجزء الذي جعله لأمته: تقديم أهل الفضل حسبًا، أو نسبًا، أو سبقًا، أو صلاحًا بإذنه ﷺ لهم في ذلك، فيأذن لهم في التقدم، والإفادة، وإبلاغ أحوال العامة]

وقَسْمُه: بالفتح مصدر قسم، أي: قسم ذلك الجزء فيهم، قال القاري: والضمير راجع إليه ﷺ والمفعول مقدر، أي: ما عنده من خيري الدنيا والآخرة، وجوز أن يكون "للجزء" الذي بينه وبين الناس.

* اس لفظ کے مختلف ترجمے کئے گئے ہیں۔ بندہ کے نزدیک اقرب یہی ہے، دوسرے جملہ کے مناسب بھی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ حضور خود بھی اپنی حفاظت اور احتیاط فرماتے اور دوسروں کو بھی لوگوں سے احتیاط کی تعلیم دیتے تھے، جس کی توضیح یہ ہے کہ بلا وجہ کسی شخص پر بدگمانی کرنا ناجائز ہے لیکن بغیر بدگمانی کے اپنی حفاظت کرنا اور احتیاط رکھنا بہتر ہے۔ احادیث میں مختلف عنوانات سے حزم اور احتیاط کی تعلیم بکثرت وارد ہے۔ ابو داؤد شریف میں ایک قصّہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے مکہ مکرمہ تقسیم کے لئے کچھ مال بھیجنے کا ارادہ کیا اور ایک صحابی ابن الفغواء کو مال لے جانے کے لئے تجویز فرما کر ان سے کہہ دیا کہ کوئی ساتھی اپنے ساتھ جانے کے لئے تلاش کر لیں، وہ تلاش میں تھے کہ عمرو نامی ایک شخص ان کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ تم مکہ جانے کے لئے کسی ساتھی کی تلاش کر رہے ہو، میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔ ابن الفغواء حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مجھے ساتھی مل گیا۔ حضور نے دریافت فرمایا کہ کون ہے؟ انھوں نے پتہ بتا دیا۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ جب تم اُس کی قوم کی آبادیوں کے قریب پہنچو تو اُس سے محتاط رہنا اس لئے کہ ایک ضرب المثل ہے کہ اپنی بکری بھائی سے (جو ایک قبیلہ کا نام ہے) محتاط رہنا۔ ابن الفغواء کہتے ہیں کہ ہم دونوں چل دیے، جب میرے ساتھی کی قومی آبادیاں آئیں تو وہ مجھ سے کہنے لگے کہ میں ان لوگوں سے مل آؤں تم میرا انتظار کرنا۔ میں نے کہا کیا مضائقہ ہے! اس کے جانے کے بعد مجھے حضور کا ارشاد یاد آیا میں جلدی سے اپنا اونٹ تیار کر کے چل دیا، تھوڑی دیر میں میں نے دیکھا کہ وہ چند لوگوں کے ساتھ آ رہا ہے مگر میں احتیاط کی وجہ سے جلدی جلدی چلا گیا۔ اس میں کئی نوع سے احتیاط کا مضمون وارد ہے، اس کے علاوہ متعدد روایات میں حضور سے لوگوں کو احتیاط کی تعلیم منقول ہے، اس لئے یہی معنی بہتر ہیں۔

فمنهم ذوالحاجة، ومنهم ذوالحاجتين، ومنهم **ذوالحوائج**، **فيتشاغل** بهم، **ويَشغَلُهم** فيما يُصلِحهم
أي عن أهل الفضل
والأمّةَ من مَسْئَلَتهم عنه، عنهم وإخبارهم بالذي **ينبغي لهم**، ويقول: لِيُبلّغ الشاهد منكم الغائبَ، وأبلغوني حاجة من **لَا يستطيع** إبلاغها، فإنه من أبلغ سلطاناً حاجة من لا يستطيع إبلاغها ثبّت الله قَدَمَيْهِ يوم القيامة.

خوش خلقی کو نہیں ہٹاتے تھے، اپنے دوستوں کی خبر گیری فرماتے، لوگوں کے حالات آپس کے معاملات کی تحقیق فرما کر اُن کی اصلاح فرماتے، اچھی بات کی تحسین فرما کر اُس کی تقویت فرماتے اور بُری بات کی بُرائی بتا کر اُس کو زائل فرماتے اور روک دیتے۔ حضور اکرم ﷺ ہر امر میں اعتدال اور میانہ روی اختیار فرماتے تھے نہ کہ تلوّن اور گڑ بڑ کہ کبھی کچھ فرمادیا کبھی کچھ۔ لوگوں کی اصلاح سے غفلت نہ فرماتے تھے کہ مبادا وہ دین سے غافل ہو جائیں یا کسی امر میں حد سے بڑھ جانے کی وجہ سے دین سے اکتا جائیں (اس لئے حضور ان کے حالات سے غفلت نہ فرماتے تھے) ہر کام کے لئے آپ کے یہاں ایک خاص انتظام تھا۔ امر حق میں نہ کبھی کوتاہی فرماتے تھے نہ حد سے تجاوز فرماتے تھے۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے والے خلقت کے بہترین افراد ہوتے تھے۔ آپ کے نزدیک افضل وہی ہوتا تھا جس کی خیر خواہی عام ہو، یعنی ہر شخص کی بھلائی چاہتا ہو۔

ذوالحوائج: [بيان للتفاوت في مراتب الاستحقاق، والمراد بالحوائج: المسائل المتعلقة بالدين.] **فيتشاغل**: أي يجعل نفسه الشريفة مشغولة بهم. **ويشغلهم**: من الإشغال، أو بفتح الياء والغين: من الشغل، قال الحنفي: هذا أولى؛ لأنه قال في التاج: الإشغال لغة ردية في الشغل، وقال الجوهري: قد شغلت فلانا فلانا، ولا تقل: أشغلت؛ لأنها لغة ردية، وقال المجد في القاموس: أشغله لغة جيدة أو قليلة أو ردية، قال القاري: لو صحت الرواية بالضم لكفر من قال بالردية.

والأمة: [أي: في الذي يصلهم ويصلح الأمة، سواء كان المراد أمة الدعوة أو أمة الإجابة، فلا يدعهم يشتغلون بما لا يعنيهم.]

من مَسْئَلَتهم: قال الحنفي بيان لما في قوله: ما يصلهحم، يعني أن ما يصلحهم والأمة هو مسئلتهم عنه، وتعقبه ابن حجر: بأن الأصوب أن "من" تعليلية، والمعنى من أجل سؤالهم إياه عنه، قال المناوي: وفي نسخة "عنهم" أي: عن أحوالهم.

ينبغي لهم: [أي: إخبار النبي ﷺ إياهم بالأحكام التي تليق بهم وبأحوالهم وزمانهم ومكانهم والمعارف التي تسعها عقولهم.]

لا يستطيع: [مثل: النساء والعبيد والمرضى والغائبين.]

ولا يُذكر عنده **إلا ذلك**، ولا يَقْبَل من أحد غيره. يدخلون **رُوَّاداً**، ولا يفترقُونَ إلّا عن **ذَوَاق**، ويخرجون أدلّة، -يعني على الخير-. قال: فسألته عن مخرجه كيف كان يصنع فيه؟ قال كان رسول الله ﷺ **يَخْزَنُ** لسانه إلا فيما يعنيه، **ويؤلّفهم** ولا **ينفّرهم**، ويكرم كريم كلّ قوم **ويولّيه عليهم**،

طالبين للخير — أي هداة للناس — [ومعنى الخير العلم] — الحسين — أي أبي

آپ کے نزدیک بڑے رتبہ والا وہی ہوتا تھا جو مخلوق کی غم گساری اور مدد میں زیادہ حصّہ لے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور کی مجلس کے حالات دریافت کیے تو انھوں نے فرمایا کہ آپ کی نشست و برخاست سب اللہ کے ذکر کے ساتھ ہوتی تھی اور جب کسی جگہ آپ تشریف لے جاتے تو جہاں جگہ ملتی وہیں تشریف رکھتے اور اسی کا لوگوں کو حکم فرماتے کہ جہاں جگہ خالی مل جائے بیٹھ جایا کریں، لوگوں کے سروں کو پھلانگ کر آگے نہ جایا کریں، یہ امر جداگانہ ہے کہ جس جگہ حضور بیٹھ جاتے وہی جگہ پھر صدر مجلس بن جاتی۔ آپ حاضرین مجلس میں سے ہر ایک کا حق ادا فرماتے یعنی بشاشت اور بات چیت میں جتنا اُس کا استحقاق ہوتا اُس کو پورا فرماتے کہ آپ کے پاس کا ہر بیٹھنے والا یہ سمجھتا تھا کہ حضور میرا سب سے زیادہ اکرام فرمارہے ہیں۔ جو آپ کے پاس بیٹھتا یا کسی امر میں آپ کی طرف مراجعت کرتا تو حضور اُس کے پاس بیٹھے رہتے یہاں تک کہ وہی خود اُٹھنے کی ابتدا کرے۔ جو آپ سے کوئی چیز مانگتا آپ اُس کو مرحمت فرماتے یا (اگر نہ ہوتی) تو نرمی سے جواب فرماتے۔

إلا ذلك: أي: ما يذكر من حاجات الناس والمحتاج إليه، وقوله: "ولا يقبل" إلخ بمنـزلة تأكيد لما تقدم، والمعنى: لا يذكر عنده إلا ما يفيدهم في دينهم أو دنياهم، دون ما لا ينتفع بها، فإنها لا تذكر عنده غالباً. **رُوّادًا**: [جمع رائد، وهو في الأصل: من يتقدم القوم؛ لينظر لهم الكلأ ومساقط الغيث، والمراد هنا أكابر الصحب الذين يتقدمون في الدخول عليه في بيته ليستفيدوا منه ما يصلح أمر الأمة.] بضم فتشديد، جمع رائد بمعنى طالب، أي: طالبين المنافع في دينهم ودنياهم.

ذَوَاق: [بمعنى: مَذُوق من الطعام، كما هو الأصل في الذواق، لكن العلماء حملوه على العلم والأدب، فالمعنى: لا يفترقون من عنده إلا بعد استفادة علم وخير.] بفتح أوله فعال بمعنى مفعول، أي عن مطعوم حسي على ماهو الأغلب، أو معنوي من العلم وغيره، فإنه يقوم للروح مقام الطعام للجسد. **يخزن**: بضم الزاي وكسرها، أي: يحبس ويحفظ. و"يعنيه" بفتح أوله، أي: يهمه.

ويؤلفهم: [يجعلهم آلفين له، مقبلين عليه بملاطفته لهم وحسن أخلاقه معهم، أو يؤلف بينهم حيث لا يبقى بينهم تباغض.]

ولا ينفّرهم: بتشديد الفاء أي: لا يفعل بهم ما يكون سببا لتفرقهم عنه؛ لما عنده من العفو والصفح والرأفة التي لانظير لها.

ويوليه عليهم: [أي: يعظم أفضل كل قوم بما يناسبه من التعظيم، ويجعله والياً عليهم وأميراً فيهم؛ لأن القوم أطوع لكبيرهم.]

ويُحَذِّر النّاس **ويحترسُ** منهم من غير أن يطوي عن أحد منهم **بِشْره** ولا خُلُقَه. **ويتفقّد** أصحابه، ويسأل الناس **عما في النّاس**، ويُحسِّن الحسن **ويُقَوِّيه**، ويُقبّح القبيح **ويُوَهِّيه**، معتدل الأمر غير مختلف، **ولا يَغفُل** مخافةَ **أن يغفلوا ويَمَلّوا**،

أي يسقط

آپ کی خندہ پیشانی اور خوش خلقی تمام لوگوں کے لئے عام تھی۔ آپ تمام خلقت کے شفقت میں باپ تھے اور تمام خلقت حقوق میں آپ کے نزدیک برابر تھی۔ آپ کی مجلس مجلسِ علم و حیا اور صبر و امانت تھی (یعنی یہ چاروں باتیں اُس میں حاصل کی جاتی تھیں یا یہ کہ یہ چاروں باتیں اُس میں موجود ہوتی تھیں) نہ اُس میں شور و شغب ہوتا تھا نہ کسی کی عزت و آبرو اُتاری جاتی تھی۔ اُس مجلس میں اگر کسی سے کوئی لغزش ہو جاتی تھی تو اُس کو شہرت نہیں دی جاتی تھی۔ آپس میں سب برابر شمار کیے جاتے تھے (حسب نسب کی بڑائی سمجھتے تھے البتہ) ایک دوسرے پر فضیلت تقویٰ سے ہوتی تھی۔

يحذر: أي يحذر بعض الناس من بعض ويأمرهم بالحزم، أو يخوفهم من عذاب الله وأليم عقابه، قاله المناوي، قال القاري: ووقع في بعض الروايات: "ويحذر الناس الفتن" فإن صح فهو وجه آخر. قلت: وعلى هذه المعاني كلها هو من التحذير، وضبطه بعضهم وحكاه ميرك عن أكثر الرواة بفتح الياء وتخفيف الذال المفتوحة من الحذر بمعنى: الاحتراس، فيكون في معنى قوله: ويحترس منهم. والأوجه عندي الأول، كما في أبي داود من قوله: أخوك البكري فلا تأمنه.

ويحترس: قال القاري: أي يحفظ نفسه من أذاهم، وقال المناوي: أي يتحفظ من كثرة مخاطبتهم المؤدية إلى سقوط هيبته وجلالته من قلوبهم. بشره: بكسر فسكون، طلاقة وجهه وبشاشته، وفيه رفع توهم نشأ من قوله: "يحترس" ولذا أكده بقوله: "ولا خلقه" بضمتين أو ضم أوله، أي: ولا حسن خلقه، قاله القاري. ويتفقد: أي: يطلبهم ويسأل عنهم حال غيبتهم، فإن كان أحد منهم مريضاً يعوده، أو مسافراً يدعو له، أو ميتا فيستغفر له. عما في الناس: أي: عما وقع فيهم من المحاسن والمساوي الظاهرة ليدفع ظلم الظالم عن المظلوم، أو عما هو متعارف فيما بينهم، وليس المعنى أنه يتجسّس عن عيوبهم، ويتفحّص عن ذنوبهم. ويقويه: [أي: يظهر قوّته بدليل معقول أو منقول.]

ويوهيه: [أي: يجعله واهيا ضعيفا بالمنع والزجر عنه.] ولا يغفل: [أي عن تذكيرهم وتعليمهم.] أن يغفلوا: [أي عن إستفادة أحواله وأفعاله.] ويملوا: بفتح الميم وتشديد اللام من الملالة، وفي نسخة: "أو يملوا" بكلمة "أو" للتنويع، وما قال الحنفي: للشك غير صحيح، وفي نسخة "أو يميلوا" من الميل أي: يميلوا إلى الدعة والرفاهية.

لكل حال عنده **عَتَاد**، لا يُقَصِّر عن الحق ولا يُجَاوِزه، الذين يَلُونه من الناس: **خيارهم**، أفضلهم عنده أعمّهم نصيحة، وأعظمهم عنده منــزلة أحسنهم مواساة **ومؤازرة**. قال: فسألته عن مجلسه؟ فقال: كان رسول الله ﷺ لا يقوم ولا يجلس إلا على **ذكر**، وإذا انتهى إلى قوم جلس حيث **ينتهي به المجلس، ويأمر بذلك**. يُعطي كلَّ جُلَسَائه بنصيبه، لا يحسَب جليسه أن أحدا أكرم عليه منه. من جَالَسه **أو فَاوَضه** في حاجة **صَابَره** حتى يكونَ هو المنصرف عنه،

أي لا يعجز عن إقامة الحق — النصيحة إرادة الخير للمنصوح — ذكر الله متعلق بكلا الفعلين على سبيل التنازع — في المكان الخالي أيّ مكانٍ كان

ہر شخص دوسرے کے ساتھ تواضع سے پیش آتا تھا۔ بڑوں کی تعظیم کرتے تھے، چھوٹوں پر شفقت کرتے تھے، اہلِ حاجت کو ترجیح دیتے تھے، اجنبی مسافر آدمی کی خبر گیری کرتے تھے۔ **فائدہ:** الغرض ہر بات اور ہر امر شریفانہ اخلاق کے منتہا سے اوپر تھی اور کیوں نہ ہوتی جب کہ آپ کی بعثت ہی تکمیلِ اخلاق کے لئے ہوئی۔ چنانچہ خود حضور ﷺ کا ارشاد ہے: **بعثت لأتمم مكارم الأخلاق. أو كما قال۔** میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ عمدہ اخلاق کی تکمیل کروں، اس کے باوجود اس کی دعا فرمایا کرتے تھے کہ یا اللہ! جیسا کہ تو نے مجھے حسن صورت عطا کی ہے، حسن اخلاق بھی عطا کر، حالانکہ حضور کے اخلاق کی بڑائی کا ذکر قرآن پاک میں بھی ہے اور کئی قسم کی تاکید کے ساتھ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ نے آپ کے خلق عظیم کو ذکر فرمایا۔

عتاد: بفتح أوله: العدة والتأهب، يعني أنه ﷺ أعد لكل أمر من الأمور حكماً من الأحكام، ودليلا من أدلة الإسلام. خيارهم: [أي: الذين يقربون منه لاكتساب العلوم وتعلمها خيار الناس؛ لأنهم هم الذين يوثق بهم علمًا وفهمًا.] ومؤازرة: أي: معاونة في مهمات الأمور؛ لقوله تعالى: ﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى﴾ [المائدة: ٢] مأخوذ من الوزير، وهو الذي يؤازر الأمير أي: يعاونه، أو يحمل عنه وزره وثقله بمساعدته له فيما يثقل عليه من الرأي. ذكر: قال القاري: قوله: "على ذكر" أي: على ذكر الله كما في نسخة، وفي عدم ذكره دلالة على كمال ذكره.

ينتهي به المجلس: [إذا وصل لقوم جالسين جلس في المكان الذي يلقاه خاليا من المجلس، فكان لا يترفع على أصحابه لتواضعه ومكارم أخلاقه، ومع ذلك فأينما جلس يكون هو صدر المجلس.] ويأمر بذلك: [أي: بالجلوس حيث ينتهي المجلس إعراضًا عن رعونة النفس.] أو فاوضه: أي: راجعه، مفاعلة من التفويض، كان كل واحد منهما ردما عنده إلى صاحبه. و "أو" للتنويع، وأبعد الحنفي في تجويزها للشك. صابره: [أي: غلبه في الصبر على المجالسة أو المكالمة، فلا يبادر بالقيام من المجلس، ولا يقطع الكلام، ولا يظهر الملل والسآمة.]

ومن سأله حاجةً لم يردّه إلا بها، أو **بِمَيْسور** من القول. قد **وسع الناس** بسطه أي جوده وخُلُقه، **فصار لهم أبا**، وصاروا عنده في الحق **سـواء**. مجلسه: مجلس حلم **وحياء**، وصبر وأمانة، لا تُرفع فيه الأصوات، أي لا يجادل كما في المدارس

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ جَلَّ شَانُہٗ نرم مزاجی کو پسند کرتے ہیں اور نرمی پر وہ کچھ عطا فرماتے ہیں جو اور کسی چیز پر عطا نہیں کرتے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جو شخص نرمی سے محروم ہے وہ بڑی خیر سے محروم ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جس کے اخلاق بہترین ہوں۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ تم میں سے زیادہ محبوب مجھے وہ شخص ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔ ایک صحابی نے حضور سے دریافت کیا کہ آدمی کو سب سے بہترین چیز جو عطا ہوئی ہے وہ کیا ہے؟ حضور نے ارشاد فرمایا: خوش خلقی۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ قیامت میں اعمال نامہ کی ترازو میں سب سے زیادہ وزنی چیز جو ہوگی وہ اچھے اخلاق ہوں گے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ آدمی اچھے اخلاق کی بدولت شب بیدار، روزہ دار کے درجہ کو پہنچ سکتا ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں یمن بھیجا گیا اور سواری پر سوار ہونے کے لئے رِکاب میں پاؤں رکھا تو حضور نے سب سے آخری وصیت جو فرمائی وہ یہ تھی کہ لوگوں کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آنا۔ حضور کا ارشاد ہے کہ مؤمنین میں زیادہ کامل ایمان والے وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق بہتر ہوں۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی روایات میں حسنِ اخلاق کی تاکید فرمائی گئی اور یہ اُس کا نمونہ ہے جو اوپر ذکر کیا گیا۔

بِمَيْسور: أي: حسن، لا بمعسور خشن؛ لقوله تعالى: ﴿وَإِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَاءَ رَحْمَةٍ مِنْ رَبِّكَ تَرْجُوهَا فَقُلْ لَهُمْ قَوْلاً مَيْسُوراً﴾ [الإسراء: ۲۸] ومن الميسور: الوعد والشفاعة، والرغبة في العقبى، والرهبة عن الدنيا. **وسع الناس**: أجمعين حتى المنافقين. بسطته أي: بشره وطلاقة وجهه وانبساطه، أو جوده وكرمه. **فصار لهم أبا**: أي: في الشفقة والرحمة والإصلاح، بل أعظم من أب؛ إذ غاية الأب أن يسعى في إصلاح الظاهر، وهو يسعى في إصلاح الظاهر والباطن.

سواء: [أي: مُستوين في الحق، ولا يطمع أحد منهم أن يتميز عنده على أحد؛ لكمال عدله، وسلامته من الأغراض النفسانية.]

وحياء: [أي: كانوا يجلسون معه على غاية من الأدب.]

ولا تُؤبَنُ فيه الحُرَمُ، **ولا تُنثَى** فَلَتَاتُه. مُتَعادلين، **يتفاضلون** فيه بالتقوى، متواضعين، يُوقِّرون فيه
جمع فلتة: وهي الزلة يعني لم يكن بمجلسه فلتات
الكبيرَ، ويرحمون فيه الصغير، **ويؤثرون ذا الحاجة، ويحفظون الغريب. حدثنا** محمد بن عبد الله بن **بَزيع،** حدثنا بِشْر بن **المفضّل،** حدثنا سعيد، عن قتادة، **عن**(۸) أنس بن مالك ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: لَوْ أُهْدِي إليّ **كُراع** لقبلت، ولو دُعيتُ عليه لأجبت. **حدثنا** محمد بن بشار، حدثنا عبد الرحمن، حدثنا سفيان، عن محمد بن المُنْكَدِر، **عن**(۹) جابر ﷺ قال: جاءني رسول الله ﷺ

---

(۸) حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر مجھے بکری کا ایک پیر بھی دیا جائے تو میں قبول کروں اور اگر اُس کی دعوت کی جائے تو میں ضرور جاؤں۔ **فائدہ:** یعنی مجھے ہدیہ قبول کرنے میں بلکہ کسی جگہ جانے میں بھی اس کا خیال نہیں ہوتا کہ اتنی ذرا سی چیز کے لئے کیا جاؤں، بلکہ اللہ کی نعمت سمجھ کر اُس کو کمالِ رغبت سے قبول کرتا ہوں اور اصل یہ ہے کہ دعوت کے قبول کرنے میں وہ کھانا مقصود نہیں ہوتا بلکہ دعوت کرنے والے کی دلداری مقصود ہوتی ہے۔

(۹) حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ (میری عیادت کے لئے) تشریف لائے، نہ خچر پر سوار تھے نہ ترکی گھوڑے پر (یعنی نہ گھٹیا سواری پر سوار تھے نہ بڑھیا پر بلکہ پاپیادہ تشریف لائے)۔ **فائدہ:** حضور اقدس ﷺ کی تواضع

ولا تُؤبَن: لا تؤبن بضم المثناة الفوقانية فهمزة ساكنة فموحدة مخففة مفتوحة، وتشدد أيضاً آخره نون، من الأَبن، هي العقد في القضبان؛ لأنه تعييها، فالمراد به العيب، قاله المناوي. والحرم بضم الحاء وفتح الراء المهملتين جمع الحرمة، وهي: ما لا يحل انتهاكه، وقيل: المراد بها القبائح، وروي بضمتين، فالمراد به النساء، والحاصل: أن مجلسه كان يصان من رفث القول وفحش الكلام. **ولا تنثى:** بضم أوله وسكون النون وفتح المثلثة، أي: لا تشاع. "فلتاته" بفتح الفاء واللام، أي: زلاته، يعني: إذا فرطت من بعض حاضريه سقطة لم تنشر عنه، ذكره المناوي.

يتفاضلون: أي: متوافقين، كأنه خبر لـــ "كان" المقدر أي: كانوا متعادلين متساويين، لا يتكبر بعضهم على بعض بالحسب والنسب. **ويؤثرون ذا الحاجة:** [أي: يقدمونه على أنفسهم في تقريبه للنبي ﷺ ليقضي حاجته منه.]

ويحفظون الغريب: [أي: يحفظون حقه وإكرامه لغربته، ويحتمل أن المراد الغريب من المسائل، فالمعنى: يحفظونه بالضبط والإتقان خوفا من الضياع.] **بَزيع:** بفتح موحدة وكسر زاي، فتحتية فعين مهملة. **المفضّل:** بتشديد الضاد المعجمة المفتوحة. **كُراع:** بضم الكاف، ما دون الركبة من الساق على مافي النهاية، وما دون الكعب من الدواب على ما في المغرب.

ليس براكب بغلٍ ولا **بِرذَون**. (اسپ فارسي) **حدثنا** عبد الله بن عبد الرحمن، أخبرنا أبو نعيم، حدثنا يحيى بن أبي الهيثم العطّار قال: **سمعت** (١٠) يوسف بن **عبد الله بن سلام** قال: سمّاني رسول الله ﷺ يوسف،

صحابي صغير وقد ذكره العجلي في ثقات التابعين تقريب

مقصود ہے کہ امراء و سلاطینِ زمانہ کی طرح سواری کے عادی نہ تھے بلکہ پیادہ کثرت سے چلتے تھے۔ بخاری شریف کی ایک روایت میں اس عیادت کا قصّہ ذرا مفصّل ہے، وہ یہ کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ سخت مریض ہوا۔ حضور اقدس ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ دونوں حضرات پاپیادہ میری عیادت کو تشریف لائے، یہاں پہنچ کر دیکھا کہ میں بے ہوش پڑا ہوں۔ حضور اقدس ﷺ نے وضو کیا اور وضو کا پانی مجھ پر چھڑکا جس سے مجھ افاقہ ہوگیا اور میں نے دیکھا کہ حضور تشریف فرما ہیں تو میں نے اپنے ترکہ کے متعلق سوال کیا جس پر میراث کی آیت نازل ہوئی۔

(۱۰) یوسف بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے میرا نام یوسف تجویز فرمایا تھا اور مجھے اپنی گود میں بٹھلایا تھا اور میرے سر پر دستِ مبارک پھیرا تھا۔

فائدہ: اس حدیث سے حضور اقدس ﷺ کی کمالِ شفقت اور بچّوں پر کمال رحمت معلوم ہوتی ہے۔ نیز تواضع کا کمال یہی ہے کہ ایسے کم عمر بچّوں کو گود میں لینے سے اعراض و استنکاف نہ فرماتے تھے۔ ایک حدیث میں اس کے بعد یہ بھی ہے کہ میرے لئے برکت کی دعا فرمائی۔ اس حدیث سے بچّوں کا بزرگوں کی خدمت میں لے جانا اور ان سے نام تجویز کرانا، دعا کرانا ثابت ہوتا ہے۔ دوسری احادیث میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا نو مولود بچوں کا حضور کی خدمت میں لے جانا وارد ہے۔

برذَون: بكسر موحدة وسكون راء وفتح ذال معجمة، هو الفرس الأعجمي، وقيل: التركي، أي: لم يكن راكب بغل ولا فرس، بل كان ماشيا طالباً لمزيد الثواب، ويدل عليه رواية البخاري من طريق عبد الله بن محمد، عن سفيان بهذا الإسناد: مرضت مرضا فأتاني النبي ﷺ يعودني وأبوبكر، وهما ماشيان، الحديث. قال ميرك: وهذه الرواية صريحة في أنه جاء لعيادته ماشيا، وفيه إبطال ما توهمه بعض المتحدثين من أنه راكب، لكنه ليس براكب بغل ولا برذون.

عبد الله بن سلام: قال المناوي: بتخفيف اللام لاغير، نص عليه الأئمة، لكن في شرح الشفاء للتلمساني عن بعضهم: أنه يخفف ويشدد. قلت: وبالتخفيف جزم القاري، وقال: صحابي صغير، وقد ذكره العجلي في ثقات التابعين، وأنت تعلم أن هذا الحديث يدل على الأول. قال ميرك شاه: اختلف في صحبته فأثبتها البخاري، ونفاها أبو حاتم.

وأقعدني في **حَجْره**، ومسح على رأسي. **حدثنا إسحاق بن منصور**، حدثنا أبو داود الطيالسي، أخبرنا الربيع - وهو ابن صبيح - حدثنا يزيد الرقاشي، **عن**(۱۱) أنس بن مالك رضي الله عنه أن النبي ﷺ **حجّ على رحْل رَثٍّ**، **وقطيفة** كنا نُرى ثَمنَها أربعة دراهم، فلما استوت به راحلته قال: لبيك بحجّة لا سُمْعَة فيها **ولا رياء**. **حدثنا** إسحاق بن منصور، حدثنا عبد الرزاق، حدثنا معمر، عن ثابت البُنَاني وعاصم الأحول، **عن**(۱۲) **أنس بن مالك** رضي الله عنه أن رجلا خياطا دعا رسول الله ﷺ،

پالان [خلَق، عتيق] أي قامت متلبسا به ﷺ [قيل: هو من مواليه]

(۱۱) انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک کجاوہ پر حج کیا جس پر ایک کپڑا تھا جس کی قیمت ہمارے خیال میں چار درہم ہوگی۔ حضور ﷺ یہ دعا کرتے تھے کہ خدایا! اس حج کو ریا اور شہرت سے مبرّا فرمائیو۔ **فائدہ**: یہ حدیث اسی باب میں پانچویں نمبر پر گزر چکی ہے۔

(۱۲) انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک درزی نے حضور اقدس ﷺ کی دعوت کی، کھانے میں ثرید تھا اور اس پر کدو پڑا ہوا تھا۔ حضور کو کدو چونکہ مرغوب تھا اس لئے حضور اکرم ﷺ اُس پر سے کدو نوش فرمانے لگے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ

حِجْره: قال القاري: بفتح الحاء وكسرها، ذكره ميرك، ففي المغرب: حجر الإنسان بالفتح والكسر: حضنه، وهو: ما دون الإبط إلى الكشح، وقال البيجوري: المراد به حجر الثوب، وهو: طرفه المقدم؛ لأن الصغير يوضع فيه عادة، ويطلق الحجر على معان، كما قال بعضهم:

ركبت حجراً وطُفت البيت خلف الحجر وحُزت حجراً عظيما ما دخلت الحجر

لله حجر منعني من دخول الحجر ما قلت حجراً ولو أعطيت ملء الحجر

[ومعنى الحجر الأوّل: هو الأنثى من الخيل. والثاني: حجر إسماعيل عليه الصلاة والسلام. والثالث: الذهب أو الفضة. والرابع: الأمر المحرّم. والخامس: هو المنع من التصرّف. والسادس: حجر ثمود. والسابع: الذهب أو الفضة. والثامن: الحضن، وهو المراد ههنا.] **إسحاق بن منصور**: تقدم الحديث في أوائل هذا الباب برواية محمود بن غيلان، عن أبي داود الحضرمي، عن سفيان، عن الربيع بن صبيح، بهذا السند والمتن. **حج على رحل**: [أي: حال كونه كائنا على رحل أي: قتب.] **وقطيفة**: [أي: والحال أنّ على الرحل كساء له أهداب.] **ولا رياء**: [أي: هي خالصة لوجهك، وإنما نفى الرياء والسمعة - مع كونه معصومًا منهما - تواضعاً منه ﷺ وتعليما لأمته.] **أنس بن مالك** رضي الله عنه: تقدم الحديث في صفة إدامه ﷺ برواية إسحاق بن عبد الله بن أبي طلحة، عن أنس بمعنى هذا الحديث، وتقدم هناك ما يتعلق باسم الخياط.

فقرّب له ثريدا عليه **دُبّاء**، وكان رسول الله ﷺ يأخذ الدُّباء، وكان يُحبّ الدُّبّاء. قال ثابت:
[خبزاً مثروداً بمرق اللحم] [يلتقطها من القصعة]
فسمعت أنسا يقول: **فما صُنع** لي طعام أقدر على أن يُصنع فيه دُبّاء إلا **صُنع**. **حدثنا** محمّد بن
صفة الطعام — على صيغة مجهول — البخاري
إسماعيل، حدثنا عبد الله بن صالح، حدثني معاوية بن صالح، عن يحيى بن سعيد، **عن** (۱۳) **عَمْرة** قالت:

اس کے بعد سے میرے لئے کوئی کھانا تیار نہیں کیا گیا جس میں مجھے کدو ڈلوانے کی قدرت ہو اور کدو اُس میں نہ ڈالا گیا ہو۔

فائدہ: ثرید شوربے میں بھیگی ہوئی روٹی کو کہتے ہیں۔ یہ قصّہ حضور کے سالن کے باب کی گیارہویں حدیث میں گزر چکا ہے وہاں بجائے ثرید کے، شوربے روٹی کا ذکر تھا، ممکن ہے کہ دونوں چیزیں ہوں: شوربا روٹی بھی ہو اور ثرید بھی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ ثرید اُس کو مجازاً کہہ دیا ہو یا اُس حدیث میں شوربا روٹی اجزا کے لحاظ سے کہہ دیا ہو کہ ثرید بھی شوربا روٹی ہی ہوتی ہے۔

(۱۳) عمرۃ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ کسی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دولت کدہ پر کیا کرتے تھے؟ انھوں نے فرمایا کہ حضور آدمیوں میں سے ایک آدمی تھے۔ اپنے کپڑے میں خود ہی جوں تلاش کر لیتے تھے اور خود ہی بکری کا دودھ نکال لیتے تھے اور اپنے کام خود ہی کر لیتے تھے۔

فائدہ: آدمیوں میں سے ایک آدمی تھے کا یہ مطلب ہے کہ عام آدمیوں کی طرح اپنے گھر کا اکثر و بیشتر کام خود کر لیا کرتے تھے۔ اپنی ضروریات اور گھر کے کاروبار کرنے میں حضور کو کچھ گرانی یا تکبر مانع نہ ہوتا تھا۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو کام اور لوگ اپنے گھروں میں کرتے ہیں وہ حضور بھی کر لیا کرتے تھے، بعض روایات میں مثال کے طور پر کچھ کام بھی گنوا دیئے جیسا کہ اس روایت میں گزرا ہے، اسی طرح دوسری روایات میں ہے کہ اپنا کپڑا سی لیا کرتے تھے، اپنے جوتے کا پیوند خود ہی لگا لیا کرتے تھے، اپنے کپڑے کو پیوند لگا لیا کرتے تھے وغیرہ وغیرہ۔ حدیثِ بالا میں جوں تلاش کرنے کا بھی ذکر ہے۔

دبّاء: [بالقصر والمد، أي: على الثريد دباء، وهو: القرع.] **فما صُنِع**: صنع ببناء المجهول، و"ما" نافية، و"أقدر" بكسر الدال من القدرة صفة لطعام. **عَمْرة**: قال البيجوري: بفتح العين وسكون الميم، هي في الرواة ستة، والمراد بها ههنا: عمرة بنت عبد الرحمن بن سعد بن زرارة. [وهي كانت في حجر أم المؤمنين عائشة وروت عنها كثيراً.]

قيل لعائشة رضي الله عنها: ماذا كان يعمل رسول الله ﷺ في بيته؟ قالت: **كان بَشَراً** من البشر، **يَفلي** ثوبه، ويَحلُب شاتَه، **ويَخدِم** نفسه.
من باب طلب

علماء کی تحقیق یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے بدن یا کپڑوں میں جوں نہیں پڑتی تھی، اس کی وجہ ظاہر ہے کہ جوں بدن کے میل سے پیدا ہوتی ہے اور پسینہ سے بڑھتی ہے اور حضور اقدس ﷺ سراسر نور تھے، وہاں میل کچیل کہاں تھا۔ اسی طرح آپ کا پسینہ سراسر گلاب تھا جو خوشبو میں استعمال کیا جاتا تھا، بھلا عرقِ گلاب میں جوں کا کہاں گزر ہو سکتا ہے!؟ اس لئے اسے تلاش کرنے کا یہ مطلب ہے کہ اس احتمال سے کہ شاید کسی دوسرے کی جوں چڑھ گئی ہو، تلاش فرماتے تھے۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ تلاش کرنا دوسروں کی تعلیم کے لئے تھا کہ جب حضور کو اس کا اہتمام کرتے دیکھیں گے تو زیادہ اہتمام کریں گے۔

كان بَشَراً: أي فرداً من أفراده، مهدت به لما تذكره بعده؛ لأنها رأت من اعتقاد الكفار أنه لا يليق بمنصبه ما يفعله غيره من العامة، ﴿وَقَالُوا مَالِ هَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ لَوْلا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونَ مَعَهُ نَذِيراً﴾ [الفرقان:۷].

يَفلي: بفتح فسكون فكسر، ويجوز أن يكون من التفلية، ففي القاموس: فلى رأسه: بحثه عن القمل كفلاه أي: يفتش قاله القاري، وقال المناوي: ظاهر الحديث أن القمل كان يؤذي بدنه، لكن ذكر ابن سبع وتبعه بعض شراح الشفا: أنه لم يكن فيه قمل؛ لأنه نور، ولأن أصله من العفونة ولا عفونة فيه، وأكثره من العرق وعرقه طيب، ومن قال: إن فيه قملا فهو كمن نقصه، ولا يلزم من التفلية وجود القمل، فقد يكون للتعليم أو التفتيش؛ لما فيه من نحو خرق ليرقعه أو لما علق به من نحو شوك ووسخ، وقيل: إنه كان في ثوبه قمل ولا يؤذيه، وإنما كان يلتقطه استقذاراً له.

ويَخدِم: بضم الدال ويكسر، فهذا تعميم بعد تخصيص، وفسر بصب الماء في الوضوء والغسل على الأعضاء، وفي رواية لأحمد وابن حبان: يخيط ثوبه ويخصف نعله، ولابن سعد: يرقع ثوبه ويعمل ما يعمل الرجال في بيوتهم، وفي رواية: يعمل عمل البيت، وأكثر ما يعمل الخياطة، وفي رواية لأحمد: ويرقع دلوه كذا في شرحي الشمائل، وفي البداية والنهاية برواية أحمد بسنده إلى الأسود: قلت لعائشة: ما كان يصنع رسول الله ﷺ في أهله؟ قالت: كان في مهنة أهله، فإذا حضرت الصلوة خرج إلى الصلوة، وبسط الروايات في هذا المعنى.

بابُ ما جاء في خُلق رسول الله ﷺ

حدثنا عباس بن محمد الدّوريّ، حدثنا عبد الله بن يزيد **المُقرئ**، حدثنا **ليث بن سعد**، حدثني أبو عثمان الوليد بن أبي الوليد، عن سُليمان بن خارجة،

باب۔ حضور اقدس ﷺ کے اخلاق و عادات میں

فائدہ: حضور اقدس ﷺ کے اخلاق شہرۂ آفاق ہیں۔ حق تعالیٰ جَلَّ شَانُہٗ نے بھی کلام اللہ شریف میں ﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾ [القلم:٤] سے آپ کے خلق کی تعریف فرمائی۔ آپ کے اخلاقِ جمیلہ اور عاداتِ شریفہ آج دنیا میں ضرب المثل ہیں اور اخلاقِ محمّدی کی عالم میں دھوم ہے۔ اور اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ خود حق سبحانہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں آپ کے اخلاق کی تعریف فرمائی، چنانچہ سورۃ القلم میں ارشاد ہے: ﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾ [القلم:٤] اس آیت شریفہ میں کئی نوع کی تاکید کے ساتھ ارشاد ہے کہ بے شک تم بڑے اخلاق پر ہو۔ حضور کے اخلاقِ حسنہ کا احاطہ اور احصا دشوار ہے،

خلق: بضم فسكون وبضمتين: السجية والطبيعة، وهو الصورة الباطنة من النفس وأوصافها ومعانيها، بمنـزلة الخلق للصورة الظاهرة وأوصافها ومعانيها، ولهما أوصاف حسنة أو قبيحة. واختلف هل حسن الخلق غريزية طبعية أو مكتسبة اختيارية؟ فقيل بالأول؛ لخبر البخاري: إن الله قسم بينكم أخلاقكم كما قسم أرزاقكم، وقيل: بل بعضه مكتسب؛ لما صح في خبر الأشج: إن فيك خصلتين يحبهما الله: الحلم والأناءة، قال: يا رسول الله! قديما كان في أو حديثا؟ قال: قديما، الحديث. قال ابن حجر: فترديد السؤال وتقريره ﷺ عليه يشعر: بأن منها ماهو جبلي، ومنها ما هو مكتسب، وهذا هو الحق، ومن ثم قال القرطبي: هو جبلة في نوع الإنسان وهم متفاوتون فيه، فمن غلبه حسنه فهو المحمود وإلا أمر بالمجاهدة حتى يصير حسنا، قال القاري: الأظهر أن الأخلاق كلها باعتبار أصلها جبلية، قابلة للزيادة والنقصان في الكمية والكيفية بالرياضات، كما يدل عليه العبارات النبوية والإرشادات الصوفية، منها حديث: إنما بعثت لأتمم صالح الأخلاق، رواه البخاري في تاريخه، والحاكم وأحمد عن أبي هريرة، والبزار بلفظ: "مكارم الأخلاق". قال المناوي: وقال أبو علي الدقاق: قد خصّه الله عز وجل بمزايا كثيرة، ثم لم يثن عليه بشيء بمثل ما أثنى عليه بخلقه، فقال: ﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾ [القلم:٤] وناهيك بهذا التفخيم. المُقرئ: المقرئ اسم فاعل من الإقراء: بمعنى تعليم القرآن.

ليث بن سعد: [ليث بن سعد الفَهمي، عالم أهل مصر، وكان نظير مالك في العلم، وكان في الكرم غاية توفي يوم نصف شعبان سنة خمس وسبعين ومائة عن إحدى وثمانين سنة.] قيل: كان دخله في السنة ثمانين ألف دينار وما وجبت عليه زكوة قط.

عن(۱) خارجة بن زيد بن ثابت قال: دخل نَفَرٌ على زيد بن ثابتٍ فقالوا له: حدِّثْنا أحاديث رسول الله ﷺ، قال: **ماذا أحدّثكم؟ كنتُ جاره**، فكان إذا نـــزل عليه الوحي بعث إِلَيَّ فكتبته له، فكنا إذا ذكرنا الدنيا **ذكرها معنا**، وإذا ذكرنا الآخرة ذكرها معنا، وإذا ذكرنا الطعام ذكره معنا، **فكلّ** هذا أحدثكم عن النبي ﷺ.

[لتتفقهوا في الدين]

کتبِ حدیث کا بہت بڑا حصّہ انہی احادیث پر مشتمل ہوتا ہے۔ نمونہ کے طور پر اس باب میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے پندرہ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) خارجہ کہتے ہیں کہ ایک جماعت زید بن ثابت کے پاس حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ حضور کے کچھ حالات سُنائیں۔ اُنھوں نے فرمایا کہ حضور کے کیا حالات سُناؤں (وہ احاطۂ بیان سے باہر ہیں) میں حضور کا ہمسایہ تھا (اس لئے گویا ہر وقت کا حاضر باش تھا اور اکثر حالات سے واقف۔ اس کے ساتھ ہی کاتبِ وحی بھی تھا) جب حضور پر وحی نازل ہوتی تو آپ مجھے بلا بھیجتے، میں حاضر ہو کر اُس کو لکھ لیتا تھا (حضور ہم لوگوں کے ساتھ غایت درجہ دلداری اور بے تکلفی فرماتے تھے) جس قسم کا ذکر تذکرہ ہم کرتے تھے، حضور بھی ہمارے ساتھ ویسا ہی تذکرہ فرماتے تھے۔ جب ہم لوگ کچھ دنیاوی ذکر کرتے تو حضور بھی اس قسم کا تذکرہ فرماتے (یہ نہیں کہ بس آخرت ہی کا ذکر ہمارے ساتھ کرتے ہوں اور دنیا کی بات سُننا بھی گوارا نہ کریں)

ماذا أحدّثكم: أيّ شيء أحدثكم، فإن شمائله لا يحاط بها وإن انتهى المحدث بها إلى أقصى الغايات، فهو الحقيق بقول الشاعر:

تجاوز حق المدح حتى كأنه بأحسن ما يثنى عليه يعاب

ولكن لما كان من القواعد المقررة: "ما لا يدرك كله لا يترك كله" أفاد هم بعض ذلك.

كنت جاره: أي كان بيتي يقرب بيته فأنا أعرف بحاله، وأشار بذلك إلى غاية ضبطه وإتقانه لأحواله. **ذكرها معنا:** [أي: ذكر أنواعه من المأكولات والمشروبات والفواكه، وما يتعلق به من منفعة ومضرة، كما يعرف من الطب النبوي.] قال المناوي: فكان لكمال خُلقه، وحُسن عشرته، وغاية تلطّفه، يتخلق معنا؛ لئلا ندهش ونتكلم في مجلسه بما نشاء، ولا يتجنب التكلم معنا؛ لئلا نخجل، وكل ذلك ليزيد إقبالهم واستفادتهم منه. **فكلّ:** قال القاري: بالرفع على ما هو الثابت في الرواية، والرابطة في خبره محذوف، والتقدير: أحدثكم إياه، وقال ابن حجر: يجوز النصب، وقال المناوي: الرواية بالرفع، لكنه لا يمنع جواز النصب، بل هو أولى؛ لاستغنائه عن الحذف.

حدثنا إسحاق بن موسى، حدثنا يونس بن بُكير، مصغرا عن محمد بن إسحاق، عن زياد بن أبي زياد، عن محمد بن كعب **القُرَظِي**،

اور جس وقت ہم آخرت کی طرف متوجہ ہوتے تو حضور آخرت کے تذکرے فرماتے، یعنی جب آخرت کا کوئی تذکرہ شروع ہو جاتا تو اُسی کے حالات اور تفصیلات حضور بیان فرماتے اور جب کچھ کھانے پینے کا ذکر ہوتا تو حضور بھی ویسا ہی تذکرہ فرماتے، کھانے کے آداب، فوائد، لذیذ کھانوں کا ذکر، مضر کھانوں کا تذکرہ وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ گذشتہ ابواب میں بہت سے ارشادات حضور کے اس نوع کے گذر چکے ہیں کہ سرکہ کیا ہی اچھا سالن ہے، زیتون کا تیل استعمال کیا کرو کہ مبارک درخت سے ہے وغیرہ۔ یہ سب کچھ آپ ہی کے حالات کا تذکرہ کر رہا ہوں۔

فائدہ: اس حدیث میں مختلف مضامین تھے جن کی کسی قدر توضیح ترجمہ کے ساتھ ذکر کی گئی۔ اخیر جملہ کا ترجمہ مشائخ درس کے نزدیک یہ ہی ہے جو لکھا گیا۔ لیکن بندۂ ناچیز کے نزدیک شروع حدیث میں (حضور کے کیا حالات سُناؤں) کے ساتھ مرتبط ہے اور ترجمہ یہ ہے کہ (حضور کے ہر نوع کے حالات سُنا سکتا ہوں) اس لئے جس قسم کے تذکرہ کی درخواست کرو، وہ سُناؤں کہ میں پڑوسی بھی تھا اور کاتبِ وحی بھی اور حضور کے معمولات میں دین اور دنیا، کھانا پینا غرض ہر قسم کے تذکرے شامل تھے، اس لئے کیا سناؤں اور کون سا تذکرہ کروں کہ ہر تذکرہ عجیب تھا اور ہر سماں لطیف و لذیذ۔

اس حدیث میں حضرت زید کا یہ فرمانا کہ: جب وحی نازل ہوتی مجھے بلایا جاتا، یہ اکثر اوقات کے اعتبار سے ہے کہ قریب رہتے تھے، ورنہ انکے علاوہ وحی کے لکھنے والے یہ حضرات بھی شمار کیے گئے ہیں: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت اُبی، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، خالد بن سعید رضی اللہ عنہ، حنظلہ رضی اللہ عنہ، علاء حضرمی رضی اللہ عنہ، ابان بن سعید رضی اللہ عنہ، یہ نو حضرات ہیں جو کاتبینِ وحی ہیں۔ حدیثِ بالا میں ایک اشکال یہ بھی ہوتا ہے کہ دنیا کا ذکر، کھانے پینے کا ذکر ایک فضول تذکرہ معلوم ہوتا ہے اور حضور کی عادتِ شریفہ لایعنی چیزوں میں مشغول ہونے کی نہیں تھی، جیسا کہ بہت سی احادیث میں وارد ہے، گذشتہ باب کی طویل حدیث جو نمبرے پر گزری ہے، اُس میں بھی ہے کہ حضور ضروری امور کے علاوہ سے اپنی زبان کو محفوظ رکھتے تھے۔

القُرَظِي: نسبة إلى قريظة مصغراً، قبيلة معروفة من يهود المدينة.

عنْ[۲] عمرو بن العاص قال: كان رسول الله ﷺ يُقبِل بوجهه وحديثه على **أشر القوم يتألّفهم** بذلك، فكان يُقبِل بوجهه وحديثه عليَّ حتى **ظننت** أني خير القوم،

اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا کا ہر تذکرہ فضول نہیں بلکہ دنیا کے اور کھانے پینے کے بہت سے تذکرے ضروری بلکہ حضور کے لئے تو واجب تھے اس لئے کہ ان چیزوں میں جائز ناجائز، کسی چیز کا اچھا ہونا یا بُرا ہونا وغیرہ امور حضور ہی کے ارشاد سے یا حضور کے سامنے تذکرہ آنے پر حضور کے اُس پر سکوت فرمانے ہی سے معلوم ہو سکتے ہیں، چنانچہ اُسی حدیث میں یہ مضمون بھی گذرا ہے کہ لوگوں کے حالات کی تحقیق فرما کر اچھی بات کی تحسین فرماتے اور بری بات کی بُرائی بتاتے، اسی لحاظ سے دنیاوی تذکرے حضور کی مجلس میں ہوتے تھے نہ یہ کہ لغویات ہوتی ہوں۔

(۲) عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ قوم کے بدترین شخص کی طرف بھی حضور اقدس ﷺ تالیفِ قلوب کے خیال سے اپنی توجہ اور اپنی خصوصی گفتگو مبذول فرماتے تھے (جس کی وجہ سے اُس کو اپنی خصوصیت کا خیال ہو جاتا تھا) چنانچہ خود میری طرف بھی حضور کی توجہاتِ عالیہ اور کلام کا رخ بہت زیادہ رہتا تھا حتیٰ کہ میں یہ سمجھنے لگا کہ میں قوم کا بہترین شخص ہوں اسی وجہ سے حضور سب سے زیادہ توجہ فرماتے ہیں۔ میں نے اسی خیال پر ایک دن دریافت کیا کہ حضور! میں افضل ہوں یا ابو بکر رضی اللہ عنہ؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ابو بکر رضی اللہ عنہ۔ پھر میں نے پوچھا کہ میں افضل ہوں یا عمر رضی اللہ عنہ؟ حضور نے فرمایا کہ عمر رضی اللہ عنہ۔ پھر میں نے پوچھا کہ میں افضل ہوں یا عثمان رضی اللہ عنہ؟ حضور نے ارشاد فرمایا کہ عثمان رضی اللہ عنہ۔ جب میں نے حضور سے تصریحاً پوچھا تو حضور نے بلا رعایت صحیح صحیح فرما دیا (میری مدارات میں مجھے افضل نہیں فرمایا، مجھے اپنی اس حرکت پر بعد میں ندامت ہوئی) اور یہ خیال ہوا کہ مجھے ایسی بات ہرگز نہیں پوچھنی چاہیئے تھی۔

أشر القوم: استعمال الألف فيه قليل، وقيل: لا يقال: "أشر" إلا في لغة ردية. وقال ميرك: "أشر" جاء على الأصل، ومنه صغراها شراها، ويقال: خير أخير، وشر أشر، لكن الذي بالألف أقل استعمالاً. **يتألّفهم**: أي: يوانسهم بتلك المواجهة والإقبال، والجملة استينافية من أسلوب الحكيم، كأنه قيل: لماذا يفعل ذلك؟ قال: لتألفهم، والضمير لـ"أشر"؛ لأنه جمع معنى، أو للقوم؛ لأن التأليف عام لهم، لكنه في الأشر أزيد، ولا ينافيه استواء صحبه في الإقبال عليهم على ما سبق؛ لأن ذلك حيث لا ضرورة وههنا التخصيص للضرورة. **ظننت**: لأني كنت حديث عهد بالإسلام، إذ إسلامه كخالد بن الوليد قريب الفتح، فكان لا يعرف شيمته ﷺ في التألف، فظن لكثرة إقباله أنه خير القوم.

فقلت: يا رسول الله! أنا خير أو أبو بكر؟ فقال: أبو بكر، فقلتُ: يا رسول الله! أنا خير أم عمر؟ فقال: عمر، فقلت: يا رسول الله! أنا خير أم عثمان؟ فقال: عثمان، فلما سألت رسول الله ﷺ **فصدقني**، **فَلَوَدِدْتُّ** أني لم أكن سألته. **حدثنا** قتيبة بن سعيد، حدثنا جعفر بن سُليمان **الضُّبَعِيّ**، عن ثابت،

فائدہ: یہ اولاً حضور کی خاص توجہ کی بنا پر اپنے کو سب سے افضل سمجھتے تھے، اس لئے کہ پہلی طویل روایت سے معلوم ہو چکا ہے کہ حضور کی عادتِ شریفہ افضل کے ترجیح دینے کی تھی، لیکن بسا اوقات تالیفِ قلب کے خیال سے مدارات میں غیر افضل کو بھی ترجیح دی جاتی تھی حتی کہ کفار و منافقین تک کے ساتھ حضور اقدس ﷺ کا تالیف میں خصوصی برتاؤ ہوتا تھا۔ حدیثِ بالا میں یہ ترتیب سوال کی اس بناء پر ہے کہ خود حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو افضل الناس جانتے تھے، چنانچہ احادیث میں اس کی تصریح آتی ہے کہ ہم حضور ہی کے زمانہ میں سب سے زیادہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سمجھتے تھے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضور کے زمانہ میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو نہ سمجھتے تھے، ان کے بعد سب سے افضل عمر کو، اُن کے بعد عثمان کو، پھر ان کے بعد اور صحابہ میں کچھ ترجیح نہ دیتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ ان تین حضرات کی اس ترتیب سے ترجیح اور افضلیت ایسی عیاں تھی کہ حضور کی حیات ہی میں ہم صحابہ کی جماعت اس کو مانتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ محمد نے اپنے والد یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حضور کے بعد سب سے افضل شخص کون ہیں؟ انھوں نے فرمایا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ، میں نے پوچھا ان کے بعد؟ انھوں نے فرمایا عمر رضی اللہ عنہ۔

فصدقني: بتخفيف الدال أي: أجابني بجواب حق من غير مراعاة، وفي النسخ بدون الفاء وهو الظاهر؛ لأن إتيان "الفاء" في جواب "لما" غير مشهور، لكنه سائغ كما صرح به بعض أئمة النحو. **فَلَوَدِدْتُ**: بكسر الدال أي: أحببت وتمنيت، قال المناوي: حياءً لظهور خطأه وظنه. قال المناوي: إنما ودّ ذلك؛ لأنه قبل السؤال كان يظن إقباله عليه لخيريته، فلما سأله بان له أن إقباله عليه إنما هو للتأليف، فالمعنى: لما ظهر خطأي ندمت على السؤال استحياء من فحش خطائي. **الضُّبَعي**: بضم الضاد المعجمة وفتح الموحدة، نسبة إلى ضبيعة بن قيس، أو ضبيعة بن ربيعة، كذا في هامش التهذيب.

عن(۳) أنس بن مالك رضي الله عنه قال: خدَمت رسول الله ﷺ **عشْر سنين،** فما قال لي: **"أفٍّ" قط،**

اسی طرح سے اور بہت سی روایات ہیں جن سے حضور کے زمانہ ہی سے یہ ترتیب معلوم ہوتی ہے اسی لئے انھوں نے اپنے سے مقابلہ کے لئے اسی ترتیب سے سوال کیا کہ اول اُس سے مقابلہ کیا جو سب سے افضل شمار ہوتا تھا، پھر نمبر ۲ پھر نمبر ۳ سے کہ میں اگرچہ افضل ترین شخص سے نہیں بڑھ سکا تو شاید نمبر ۲ یا نمبر ۳ ہی سے بڑھ جاؤں۔

(۳) انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دس برس حضور اقدس ﷺ کی خدمت کی ہے مجھے کبھی کسی بات پر حضور نے افوہ تک بھی نہیں فرمایا، نہ کسی کام کے کرنے پر یہ فرمایا کہ کیوں کیا؟ اور اسی طرح نہ کبھی کسی کام کے نہ کرنے پر یہ فرمایا کہ کیوں نہیں کیا؟۔ حضور اقدس ﷺ اخلاق میں تمام دنیا سے بہتر تھے (ایسے ہی خِلقت کے اعتبار سے بھی حتی کہ) میں نے کبھی کوئی ریشمی کپڑا یا خالص ریشم یا کوئی اور نرم چیز ایسی نہیں چھوئی جو حضور اقدس ﷺ کی بابرکت ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو اور میں نے کبھی کسی قسم کا مشک یا کوئی عطر حضور اکرم ﷺ کے پسینہ کی خوشبو سے زیادہ خوشبودار نہیں سونگھا۔

فائدہ: یہ کوئی مبالغہ آمیز یا اعتقادی بات نہیں۔ حضور اقدس ﷺ کا پسینہ مبارک جمع کر کے خوشبو کی جگہ استعمال کیا جاتا تھا، جس سے آپ مصافحہ کرتے تھے تمام دن اُس کے ہاتھ سے خوشبو مہکتی تھی۔ گناہوں کی کثرت سے بدن کی سڑا ہند مجرّب ہے۔ حضور کا کسی چیز کے متعلق اُف تک نہ فرمانا یہ کمالِ اخلاق اور غایتِ تواضع کی بناء پر تھا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے

عشْر سنين: هكذا في أكثر الروايات، وفي رواية لمسلم: تسع سنين. قال المناوي: وحملت على التحديد، والأولى على التقريب، وقال النووي: لعل ابتداء خدمة أنس في أثناء السنة، ففي رواية التسع لم يجبر الكسر واعتبر السنين الكوامل، وفي رواية العشر جبرها واعتبرها سنة كاملة، وقال الحافظ ابن حجر: لا مغائرة بينهما؛ لأن ابتداء خدمة أنس كان بعد قدومه ﷺ المدينة وبعد تزويج أمه أم سليم بأبي طلحة، وعلى هذا يكون مدة خدمة أنس تسع سنين وأشهر، فألغى الكسر مرة وجبره أخرى، ويشكل عليه ما في مغازي البخاري: عن أنس أن النبي ﷺ طلب من أبي طلحة لما أراد الخروج إلى خيبر من يخدمه فأحضر له أنساً، وأجيب: بأنه طلب منه من يكون أسن من أنس وأقوى على الخدمة في السفر، فعرف أبو طلحة من أنس القوة فقال: إن أنساً غلام كيس فيخدمك في الحضر والسفر.

أفٍّ: بضم الهمزة وتشديد الفاء، مكسورة بلا تنوين، وبه، ومفتوحة بلا تنوين، فهذه ثلاث لغات قرئ بها في السبع، وذكروا فيه أربعين لغات، كلمة تَبَرُّم وملال يستوي فيها الواحد والمثنى، الجمع والمذكر والمؤنث. **قط:** بفتح قاف وتشديد طاء مضمومة، كذ في أصول، أي: أبداً، وهي لتوكيد نفي الماضي.

وما قال **لشيء صنعته**: لِمَ صنعتَه، ولا لشيء تركته: لم تركته؟ وكان رسول الله ﷺ من أحسن الناس خُلُقا، **لامَسِسْتُ خزّاً** ولا **حريراً**، ولا شيئا كان ألين من كفّ رسول الله ﷺ،
تعميم بعد تخصيص

کرنے نہ کرنے کو ان کا اپنا فعل نہ سمجھتے تھے بلکہ منجانب اللہ سمجھ کر اُسی پر راضی ہو جاتے تھے، چنانچہ ایک حدیث میں اس کے بعد یہ مضمون بھی ہے کہ حضور یہ ارشاد فرما دیا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے، مقدر میں ہوتا تو ہو جاتا۔ یہ محبوب کے فعل کے ساتھ غایت لذت ہے اور صوفیہ کی اصطلاح میں رضا بر قضا کی اصل اور سند ہے۔

رابعہ بصریہ کا مشہور مقولہ ہے جس کا ترجمہ ہے کہ: اے اللہ! اگر تو میرے ٹکڑے ٹکڑے بھی کر ڈالے تو میری محبت میں اس سے کچھ اضافہ ہی ہو گا۔ اور کاملین صوفیہ کے تمام ہی حالات حضور اقدس ﷺ ہی کے مختلف احوال سے اخذ کیے گئے ہیں، لیکن نبی کریم ﷺ کی ذات جامعیت کے کمال پر تھی، بعد میں جامعیت کا یہ درجہ نہیں رہ سکا اس لئے حضرات صوفیۂ کرام میں کسی جگہ حضور کی کسی عادت کا ظہور ہوا اور کسی جگہ کسی دوسری حالت کا شیوع ہوا۔ یہاں یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ حضور کا یہ معاملہ اپنی ذات کے متعلق تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور نے اپنی ذات کے لئے کبھی بھی انتقام نہیں لیا، البتہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی کسی حرمت کا ہتک کیا جائے (مثلاً کسی حرام چیز کا ارتکاب کیا جائے) تو اس کا بدلہ ضرور لیتے تھے۔ حضور کی گفتگو کے باب میں نمبر ۳ پر بھی اس قسم کا مضمون گذر چکا ہے۔ (لطیفہ) اس حدیث کے اخیر جزء کے متعلق ایک عجیب قصّہ ہے جس سے حضرات صحابہ کرام اور محدثین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی حضور کے ساتھ غایتِ محبت اور عشق کا پتہ چلتا ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ غایتِ فرحت و لذت کے ساتھ کہنے لگے کہ میں نے اپنے ان ہاتھوں سے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ مصافحہ کیا،

لشيء صنعته: أي: ممّا يتعلق بآداب خدمة، لا فيما يتعلق بالتكاليف الشرعية، قاله القاري، وفي المشكوة برواية الشيخين عن عائشة: ما انتقم رسول الله ﷺ لنفسه في شيء قط إلا أن ينتهك حرمة الله فينتقم لله بها، وتقدم في باب كلامه شيء منه. لامَسِسْتُ: لهذا الجزء من الحديث تسلسل بالمصافحة، ذكره الشاه ولي الله الدهلوي رحمه الله في رسالته المسلسلات برواية أبي هرمز عن أنس، وقد ذكره الحافظ في اللسان بسنده برواية ثابت عن أنس.

خزاً: [ثوبا مُركبا من حرير وغيره، أو ثياب تعمل من صوف وحرير، أو ثياب تعمل من حرير وإبريسم، وقيل: الخز اسم الدابّة، ثم سمي المتخذ من وبرها فيكون فروا ناعما.] حريراً: [أي: خالصاً ليغاير ما قبله.]

ولا شَمَمْتُ **مِسكا** قطُّ ولا عِطرا كان أطيب من **عَرَقِ** رسول الله ﷺ. **حدثنا** قتيبة بن سعيد وأحمد بن عبدة - هو **الضَّبِّيُّ** - والمعنى واحد قالا: حدثنا حماد بن زيد، عن **سَلْم العَلَوِيّ**، **عن**(٤) أنس بن مالك ﷺ، عن رسول الله ﷺ أنه كان عنده رجل به **أثر صُفرة**، قال: وكان رسول الله ﷺ لا يكاد يُواجِه أحداً بشيء يكرهه،

أي: يكره الرجل ذلك الشيء

میں نے کبھی کسی قسم کی حریر یا ریشم حضور کے ہاتھوں سے زیادہ نرم نہیں دیکھی۔ شاگرد نے جس کے سامنے یہ حدیث بیان کی اسی شوق سے عرض کیا کہ میں بھی ان ہاتھوں سے مصافحہ کرنا چاہتا ہوں جن ہاتھوں نے حضور سے مصافحہ کیا۔ اُس کے بعد سے یہ سلسلہ ایسا جاری ہوا کہ آج ساڑھے تیرہ سو برس سے زیادہ تک یہ سلسلہ جاری ہے اور مصافحہ کی حدیث سے یہ مشہور ہے کہ اس حدیث میں مسلسل مصافحہ ہوتا آیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ ''مسلسلات'' میں بھی اس کو ذکر کیا ہے جس کے ذریعہ سے میرے اُستاذ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہٗ تک بھی اسی طرح پہنچی۔

(۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور کے پاس ایک شخص بیٹھا تھا جس پر زرد رنگ کا کپڑا تھا۔ حضور اقدس ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ ناگوار بات کو منہ در منہ منع نہ فرماتے تھے، اس لئے سکوت فرمایا اور جب وہ شخص چلا گیا تو حضور نے حاضرین سے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اس کو زرد کپڑے سے منع کر دیتے تو اچھا ہوتا۔

فائدہ: حضور اقدس ﷺ کی یہ امت پر غایتِ شفقت تھی کہ اکثر بالمواجہ ایسے امور کو منع نہ فرماتے تھے اس لئے کہ مبادا وہ شخص انکار کر بیٹھے یا اعتراض کا سبب بن جائے جس سے کفر تک کی نوبت پہنچ جائے۔ اگر ان امور سے اطمینان ہوتا تو منع بھی فرما دیتے، چنانچہ عبد اللہ بن عمرو بن العاص کو ایسے ہی کپڑوں سے حضور نے خود منع فرما دیا تھا، اسی طرح اور

مِسكا: [طيب معروف، وأصله: دم يتجمد في خارج سرّة الظبية، ثم ينقلب طيبا، وهو طاهر إجماعًا.] عَرَق: بفتحتين معروف، وفي نسخة: عرف بفتح عين وسكون راء ففاء، والمعتمد الأول. الضَّبِّيُّ: بفتح الضاد المعجمة والباء المكسورة المشددة، نسبة إلى بني ضبة، وهم جماعة. سَلْم العَلَوِيّ: سلم بفتح فسكون، قاله القاري، هو سلم بن قيس العلوي البصري، والعلوي نسبة لقبيلة بني علي بن ثوبان، قاله المناوي، وقال أبو داود في سننه: ليس هو علويا، كان يبصر في النجوم يعني فنسب إليه. أثر صفرة: [أي: عليه بقية صفرة من زعفران.]

فلمّا قام قال **للقوم: لو قُلتم له:** يَدَع هذه الصُّفرة. **حدثنا** محمد بن بشار، حدثنا محمد بن جعفر، حدثنا شعبة، عن أبي إسحاق، عن أبي عبد الله **الجَدَليّ**، - واسمه عبد بن عبد - **عن**(۵) عائشة رضي الله عنها أنها قالت: لم يكن رسول الله ﷺ **فاحشا،**

بہت سے واقعات حدیث کی کتابوں میں ہیں۔ نیز یہ تاخیر اور بالمواجہ منع نہ فرمانا ایسے ہی مواقع میں تھا جہاں خلاف اَولی بات ہو یا تاخیر میں کوئی نقصان نہ ہو، ورنہ حرام چیز کے ارتکاب میں یہ صورت نہ تھی، چنانچہ حضور کی گفتگو کے باب میں نمبر ۳ پر جو مفصّل روایت گزری ہے اُس میں ہے کہ جب امرِ حق سے تجاوز کیا جاتا تو اُس وقت آپ کے غصّہ کی کوئی شخص تاب نہ لا سکتا تھا اور نہ کوئی اُس کو روک سکتا تھا جب تک کہ حضور اُس کا انتقام نہ لے لیں۔ آئندہ حدیث میں بھی اسی قسم کا مضمون آرہا ہے۔

(۵) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نہ تو طبعًا فُحش گو تھے نہ بتکلّف فُحش بات فرماتے تھے، نہ بازاروں میں چِلا کر (خلافِ وقار) باتیں کرتے تھے۔ بُرائی کا بدلہ بُرائی سے نہیں دیتے تھے، بلکہ معاف فرما دیتے تھے اور اس کا ذکر تذکرہ بھی نہ فرماتے تھے۔ فائدہ: بعض آدمی طبعًا فحش اور بیہودہ مذاق کے عادی ہوتے ہیں اور بعض لوگ بتکلف مجلس کے طرز کو نبھانے کے لئے فحش گوئی کیا کرتے ہیں، اس لئے حضرت عائشہ نے دونوں کی نفی فرما دی۔ بازار میں بضرورت جانے میں مضائقہ نہیں ہے لیکن وہاں جاکر شور و شغب کرنا وقار کے خلاف ہے۔ سکون کے ساتھ اپنی ضروریات پوری کر کے چلا آئے۔ بازار میں شور کی نفی سے یہ لازم نہیں ہے کہ اَور جگہ شور و شغب کرتے تھے بلکہ مقصد یہ ہے کہ بازار میں عموماً شور و غل ہوتا ہے اور جو شخص وہاں بھی سکون و وقار سے رہے گا اُس کا دوسری جگہ سکون سے رہنا ظاہر ہے۔

للقوم: [أصحابه الحاضرين بالمجلس.] لو قلتم له إلخ: قال المناوي: لأن فيها نوع تشبه بالنساء، ولعله كان مباحاً وإلا لما أخر أمره بتركه، وقال القاري: هذا على الشيء المكروه؛ إذ وجود أثر صفرة من غير قصد التشبه بالنساء مكروه، وإلا فلو كان محرماً لم يؤخره إلى مفارقة المجلس. الجَدَليّ: بفتح الجيم والدال المهملة، منسوب إلى قبيلة جديلة.

فاحشا: أي: ذا فحش في أقواله وأفعاله، وصفاته، وهو: ما خرج عن مقداره حتى يستقبح، إلا أن استعماله في القول أكثر، والمتفحش: المتكلف للفحش، والمعنى: لم يكن الفحش طبعيا له ولا كسبيا.

ولا مُتَفَحّشا، ولا **صخّابا** في الأسواق، ولا يجزئ بالسّيّئة السيّئة، ولكن **يعفو ويصفح**.
بالصاد والسين

حدثنا هارون بن إسحاق الهمداني، حدثنا عبدة، عن هشام بن عروة، عن أبيه،
بسكون الميم

بُرائی کا بدلہ بُرائی سے نہ دینے کے متعلق حضور کی ساری سوانح بھری ہوئی ہے کہ کفار سے کیا کیا اذیتیں نہیں پہنچیں، احد کی لڑائی میں حضور کے ساتھ کیا کیا پیش نہیں آیا اور جب صحابہ نے ان حالات سے متاثر ہو کر حضور سے بد دعا کی درخواست کی تو حضور نے دعا کی کہ اے اللہ! میری قوم کو ہدایت فرما کہ یہ ناواقف ہیں۔ زید بن سعنہ پہلے سے یہودی تھے، ایک مرتبہ کہنے لگے کہ نبوت کی علامتوں میں سے کوئی بھی ایسی نہیں رہی جس کو میں نے حضور میں نہ دیکھ لیا ہو بجز دو علامتوں کے جن کے تجربہ کی اب تک نوبت نہیں آئی: ایک یہ کہ آپ کا حلم آپ کے غصّہ پر غالب ہوگا، دوسری یہ کہ آپ کے ساتھ کوئی جتنا بھی جہالت کا برتاؤ کرے گا اسی قدر آپ کا تحمل زیادہ ہوگا۔ میں ان دونوں کے امتحان کا موقع تلاش کرتا رہا اور آمد و رفت بڑھاتا رہا۔ ایک دن آپ حجرہ سے باہر تشریف لائے، حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے کہ ایک بدوی جیسا شخص آیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میری قوم مسلمان ہو چکی ہے اور میں نے ان سے یہ کہا تھا کہ مسلمان ہو جاؤ گے تو بھر پور رزق تم کو ملے گا، اور اب حالت یہ ہے کہ قحط پڑ گیا، مجھے یہ ڈر ہے کہ وہ اسلام سے نہ نکل جائیں، اگر رائے مبارک ہو تو آپ کچھ اعانت ان کی فرما دیں۔ حضور نے ایک شخص کی طرف جو غالباً حضرت علی تھے، دیکھا انھوں نے عرض کیا کہ حضور موجود تو کچھ نہیں رہا۔ زید جو اُس وقت تک یہودی تھے اس منظر کو دیکھ رہے تھے، کہنے لگے محمد (ﷺ) اگر تم ایسا کر سکو کہ فلاں شخص کے باغ کی اتنی کھجوریں وقت معین پر مجھے دے دو تو میں قیمت پیشگی اب دے دوں اور وقت معینہ پر کھجوریں لے لوں گا۔ حضور نے فرمایا یہ تو نہیں ہو سکتا، البتہ اگر باغ کی تعیین نہ کرو تو میں معاملہ کر سکتا ہوں۔ میں نے اس کو قبول کر لیا اور میں نے کھجوروں کی قیمت اسّی مثقال سونا (ایک مثقال مشہور قول کے موافق ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے) دے دیا۔

صخّابا: المقصود نفي الصخب لا نفي المبالغة، كأنها نظرت إلى أن المعتاد فيه هو المبالغة، فنفته على صيغة المبالغة، وقيل: فعال قد يكون للنسبة كالتمار واللبان، وقيل: المقصود من أمثال هذا الكلام مبالغة النفي لا نفي المبالغة، كما في قوله تعالى: ﴿وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ﴾ [ق: ٢٩] **يعفو**: [أي يعامل الجاني معاملة العافي.] **ويصفح**: أي: يعرض بظاهره، وأصله الإعراض بصفحة الوجه، والمراد عدم المقابلة بذكره وظهور أثره، والمعنى: يعفوه بباطنه ويعرض عنه بظاهره كأنه لم يره.

. . . .

آپ نے وہ سونا اُس بدوی کے حوالہ کر دیا اور فرمایا کہ انصاف کی رعایت رکھنا اور اس سے ان کی ضرورت پوری کرلو۔ زید کہتے ہیں کہ جب کھجوروں کی ادائیگی کے وقت میں دو تین دن باقی رہ گئے تھے، حضور صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ جن میں ابو بکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم بھی تھے، کسی کے جنازے کی نماز سے فارغ ہو کر ایک دیوار کے قریب تشریف فرما تھے۔ میں آیا اور آپ کے کرتے اور چادر کے پلوؤں کو پکڑ کر نہایت ترش روئی سے کہا کہ اے محمد! تو میرا قرضہ ادا نہیں کرتا، خدا کی قسم! میں تم سب اولادِ عبد المطلب کو خوب جانتا ہوں کہ بڑے نادہند ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غصّہ سے مجھے گھورا اور کہا کہ اے خدا کے دشمن! یہ کیا بک رہا ہے؟ خدا کی قسم اگر مجھے (حضور کا) ڈر نہ ہوتا تو تیری گردن اُڑا دیتا۔ لیکن حضور نہایت سکون سے مجھے دیکھ رہے تھے اور تبسم کے لہجہ میں عمر سے فرمایا کہ: عمر! میں اور یہ ایک اور چیز کے زیادہ محتاج تھے، وہ یہ کہ مجھے حق کے ادا کرنے میں خوبی برتنے کو کہتے اور اس کو مطالبہ کرنے میں بہتر طریقہ کی نصیحت کرتے۔ جاؤ! اس کو لے جاؤ، اس کا حق ادا کر دو اور تم نے جو اس کو ڈانٹا ہے، اس کے بدلے میں بیس صاع (تقریباً دو من کھجوریں) اس کے مطالبہ سے زیادہ دے دینا۔

حضرت عمر مجھے لے گئے اور پورا مطالبہ اور بیس صاع کھجوریں زیادہ دیں۔ میں نے پوچھا کہ یہ بیس صاع کیسے؟ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضور کا یہی حکم ہے؟ زید نے کہا کہ عمر! تم مجھ کو پہچانتے ہو؟ انھوں نے فرمایا نہیں۔ میں نے کہا کہ میں زید بن سعنہ ہوں۔ اُنھوں نے فرمایا کہ جو یہود کا بڑا علامہ ہے؟ میں نے کہا کہ ہاں! وہی ہوں۔ انھوں نے فرمایا کہ اتنا بڑا آدمی ہو کر حضور کے ساتھ تم نے یہ کیسا برتاؤ کیا؟ میں نے کہا کہ علاماتِ نبوت میں سے دو علامتیں ایسی رہ گئیں تھیں جن کا مجھ کو اب تک تجربہ کرنے کی نوبت نہ آئی تھی: ایک یہ کہ آپ کا حِلم آپ کے غصّہ پر غالب ہوگا۔ دوسری یہ کہ ان کے ساتھ سخت جہالت کا برتاؤ ان کے حِلم کو بڑھائے گا، اب ان دونوں کا بھی امتحان کر لیا۔ لہٰذا تم کو اپنے اسلام کا گواہ بناتا ہوں اور میرا آدھا مال امتِ محمدیہ پر صدقہ ہے۔ اس کے بعد حضور کی خدمت میں واپس آئے اور اسلام لے آئے، اُس کے بعد بہت سے غزوات میں شریک ہوئے اور تبوک کی لڑائی میں شہید ہوئے رضي الله عنه وأرضاه (جمع الفوائد جمع الوسائل)۔

عن(٦) عائشة رضي الله عنها قالت: ما ضرب رسول الله ﷺ بيده شيئا قطّ إلا أن يجاهد في سبيل الله، ولا
من الإنسان وإلا فهو يضرب المركوب
ضَرَب **خادما ولا امرأة. حدثنا** أحمد بن عبدة الضّبيّ، حدثنا فضيل بن عياض، عن منصور، عن الزُّهريّ، عن عروة، **عن**(٧) عائشة رضي الله عنها قالت: ما رأيت رسول الله ﷺ منتصرا من **مَظْلِمَةٍ ظُلِمَها**
الانتصار دادستدن
قطّ، ما لم يُنْتَهَكْ من **محارم** الله تعالى شيء،

---

(٦) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے اللہ کے راستہ میں جہاد کے علاوہ کبھی کسی کو نہیں مارا، نہ کبھی کسی خادم کو نہ کسی عورت (بیوی باندی وغیرہ) کو۔

فائدہ: اللہ کے راستہ اور جہاد ہی میں حدود بھی داخل ہیں۔ نیز اس مارنے سے غصّہ میں قصداً مارنا مراد ہے، اُسی کو مارنا عرف میں کہتے ہیں بلا ارادہ یامزاح میں کسی کے لگ جانا جیسا کہ بعض روایات میں ہے، اس کے منافی نہیں۔

(٧) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ حضور اقدس ﷺ نے اپنی ذات کے لئے کبھی کسی کے ظلم کا بدلہ لیا ہو، البتہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی حرمتوں میں سے کسی حرمت کا ہتک ہوتا (یعنی مثلاً کسی حرام فعل کا کوئی مرتکب ہوتا۔ شراح حدیث نے لکھا ہے کہ اسی میں آدمیوں کے حقوق بھی داخل ہیں) تو حضور سے زیادہ غصّہ والا کوئی شخص نہیں ہوتا تھا۔ حضور اقدس ﷺ جب کبھی دو امروں میں اختیار دیے جاتے تھے تو ہمیشہ سہل کو اختیار فرماتے جب تک کہ اُس میں کسی قسم کی معصیت وغیرہ نہ ہو۔

فائدہ: تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جنگ اُحد میں جب عتبہ نے آپ پر پتھر چلایا اور آپ کا دندانِ مبارک شہید ہوگیا

خادما ولا امرأة: خصهما بالذكر اهتماما بشأنهما، أو لكثرة وقوع الضرب عليهما عادة، فضربهما وإن جاز بشرطه فالأولى تركه، قالوا: وهذا بخلاف الولد فالأولى تأديبه، والفرق: أن ضربه مصلحة تعود عليه فلم يندب العفو، بخلاف ضربهما فإنه لحظ النفس فندب العفو عنهما. **مظلمة:** بكسر اللام، اسم لما تطلبه عن المظالم وهو ما أخذ منك وبفتح اللام مصدر ظلمه، وقيل: بالكسر والفتح الظلم وهو وضع الشيء في غير محله.

ظلمها: ظلمها بصيغة المجهول، والضمير المستتر راجع إلى رسول الله، والظلم متعد إلى مفعول واحد فلا يظهر لتعدي ظلم ههنا بالضمير المنصوب وجه إلا أن يقال بنزع الخافض قاله القاري. **محارم:** جمع محرم: أي: شيء حرمه الله تعالى. قال القاري: الظاهر أنه مصدر ميمي بمعنى المفعول، أي: ما لم يرتكب مما حرمه الله على عباده.

فإذا انتُهِكَ من محارم الله تعالى شيءٌ كان من أشدهم في ذلك **غضبا**، وما **خُيِّر** بين أمرين إلا اختار أيسرهما **مالم** يكن مأثما.

اور چہرۂ انور خون آلود ہوگیا تو بعض حاضرین نے عرض کیا کہ اُس موذی کے لئے بد دعا فرمادیں۔ حضور ﷺ نے دعا فرمائی کہ یااللہ! میری قوم کو ہدایت عطا فرما، یہ ناواقف ہیں۔ ایک بدوی ایک مرتبہ آیا اور حضور کی چادر مبارک پکڑ کر اس زور سے کھینچا کہ گردن مبارک پر نشان پڑگیا اور یہ کہا کہ میرے ان اونٹوں پر غلّہ لدوادو، تم اپنے مال میں سے یا اپنے باپ کے مال میں سے نہیں دیتے ہو (گویا بیت المال کا مال ہم ہی لوگوں کا ہے، تمہارا نہیں ہے) حضور نے ارشاد فرمایا کہ جب تک تو اس چادر کھینچنے کا بدلہ نہیں دے گا میں غلّہ نہیں دوں گا۔ اُس نے کہا کہ خدا کی قسم! بدلہ نہیں دیتا۔ حضور تبسم فرمارہے تھے اور اس کے اونٹوں پر غلّہ لدوادیا۔ ہم لوگ حضور کے نام لیوا ہیں، اتباع کے دعویدار ہیں، یہاں ذرا سی بات خودداری کے خلاف ہوجاتی ہے، کوئی ذرا سخت لفظ کہہ دے تو وقار کے خلاف بن جاتی ہے۔

حدیث کے اخیر جملہ کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ جَلَّ شَانُہٗ کی طرف سے جب آپ کو بالخصوص امت کے حق میں دو امروں کا اختیار دیا جاتا تو آپ امت کے لئے جو سہل ہوتا اُس کو اختیار فرماتے اور اسی طرح دنیاوی امور میں جہاں دو رائے ہوتیں اُن میں سے سہل کو اختیار فرماتے جب تک کہ اُس میں کسی قسم کا شرعی نقصان نہ ہو۔ بہت سی احادیث میں مختلف عنوانات سے حضور کے ارشادات بھی اس مضمون میں وارد ہوئے ہیں کہ سہولت اختیار نہ کرنا اور خواہ مخواہ اپنے کو مشقتوں میں ڈالنا حضور کو پسند نہ تھا۔

غضباً: قال المناوي: ليس هذا داخلا فيما قبله حتى يحتاج لاستدراكه؛ لأن انتقامه لله عند انتهاك حرماته ليس انتقاما لنفسه فهو كالاستثناء المنقطع. خُيِّر: ببناء المجهول وقوله: "بين أمرين" قال المناوي: أي في الدين كذا قال شارح، وليس بقويم، فقد قال الحافظ ابن حجر أخذاً من كلام ابن السير: المراد أمور الدنيا فقط؛ بدليل قوله: مالم يكن إثما؛ لأن أمور الدين لا إثم فيها، وحكى القاري عن غيره التخيير، إما بأن يخيره الله تعالى فيما فيه عقوبتان فيختار الأخف، أو في قتال الكفار وأخذ الجزية فيختار أحدها، أو في حق أمته في المجاهدة في العبادة والاقتصاد فيختار الاقتصاد، أو تخيير من الله تعالى في حق أمته بين وجوب الشيء وندبه، أو حرمته وإباحته. مالم: أي: مالم يكن الأيسر مأثما، فإن كان مأثما اختار الأشد. ومأثما بالفتح أي: مفضيا إلى الإثم، ففيه مجاز مرسل من إطلاق المسبب على سببه، وبعضهم جعل الاستثناء منقطعا إن كان التخيير من الله، ومتصلا إن كان من غيره؛ إذ لا يتصور تخيير الله تعالى إلا بين جائزين.

حدثنا ابن أبي عمر، حدثنا سفيان، عن محمد بن المُنْكَدِر، عن عروة، **عن**[٨] عائشة رضي الله عنها قالت: استأذن **رجل** على رسول الله ﷺ وأنا عنده، فقال: **بئس ابن العشيرة،**

---

(٨) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ سے ایک شخص نے حاضری کی اجازت چاہی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ شخص اپنے قبیلہ کا کیسا بُرا آدمی ہے! یہ ارشاد فرمانے کے بعد اُس کو حاضری کی اجازت مرحمت فرمادی اور اُس کے اندر آنے پر اُس کے ساتھ نہایت نرمی سے باتیں کیں۔ جب وہ چلا گیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ حضور نے اُس کے بارے میں حاضر ہونے سے پہلے تو یہ لفظ ارشاد فرمایا تھا پھر اس قدر نرمی سے اس کے ساتھ کلام فرمایا، یہ کیا بات ہے؟ حضور نے ارشاد فرمایا کہ عائشہ! بدترین لوگوں میں سے ہے وہ شخص کہ لوگ اُس کی بدکلامی کی وجہ سے اُس کو چھوڑ دیں۔

فائدہ: اس شخص کا نام اکثر علماء نے "عیینہ" لکھا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ دل سے اُس وقت تک مسلمان بھی نہ ہوا تھا بلکہ نفاق کے طور پر بظاہر مسلمان تھا، حضور کا معاملہ اُس وقت تک منافقین کے ساتھ مسلمانوں ہی جیسا تھا اس لئے اس کے ساتھ بھی یہی برتاؤ تھا، چنانچہ حضور کے وصال کے بعد جب ارتداد کا زور ہوا تو یہ مرتد ہوگیا تھا اور اپنے مخفی کفر کو ظاہر کر دیا تھا اور جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پکڑ کر لایا گیا اور مدینہ کے نو عمر لڑکوں نے آوازے کسنے شروع کیے کہ یہ بھی مرتد ہوگیا تھا تو اس نے یہ جواب دیا تھا کہ میں مسلمان ہی کب ہوا تھا جو مرتد ہوتا، لیکن اس کے بعد یہ مسلمان ہوئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جہاد میں بھی شریک ہوئے۔ حضور اقدس ﷺ نے اسی لئے اُس کے آنے سے قبل اُس کی حالت پر تنبیہ فرمادی اور چونکہ یہ بہ نیتِ اصلاح اور دوسروں کو مضرّت سے بچانے کے لئے تھا، اس لئے یہ کلام شرعاً غیبت کی حدود میں داخل نہیں ہے،

رجل: قال المناوي: هو عيينة بن حصن الفزاري الذي يقال له: الأحمق المطاع، وجاء في رواية عبد الغني التصريح عن عائشة بأنه مخرمة بن نوفل، فإن كانت الواقعة تعددت فظاهر وإلا فالذي عليه المعول هو الأول لصحة روايته، ولذا قال الخطيب وعياض: الصحيح أنه عيينة قالوا: ويبعد أن يقول المصطفى ﷺ في حق مخرمة: ما قال؛ لأنه كان من خيار الصحابة. زاد المناوي: وكان عيينة إذ ذاك مضمر النفاق، ويدل على ذلك أنه أظهر الردة بعده ﷺ، وجيء به إلى أبي بكر أسيراً، فكان الصبيان يصيحون عليه في أزقة المدينة ويقولون: هذا الذي خرج من الدين فيقول له: عمكم لم يدخل حتى يخرج، فكان قوله ﷺ هذا علما من أعلام النبوة حيث أشار لمغيب يقع، لكن أسلم بعد ذلك وحسن إسلامه وحضر بعض الفتوحات في زمن عمر رضي الله عنه. بئس ابن العشيرة: [أي: بئس هذا الرجل من هذه القبيلة.]

-أو أخ العِشرة – ثم أذِن له، **فألاَن له القول**، فلمّا خرج قلت: يا رسول الله! قلتَ، ما قلتَ ثم اَلَنْت له القول؟ فقال: يا عائشة! إن من شرّ الناس من تركه الناس -أو وَدعه (أي تركه) الناس- **اتقاء** فُحْشِه. **حدثنا** سفيان بن وكيع، حدثنا جُميع بن **عُمر** بن عبد الرحمن العِجلي، حدثني رجل من بني تميم من ولد أبي هالة زوج خديجة يُكنى أبا عبد الله، عن ابن لأبي هالة،

اس لئے کہ کسی شخص کی بُرائی کو اس وجہ سے ظاہر کرنا کہ لوگ اُس کی بُرائی کا شکار نہ بن جائیں اور کسی نقصان میں نہ پھنس جائیں، غیبت کی ممانعت میں داخل نہیں ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ شخص علی الاعلان فاسق تھا اور جو کھلم کھلا فسق و فجور میں مبتلا ہو اُس کی غیبت جائز ہے۔ اس کے حاضر ہونے پر اس کے ساتھ نرم کلامی اس کی تالیفِ قلب اور اس کے مانوس کرنے کے لئے فرمائی، جیسا کہ حضور کی خصوصی عادت تھی۔

نیز حضور اقدس ﷺ کی عادتِ شریفہ سب ہی کے ساتھ نرم کلامی کی تھی اور اسی وجہ سے اُس کے آنے سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ کو اس امر پر متنبہ بھی کر دیا کہ حضور کے اس طرز کی وجہ سے اُس کو مُخلص نہ سمجھیں، وہ کچھ بھلا آدمی نہیں، ایسا نہ ہو کہ حضور کے اس طرزِ معاشرت کی وجہ سے اس کو مخلص اور خیر خواہ سمجھیں اور اس دھوکہ کی وجہ سے کسی مضرّت میں پڑ جائیں، یا کوئی راز کی بات اُس کے سامنے کہہ دیں کہ ایسے منافق لوگ خصوصیات جتانے کے لئے ایسے ہی خصوصی اور اہم تذکرے چھیڑا کرتے ہیں۔ اخیر جملہ میں حضور اقدس ﷺ کے پاک ارشاد "بدترین شخص" کے دو مطلب ہو سکتے ہیں کہ اس کا تعلق آنے والے سے ہو یعنی اس کی فحش گوئی سے بچنے کے لئے اس کے ساتھ یہ برتاؤ کیا گیا کہ یہ فحش گو ہے، یا اس کا تعلق حضور کی ذات سے ہے یعنی مجھے فحش گو تو نے کب دیکھا تھا کہ اس کی منتظر تھی۔

أو أخ: أو للشك، والظاهر أنه شك من سفيان، فإن جميع أصحاب ابن المنكدر رووه بدون الشك، ولا يبعد أن يكون "أو" للتخيير أو بمعنى الواو فإن في البخاري: "بئس ابن العشيرة وبئس أخو العشيرة" بدون الشك قاله القاري.
فألان له القول: [أي: لَطَّفه له ليتألفه، ليسلم قومه لأنه كان رئيسهم.] **اتقاء**: نصب على العلة، والمعنى: أني إنما تركت الانقباض في وجهه اتقاء فحشه، وفي رواية البخاري: متى عهدتني فحاشا، إن شر الناس عند الله منـــزلة يوم القيامة من تركه الناس اتقاء شره. **عُمر**: كذا في جميع النسخ الموجودة عندي، وتقدم في مبدء الكتاب أن المرجح فيه عمير بالتصغير.

عن[(٩)] **الحسن بن علي** رضي الله عنهما قال: قال الحُسين بن عليّ: سألت أبي عن سيرة رسول الله ﷺ في جُلسائه؟ فقال: (كان رسول الله ﷺ دائم **البِشرِ**، سهلَ **الخُلُق**، **لَـيِّن** الجانب، ليس **بفظٍّ**،

وہ برا شخص ہے جس کی بد کلامی کی وجہ سے لوگ اس کے پاس آنا چھوڑ دیں، میں اگر ایسی گفتگو کروں تو لوگ میرے پاس کی آمد و رفت بھی چھوڑ دیں جس سے اگرچہ ان کو ہی نقصان ہے مگر حضور ان کا نقصان کب گوارا فرما سکتے ہیں۔

(٩) (یہ اُس لمبی حدیث کا ایک ٹکڑا ہے جو قریب ہی حضور اقدس ﷺ کی تواضع کے باب میں نمبر ۷ پر گزر چکی ہے۔) حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے (میرے چھوٹے بھائی) حسین نے کہا کہ میں نے اپنے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضور کا اپنے اہلِ مجلس کے ساتھ کا طرز پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ آپ ہمیشہ خندہ پیشانی اور خوش خلقی کے ساتھ متّصف رہتے تھے، یعنی چہرۂ انور پر تبسم اور بشاشت کا اثر نمایاں ہوتا تھا، آپ نرم مزاج تھے یعنی کسی بات میں لوگوں کو آپ کی موافقت کی ضرورت ہوتی تھی تو آپ سہولت سے موافق ہو جاتے تھے۔ نہ آپ سخت گو تھے اور نہ سخت دل تھے، نہ آپ چلا کر بولتے تھے نہ فحش گوئی اور بد کلامی فرماتے تھے، نہ عیب گیر تھے کہ دوسروں کے عیوب پکڑیں، نہ زیادہ مبالغہ سے تعریف کرنے والے، نہ زیادہ مذاق کرنے والے، نہ بخیل (تین لفظ اس جگہ نقل کئے گئے تینوں کا ترجمہ لکھ دیا)

الحسن بن علي رضي الله عنهما: هذا الحديث جزء من الحديث الطويل الذي جزأه المصنف على أبواب، ذكر جزءاً منه في الباب الأول من الكتاب، وجزءاً منه في كلامه ﷺ، وجزءاً في تواضعه ﷺ، وذكره صاحب جمع الفوائد بطوله برواية الموصلي والبزار والأوسط. **البِشرِ**: بكسر أوله طلاقة الوجه وبشاشته، واستشكل بما مر أنه كان متواصل الأحزان، وأجيب بأن حزنه بسبب أحوال الآخرة، أما بالنسبة لأمور الدنيا يكون دائم البشر فكان حزنه ليس على فوت مطلوب أو حصول مكروه قاله المناوي. **الخُلُق**: بضم الخاء، أي: ليس بصعبه أو ليس بخشنه، فعلى الأول هو وصف لخلقه بالنسبة إليه ﷺ، يعني لم يكن خلقه آبيا غير منقاد، وعلى الثاني وصف له بالنسبة لغيره، يعني لم يكن خشنا يتأذى به جليسه.

لـيِّن: بكسر التحتية المشددة، أي: سريع العطف كثير اللطف، وقيل: قليل الخلاف قاله القاري، وقال المناوي: أي سليما مطيعاً منقاداً قليل الخلاف. **بفظٍّ**: بفتح فاء وتشديد ظاء معجمة، وهو من الرجال سيئ الخلق قاله الجزري، وقال الجوهري: هو الغليظ لكنّه لا يلائم قوله: ولا غليظ، اللّهم إلا أن يحمل أحدهما على فظاظة اللسان والآخر على فظاظة القلب، قال عز اسمه: ﴿وَلَوْ كُنْتَ فَظّاً غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ﴾ [آل عمران: ١٥٩]

ولا غليظ، ولا صخّاب، ولا فحّاش ولا عيّاب، **ولا مُشاحٍ**، يتغافل عما **لا يشتهي**، ولا **يُؤْيِس** منه، **ولا يجيب** فيه. قد **ترك نفسه** من ثلاث: **المِرَاء**، **والإكبار**، **وما لا يعنيه**، **وترك الناسَ** من ثلاث: كان لا يذمّ أحداً، **ولا يعيبُه**، **ولا يطلب عورته**،

الصخب: شدة الصوت — بخيل — الجدال

آپ ناپسند بات سے اعراض فرماتے تھے یعنی ادھر التفات نہ فرماتے گویا سنی ہی نہیں۔ دوسرے کی کوئی خواہش اگر آپ کو پسند نہ آتی تو اُس کو مایوس بھی نہ فرماتے تھے اور اُس کا وعدہ بھی نہ فرماتے تھے۔ آپ نے تین باتوں سے اپنے آپ کو بالکل علیحدہ فرما رکھا تھا: جھگڑے سے اور تکبر سے اور بیکار بات سے۔ اور تین باتوں سے لوگوں کو بچا رکھا تھا: نہ کسی کی مذمت فرماتے تھے، نہ کسی کو عیب لگاتے تھے، نہ کسی کے عیوب تلاش فرماتے تھے۔ آپ صرف وہی کلام فرماتے تھے جو باعثِ اجر و ثواب ہو۔ جب آپ گفتگو فرماتے تو حاضرینِ مجلس اس طرح گردن جھکا کر بیٹھتے جیسے اُن کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں (کہ ذرا بھی حرکت اُن میں نہ ہوتی تھی کہ پرند ذرا سی حرکت سے اُڑ جاتا ہے) جب آپ چپ ہو جاتے تب وہ حضرات کلام کرتے (یعنی حضور اقدس ﷺ کی گفتگو کے درمیان میں کوئی شخص نہ بولتا تھا، جو کچھ کہنا ہوتا حضور کے چُپ ہونے کے بعد کہتا تھا) آپ کے سامنے کسی بات میں نزاع نہ کرتے تھے۔ آپ سے جب کوئی شخص بات کرتا تو اُس کے خاموش ہونے تک سب ساکت رہتے۔

ولا مُشاحٍ: بضم الميم وتشديد الحاء اسم فاعل من مفاعلة الشح، وهو: البخل، وفي نسخة صحيحة بدله "مداح"، أي: لم يكن مبالغاً في المدح، وفي أخرى: "ولا مزاح" قاله القاري، وقال المناوي: قال القسطلاني في أكثر النسخ المصححة بدله "ولا مداح"، وكذا في نسخة الحافظ ابن حجر. قلت: وكذا في جمع الفوائد. لا يشتهي: أي: يتكلف الغفلة والإعراض عما لا يستحسنه من القول والفعل. ولا يؤيس: بضم ياء فسكون واو فهمزة مكسورة، أي: لا يجعل غيره آيساً مما لا يشتهي، من يئس بمعنى: قنط. ولا يجيب: بالجيم من الإجابة، أي: لا يجيب أحداً فيما لا يشتهي قاله القاري، وقال المناوي: أي: لودعي إلى مالا يشتهي لا يجيب إليه بل يرد الداعي بميسور من القول. ترك نفسه: [أي: منعها من ثلاث خصال مذمومة.] المراء: [بكسر الميم وبالمدّ أي: الجدال ولو بحق.] والإكبار: بكسر فسكون فموحدة، استعظام نفسه في الجلوس والمشي وغيره، وفي نسخة: الإكثار، واختاره القاضي عياض في شفائه، والمراد به إكثار الكلام. وما لا يعنيه: [مالا يهمه في دينه ودنياه.] وترك الناس: [أي: وترك ذكرهم من ثلاث خصال مذمومة.] ولا يعيبه: قال المناوي: هذا تأكيد، إذ الذم والعيب متحدان، وقال القاري: أي لا يذمه مواجهة ولا يعيبه غيبة، أو لا يذمه في الأمور الاختيارية ولا يعيبه في الخلقية، فالتأسيس أولى من التأكيد. ولا يطلب عورته: [أي: لا يطلب الاطلاع على عورة أحد، وهي: ما يستحيى منه إذا ظهر.]

ولا يتكلّم إلا فيما رَجَا ثوابه، وإذا تكلم أطرق جُلساءه كأنما على رؤوسهم الطير، فإذا سكت تكلموا، **لا يتنازعون** عنده الحديث، ومن تكلم عنده أنصتوا له حتى يفرغ، حديثُهم عنده: **حديث أوّلهم**، يضحك مما يضحكون منه، ويتعجّب مما يتعجّبون منه، ويصبر للغريب على **الجَفْوة** في مَنطِقه ومَسْألته، حتى إن كان أصحابه **لَيَسْتَجْلِبُونهم**.

الإطراق: أن يقبل ببصره إلى صدره ويسكت ساكتا

ہر شخص کی بات (توجّہ سے سُننے میں) ایسی ہوتی جیسے پہلے شخص کی گفتگو (یعنی بے قدری سے کسی کی بات نہیں سُنی جاتی تھی، ورنہ عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ مجلس کی ابتدا میں تو توجہ تام ہوتی ہے پھر کچھ دیر ہونے سے اکتانا شروع کر دیتے ہیں اور کچھ بے توجہی سے ہو جایا کرتی ہے) جس بات سے سب ہنستے آپ بھی تبسم فرماتے اور جس سے سب لوگ تعجب کرتے تو آپ بھی تعجب میں شریک رہتے، یہ نہیں کہ سب سے الگ چپ چاپ بیٹھے رہیں، بلکہ معاشرت اور طرزِ کلام میں شرکاء مجلس کے شریک حال رہتے۔ اجنبی مسافر آدمی کی سخت گفتگو اور بے تمیزی کے سوال پر صبر فرماتے یعنی گاودی لوگ جابجا سوالات کرتے، آداب کی رعایت نہ کر کے ہر قسم کے سوالات کرتے۔ حضور ان پر گرفت نہ فرماتے، ان پر صبر فرماتے اور اس وجہ سے کہ وہ لوگ ہر قسم کے سوالات کر لیتے تھے، بعض صحابہ آپ کی مجلسِ اقدس تک مسافروں کو لے کر آیا کرتے تھے (تاکہ اُن کے ہر قسم کے سوالات سے خود بھی منتفع ہوں اور ایسی باتیں جن کو ادب کی وجہ سے یہ حضرات خود نہ پوچھ سکتے تھے وہ بھی معلوم ہو جائیں) آپ یہ بھی تاکید فرماتے رہتے تھے کہ جب کسی طالبِ حاجت کو دیکھو تو اُس کی امداد کیا کرو (اگر آپ کی کوئی تعریف کرتا تو آپ اُس کو گوارا نہ فرماتے) البتہ اگر بطور شکریہ اور ادائے احسان کے کوئی آپ کی تعریف کرتا تو آپ سکوت فرماتے کہ احسان کا شکر اُس پر ضروری تھا

حديث أوّلهم: أي: كحديث أولهم في عدم الملال منه، أو في الإصغاء إليه؛ إذ العادة جارية بالملال إذا كثر المقال قاله القاري، وقيل: لايتحدث أولا إلا من جاء أولا على الترتيب، وقيل: المراد بأولهم: أفضلهم، أي: يصغي لحديث كلهم كما يصغي لحديث أفضلهم. الجَفْوة: بفتح الجيم وقد يكسر، أي: على الجفاء والغلظة وسوء الأدب مما كان يصدر من جفاة الأعراب، وقد ورد: من بدا جفا. لَيَسْتَجْلِبُونهم: أي: يتمنون مأتي الغرباء إلى مجلسه ليستفيدوا بسبب أسئلتهم ما لا يستفيدونه في غيبتهم؛ لأنهم يهابون بسؤاله، وقيل: معناه يستجلبون خواطرهم مما رأوه من صبره لهم، وقيل: المراد جذبهم عن مجلسه ومنعهم عن الجفاء.

ويقول: إذا رأيتم طالب حاجة يطلبها فأرفدوه، ولا يقبل الثّناء إلا من **مكافئ**، ولا يقطع على
الإرفاد: الإعطاء والإعانة
أحد حديثه حتى **يجوزَ** فيقطعه بنهي **أو قيام**. **حدثنا** محمد بن بشار، حدثنا عبد الرحمن بن مهديّ، حدثنا سفيان، عن محمد بن المُنْكَدِر قال: **سمعت**(۱۰) جابر بن عبد الله يقول: ما سئل رسول الله ﷺ شيئا قطّ **فقال**: لا. **حدثنا** عبد الله بن عمران أبو القاسم القرشيّ المكّيّ، حدثنا إبراهيم بن سعدٍ، عن ابن شهاب،

اس لئے وہ گویا اپنا فرضِ منصبی ادا کر رہا ہے۔ بعض علماء نے اس کا ترجمہ کیا ہے کہ تعریف حدود کے اندر کرتا تو سکوت کرتے یعنی حد سے تجاوز کرتا تو روک دیتے۔ کسی کی گفتگو کو قطع نہ فرماتے تھے کہ دوسرے کی بات کاٹ کر اپنی شروع فرمادیں، البتہ اگر کوئی حد سے تجاوز کرنے لگتا تو اس کو روک دیتے تھے یا مجلس سے کھڑے ہو جاتے۔ تاکہ وہ خود رُک جائے۔

فائدہ: یہ حدیث گذشتہ باب کی ساتویں حدیث کا ٹکڑا ہے۔ مفصّل روایت جس میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے تمام سوالات یکجا ہیں، جمع الفوائد اور شفائے قاضی عیاض میں موجود ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف بابوں کی مناسبت سے اس حدیث کو کئی بابوں میں تھوڑی تھوڑی ذکر کی ہے۔

(۱۰) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے کبھی کسی شخص کے کوئی چیز مانگنے پر انکار نہیں فرمایا۔

فائدہ: اگر اُس وقت موجود ہوتی تو عطا فرمادیتے ورنہ دوسرے وقت کا وعدہ فرمالیتے، یا اُس کے حق میں دعا فرماتے کہ حق تعالیٰ جَلَّ شَانُہٗ اُس کو کسی اور طریقہ سے عطا فرمادیں۔

مكافئ: يعني إذا اصطنع فأثنى عليه على سبيل الشكر والجزاء قبله، وإذا ابتدئ بثنائه كرهه، ذكره الزمخشري، وقيل: معناه مقارب ومماثل أي، في مدحه غير مجاوز به عن حد، ألايرى أنه قال: لا تطروني كما أطرت النصارى. **يجوز**: بالجيم والزاي، أي: يتجاوز عن الحد، وفي نسخة بالجيم والراء من الجور و الميل. **أو قيام**: [أي: فيقطع عليه الصلاة والسلام حديث ذلك الأحد إذا جاوز الحد إما بنهي له عن الحديث إن أفاد، بأن لم يكن معاندا، أو قيام من المجلس إن كان معاندا.]

فقال: بينه الحديث السابق بأنه لم يردّه إلا بها أو بميسور من القول، ولنعم ما قيل:

مـــا قال لا قط إلا في تشهده   لولا التشهد كانت لاؤه نعم

عن **عبيد الله، عن**[11] ابن عباس رضي الله عنهما قال: كان رسول الله ﷺ

---

(۱۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اول تو تمام لوگوں سے زیادہ ہر وقت ہی سخی تھے (کہ کوئی بھی حضور کی سخاوت کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا کہ خود فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے اور عطاؤں میں بادشاہوں کو شرمندہ کرتے تھے۔ نہایت سخت احتیاج کی حالت میں ایک عورت نے چادر پیش کی اور سخت ضرورت کے درجہ میں پہنی، جب ہی ایک شخص نے مانگ لی اُس کو مرحمت فرما دی۔ قرض لے کر ضرورت مندوں کی ضرورت کو پورا کرنا اور قرض خواہ کے سخت تقاضے کے وقت کہیں سے اگر کچھ آگیا اور ادائے قرض کے بعد بچ گیا تو اتنے وہ تقسیم نہ ہو جائے گھر نہ جانا۔ ایسے مشہور واقعات اتنی کثرت سے ہیں کہ ان کا احاطہ ہو ہی نہیں سکتا) بالخصوص رمضان المبارک میں تمام مہینہ اخیر تک بہت ہی فیاض رہتے (کہ خود حضور کی گیارہ مہینہ کی فیاضی بھی اس مہینہ کی فیاضی کے برابر نہ ہوتی تھی) اور اس مہینہ میں بھی جس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لا کر آپ کو کلام اللہ شریف سُناتے اُس وقت آپ بھلائی اور نفع پہنچانے میں تیز بارش لانے والی ہوا سے بھی زیادہ سخاوت فرماتے تھے۔

فائدہ: اس ہوا کے ساتھ تشبیہ تیزی اور سُرعت میں ہے کہ ہوا اس قدر تیز نہیں چلتی جتنی تیز حضور کی سخاوت چلتی تھی یا نفع کے عام ہونے میں ہے کہ بارش کا نفع اس قدر عام اور سب کو شامل نہیں ہوتا جتنی عام حضور کی سخاوت تھی۔ بارش کے ساتھ تشبیہ صورت کے اعتبار سے ہے ورنہ حضور کی سخاوت کو بارش سے کیا نسبت! کہ یہ صرف مادی چیزوں کو اگانے والی ہے اور حضور کی بارش ظاہر و باطن ضروریاتِ دنیویہ اور دینیہ کو پوری کرنے والی تھی، یہ زمین کو زندہ کرتی ہے وہ دلوں کو بھی زندہ کرتی تھی۔ ترمذی کی روایت سے نقل کیا گیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے پاس ایک مرتبہ نوے ہزار درہم جس کے تقریباً بیس ہزار روپیہ سے زیادہ ہوتے ہیں، کہیں سے آئے۔ حضور اقدس ﷺ نے ایک بورے پر ڈلوا دیے

عبيد الله: قال المناوي: يحتمل أنه عبيد الله بن عياض، ويحتمل عبيد الله بن أبي رافع كاتب علي، فإنهما يرويان عن ابن عباس وعنهما الزهري. مختصراً، وقال القاري: إنه ابن عبد الله بن عتبة بن مسعود، وأخطأ من قال: إنه ابن أبي مليكة. وقال البيجوري: إنه ابن عبد الله بن عتبة، خلافا لما قال المناوي. قلت: و بابن عبد الله بن عتبة جزم الحافظان: ابن حجر والعيني في شرحي البخاري، فإن البخاري أخرجه في صحيحه في خمسة مواضع.

أجود الناس بالخير، **وكان أجود** ما يكون في شهر رمضان، **حتى ينسلخ**، فيأتيه جبريل، **فيعرض** عليه القرآن، فإذا لقيه جبريل كان رسول الله ﷺ أجود **بالخير** من الريح المرسلة.

أي: يتم يعني كمال جوده كان في جميع رمضان

اور وہیں پڑے پڑے سب تقسیم کرادیے۔ ختم ہوجانے کے بعد ایک سائل آیا جس کا قصّہ تیسری حدیث میں حدیث نمبر ۱۳ کے ذیل میں آرہا ہے۔ حضور نے ارشاد فرمادیا کہ میرے پاس تو کچھ رہا نہیں ہے، تو کسی سے میرے نام سے قرض لے لے، جب میرے پاس ہوگا ادا کردوں گا۔ یہ تو حضور کی عام عادت تھی اور رمضان المبارک کے اس وقت کا تو کیا پوچھنا کہ وہ مالک الملک کی طرف سے افضل البشر کے پاس افضل الکلام افضل ترین اوقات میں فرشتوں کے لے کر آنے کا وقت تھا،

أجود: بالنصب على انه اسم "كان"، أفعل تفضيل من الجود، وهو: إعطاء ما ينبغي لمن ينبغي على ما ينبغي، و"الخير" شامل لجميع أنواعه حالا ومآلا من العلم والخلق والمال والجاه، فكان يسمح بالموجود؛ لكونه ﷺ مطبوعاً على الجود، فكان إذا وجد جاد، وإن لم يجد وعد، ولا يخلف الميعاد. وكان أجود: قال المناوي: برفع "أجود" وذكروا له عشرة أوجه، وقال القاري: الرفع في "أجود" أجود، على ماروي في أكثر الروايات، كما صرح به العسقلاني على أنه اسم "كان" وخبره محذوف حذفا واجبا و"ما" مصدرية، ومعناه: أجود أكوانه، و"في رمضان" في محل الحال، واقع موقع الخبر الذي هو "حاصل"، فمعناه: أجود أكوانه حاصلاً في رمضان.

حتى ينسلخ: [والمعنى: أن غاية جوده كانت تستمر في جميع رمضان إلى أن يفرغ؛ لأنه موسم الخيرات، فإن الله يتفضل على عباده في هذا الشهر مالا يتفضل عليهم في غيره، فهو متخلق بأخلاق ربه.] فيعرض: قال ميرك: فاعل "يعرض" يحتمل أن يكون جبرئيل، وضمير "عليه" للنبي ﷺ، كما هو ظاهر السياق، ويحتمل العكس؛ لما في البخاري: يعرض عليه النبي ﷺ، وترجم عليه في فضائل القرآن: كان جبرئيل يعرض القرآن، قال العسقلاني: هذا عكس الحديث، وكأنه أشار إلى بعض طرقه فأشار إلى أن كلا منهما كان يعرض على الآخر، ويؤيده مافي رواية للبخاري بلفظ: "فيدارسه القرآن"؛ إذ المدارسة مفاعلة من الجانبين.

بالخير: أجود بالخير، أي: أسخى ببذل الخير من الريح المرسلة -بفتح السين- فإنها ينشأ عنها جود كثير؛ لأنها تنشر السحاب وتملؤها ماءً، ثم تبسطها، لتعم الأرض فيحيي به الموات ويخرج النّبات، وتعبيره بـــ"أفعل" نص في كونه أعظم جودا منها؛ لأنها قد تخلو عن المطر، وهو ﷺ لا ينفك عن مطر الجود والسخاء، والتشبيه في تعميم العطاء أو السرعة. والحاصل أنه فضل جوده على جود الناس، ثم فضل جوده في رمضان على جوده في غيره، ثم فضل جوده في رمضان عند لقاء جبرئيل على جوده في غيره، فإنه وقت إتيان الملائكة إلى أفضل الخلق بأفضل كلام من أفضل متكلم في أفضل أوقات.

حدثنا قتيبة بن سعيد، حدثنا جعفر بن سُليمان، عن ثابت، **عن**[۱۲] أنس بن مالك رضی اللہ عنہ قال: كان النبي ﷺ **لا يدّخر** شيئا لغد. **حدثنا** هارون بن موسى بن أبي عَلْقمة **الفرويّ** المدنيّ. حدثني أبي، عن هشام بن سعد، عن زيد بن أسلم، عن أبيه،

اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی تھی کہ حضور اقدس ﷺ حق تعالیٰ جَلَّ شَانُہٗ کے اخلاق کے ساتھ کمال درجہ میں متّصف تھے کہ اصل کمال عاداتِ الٰہیہ کے ساتھ متّصف ہونا ہے اور حق تعالیٰ جَلَّ شَانُہٗ کے یہاں سے اس ماہِ مبارک میں جس قدر رحمت وانعام کے دروازے کھلتے ہیں اُس کا کچھ نمونہ دیکھنا ہو تو بندہ کا رسالہ ''فضائلِ رمضان'' دیکھو۔

(۱۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ دوسرے دن کے واسطے کسی چیز کو ذخیرہ بنا کر نہیں رکھتے تھے۔

فائدہ: یعنی جو چیز ہوتی کھلا پلا کر ختم فرما دیتے۔ اس خیال سے کہ کل کو ضرورت ہوگی، اُس کو محفوظ نہ رکھتے تھے۔ یہ حضور کا غایت توکل تھا کہ جس مالک نے آج دیا ہے وہ کل بھی عطا کرے گا، یہ اپنی ذات کے لئے تھا۔ بیبیوں کا نفقہ ان کے حوالہ کر دیا جاتا، وہ جس طرح چاہیں تصرف کریں، چاہے رکھیں یا تقسیم کر دیں۔ مگر وہ بھی تو حضور ہی کی بیبیاں تھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک مرتبہ دو گونیں درہموں کی نذرانہ کے طور پر پیش کی گئیں جن میں ایک لاکھ سے زیادہ درہم تھے، انھوں نے طباق منگایا اور بھر بھر کر تقسیم فرما دیا، روزہ دار تھیں، افطار کے وقت ایک روٹی اور زیتون کا تیل تھا جس سے افطار فرمایا۔ باندی نے عرض کیا: ایک درہم کا اگر آج گوشت منگا لیتیں تو آج ہم اُسی سے افطار کر لیتے۔ ارشاد فرمایا کہ اب طعن دینے سے کیا ہو، اُس وقت یاد دلا دیتی تو میں منگا دیتی ''حکایاتِ صحابہ'' میں ان سچے اتباع کرنے والوں کے کچھ نمونے دکھائے گئے ہیں، اس لئے اگر حدیث کا مطلب یہ ہو کہ نہ اپنے لئے نہ گھر والوں کے لئے دوسرے دن کا ذخیرہ نہ ہوتا تھا تب بھی بے محل نہ ہوگا۔

لا يدّخر: أي: لخاصة نفسه، فلا ينافي ما في الصحيحين: أنه ﷺ كان يدخر لأهله قوت سنة، وقيل: عدم الادّخار غالب أحواله أو في أوائل أمره؛ إذ قدثبت في البخاري عن أنس يقول: ما أمسى عند آل محمد صاع بر ولا صاع حب، وإن عنده تسع نسوة، والأولى أن يجمع: بأنه كان يدخرلهم قوت سنة، ثم من جوده وكرمه على الوافدين كان يفرغ زادهم قبل تمام السنة.

الفروى: بفتح الفاء وسكون الراء، نسبه إلى فرو اسم جده.

عن (١٣) عمر بن الخطاب رضي الله عنه، أن رجلا جاء إلى رسول الله ﷺ فسأله أن يُعطيه، فقال النبي ﷺ: ما عندي شيء، ولكن **ابْتع** عليّ فإذا جاءني شيء قضيته، فقال عمر: يا رسول الله! **قد أعطيته**، فما كلّفك الله ما لا تقدر عليه، فكره النبي ﷺ **قول عمر**، فقال رجل من الأنصار: يا رسول الله! أنفقْ ولا تخفْ من ذي العرش **إقلالاً** [من غلب عليهم الإيثار] فتبسّم رسول الله ﷺ وعُرِف **البِشْر** في وجهه لقول الأنصاريّ،

(۱۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی ضرورت مند نے حضور اقدس ﷺ سے کچھ سوال کیا۔ آپ نے ارشاد فرمادیا کہ میرے پاس تو اس وقت کچھ موجود نہیں ہے۔ تم میرے نام سے خرید لو، جب کچھ آ جائے گا تو میں ادا کر دوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کے پاس جو کچھ تھا آپ دے چکے ہیں اور جو چیز آپ کی قدرت میں نہیں ہے اُس کا حق تعالیٰ شانہ نے آپ کو مکلّف نہیں بنایا ہے۔ حضور کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ مقولہ ناگوار گزرا تو ایک انصاری صحابی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! جس قدر جی چاہے خرچ کیجئے، عرش کے مالک سے کمی کا اندیشہ نہ کیجئے (کہ جو ذات پاک عرش بریں کی مالک ہے اُس کے یہاں آپ کو دینے میں کیا کمی ہو سکتی ہے) حضور کو انصاری کا یہ کہنا بہت پسند آیا اور حضور نے تبسم فرمایا جس کا اثر چہرۂ مبارک پر ظاہر ہوتا تھا اور آپ نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہ نے مجھے اسی کا حکم فرمایا ہے۔

فائدہ: خود نبی کریم ﷺ کا حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے بھی یہی ارشاد ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ

ابْتع: بتقديم الموحدة على المثناة الفوقية، أي: اشتر وأعدد واحسب الثمن عليّ، وروي بتقديم المثناة على الموحدة، أي: أحل علينا بدينك الذي عليك. قال الزمخشري: أتبعت فلانا عن فلان. **قد أعطيته:** أي: السائل قبل هذا، أو أعطيت الميسور من القول، وهو قولك: "ما عندي شيء" قاله المناوي. قلت: ويحتمل أن يكون الضمير إلى المال، والقصة مختصرة، وفي نشر الطيب عن الترمذي: أنه أتي إليه تسعون ألف درهم فوضعت على حصير، فما رد سائلا حتى فرغ منها، فجاءه رجل فسأله فقال: ما عندي شيء ولكن ابتع علي، الحديث. فيحتمل أن يكون المرجع ذلك المال الذي قسمه ﷺ، لكن ظاهر الشفاء أنهما قصتان متغائران، وهو ظاهر شروح الشفاء، وهو الظاهر عندي.

قول عمر: [أي: من حيث استلزامه حرمان السائل، لا لمخالفته للشرع.] **إقلالاً:** قال القاري: هو مصدر، قلّ الشيء يقلّ وأقله غيره، وزاد في التاج: أن معناه الافتقار، وقال المناوي: من أقل بمعنى افتقر، وهو في الأصل بمعنى: صار ذا قلة.

البِشْر: بكسر الموحدة، أي ظهر في وجهه البشاشة.

ثم قال: **هذا أُمرت. حدثنا عليّ بن حُجر**، حدثنا شريك، عن عبد الله بن محمد بن عَقيلٍ،

حضور ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پاس کھجوروں کی ایک ڈھیری لگی ہوئی دیکھی۔ حضور نے دریافت فرمایا یہ کیا ہے؟ عرض کیا کہ آئندہ کی ضروریات کے لئے روک لیا ہے۔ حضور نے فرمایا تجھے اس کا ڈر نہیں ہے کہ اس کی بدولت کل قیامت کے دن جہنم کا کچھ دھواں تجھ تک پہنچ جائے اُس کے بعد ارشاد فرمایا۔ **أنفق بلال! ولا تخش من ذي العرش إقلالا**۔ اے بلال! خرچ کر اور عرش کے مالک سے کمی کا اندیشہ نہ کر۔ حضور کی سخاوت اور کرم کے واقعات جس کثرت سے ہیں ان کے احاطہ کی کس کو طاقت ہے، اس کرم کے لئے یہ بھی ضروری نہ تھا کہ حضور کے پاس موجود ہی ہو، ضرورت مندوں کے لئے قرض لے کر اُن پر خرچ کرنا حضور کا عام معمول تھا جیسا کہ اوپر کی حدیث میں خود موجود ہے۔

ایک شخص نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حضور کے اخراجات کی کیا صورت تھی؟ انھوں نے فرمایا کہ حضور کے پاس تو کچھ رہتا ہی نہ تھا، میں ہی اخیر تک اس کا منتظم رہا۔ عادتِ شریفہ یہ تھی کہ جب کوئی مسلمان ہو کر حاضر خدمت ہوتا اور آپ اُس کو ننگا دیکھتے تو مجھے اس کے انتظام کا حکم فرماتے۔ میں کہیں سے قرض لے کر اس کے کپڑے بنواتا اور کھانے کا انتظام کرتا۔ ایک دن مشرکین میں سے ایک شخص میرے پاس آیا اور آکر کہنے لگا کہ مجھے بڑی وسعت حاصل ہے تمہیں جو کچھ قرض لینا ہو مجھ سے لے لیا کرو اور کسی سے قرض لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اُس سے قرض لینے لگا۔ ایک دن میں وضو کر کے اذان کہنے ہی کو تھا کہ وہ مشرک چند تاجروں کو ساتھ لئے ہوئے آیا اور مجھے دیکھ کر کہنے لگا کہ او حبشی! میں نے کہا: حاضر ہوں۔ وہ نہایت تُرش روئی سے مجھ کو بُرا بھلا کہنے لگا اور کہا کہ اس مہینہ کے ختم میں کتنے دن باقی ہیں؟ میں نے کہا کہ مہینہ تو ختم کے قریب ہے۔ کہنے لگا کہ چار دن باقی ہیں، اگر اُس وقت تک قرضہ ادا نہ کیا تو تجھے قرضہ میں غلام بنالوں گا اور جیسا کہ پہلے غلامی کی حالت میں بکریاں چرایا کرتا تھا وہی صورت پھر ہو جائے گی۔

هذا أمرت: قال القاري: أي: بالإنفاق وعدم الخوف، أو بالعطاء في الموجود وبالقول الميسور في المفقود، لا بما قاله عمر ﷺ، قال المناوي: قال تعالى: ﴿وَمَا أَنفَقْتُم مِّن شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ﴾ [سبأ:٣٩]، وفيه: أن الإنفاق مأمور به في كل حال دعت المصلحة إليه ولو بنحو استدانة. **عليّ بن حُجر**: الحديث بسنده ومتنه مكرر، تقدم في آخر "باب فاكهة النبي ﷺ" إلا أن الرواية هناك بالشك، وههنا بلفظ: "حليا وذهباً" بالجزم.

عن[١٤] الرُّبَيِّع بنت معوِّذ بن عَفْراء قالتْ: أتيتُ النَّبي ﷺ بقِنَاع [بطبق] من رُطَب وأجْر زُغْب [الصغار من القثاء]، فأعطاني مِلأَ كفِه حُلِيًّا وذهبًا. **حدثنا** عليّ بن خَشْرم [كجعفر] وغير واحد قالوا: أخبرنا **عيسى بن يونس**،

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اُس کی یہ باتیں سُن کر جو لوگوں پر گزرتی ہے مجھ پر بھی گزری۔ میں عشا کی نماز کے بعد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ سارا قصّہ سُنا کر عرض کیا کہ حضور اتنی جلدی انتظام کیا ہو سکتا ہے، ادائیگی کے لئے نہ آپ کے پاس کچھ ہے نہ میرے پاس۔ میں روپوش ہو جاؤں، جب آپ ادائیگی فرمادیں گے میں حاضر ہو جاؤں گا ورنہ وہ مجھے سخت ذلیل کرے گا۔ صبح کی نماز سے قبل ایک شخص دوڑا ہوا آیا کہ حضور بلا رہے ہیں، میں حاضر ہوا تو حضور نے فرمایا اللہ جَلّ جلالہٗ نے تیرے قرضہ کا انتظام کر دیا، یہ چار اونٹیاں جو سامان سے لدی ہوئی کھڑی ہیں یہ فدک کے حاکم نے ہدیہ بھیجا ہے۔ میں نے صبح کو وہ سب قرضہ بے باق کیا اور حضور کو اطلاع دی کہ اللہ جَلّ شانُہٗ نے قرضہ سے آپ کو سبکدوش کر دیا۔ حضور نے فرمایا کہ اُس سامان میں سے کچھ بچا یا نہیں؟ میں نے عرض کیا کہ کچھ بچ گیا۔ حضور نے فرمایا کہ اس کو تقسیم کر دے کہ مجھے راحت ملے۔ شام ہوگئی کچھ پھر بھی بچ گیا۔ عشا کے بعد حضور نے دریافت فرمایا، میں نے عرض کیا کہ مستحقین آئے ہی نہیں، ابھی کچھ باقی ہے تو حضور نے وہ رات مسجد میں گزاری، مکان پر تشریف نہیں لے گئے۔ دوسرے دن عشا کے بعد پھر دریافت فرمایا، میں نے عرض کیا کہ اللہ جل شانہ نے اُس کے بارسے آپ کو سبکدوش فرمادیا، وہ سب تقسیم ہوگیا۔ تب حضور نے اللہ کا شکر ادا کیا اور اپنے مکانوں پر تشریف لے گئے۔ (ابو داؤد)

(۱۴) ربیع کہتی ہیں کہ میں ایک طباق کھجوروں کا اور کچھ چھوٹی چھوٹی پتلی پتلی ککڑیاں لے کر حاضرِ خدمت ہوئی تو حضور اقدس ﷺ نے مجھے اپنا دستِ مبارک بھر کر سونا اور زیور مرحمت فرمایا۔ **فائدہ**: یہ حدیث حضور کے میوہ کے ذکر میں نمبر ۶،۷ پر گزر چکی ہے۔

زُغْب: [وهو صِغَرُ الشعر ولينه، والمراد صغر ريشه.] عيسى بن يونس: قال الترمذي والبزار: لانعرف هذا الحديث موصولاً إلا من حديث عيسى بن يونس، وهو عند الناس مرسل، وقال البخاري بعد إيراد هذا الحديث: لم يذكر وكيع ومحاضر عن هشام عن أبيه عن عائشة، وأشار بهذا أن عيسى تفرد بوصله. قال الحافظ العسقلاني: رواية وكيع وصلها ابن أبي شيبة عنه بلفظ: "ويثيب ما هو خير منها"، ورواية محاضر لم أقف عليها.

عن هشام بن عروة، عن أبيه، **عن**[15] عائشة رضي الله عنها أن النبي ﷺ كان يَقْبل الهديّة ويُثِيب عليها.
أي: يعطي في مقابلتها شيئاً

(۱۵) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ہدیہ قبول فرماتے تھے اور اُس پر بدلہ بھی دیا کرتے۔

فائدہ: کمال خلق ہے کہ ہدیہ واپس کرنے میں دوسرے کی دل شکنی کا خیال ہے اور بدلہ نہ دینے میں اُس کو کوئی نفع نہیں۔ بلکہ بسا اوقات غلبۂ محبت میں آدمی خود مشقت اُٹھا کر ہدیہ دیا کرتا ہے، بدلہ کی صورت میں اس کی دلداری بھی ہو گئی اور اس کو کوئی نقصان بھی نہ ہوا بلکہ نفع ہوا۔ اس لئے کہ بعض حدیثوں میں وَيُثِيْبُ مِنْهَا کی جگہ وَيُثِيْبُ خَيْرًا مِّنْهَا وارد ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ اُس سے بہتر بدلہ دیتے تھے اور دوسری روایات سے بھی حضور کا یہ معمول معلوم ہوتا ہے کہ ہدیہ سے زیادہ بدلہ دیتے تھے۔

بابُ ما جاء في حَيَاء رسول الله ﷺ

حدثنا محمود بن غيلان، حدثنا أبو داود، حدثنا شعبة،

باب۔ حضور اقدس ﷺ کی حیا کا ذکر

فائدہ: یہ مضمون اگرچہ عادات کا جزو ہے اور اس لحاظ سے گذشتہ باب میں داخل ہو سکتا تھا مگر غایتِ اہتمام کی وجہ سے اس کو مستقل ذکر کیا کہ خالق اور مخلوق دونوں کے ساتھ کے معاملات میں حیا پر ایک مستقل مدار ہے، حدیث میں وارد ہے کہ جب تجھ سے حیا جاتی رہے پھر جو چاہے کر گذر۔ حضور اقدس ﷺ کا ہر کمال درجۂ منتہی پر تھا، جس باب کو شروع کیا جائے اُس میں آپ کے اوصاف بیان کرنے کے لئے الفاظ کماحقہ میسر نہیں ہوتے، آپ کی حیا کے دو چار واقعات نہیں ہیں سیکڑوں واقعات اس کے شاہد ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کثرتِ حیا کی وجہ سے کسی شخص کے چہرہ پر نگاہ نہیں جماتے تھے یعنی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کسی سے بالمقابل نہ ہوتے تھے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نمونے کے طور پر اس باب میں دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ حیا کئی قسم کی ہوتی ہے: ایک کرم کی حیا کہلاتی ہے، جیسا کہ حضور اقدس ﷺ نے جب حضرت زینب کا ولیمہ کیا تو کھانے سے فارغ ہونے کے بعد چند لوگ بیٹھے رہے اور باتوں میں مشغول رہے۔ نبی اکرم ﷺ پر ان کا بیٹھنا بار تھا اور بار بار کبھی باہر تشریف لے جاتے تھے کبھی اندر تشریف لاتے تھے مگر شرم کی وجہ سے ان کو اٹھنے کا حکم نہیں فرمایا۔ قرآن پاک میں بھی سورۂ احزاب کے اخیر کے قریب اس قصّہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ دوسری قسم عاشق کی اپنے محبوب سے شرم ہوتی ہے کہ بولنا بھی دشوار ہوتا ہے:

شوق افزوں مانعِ عرضِ تمنّا دابِ حسن بارہا دل نے اٹھائے ایسی لذّت کے مزے

حَيَاء: الحياء ههنا بالمد، وأما بالقصر فهو بمعنى المطر، وكلاهما ماخوذ من الحيوة، فإن أحدهما حيوة الأرض والآخر حياة القلب، وهو في اللغة: تغير وانكسار يعتري الإنسان من خوف ما يعاب به، وفي الشرع: خُلُق يبعث على اجتناب القبيح، وهو أقسام: منها حياء الكرم، كاستحيائه ﷺ أن يقول لمن طول القيام في وليمة زينب رضي الله عنها: انصرف، وحياء المحب من محبوبه حتى إذا خطر بقلبه هاج الحياء، وحياء العبودية بأن يشهد تقصيره فيها فيزداد خجلة، وحياء المرء من نفسه بأن تشرف همته فيستحيي من رضى نفسه بالنقص يجد نفسه مستحيا من نفسه حتى كان له نفسين، وهذا أكمل أنواع الحياء.

عن قتادة قال: سمعت **عبد الله** بن أبي عُتبة يُحدّث **عن**[1] أبي سعيد الخدريّ رضي الله عنه قال: كان رسول الله ﷺ أشدّ حياء من العذراء في **خِدْرها**، وكان إذا كره شيئا عرفناه **في وجهه**.

تیسری قسم بندگی کی شرم ہوتی ہے کہ بندگی میں اپنے آپ کو قاصر پائے اور مولا سے شرم میں بڑھتا جائے۔ چوتھی خود اپنی ذات سے شرم ہوتی ہے کہ آدمی ہمت سے کسی کام کو شروع کرے اور اُس میں کوئی نقص رہ جائے تو خود اپنے سے شرم آنے لگتی ہے کہ ذرا سا کام بھی نہ ہوا۔ کہتے ہیں کہ یہ شرم کا اعلیٰ درجہ ہے۔ جو شخص خود اپنے سے شرماتا ہے وہ دوسرے سے بطریقِ اولیٰ شرمایا کرتا ہے۔

(۱) ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ شرم و حیا میں کنواری لڑکی سے جو اپنے پردہ میں ہو، کہیں زائد بڑھے ہوئے تھے، جب حضور کو کوئی بات ناگوار ہوتی تو ہم آپ کے چہرہ سے پہچان لیتے۔ (حضور غایتِ شرم کی وجہ سے اظہارِ ناپسندیدگی بھی نہ فرماتے تھے)۔

فائدہ: کنواری جو اپنے پردہ میں ہو، کے دو مطلب علماء نے لکھے ہیں: ایک جماعت علماء نے یہ فرمایا ہے کہ اس سے پردہ نشین کنواری مراد ہے کہ وہ اُس کنواری لڑکی سے جو باہر پھرتی ہو، بہت زیادہ شرمیلی ہوتی ہے گو کنواری ہر ایک ہی شرم دار ہوتی ہے، اسی لئے شریعت نے کنواری لڑکی کے نکاح کی اجازت کے لئے اُس کے سکوت کو کافی بتایا ہے کہ کنواری کے لئے شرم طبعی چیز ہے اور بالخصوص پردہ نشین لڑکی۔ اور بعض علماء نے پردہ نشین سے وہ لڑکی مراد لی ہے جو پردہ میں تربیت دی گئی ہو کہ اُس کو عورتوں سے بھی پردہ کرایا گیا ہو، چنانچہ باہر کی پھرنے والی عورتوں سے پردہ بہت سے خاندانوں میں مروّج ہے

عبد الله: [وهو عبد الله بن أبي عتبة البصري الفقيه الأعمى، أخذ عن أمّ المؤمنين عائشة رضي الله عنها وأبي هريرة رضي الله عنه والكبار من الصحابة، وهو معلم عمر بن عبد العزيز، وكان من بحار العلم، خرّج له الجماعة، مات سنة ثمان وتسعين.

خِدْرها: بكسر الخاء المعجمة وسكون الدال المهملة، ستر يجعل للبكر في ناحية البيت، والظرف حال من العذراء أو صفة لها، وهو تتميم للفائدة، فإن العذراء إذا كانت مترببة في سترها تكون أشد حياء لتسترها حتى عن النساء، بخلافها إذا كانت في غير بيتها، أو كانت داخلة خارجة فإنها كان مانعا منه، وجاء في رواية عنها: ما رأيت منه ولا رأى مني يعني الفرج.

في وجهه: لأنه ما كان يتكلم بالشيء الذي يكرهه حياء، بل يتغير وجهه فيفهم كراهته له، وكذا البنت المخدرة غالباً لم تتكلم في حضور الناس بل يرى أثر رضاها وكراهتها في وجهها، وبهذا يظهر وجه الارتباط بين الجملتين.

حدثنا محمود بن غيلان، حدثنا وكيع: أخبرنا سفيان، عن منصور، عن موسى بن عبد الله بن يزيد **الخَطْميّ**، عن مولىً لعائشة رضي الله عنها قال: **قالت**[٢] عائشة: **ما نظرت** إلى فرج رسول الله ﷺ، أو قالت: ما رأيت فرج رسول الله ﷺ قط.

کہ یہ لڑکی جس قدر شرمیلی ہوگی ظاہر ہے۔ دوسرا مطلب بعض علماء نے اپنے پردہ میں ہونے سے کنایہ بتایا ہے شبِ عروس کا کہ کنواری لڑکی پہلی شب میں جس قدر شرمیلی ہوتی ہے وہ ظاہر ہے۔

(۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ (حضور کی حیا اور تستر کی وجہ سے) مجھے کبھی آپ کے محلِّ شرم دیکھنے کی ہمت نہیں پڑی اور کبھی نہیں دیکھا۔

فائدہ: جب حضور کی شرم کی وجہ سے ہمت نہیں پڑی تو خود حضور تو کیا دیکھتے، اور اصولی بات ہے کہ شرمیلے آدمی کے سامنے دوسرے کو مجبوراً شرم کرنا پڑتی ہے اور ایک دوسری روایت میں بالتصریح اس کی بھی نفی ہے کہ نہ حضور نے کبھی میرے ستر کو دیکھا نہ میں نے حضور کے ستر کو دیکھا اور جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا باوجودیکہ تمام بیبیوں میں سب سے زیادہ بے تکلف تھیں، سب سے زیادہ محبوب تھیں، اُن کا یہ حال ہے تو اوروں کا کیا ذکر، چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضور بیوی سے صحبت کرتے تو آنکھیں بند کر لیتے اور سر جھکا لیتے اور بیوی کو بھی سکون و وقار کی تاکید فرماتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ حجروں کے پیچھے جا کر غسل کیا کرتے، حضور کے محلِّ ستر کو کبھی کسی نے نہیں دیکھا۔ نبوّت سے قبل جب کہ کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی، حضور بھی پتھر اُٹھا رہے تھے، عرب کے دستور کے موافق کہ ستر کے چھپانے کا کچھ ایسا اہتمام نہ تھا، حضور نے لنگی کو پتھر کے نیچے رکھ لیا، اُسی وقت بیہوش ہو کر گر گئے، حالانکہ شرعی احکام اُس وقت تک نازل بھی نہ ہوئے تھے۔

الخَطْمي: بفتح معجمة وسكون مهملة، نسبة إلى خطم قبيلة من العرب كذا قاله القاري وغيره، وضبطه المناوي بكسر أوله.
مانظرت: [والمراد أنه كان من شدّة حيائه ﷺ لا يمكنها النظر إلى فرجه، مع احتياطه بفعل ما يوجب امتناعها من رؤيته. وروى ابن الجوزيّ عن أم سلمة أنه ﷺ كان إذا أتى امرأة من نسائه: غض عينيه، وقنّع رأسه، وقال للّتي تحته: عليك بالسكينة والوقار] قال الحنفي: فإن حياءه ﷺ حينئذٍ تكون قليلة الحياء، وأغرب ابن حجر، حيث قال تبعا لميرك: إذ الخلوة مظنة وقوع الفعل به، ووجه غرابته لا يخفى، فإنه لو كان المراد هذا المعنى لقيل: أشدّ حياء من العذراء عند زفافها.

بابُ ما جاء في **حجامة** رسول الله ﷺ

حدثنا عليّ بن حُجر، حدثنا إسماعيل بن جعفر،

باب۔ حضور اقدس ﷺ کے سینگی پچھنے لگوانے کا ذکر

فائدہ: اس باب میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے چھ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں، جن میں سینگی کے استعمال کے مختلف واقعات ذکر فرمائے ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ معمولاتِ نبویہ میں علاج بدن اور دوا کا استعمال کرنا بھی تھا، علاج کا کرنا توکل کے منافی نہیں ہے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ سے بڑھ کر متوکل کون ہوگا، مگر اس کے باوجود حضور سے علاج کے طور پر سینگی کا استعمال متعدّد احادیث میں نقل کیا گیا ہے اور حق یہ ہے کہ توکل اسباب کے منافی نہیں ہے۔ ہمارے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اُس رسالہ میں جس میں اپنے مبشرات کو جمع کیا ہے اور اپنے بہت سے مکاشفات اور حضورِ اقدس ﷺ سے خوابوں میں جو سوالات کئے ہیں، ذکر کئے ہیں۔ لکھا ہے کہ میں نے ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ سے روحانی سوال کیا کہ اسباب کے اختیار کرنے میں اور اسباب کے ترک کرنے میں کونسی چیز افضل ہے؟ تو مجھ پر حضور اقدس ﷺ کی طرف سے ایک روحانی فیض ہوا جس کی وجہ سے اسباب و اولاد غرض ہر چیز سے طبیعت سرد پڑ گئی، اُس کے بعد میری طبیعت پر ایک انکشاف ہوا جس کا اثر یہ ہوا کہ طبیعت تو اسباب کی طرف متوجہ ہے اور روح تسلیم و تفویض کی طرف مائل ہے فقط۔ حق یہ ہے کہ یہی اصل توکل ہے کہ اسباب کو بالکل غیر مؤثر سمجھیں، اسباب میں تاثیر بھی اللہ تعالیٰ شانہ کی طرف سے ہے، اُس کی مشیت کے بغیر اسباب بھی کچھ نہیں بنا سکتے۔

از قضا سر کنگبیں صفرا فزود روغنِ بادام خشکی مے نمود

حجامة: هو بالكسر اسم من الحجم على ما ذكره الجوهري، وفي القاموس: الحجم: المص، المِحجم والمحجمة بكسرهما: ما يحجم به، وحرفته الحجامة ككتابة، قال القاري: ولعلها مشتركة بينهما، وإلا فالمناسب للمقام المعنى الأول، وقال المناوي: وجه مناسبة هذا الباب بالشمائل أن من أجلها التوكل، وقضيته أن يكل حفظ بدنه إليه سبحانه وتعالى، ولا يتداوى بحجم ولا بغيره، فأزال ذلك ببيان: أن تدبير البدن مشروع غير مناف للتوكل؛ لأنه إسناد الأمر إليه تعالى واعتقاد استغنائه في التأثير.

عن (١) حميد قال: سئل أنس بن مالك عن كسب الحجّام، فقال أنس: احتجم رسول الله ﷺ، [هو محترف الحجامة]
حَجَمه **أبو طيبة**، فأمر له **بصاعين** من طعام، **وكلّم أهله** فوضعوا عنه من **خَراجه**، وقال: إن أي: كلّم صاحبه في تخفيف خراجه
أفضل ما تَداوَيْتم به **الحجامة**، أو إن من أمثل ما دوائكم الحجامة. بكسر الحاء المهملة

مقدّرات الٰہیہ کے سامنے کسی کا بھی بس نہیں ہے۔ سرکہ کے استعمال سے صفرا بڑھ جائے اور بادامِ روغن کے استعمال سے خشکی ہونے لگے۔ حضرت اقدس شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک دوسرے رسالہ میں ہے کہ یہ اسباب کا مسئلہ منجملہ اُن تین وصیتوں کے ہے جن کی حضور اقدس ﷺ نے وصیت فرمائی اور شاہ صاحب کے طبعی رجحان کے خلاف پر مجبور کیا گیا۔ دوسرا تفضیلِ شیخین کا ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر۔ اور تیسرا مسئلہ تقلید نہ چھوڑنے کا ہے کہ شاہ صاحب کا میلان تقلید کے چھوڑنے پر تھا مگر مجبور کیا گیا کہ کسی ایک امام کی تقلید ضرور کریں۔ تفصیل کا یہاں محل نہیں ہے۔ شاہ صاحب کے رسائل "فضل مبین" اور "فیوض الحرمین" میں ہر دو کی تفصیلات ہیں۔

(۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کسی نے سینگی لگوانے کی اُجرت کا مسئلہ پوچھا کہ جائز ہے یا نہیں؟ انھوں نے فرمایا کہ ابو طیبہ نے حضور کے سینگی لگائی تھی، آپ نے دو صاع کھانا (ایک روایت میں کھجور بھی آیا ہے) مرحمت فرمایا اور اُن کے آقاؤں سے سفارش فرما کر اُن کے ذمہ جو محصول تھا، اُس میں کمی کرادی اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ سینگی لگانا بہترین دوا ہے۔

أبو طيبة: بفتح طاء مهملة وسكون تحتية بعدها موحدة، قن لبني حارثة أو لأبي مسعود الأنصاري أو غيره، وخطأ الحافظ ابن حجر من قال: كالثوري لبني بياضة، اسمه نافع على الصحيح، وقول البغوي: ميسرة، ردّ بأنه اشتبه عليه باسم أبي جميلة الراوي حديث الحجامة، وقول ابن عبد البر: اسمه دينار، وهموه فيه؛ لأن دينار الحجام تابعي، روى عن أبي طيبة لا أبو طيبة نفسه. **بصاعين**: [تثنية صاع، والصاع أربعة أمداد، والمدّ عند أبي حنيفة رطلان فيكون الصاع ثمانية أرطال. فالحاصل أنه مكيال تكال به الحبوب ونحوه.] **وكلّم أهله**: [أي: وكلّم مواليه، وهم بنو حارثة على الصحيح.] **خراجه**: بفتح الخاء المعجمة، ما يوظف على المملوك كل يوم، ولفظ "كلم" مشعر بالشفاعة دون الأمر. **الحجامة**: [قال أهل المعرفة بالطب: ذلك لأهل الحجاز ومن كان في معناهم من أهل البلاد الحارّة، أمّا البلاد الباردة فالفصد لهم أولى، وهو: إخراج مقدار دم من وريد المريض بقصد العلاج.] **أفضل**: الخطاب للشباب من أهل الحرمين ككل دموي بقطر حار كالحجاز. **الحجامة**: شك من الراوي، قال القسطلاني: وأظنه إسماعيل، وكذا حكاه القاري عن ميرك شاه، ثم قال: فإن البخاري أخرجه من طريق ابن المبارك، عن حميد، عن أنس بلفظ: إن من أمثل ما تداويتم به الحجامة.

حدثنا عمرو بن عليٍّ، حدثنا أبو داود، حدثنا وَرقَاء بن عُمَر، عن عبد الأعلى، عن أبي **جَميلة**، **عن**[۲] عليّ رضي الله عنه أن النبي ﷺ احتجم وأَمَرني فأعطيت الحجّام أجْرَه. **حدثنا** هارون بن إسحاق الهمدانيّ، حدثنا عَبدة، عن سفيان الثوريّ، عن جابر،

فائدہ: جب حضور نے خود قیمت ادا فرمائی تو مسئلہ کا جواب ظاہر ہوگیا۔ غالبًا سوال کا منشا یہ ہوگا کہ بعض حدیثوں میں اس پیشہ کی مذمت آئی ہے جس کا مقصود یہ ہے کہ اس میں چونکہ خون چُوسنا پڑتا ہے جو ایک ناپاک چیز ہے اس لئے اس میں احتیاط کی بہت ضرورت ہے کہ منہ کو پاک کرنے کا اہتمام کیا جائے اور اس کی احتیاط رکھی جائے۔ اسی طرح بعض دوسرے پیشوں کے متعلق بھی بعض احادیث میں کچھ تنبیہات وارد ہوئی ہیں جس سے بعض لوگوں کو اشکالات اور اشتباہات پیدا ہوگئے، حالانکہ روایات کا مفہوم صاف اور واضح ہے کہ جس پیشہ کے متعلق بھی ارشادِ عالی وارد ہوا ہے اُس میں کوئی خاص اہم بات قابلِ لحاظ اور قابلِ اصلاح تھی جس پر تنبیہ مقصود ہے۔

حدیثِ بالا میں محصول سے یہ مراد ہے کہ غلام کو اس شرط پر چھوڑ دیا جاتا ہے کہ اتنی مقدار روزانہ ہمارے حوالہ کر دیا کرو، بقیہ سے ہمیں کچھ کام نہیں وہ تمہارا۔ اس طرح کا غلام ''عبدِ ماذون'' کہلاتا ہے۔ ان کا روزانہ تین صاع مقرر تھا، حضور کی سفارش سے ایک صاع کم ہو کر دو صاع رہ گیا تھا۔ صاع میں علماء کا اختلاف ہے، فقہائے حنفیہ کے نزدیک تقریباً چار سیر وزن کا ایک صاع ہوتا ہے۔ حضور کا یہ ارشاد کہ سینگی لگانا بہترین دوا ہے، بالکل صحیح ہے مگر اس کے مخاطب حرمین کے نوجوان ہیں اور ایسے ہی ہر گرم ملک کے رہنے والے کہ ان کا خون رقیق ہونے کی وجہ سے بدن کے سطحِ ظاہر کی طرف زیادہ مائل ہوتا ہے اور ملکی حرارت اس کو ظاہر کے زیادہ قریب کر دیتی ہے۔ اسی وجہ سے علماء چالیس سال سے زیادہ عمر والے کے لئے سینگی کو مفید نہیں بتاتے۔

(۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ سینگی لگوائی اور مجھے اُس کی مزدوری دینے کا حکم فرمایا، میں نے اُس کو ادا کیا۔ **فائدہ:** اس حدیث میں بھی دو فائدے ہیں: سینگی کے استعمال اور اُس کی اُجرت ادا کرنے کا جواز۔

جَميلة: بجيم مفتوحة، اسمه ميسرة بن يعقوب.

عن **الشعبيّ، عن**(٣) ابن عباس رضي الله عنهما أظنُّه قال: إن النبي احتجم في **الأخدعين، وبين الكتفين،** وأعطى الحجّام أجره، ولو كان حراما لم يُعطِه. **حدثنا** هارون بن إسحاق، حدثنا عَبدة، عن **ابن أبي ليلى،** عن نافع، **عن**(٤) ابن عمر رضي الله عنهما: أن النبي ﷺ دعا حجّاما، فحجمه،

لا يوجد لفظ "أظنّه" في بعض النسخ — هو أبو طيبة

(٣) ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حضور نے گردن کی دونوں جانب پچھنے لگوائے اور دونوں شانوں کے درمیان اور اُس کی اُجرت بھی مرحمت فرمائی، اگر ناجائز ہوتی تو حضور کیسے مرحمت فرماتے۔

فائدہ: چونکہ سینگی لگانے میں منہ سے خون کھینچنا پڑتا ہے، اس وجہ سے بعض احادیث میں اس کمائی اور اس پیشہ کی بُرائی آئی ہے، جیسا کہ شروع میں گزرا ہے۔ بعض روایتوں میں اس کی کمائی کو خبیث فرمایا ہے، جس کی بنا پر بعض علماء اس کی اجرت کو ناجائز فرماتے ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ دونوں روایتوں میں اس طرح جمع کرتے ہیں کہ ممانعت کی روایت کو آزاد لوگوں کے حق میں بتاتے ہیں اور اجازت کی روایات کو غلاموں کے حق میں، اور چونکہ ابو طیبہ بھی غلام تھے اس لئے اجرت دینے میں کوئی اشکال نہیں۔ ابن جوزی فرماتے ہیں کہ خبیث اس لئے فرمایا کہ یہ ایک مسلمان کی ضرورت ہے جس کی اعانت دوسرے مسلمانوں پر واجب ہے، اس لئے بلا اجرت سینگی لگانا چاہئے تھا۔ غرض علماء اس بارے میں مختلف ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ حضور کے اس فعل سے جواز پر استدلال کرتے ہیں کہ اگر یہ ناجائز ہوتی تو حضور کیوں مرحمت فرماتے۔

(٤) ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نے ایک سینگی لگانے والے کو بلایا جس نے آپ کے سینگی لگائی، حضور نے اُن سے ان کا روزانہ کا محصول دریافت فرمایا تو انھوں نے تین صاع بتلایا۔ حضور نے ایک صاع کم کرادیا اور سینگی لگانے کی اجرت مرحمت فرمائی۔

الشعبيّ: بفتح شين معجمة وسكون عين مهملة، عامر بن شراحيل، نسبة لشعب بطن من همدان. [من أكابر التابعين وأحد الأعلام، وُلد في خلافة عمر رضي الله عنه، قال: أدركت خمسائة من الصحابة أو أكثر، وقد مرّ به ابن عمر رضي الله عنهما وهو يحدّث بالمغازي فقال: شهدت القوم وهو أعلم بها مِنّي، وقال ابن سيرين لأبي بكر: ألزم الشعبي، فلقد رأيته يستفتى وأصحاب النبي ﷺ بالكوفة، وقال الزهري: العلماء أربعة: ابن المسيّب بالمدينة، والشعبي بالكوفة، والحسن بالبصرة، ومكحول بالشام، ولا حدثت بحديث إلا حفظته، توفي رحمه الله سنة ثلاث أو أربع ومائة.] **الأخدعين:** [هما عرقان في جانبي العنق، والحجامة على الأخدعين تمنع من أمراض الرأس والوجه والأذنين والأسنان والأنف. **وبين الكتفين:** [أي: على كاهله، وهو أعلى ظهره، والحجامة على الكاهل تنفع من وجع المنكبين والحلق] **ابن أبي ليلى:** [اسمه عبد الرحمن الأنصاري المدني ثم الكوفي]

وسأله: كم خراجك؟ فقال: ثلثة **آصُعٍ**، فوضع عنه صاعا، وأعطاه أجره. **حدثنا** عبد القدوس بن محمد العطّار البصريّ، حدثنا عمر بن عاصم، حدثنا همّام وجرير بن حازم قالا: حدثنا قتادة **عن**(٥) أنس بن مالك ﷺ قال: كان رسول الله ﷺ يحتجم في الأخدعين **والكاهل**، وكان يحتجم **لسبع** عشرة،

فائدہ: بظاہر یہ وہی ابو طیبہ ہیں جن کا قصّہ باب کی پہلی حدیث میں گزر چکا ہے کہ ابتدا میں ان کا روزانہ محصول تین صاع یومیہ تھا، حضور کی سفارش پر ایک صاع کم کر دیا گیا اور دو صاع رہ گیا۔

(۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ گردن کی دونوں جانبوں میں اور ہر دو شانوں کے درمیان سینگی لگواتے تھے اور عموماً ۱۷ یا ۱۹ یا ۲۱ تاریخ میں اس کا استعمال فرماتے تھے۔

فائدہ: ان تاریخوں کی اور بھی بعض روایتوں میں خصوصیت آئی ہے، اطبّاء کا قول بھی اس کے موافق ہے۔ ابن سینا سے نقل کیا گیا ہے کہ سینگی لگانا مہینے کے شروع اور ختم میں اچھا نہیں ہے، بلکہ مہینے کے وسط میں ہونا چاہئے۔ اس روایت سے حضور اقدس ﷺ کا کثرت سے بار بار مختلف ایام میں سینگی لگوانا معلوم ہوتا ہے اور بھی جو روایات اس باب میں ذکر کی جارہی ہیں ان سے مختلف مقامات پر سینگی کا لگانا معلوم ہوتا ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ یہود نے خیبر میں حضور کو زہرِ قاتل کھلا دیا تھا جو نہایت سخت تھا اور مقصد یہ تھا کہ حضور کے وصال سے یہ مخالفت کا قصہ ہی ختم ہو جائے، اگرچہ اُس گوشت کو جس میں زہر تھا حضور نے پورا نوش نہ فرمایا تھا مگر جس قدر حصہ بھی کھایا گیا تھا اُس کا اثر یہ تھا کہ وہ سمیّت مختلف اوقات

آصُع: اعترض على هذا الجمع: بأنه ليس في القاموس ولا في الصحاح، وإنما فيهما "أصوع" بالواو أو "أصؤع" بالهمزة، وأجيب: بأن "آصع" مقلوب "أصؤع" بالهمز، فصار "أءصع" بهمزتين، ثم قلبت الثانية ألفا. **والكاهل:** بكسر الهاء، مابين الكتفين، وقال ميرك: هو مقدم الظهر مما يلي العنق وهو الكتد. قالوا: والحجامة على الأخدعين تمنع من أمراض الرأس والوجه والأذنين والعينين والأسنان، وعلى الكاهل تنفع من وجع المنكب والحلق، وعلى ظهر القدم من قروح الفخذين والساقين وانقطاع اللمس والحكة العارضة في الأنثيين.

لسبع: وأخرج أبو داود من حديث أبي هريرة مرفوعاً: من احتجم لسبع عشرة وتسع عشرة وإحدى وعشرين كان شفاء من كل داء، وهو من رواية سعيد بن عبد الله الجُمَحي، وثقه الأكثرون ولينه بعضهم، وله شاهد من حديث ابن عباس عند أحمد والترمذي، رجاله ثقات لكنه معلول، وشاهد آخر من حديث أنس عند ابن ماجة وسنده ضعيف.

وتسع عشرة، وإحدى وعشرين. **حدثنا** إسحاق بن منصور، أخبرنا عبد الرزاق، عن مَعمر، عن قتادة، **عن**(٦) أنس بن مالك ﷺ أن رسول الله ﷺ احتجم وهو **مُحرم بمَلَلٍ** على ظَهر القدم.

میں بالخصوص گرمی کے زمانہ میں بار بار عود کرتی تھی اور جس جانب مادہ کا زور ہوتا تھا اُسی جانب حضور کو سینگی کے استعمال کی ضرورت ہوتی تھی اور سمی مادہ چونکہ خون میں حلول کرتا ہے اور وہ سارے بدن میں سرایت کرتا ہے اس لئے مختلف مقامات پر اُس کا زور ہوتا تھا۔

(٦) حضرت انس ﷺ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے موضع مَلَل میں (جو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک جگہ ہے) حالتِ احرام میں پشت پر سینگی لگوائی۔

فائدہ: حالتِ احرام میں سینگی لگوانا بعض ائمہ کے نزدیک مکروہ ہے لیکن حنفیہ کے نزدیک جائز ہے بشرطیکہ بال نہ اکھڑیں۔ ان روایات میں سینگی کا استعمال کثرت سے نقل کیا گیا ہے اور بھی احادیث کی کتابوں میں سینگی کا استعمال حضور کے قول اور فعل دونوں سے نقل کیا گیا ہے اور فصد کا استعمال نقل نہیں کیا گیا، حالانکہ اطباء کے نزدیک فصد بہ نسبت سینگی کے زیادہ نافع ہے اور بہت سے امراض میں اکسیر ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں چیزیں علی الاطلاق نافع نہیں ہیں بلکہ ان میں تفصیل ہے۔ حجاز کا ملک گرم ہے اور جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ اس ملک کے سینگی زیادہ مناسب ہے، اس لئے کہ موسم کے گرم اور سرد ہونے سے مزاجوں میں بے حد تفاوت ہو جاتا ہے۔ گرم ملکوں میں اور اسی طرح دوسرے ملکوں میں گرمی کے زمانہ میں حرارت بدن کے ظاہری حصّہ پر آ جاتی ہے اور باطنی حصّہ میں برودت کا اثر ہوتا ہے،

وإحدى وعشرين: [لأنّ الدّم في أوّل الشهر وآخره يسكن، وبعد وسطه يتـــزايد ويهيج، وقد ورد حديث ابن عمر في تعيين الأيّام: الخميس، والثلاثاء، والاثنين، واجتنبوا يوم الأربعاء والجمعة والسبت والأحد، وروي أنه عليه السلام قال: الحجامة على الرّيق دواء، وعلى الشبع داء، وفي سبع عشرة من الشهر شفاء، ويوم الثلاثاء صحة البدن، ولقد أوصاني خليلي جبريل بالحجامة، حتى ظننت أنّه لابدّ منها.] **مُحرم:** كرهه مالك ﷺ مطلقا، والحديث حجة عليه، وقالت الحنفية: لا بأس في احتجام المحرم مالم ينقض شعراً. **بمَلَلٍ:** كجمل، موضع بين مكة والمدينة على سبعة عشر ميلا من المدينة، ظرف لـــ"احتجم".

. . . .

یہی وجہ ہے کہ گرمی کے زمانہ میں پسینہ کی کثرت ہوتی ہے اور باطنی برودت کی وجہ سے کھانے کے ہضم میں دیر لگتی ہے اور مختلف امراض پیدا ہوتے ہیں، بخلاف سرد ملکوں کے۔ اور اسی طرح سے سردی کے زمانہ میں دوسرے ملکوں میں آدمی کی حرارت ماحول کی سردی کی وجہ سے اندرونِ بدن میں چلی جاتی ہے جس کی وجہ سے ہضم میں قوّت پیدا ہوتی ہے، پیشاب میں بھاپ نکلتی ہے، امراض میں کمی ہوتی ہے، اسی لئے بقراط کا مقولہ ہے کہ سردی کے موسم میں اندرونِ بدن گرم زیادہ ہوتا ہے اور نیند زیادہ آتی ہے اور کھانا بسہولت ہضم ہوتا ہے، اسی وجہ سے ثقیل غذائیں سردی میں بسہولت ہضم ہو جاتی ہیں اور گرمی میں بدقّت، اسی وجہ سے اہلِ حجاز کو شہد کھجور وغیرہ گرم چیزوں کے استعمال سے نقصان نہیں ہوتا۔ سینگی میں چونکہ خون ظاہرِ بدن سے نکلتا ہے اور حجاز میں ظاہرِ بدن پر حرارت زیادہ ہوتی ہے اس لئے سینگی وہاں کے زیادہ مناسب ہے اور فصد میں اندرون بدن سے اور رگوں سے خون کھنچتا ہے اس لئے فصد وہاں کے مناسب نہیں ہے، اسی لئے حضور کے استعمال میں یہ منقول نہیں ہے۔

بابُ ما جاء في أسماء رسول الله ﷺ

حدثنا سعيد بن عبد الرحمن المخزوميّ وغيرُ واحد قالوا: حدثنا سفيان، عن الزُهريّ، عن محمد بن جُبَير بن مطعم ؓ، **عن**[1] أبيه قال: قال رسول الله ﷺ: **إن لي أسماءً،**

باب۔ حضور اقدس ﷺ کے بعض نام اور بعض القاب کا ذکر

فائدہ: حضور اقدس ﷺ پر بہت سے القاب معنی کے لحاظ سے تعظیماً اور تعریفاً استعمال کیے گئے ہیں، چنانچہ ترمذی کی شرح میں ابن العربی سے ایک ہزار نام نقل کیے جاتے ہیں۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالہ مستقل حضور اقدس ﷺ کے ناموں میں تصنیف فرمایا ہے جس میں تقریباً پانچ سو نام ذکر کیے ہیں۔ احادیث میں خاص خاص مواقع میں خاص خاص ناموں کا ذکر کیا ہے، سب ناموں کا احصا کسی ایک روایت میں نہیں ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ میرے قرآن شریف میں سات نام ہیں: محمد، احمد، یٰس، طٰہٰ، مزمل، مدثر، عبد اللہ۔ ناموں کی کثرت شرافت اور عزت پر عموماً دلالت کیا کرتی ہے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے ہر باب میں مختصر مختصر نمونہ کے طور پر چند احادیث وارد کی ہیں، اس لئے اس باب میں بھی صرف دو حدیثیں ذکر فرمائی جن میں نو نام آگئے ہیں۔

(۱) جبیر بن مطعم ؓ کہتے ہیں کہ حضور نے یہ ارشاد فرمایا کہ میرے بہت سے نام ہیں، منجملہ اُن کے "محمد" ہے اور "احمد" ہے اور "ماحی" ہے، جس کے معنی مٹانے والے کے ہیں، حق تعالیٰ جَلَّ شَانُہٗ نے میرے ذریعہ سے کفر کو مٹایا ہے۔ ایک نام "حاشر" ہے

أسماء: جمع اسم، وهي: كلمة وضعت بإزاء شيء، متى أطلقت فهم منها، وهي إما معرفة أو مخصصة، وفي كون الاسم عين المسمى أو غيره خلاف طويل الذيل. قال القاري: المراد بالأسماء ههنا: ألفاظ تطلق على رسول الله ﷺ، أعم من كونه علما أو وصفاً، وقد نقل ابن العربي في شرح الترمذي عن بعضهم: إن لله ألف اسم وللنبي ﷺ ألف اسم، ثم ذكر منها على سبيل التفصيل بضعا وستين، والمصنف ذكر منها تسعة، وقد أفرد السيوطي رسالة في الأسماء النبوية، سماها بـــ"البهجة السنية"، وقد قاربت الخمسائة. [والقاعدة: أن كثرة الأسماء تدل على شرف المسمى]

إن لي أسماء: وفي رواية للبخاري إن لي خمسة أسماء أي: أختص بها، لم يسم بها أحد قبلي، أو هي معظمها، أو هي مشهورها في الأمم الماضية، فالحصر الذي أفاده تقديم الجار إضافي.

أنا **محمّد**، وأنا **أحمد**، وأنا الماحي الذي يمحو الله بي الكفر، وأنا الحاشر الذي **يُحشر** الناس على قدمَيّ، وأنا العاقب، والعاقب الذي **ليس بعده** نبيٌّ. **حدثنا** محمد بن طريف الكوفيّ، حدثنا أبو بكر بن **عياش**، عن عاصم، عن أبي وائل،

بفتح الطاء وكسر الراء المهملتين

کہ حق تعالیٰ شانہ قیامت میں حشر کے لئے سب سے پہلے آپ کو اُٹھائیں گے اور تمام امت آپ کے بعد حشر کی جائے گی، اور اٹھائی جائے گی تو گویا حضور اقدس ﷺ تمام امت کے حشر کا سبب بنے۔ اور ایک نام میرا "عاقب" ہے جس کے معنی پیچھے آنے والے کے ہیں، حضور اقدس ﷺ سب انبیاء سے پیچھے تشریف لائے ہیں، آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

فائدہ: اخیر کے تین نام مع وجہ تسمیہ کے ذکر کیے گئے لیکن اول کے دو ناموں کی وجہ روایت میں نہیں ہے، بظاہر اس وجہ سے کہ پہلے دو نام ہیں اور باقی صفات ہیں، یا اس وجہ سے کہ ان ناموں کی بہت سی وجوہ ہو سکتی ہیں، یا اس وجہ سے کہ ان کی وجوہ ظاہر تھیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ محمد حمد کا مبالغہ ہے، جس کے معنی ہیں بہت حمد کیا گیا۔ یا تو اس وجہ سے حضور کا نام ہے کہ آپ کی خصالِ حمیدہ بہت زیادہ ہیں، یا اس وجہ سے کہ آپ کی تعریف مرّۃً بعد مرّۃٍ کی گئی، یا اس وجہ سے کہ اللہ نے آپ کی کثرت سے حمد کی ہے اور اسی طرح ملائکہ نے، سابقین انبیاء نے، اولیاء نے، یا تفاؤل کے طور پر ہے کہ بہت زیادہ حمد کی جائے یا اس وجہ سے کہ اولین و آخرین سب ہی آپ کے ثنا خواں ہیں اور قیامت میں سب ہی آپ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے جس کا نام "حمد کا جھنڈا" ہے اور احمد کے معنی "زیادہ تعریف کرنے والا" ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے

محمد: [سمّي بذلك إلهامًا من الله تعالى ورجاء لكثرة الحمد له، ولذلك قال جدّه لما قيل له: لم سميت ابنك محمداً وليس في أسماء آبائك ولا من قومك؟: رجوتُ أن يُحمد في السماء والأرض، وقد حقق الله رجاءه، فإن الله حمده، وكذلك الملائكة والأنبياء والأولياء، وكما جاء: أن اسم محمد مكتوب على ساق العرش، وفي السموات السبع وفي قصور الجنة.]
أحمد: [سمّي بذلك؛ لأنه ﷺ أحمد الحامدين لربّه.] **يُحشر:** ببناء المجهول، والمعنى أنه يحشر قبل الناس، كما جاء في حديث آخر: أنا أول من تنشق عنه الأرض، فالمعنى أنهم يحشرون بعدي أو يتبعوني، وقيل: يحشرون على أثر زمان نبوتي، ليس بعدي نبي. ثم كل من الماحي والحاشر في الحقيقة هو الله، فإطلاقهما عليه لكونه سببا لهما.
ليس بعده: قيل: هذا قول الزهري، قال الحافظ العسقلاني: ظاهره أنه مدرج، لكن في رواية سفيان بن عيينة عند الترمذي أي: في الجامع بلفظ: "الذي ليس بعدي نبي". **عيّاش:** بفتح عين مهملة وتشديد مثناة تحتية آخره معجمة.

عن[٢] حُذيفة رضي الله عنه قال: لقيت النبي ﷺ في بعض طُرُق [سككها] المدينة فقال: أنا محمد، وأنا أحمد، وأنا نبيّ الرّحمة، ونبي التوبة، وأنا المقفّي، وأنا الحاشر،

معنی بھی ”زیادہ تعریف کیے گئے“ ہوں، اس صورت میں یہ لفظ پہلے لفظ کے ہم معنی ہے، لیکن پہلے معنی زیادہ مشہور ہیں۔ اس معنی کے اعتبار سے آپ سب سے زیادہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی تعریف کرنے والے ہیں جو دنیا کے اعتبار سے بھی ظاہر ہے اور آخرت میں ہے ہی کہ قیامت میں حمد کا جھنڈا آپ کے ہاتھ میں ہوگا۔ مقامِ محمود آپ کے لئے ہے، شفاعت کے وقت آپ اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی ایسی حمد کریں گے جو کبھی بھی کسی نے نہ کی ہو۔ حضور خود ارشاد فرماتے ہیں کہ اُس وقت اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی وہ تعریفیں مجھے القاہوں گی جو اس وقت مستحضر نہیں ہیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ ”محمد“ حضور کا مخصوص نام ہے جو پہلے لوگوں میں سے کسی نے نہیں رکھا، البتہ جب حضور کی ولادت کا زمانہ قریب تھا تو بہت سے لوگوں نے اس امید پر کہ شاید ہماری ہی اولاد ان بشارتوں کی مستحق بن جائے جو پہلی کتابوں میں ہیں اور یہی نبی بن جائے، محمد نام رکھا، لیکن ﴿اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ﴾ (الأنعام: من الآية ١٢٤) اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے اُس جگہ کو جہاں اپنی رسالت کو تجویز فرماتا ہے۔

(٢) حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ سے راستہ میں ملا۔ حضور تشریف لے جارہے تھے تذکرۃً حضور نے ارشاد فرمایا کہ میرا نام ”محمد“ ہے اور ”احمد“ ہے اور ”نبی الرحمہ“ ہے اور ”نبی التوبہ“ ہے اور میں ”مُقَفّی“ ہوں اور ”حاشر“ ہوں اور ”نبی ملاحم“ ہوں۔ **فائدہ**: ان اسماء کو خاص طور سے اس لئے ذکر کیا کہ یہ نام پہلی کتابوں میں پیشن گوئی کے طرز پر لکھے ہوئے تھے۔

نبيّ الرحمة: [قال تعالى: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ (الأنبياء:١٠٧) فقد رحم الله جميع المخلوقات لأمنهم به من الخسف والمسخ وعذاب الاستيصال.] **ونبي التوبة**: [أي: نبيّ مخبر عن الله عزّ وجلّ بقبوله بالتوبة بشروطها، أو نبيّ يأمر بالتوبة، أو نبيّ كثير التوبة، فقد ورد: أنّه كان يستغفر الله ويتوب إليه في اليوم سبعين مرّة أو مائة مرّة.]

المقفّي: بفتح القاف وكسر الفاء المشددة، أي: الذي قفى آثار من سبقه من الأنبياء وتبع أطوارهم، قال تعالى: ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ﴾ (الأنعام:٩٠) يعني أنه متبع للأنبياء في أصل التوحيد ومكارم الأخلاق وإن كان مخالفا بعضهم في بعض الفروع، وروي بصيغة المفعول، أي: أنا الذي قفي بي على آثار الأنبياء، أي: أرسلت إلى الناس بعدهم وختم بي الرسالة، يقال: قفوت أثر فلان، أي: تبعته، وقفيت على أثره بفلان، أي: اتبعته إياه، قال تعالى: ﴿وَقَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِرُسُلِنَا﴾ (المائدة:٤٦) فحذف حرف الصلة في الحديث تخفيفا.

ونبيّ **المَلَاحم**. **حدثنا** إسحاق بن منصور، حدثنا النّضر بن شُميل، أخبرنا حمّاد بن سلمة، عن عاصم، عن زِرٍّ، عن حذيفة، عن النبي ﷺ نحوه بمعناه. **هكذا قال حماد** بن سلمة عن عاصم، عن زرّ، عن حذيفة رضي الله عنه.

اہلِ کتاب ان اسماء و صفات سے آپ کو پہچانتے تھے۔ ان میں پہلا نام "نبی الرحمہ" ہے، جس کا ترجمہ ہے رحمت کا نبی یعنی حق تعالیٰ جَلَّ شَانُہٗ نے آپ کی ذات و صفات کو مسلمان اور کافر سب کے لئے باعثِ رحمت بنایا ہے، چنانچہ خود قرآن شریف میں ہے ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ﴾ [الأنبياء: ١٠٧] ہم نے تم کو تمام عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

مسلمانوں کے لئے آپ کا رحمت ہونا تو ظاہر ہے کہ دنیا و آخرت میں آپ ہی کا وسیلہ ہے، کفار کے لئے اس لئے کہ حضور کے الطاف و شفقت کی وجہ سے پہلی امتوں کی طرح اس امت پر عذابِ عامہ نازل نہ ہوا بلکہ قرآن پاک میں یہ وعدہ ہو گیا کہ آپ کے ہوتے ہوئے ان کافروں کو ہر گز عذاب نہ کریں گے۔ اور نیز اتنے آپ کے دین کا بقا رہے گا اتنے تمام عالم کا نظام باقی رہے گا، جس وقت تمام دنیا میں ایک بھی اللہ کا نام لینے والا باقی نہ رہے گا نظامِ عالم درہم برہم ہو کر قیامت قائم ہو جائے گی۔ نیز آپ کی بعثت تمام عالم کے لئے ہے، کسی امت یا جماعت کی خصوصیت نہیں ہے، اس لحاظ سے بھی آپ تمام عالم کے لئے رحمت ہیں کہ جس کا دل چاہے اس رحمت میں داخل ہو جائے۔ نیز آپ لوگوں کے آپس میں تراحم اور ایک دوسرے کے ساتھ رحمت اور شفقت کی تعلیم لے کر آئے ہیں، اس لحاظ سے بھی آپ رحمت کے نبی ہیں۔ نیز اللہ کی رحمت کے دروازے آپ کی وجہ سے کھلے ہوئے ہیں۔ نیز آپ اللہ کی رحمتوں کی خبریں اور بشارتیں دینے والے ہیں،

المَلَاحم: بفتح الميم وكسر الحاء المهملة، جمع ملحمة، وهي: الحرب ذات القتل الشديد، سمي بها؛ لاشتباك الناس فيها كالسُّدى واللحمة في الثوب، وقيل: لكثرة لحوم القتلى فيها، سمي ﷺ؛ لكثرة الجهاد مع الكفار في أيام دولته، وكذا بعده مستمر في أمته إلى أن يقتل آخرهم الدجال، وفي القاموس: سمي به؛ لأنه سبب لالتيامهم واجتماعهم، وقال شارح: الملحمة: الوقعة العظيمة في الفتنة. **هكذا قال حمّاد**: ذكر المصنف هذا السند الثاني لمكان الاختلاف بين السندين، ثم نبّه بهذا الكلام على محل الخلاف بأن حماد بن سلمة لم يقل: عن عاصم، عن أبي وائل كما قاله أبو بكر بن عياش، بل ذكر بدل أبي وائل زراً. [واختلاف الإسنادين من راويين محمول على تعدّد الطرق]

. . . .

ان معانی کے اعتبار سے بھی آپ رحمت کے نبی ہیں۔ نیز آپ کا دین سراسر رحمت ہے۔ اس لئے بھی آپ رحمت کے نبی ہیں، نیز آپ کی امت کی صفت قرآن شریف میں ﴿رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾ [الفتح: ۲۹] وارد ہوئی ہے، یعنی آپس میں رحمت کا برتاؤ کرنے والے، اس لحاظ سے بھی آپ رحمت کے نبی ہیں۔ دوسرا نام آپ کا ''نبی التوبہ'' ہے جس کا ترجمہ ہے توبہ کا نبی کہ آپ کی امت کے لئے صرف توبہ اپنے شرائط کے ساتھ گناہوں کی معافی کے لئے کافی کر دی گئی، بخلاف بعض پہلی امتوں کے کہ ان کی توبہ قبول ہونے کے لئے قتلِ نفس وغیرہ شرط تھا۔ نیز آپ امت کو کثرت سے توبہ کا حکم کرنے والے ہیں۔ نیز آپ خود نہایت کثرت سے توبہ کرنے والے ہیں، ان وجوہ میں سے ہر وجہ ایسی ہے جس کی بناء پر حضور کو توبہ کا نبی کہا جاسکتا ہے۔ ایسے ہی ایک نام ''مقفّی'' ہے یعنی سب سے پیچھے آنے والا، جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو، یا پہلے انبیاء کا اتباع کرنے والا۔ علماء نے دونوں معنی لکھے ہیں۔ دوسرے معنی کا حاصل یہ ہے کہ اصلِ توحید اور اصولِ دین میں آپ جملہ انبیاء علیہم السلام کے موافق تھے اور تمام انبیاء ایک دوسرے کے اصلِ دین، توحید اور مکارمِ اخلاق میں موافق رہے، فروعاتِ مذہب میں اختلاف رہا۔ ایک نام ''حاشر'' ہے جس کا مطلب گذشتہ حدیث میں گزر چکا ہے۔

ایک لقب آپ کا ''نبی الملاحم'' ہے (یعنی ملحموں کا نبی) ملحمہ اُس لڑائی کو کہتے ہیں جس میں بہت کثرت سے قتل و قتال ہو۔ حضور کے اس نام کی وجہ ظاہر ہے کہ جہاد جس قدر حضور کے زمانہ میں اور حضور کی امت میں ہوا اتنا کسی نبی کی امت میں نہیں ہوا، نیز اس امت میں ہمیشہ رہے گا، چنانچہ آپ کی پیشن گوئی ہے کہ میری امت میں جہاد قیامت تک رہے گا حتی کہ اخیر حصۂ امت دجّال سے قتال کرے گا۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اس لفظ کے معنی اجتماع اور التیام کے ہیں اور حضور کی امت میں جو اجتماعی صورت گزر چکی ہے اور باوجودِ اختلافات اس گئے گزرے دَور میں بھی پائی جاتی ہے، کسی نبی کی امت میں ایسی مسلسل نہیں پائی جاتی۔ نیز ملحمہ کے معنی فتنہ عظیم کے بھی ہیں، اس معنی کے اعتبار سے بھی حضور کا نام صحیح ہے، اس لئے کہ اس امت میں قیامت کے قریب ایسے بڑے بڑے اور سخت سخت فتنے پیدا ہوں گے جن کی نظیر کسی نبی کی امت میں نہیں ہے، ایک دجّال ہی کا فتنہ ایسا سخت ہے کہ حد نہیں ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر ہر نبی نے دجّال کے فتنے سے لوگوں کو ڈرایا ہے۔ ایسے ہی یاجوج ماجوج کا خروج وغیرہ وغیرہ سخت حوادث آنے والے ہیں جن کے آثار شروع ہیں۔ اللّٰهم احفظنا منها بمنّك وفضلك وجاه نبيّك وحبيبك.

باب ما جاء في عيش النبي ﷺ

حدثنا قُتيبة بن سعيد، حدثنا أبو الأحوص، عن سِمَاك بن حرب،

باب۔ حضور اقدس ﷺ کے گزر اوقات کا ذکر

فائدہ: یہ باب پہلے بھی گذر چکا ہے۔ بعض نسخوں میں سب روایات ایک ہی جگہ ذکر کی ہیں، مقام کے مناسب بھی یہی بات ہے، لیکن جو نسخے ہمارے پاس موجود ہیں اُن میں یہ باب مکرر پایا جاتا ہے۔ اگر نقل کرنے والوں کی غلطی سے ایسا نہیں ہوا تو بہت ممکن ہے کہ خود امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کسی مصلحت سے اس کو مکرر لکھا ہو۔ غور سے متفرق مصالح اس کی سمجھ میں آتی ہیں، ممکن ہے کہ امام ترمذی نے ایک لطیف اشارہ اس طرف کیا ہو کہ حضور کا اس فقر اور تنگی کو اختیار فرمانا ابتدا سے لے کر اخیر تک رہا، اس لئے ابتدائی زمانہ کی طرف اول اشارہ فرمایا اور وفات کے قریب اس باب کو ذکر فرما کر اخیر زمانہ کی طرف اشارہ فرمایا کہ باوجود خیبر اور حنین وغیرہ کی غنیمتوں کے اپنا حال وہی فقر و فاقہ تھا اور حق یہ ہے کہ حق تعالیٰ جَلَّ شَانُہٗ حرص و طمع دُور فرمائے تو فقر و فاقہ میں بھی لذت ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ جَلَّ شَانُہٗ نے فرمایا کہ میرے لئے مکہ کی زمین کو سونے کی بنادے۔ میں نے عرض کیا: یااللہ! یہ نہیں بلکہ ایک دن پیٹ بھر کر کھاؤں تاکہ تیرا شکر کروں اور ایک دن بھوکا رہوں کہ تیرے سامنے عاجزی کروں۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں تم لوگوں پر فقر و فاقہ سے نہیں ڈرتا بلکہ اس سے ڈرتا ہوں کہ تم پر دنیا اس طرح پھیل جائے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر پھیل گئی تھی اور تم اُس میں اس طرح دل لگانے لگو جس طرح ان لوگوں نے دل لگایا اور یہ تم کو بھی اسی طرح ہلاک کر دے جیسا کہ ان کو ہلاک کر دیا۔ اسی لئے حضور اکرم ﷺ نے ایک جگہ دعا فرمائی ہے کہ اے اللہ! محمد کی اولاد کی روزی بقدر کفایت تجویز فرما (مشکوۃ)۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس موجودہ باب میں نو حدیثیں ذکر کی ہیں، جن میں سے بعض مکرر ہیں جو پہلے ابواب میں گزر چکی ہیں۔

باب إلخ: هذه الترجمة مكررة، تقدمت في أول الكتاب، ولا شك أن زيادة بعض الأحاديث في باب لا توجب تكرار العنوان، وبعضهم ذكروا هناك توجيهات متكلفة. **في عيش النبي ﷺ:** [أي: باب بيان ما ورد من الأحاديث في كيفية معيشته ﷺ حال حياته، وقد ذكر هذا الباب سابقا، وأعاده بزيادات أخرجته عن التكرار، وهذا الباب مما يدل على ضيق عيش في آخر أمره، وذاك مما يدل على أوّل أمره إشارة إلى استواء حاليه.] **حدثنا قتيبة إلخ:** الحديث بسنده ومتنه مكرر، تقدم في باب صفة إدام النبي ﷺ.

قال: **سمعت**[١] النعمان بن بشير يقول: **أَلَسْتُم** في طعام وشراب **ما شئتم**؟ لقد رأيت نبيكم ﷺ وما يجد من الدَّقَل ما يملأ بطنه. **حدثنا** هارون بن إسحاق، حدثنا عبدة، عن هشام بن عروة، عن أبيه، **عن**[٢] عائشة رضي الله عنها قالت: إن كنا -**آل محمد**- نمكُثُ شهراً **ما نستوقد بنارٍ**، إن هو إلا التمر والماء. **حدثنا عبد الله بن أبي زياد**، حدثنا سَيار، حدثنا سهل بن أسلم، عن يزيد بن أبي منصور، عن أنس،

بفتحتين ردي التمر — أي: المطعوم — بفتح مهملة وشدة تحتية

(١) نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ کیا تم لوگ کھانے پینے میں اپنی مرضی کے موافق منہمک نہیں ہو؟(اور جتنا دل چاہے تم لوگ نہیں کھاتے ہو؟)حالانکہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ کے یہاں ردی کھجوریں بھی پیٹ بھر نہیں تھیں۔ **فائدہ**: یہ حدیث سالن کے باب میں دوسرے نمبر پر گزر چکی ہے۔

(٢) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم لوگ یعنی حضور کے اہل و عیال ایک ایک ماہ تک ٹھہرے رہتے ہمارے یہاں آگ نہیں جلتی تھی، صرف کھجور اور پانی پر گزارا تھا۔ **فائدہ**:آگ نہ جلنے کا مطلب یہ ہے کہ پکانے کے لئے کوئی چیز ہوتی ہی نہ تھی جس کے لئے آگ جلانا پڑتی۔ علماء نے لکھا ہے کہ پانی کا تذکرہ اس لئے فرمایا کہ کھجور بھی اتنی نہ تھی کہ بغیر پانی کی مدد کے پیٹ بھرنے کے لئے کافی ہوتی، بلکہ چند کھجوریں کھانے کے بعد پانی پینے سے پیٹ بھرنے کی مقدار ہوتی تھی۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ دو مہینے کامل گزر جانے کے بعد تیسرے مہینہ کا چاند نظر آجاتا تھا اور حضور کے گھروں میں مطلقاً آگ جلنے کی نوبت نہ آتی تھی۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک چاند پھر دوسرا چاند ہو جاتا تھا، حضور کے گھروں میں سے کسی گھر میں بھی آگ جلنے کی نوبت نہ آتی تھی۔

ألستم: [أي: ألستم متنعمين في طعام وشراب الذي شئتموه من التوسعة والإفراط.] ما شئتم: "ما شئتم" صفة مصدر محذوف، أي: ألستم منعمين في طعام وشراب مقدار ما شئتم، فـ"ما" موصولة، ويجوز أن يكون مصدرية.

آل محمد: بدل من ضمير الفاعل وبالنصب على المدح، أو بتقدير "أعني"، وجعله خبر "كنا" بعيد؛ لأن المقصود بالإفادة ليس كونهم آل محمد، بل قولها: "نمكث". ما نستوقد: حال، وجعله خبراً بعد خبر بعيد. بنار: [أي: ما نوقد نار الطبخ أو الخبز.] عبد الله بن أبي زياد: بالإضافة إلى لفظ الجلالة، فما في بعض النسخ بدونه تصحيف من الناسخ، وبلفظ الجلالة أخرجه المصنف في جامعه.

عن [٣] أبي طلحة رضي الله عنه قال: شكونا إلى رسول الله ﷺ الجُوع، ورفعنا **عن بُطُوننا** عن حَجَرٍ حَجَرٍ،

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ خالہ جان! پھر کس چیز پر گزارہ تھا؟ فرمایا کہ کھجور اور پانی، البتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ پڑوسی انصار میں ایسے تھے جن کے یہاں دودھ کے جانور تھے، ان میں سے کوئی ہدیہ کے طور پر دودھ پیش کر دیتا تو وہ ہم کو بھی پلایا جاتا تھا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ڈیڑھ مہینہ مسلسل ایسا گزر جاتا کہ حضور کے گھر میں روشنی کے لئے یا کسی اور چیز کے لئے آگ نہ جلتی تھی۔ روشنی کے لئے آگ جلنے سے مراد چراغ کا جلنا ہے (جمع الوسائل) ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بکری کی ایک ٹانگ پیش کی، رات کا وقت تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اندھیرے ہی میں اُس کے ٹکڑے کرنے لگیں، کسی نے کہا کہ گھر میں چراغ نہیں ہے؟ فرمانے لگیں کہ اگر چراغ میں جلانے کے لئے تیل ہوتا تو اُس کو کھانے ہی میں نہ استعمال کرتے۔ علماء نے لکھا ہے کہ حضور نے اپنے اور اپنے گھر کے لوگوں کے لئے اس حالت کو پسند فرمایا، حالانکہ خزانوں کی کنجیاں حضور پر پیش کی گئیں، اس کے بعد امت چار حصّوں پر منقسم ہوگئی: ایک وہ جماعت جنھوں نے نہ تو خود دنیا کی طرف رُخ کیا نہ دنیا ہی نے ان کا ارادہ کیا، جیسا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ۔ دوسری وہ جماعت جنھوں نے دنیا کا رُخ نہ کیا لیکن دنیا نے ان کا ارادہ کیا، جیسے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ۔ تیسرے وہ لوگ جنھوں نے دنیا کی طرف رُخ کیا، اور دنیا نے بھی ان کی طرف رُخ کیا جیسے بنو اُمیّہ کے بادشاہ عمر بن عبد العزیز کے علاوہ۔ چوتھے وہ لوگ جنھوں نے دنیا کا ارادہ کیا، مگر دنیا نے ادھر کا رُخ نہ کیا جیسے وہ لوگ جن کو اللہ نے فقیر بنایا اور دنیا کی محبت ان کے دل میں ہوگئی۔ (مناوی)۔

(۳) ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے شدتِ بھوک کی شکایت کی اور اپنے پیٹ پر بندھے ہوئے پتھر دکھلائے کہ ہر شخص کے پیٹ پر بھوک کی شدت کی وجہ سے ایک ایک پتھر بندھا ہوا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیٹ پر دو پتھر بندھے ہوئے دکھلائے کہ حضور کو شدتِ بھوک ہم سے زیادہ تھی اور ہم سے زیادہ وقت بدون کھائے گزر چکا تھا۔

عن بُطُوننا: حكي عن الطيبي: أن "عن" الأولى متعلق بــ"رفعنا" بتضمين معنى الكشف، والثانية صفة مصدر محذوف، أي: كشفنا ثيابنا عن بطوننا كشفا صادراً عن حجر حجر، وقال زين العرب: "عن حجر" بدل اشتمال عما قبله.

فرفع رسول الله ﷺ عن بطنه عن حجرين. قال أبو عيسى: هذا حديث غريب من حديث أبي طلحة لا نعرفه إلا من **هذا الوجه**.

فائدہ: اہل مدینہ کی یہ عادت تھی کہ شدت بھوک کے وقت جب عاجز ہو جاتے تو پیٹ سے پتھر باندھ لیتے تاکہ اُس کی سختی کی وجہ سے چلنے پھرنے میں ضعف لاحق نہ ہو۔ بعض علماء کی رائے ہے کہ یہ مدینہ کے ایک پتھر کے ساتھ خاص ہے جس کا نام "مشبعہ" ہے، اُس پتھر میں اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے یہ خاصیت رکھی ہے کہ اُس کے باندھ لینے سے بھوک میں کسی قدر تسکین ہو جاتی ہے لیکن ظاہر پہلا ہی قول ہے، اس لئے کہ اب بھی اکثر ایسا کیا جاتا ہے کہ شدت بھوک کے وقت پیٹ سے کسی کپڑے کا سخت باندھ لینا ضعف اور بھوک کی بے چینی میں مفید ہوتا ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ خالی پیٹ میں نفخ پیدا ہونے کا احتمال ہوتا ہے اور پتھر کو یا کسی سخت چیز کو باندھ لینے سے اس سے امن رہتا ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ جب پیٹ بالکل خالی ہو جائے تو انتڑیوں کے اتر جانے کا خدشہ ہوتا ہے، بالخصوص چلنے پھرنے میں اور پیٹ کو باندھ لینے سے یہ خدشہ نہیں رہتا، نیز پیٹ کے بالکل خالی ہو جانے سے کمر بھی جھک جاتی ہے، کبڑا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس حدیث پر ایک قوی اشکال ہے،

فرفع إلخ: أشكل على الحديث بروايات الوصال وقوله عليه الصلوة والسلام: يطعمني ربي ويسقيني، ولذا اضطر ابن حبان إلى إنكار أحاديث "وضع الحجر" رأسا، وليس كذلك، وإنها ثابتة بوجوه، فلا بد من الجمع: بأن الإطعام منه تعالى مخصوص بالوصال، أو يجمع بشيء آخر بمثل اختلاف الأحوال باختلاف الأوقات، أو بحمل ذلك على أول الأمر، وقال المناوي: فعل ذلك؛ ليعلم صحبه أن ليس عنده ما يستأثر به عليهم، لا أنه فعله من شدة الجوع، فإنه كان يبيت عند ربه ليطعمه ويسقيه، ويدل لذلك ما جاء عن جمع: أنه كان مع ذلك لا يتبين عليه أثر الجوع أصلاً، وبهذا يعلم أن لا ضرورة إلى ما سلكه أبو حاتم ابن حبان من إنكار أحاديث "وضع الحجر" رأساً في قوله: إنها باطلة لخبر الوصال، وإن الرواية إنما هي "الحجز" بالزاي فتصحف، قال الحافظ ابن حجر: وقد أكثر الناس في الرد عليه.

هذا الوجه: قال القاري: يعني غرابته ناشئة من طريق أبي طلحة لامن سائر الطرق، وقال ميرك: ورواته ثقات، يعني فلا يضره الغرابة، فإنها لا تنافي الصحة والحسن، فإن الغريب ما يتفرّد برواية عدل ضابط من رجال النقل، فإن كان التفرد برواية متنه فهو غريب متنا، وإن كان برواية عن غير المعروف عنه، كأن يعرف عن صحابي فيرويه عدل وحده عن صحابي آخر فهو غريب إسناداً، وهذا هو الذي يقول فيه الترمذي: غريب من هذا الوجه، بنحوه جزم المناوي إذ قال: غرابته ناشئة من طريق أبي طلحة لا من سائر الطرق، وقال البيجوري: غريب من حديث أبي طلحة، أي: حال كونه من حديث أبي طلحة.

ومعنى قوله: "ورفعنا عن بطوننا عن حَجرٍ حَجرٍ" كان أحدهم يشدُّ في بطنه الحجر من **الجَهدِ** والضَّعفِ **الذي** به من الجُوع.

وہ یہ کہ بہت سی احادیث میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کئی کئی دن کا مسلسل روزہ رکھا کرتے تھے اور جب صحابہ کرام نے حضور کے اتباع میں روزوں کے تسلسل کا ارادہ کیا تو حضور نے منع فرما دیا اور یہ ارشاد فرمایا کہ یہ میری خصوصیت ہے کہ بغیر افطار کے کئی دن کا مسلسل روزہ رکھوں، اس لئے کہ حق تعالیٰ جَلَّ شَانُہٗ مجھے کھلاتے اور پلاتے ہیں۔ یہ کھلانا پلانا کس طرح ہوتا تھا، یہ اپنی جگہ پر ہے، لیکن اس سے یہ معلوم ہوا کہ ظاہری طور پر کھانا پینا چھوڑنے سے حضور پر بھوک کا اثر محسوس نہ ہوتا تھا، ایسی صورت میں پیٹ سے پتھر باندھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی اور چونکہ روزے والی روایات کثیرہ ہیں اس لئے بعض علماء نے محدثین کے قواعد کے ماتحت ان پتھر والی روایتوں کو ضعیف قرار دیا۔ لیکن اکثر محدثین کی تحقیق یہ ہے کہ اس مضمون کی روایات بھی کئی ہیں، نیز روزے والی روایتوں سے کوئی ایسی مخالفت بھی نہیں ہے کہ دونوں کا مختلف حالات پر حمل نہ ہوسکتا ہو، اس لئے ان روایات کے ضعیف قرار دینے کی ضرورت نہیں اس کے بعد پھر مختلف اقوال ان دونوں روایتوں کے متعلق وارد ہوئے ہیں۔

نمبر ۱: پتھر والی روایات ابتدائے زمانہ کی ہوں اور یقیناً حضور اکرم ﷺ کی ترقیات روز افزوں تھیں اس لئے کھلانے پلانے والی روایات بعد کی ہوں۔

نمبر ۲: کھلانا پلانا روزے کی حالت کے ساتھ مخصوص ہو اور عام مؤمنین میں بھی یہ بات مشاہدہ میں آتی ہے کہ روزے کی حالت میں فاقہ کا اثر اور تعب اتنا نہیں ہوتا جتنا بغیر روزے کے فاقہ سے مشقّت اور بار ہوتا ہے، تو پھر حضور کا کیا کہنا جہاں روزہ حقیقی اور کمال کے درجہ پر تھا۔

ومعنى: هذا أحد الوجوه الواردة فيه، قال المناوي: كعادة أهل الرياضة أو العرب أو أهل المدينة إذا خلت أجوافهم لئلا تسترخي، أو لأن البطن الخالي يضعف صاحبه عن القيام لتقوّس ظهره، ولأنه يسكن أو يدفع النفخ أو ألم الجوع؛ لأن مجلب الجوع من شدة حرارة المعدة الغريزية، فإذا انضمت على المعدة الأحشاء خمدت نارها بعض الخمود فسكن الألم بعض السكون.

الجهد: بضم الجيم، وفي نسخة بفتحها، فقيل: بالضم: الوسع والطاقة، وبالفتح: المشقة، وقيل: المبالغة والغاية، وقيل: هما لغتان في الوسع والطاقة، فأما في المشقة والغاية فالفتح لا غير، و"من" تعليلة. الذي: بإفراد الموصول، و"من" بيانية للموصول أو ابتدائية.

حدثنا محمد بن إسماعيل، حدثنا آدم بن أبي إياس، حدثنا **شَيْبَانُ** أبو معاوية، حدثنا عبد الملك بن عُمير، عن أبي سلمة بن عبد الرحمن، **عن** [٤] أبي هُريرة ﷺ: قال: خرج النبي ﷺ في ساعة لا يخرج فيها، [أي: من بيته]

نمبر ۳: مختلف حالات کے اعتبار سے دونوں حالات حضور کے بھی ہوتے ہوں، جیسا کہ مشائخ سلوک کے مختلف احوال ہوا کرتے ہیں۔ اس قول کے موافق ان روایات کو ابتدائے زمانہ پر محمول کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اخیر زمانہ میں بھی مختلف اوقات کے اعتبار سے مختلف احوال ہو سکتے ہیں۔

نمبر ۴: حضور پر بھوک کا اثر یقیناً نہیں ہوتا تھا، اس کے باوجود پتھروں کا باندھنا فقراء اور مساکین کے ساتھ اشتراکِ عمل کی غرض سے تھا اور عام دستور ہے کہ جس مشقت اور تکلیف میں اپنے بڑے بھی مبتلا ہو جاتے ہیں اُس میں سعادت مند چھوٹوں کے لئے ان کے مقابلہ میں اپنی تکلیف کا التفات بھی نہیں رہتا۔ پھر صحابۂ کرام جیسے سعید عشاق کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔

نمبر ۵: حق تعالیٰ جل شانہ کی طرف سے کھلانا پلانا اعزاز و اکرام ہی تو تھا، کوئی وجوبی امر نہ تھا، تو کسی وقت جب کہ صحابۂ کرام پر تنگی و عُسرت کا غلبہ ہو، فقر و فاقہ اس حالت پر پہنچ گیا ہو کہ پیٹ سے پتھر باندھنا پڑ جائیں، حضور خود اُس اکرام سے مستفید نہ ہوتے ہوں کہ بچّہ اگر بھوک میں تڑپتا ہو تو ماں کے حلق میں ٹکڑا اٹکا کرتا ہے، پھر حضور کی امت پر شفقت کا کیا پوچھنا! جہاں ہزاروں ماؤں کی شفقتیں قربان۔

(۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ ایسے وقت دولت خانہ سے باہر تشریف لائے کہ اُس وقت نہ تو حضور کی عادتِ شریفہ باہر تشریف لانے کی تھی نہ کوئی شخص حضور کی خدمت میں اُس وقت دولت خانہ پر حاضر ہوتا تھا۔ حضور کی باہر تشریف آوری پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے۔ حضور نے ابو بکر رضی اللہ عنہ سے خلافِ معمول بے وقت آنے کا سبب پوچھا۔ انھوں نے عرض کیا: جمالِ جہاں آرا کی زیارت اور سلام کے لئے حاضر ہوا ہوں (یہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کمالِ تناسب کی وجہ سے تھا کہ حضور اقدس ﷺ کو اگر خلافِ عادت باہر تشریف آوری کی نوبت آئی تو اُس یکجاں دو قالب پر بھی اِس کا اثر ہوا۔ بندہ کے نزدیک یہی وجہ اولیٰ ہے اور یہی کمالِ تناسب بڑی وجہ ہے نبوی دور کے ساتھ

شيبان: بشين معجمة فتحتانية فموحدة، هكذا في النسخ الهندية، وكذا أخرجه المصنف في الجامع وقال: شيبان ثقة عندهم صاحب كتاب، فما في أكثر نسخ الشمائل المصرية بدله "سفيان" سهو من الناسخ.

ولا يلقاه فيها أحدٌ، فأتاه أبو بكر فقال: **ما جاء بك** يا أبا بكر؟ فقال: خرجت ألقى رسول الله ﷺ، وأنظر في وجهه، **والتسليم** عليه، فلم يلبث أن جاء عمر،
بفتح الموحدة

خلافتِ صدّیقیہ کے اتصال کی کہ حضور کے وصال کے بعد اگر کوئی دوسرا خلیفہ ہوتا تو مناسبت تامہ نہ ہونے کی وجہ سے وقتی احکام میں کچھ تغیّر ضرور ہوتا اور صحابۂ کرام کے لئے حضور کے فراق کے ساتھ یہ دوسرا مرحلہ مل کر رنج و ملال کو ناقابل برداشت بنانے والا ہوتا، بخلاف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے کہ حضور اقدس ﷺ کے ساتھ اس درجہ اتصال اور قلبی یک جہتی تھی کہ جن مواقع پر جو حضور کا طرزِ عمل تھا وہی اکثر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بھی تھا، چنانچہ حدیبیہ کا قصہ مشہور ہے جس کا ذکر حکایاتِ صحابہ میں بھی گزر چکا ہے۔ مسلمانوں نے نہایت دب کر ایسی شرائط پر کفار سے صلح کی تھی کہ بعض صحابہ اُس کا تحمّل بھی نہ کر سکے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نہایت جوش میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حاضر ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! کیا آپ اللہ کے برحق نبی نہیں ہیں؟ حضور نے ارشاد فرمایا: بے شک۔ حضرت عمر: کیا ہم حق پر اور دشمن باطل پر نہیں ہے؟ حضور: بے شک۔ حضرت عمر: پھر ہم کو دین کے بارے میں یہ ذلت کیوں دی جارہی ہے؟ حضور: میں اللہ کا رسول ہوں اور اُس کی نافرمانی نہیں کر سکتا، وہی میرا مددگار ہے۔ حضرت عمر: کیا آپ نے ہم سے یہ نہیں کہا تھا کہ ہم مکہ جائیں گے اور طواف کریں گے؟ حضور: بے شک، لیکن کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ اسی سال مکہ میں جائیں گے؟ حضرت عمر: نہیں، یہ تو نہیں کہا تھا۔ حضور: بس تو مکہ میں ضرور جائے گا اور طواف کرے گا۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسی جوش میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ اے ابو بکر! کیا یہ اللہ کے سچے نبی نہیں ہیں؟ حضرت ابو بکر: بے شک۔ حضرت عمر: کیا ہم حق پر اور دشمن باطل پر نہیں ہے؟ حضرت ابو بکر: بے شک۔ حضرت عمر: پھر دین کے بارے میں ہم ذلت کیوں دیے جارہے ہیں، حضرت ابو بکر: او آدمی! یہ بلا تردّد سچے رسول ہیں اور اللہ کی ذرا بھی نافرمانی کرنے والے نہیں ہیں، وہی ان کا مددگار ہے

ما جاء بك: الباء للتعدية، أي: ما الذي أحضرك في هذا الوقت؟. والتسليم: بالنصب على أنه مفعول فعل مقدر معطوف على الفعلين، أي: ألقى وأنظر وأريد التسليم، وبالجر، أي: أتشرف بالتسليم عليه، أو عطف على "ألقى" بحسب المعنى، أي: للقائه ﷺ والتسليم عليه.

فقال: ما جاء بك ياعمر؟ قال: الجوع يا رسول الله! فقال النبي ﷺ: وأنا قد وجدت **بعض ذلك،**

تو ان کی رکاب کو مضبوط پکڑے رہ۔ حضرت عمر: کیا انھوں نے ہم سے یہ نہیں کہا تھا کہ ہم مکہ جائیں گے اور طواف کریں گے؟ حضرت ابو بکر: کیا تجھ سے یہ بھی وعدہ کیا تھا کہ اسی سال جائیں گے؟ حضرت عمر: نہیں، یہ تو نہیں کہا تھا۔ حضرت ابو بکر: تو مکہ میں جائے گا اور طواف کرے گا۔ (بخاری شریف میں یہ قصّہ مفصّل مذکور ہے اور بھی اس قسم کے متعدد واقعات حیرت انگیز ہیں۔ حتی کہ اگر حضور سے اجتہادی خطا ہوئی تو اُس میں بھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ شریک ہیں، جیسا کہ بدر کے قیدیوں کے معاملہ میں جس کا قصّہ سورۂ انفال کے اخیر میں ہے۔ اس صورت میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا اس وقت خلافِ معمول باہر آنا "دِل را بدِل رہیست" حضور کے قلبِ اطہر کا اثر تھا، گو بھوک بھی لگی ہوئی ہو۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا آنا بھی بھوک کے تقاضے کی وجہ سے تھا، لیکن حضور کے چہرۂ انور کو دیکھ کر اُس کا خیال بھی جاتا رہا، اسی لئے حضور کے استفسار پر اُس کا ذکر نہیں کیا۔

یاد سب کچھ ہیں مجھے ہجر کے صدمے ظالم — بھول جاتا ہوں مگر دیکھ کے صورت تیری

بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تشریف آوری بھوک ہی کی وجہ سے تھی، مگر اس کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ حضور کو گرانی نہ ہو کہ دوست کی تکلیف اپنی تکلیف پر غالب ہو جایا کرتی ہے) تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حاضرِ خدمت ہوئے، حضور نے اُن سے بھی بے وقت حاضری کا سبب پوچھا، انھوں نے عرض کیا کہ حضور! بھوک کی وجہ سے حاضر ہوا ہوں۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ بھوک تو کچھ میں بھی محسوس کر رہا ہوں۔ اس کے بعد تینوں حضرت ابو الہیثم انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان پر تشریف لے گئے۔ وہ اہل ثروت لوگوں میں تھے، کھجوروں کا بڑا باغ تھا، بکریاں بھی بہت سی تھیں، البتّہ خادم اُن کے پاس کوئی نہیں تھا، اس لئے گھر کا کام سب خود ہی کرنا پڑتا تھا۔ یہ حضرات جب اُن کے مکان پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ گھر والوں کے لئے میٹھا پانی لینے گئے ہیں جو خادم نہ ہونے کی وجہ سے خود ہی لانا پڑتا تھا۔

بعض ذلك: وفي رواية مسلم عن أبي هريرة أيضاً، فإذا هو بأبي بكر وعمر فقال: ما أخرجكما من بيوتكما هذه الساعة؟ قالا: الجوع يا رسول الله! قال أما والذي نفسي بيده لأخرجني الذي أخرجكما، فقيل: هما قضيتان، أو لما جاء عمر وذكر الجوع ذكره أبو بكر أيضاً، وروي في معنى الباب عن جابر، قال القاري: وبعض الزيادات في بعض الروايات محذوفة من بعض الرواة.

فانطَلَقُوا إلى منـــزل **أبي الهَيْثَم** بن **التّيِّهان** الأنصاريّ، وكان رجلا كثير النّخل والشّاء، ولم يكن له **خدمٌ**، فلم يجدوه فقالوا لامرأته: أين صاحبكِ؟ فقالت: انطلق **يستعذب** لنا الماء، فلم يلبثوا أن جاء أبو الهيثم بقربة **يَزعَبُها**،

أي: يجيء لنا بالماء العذب

أي إلا أن جاء أو لأن جاء

لیکن ان حضرات کے پہنچنے پر تھوڑی دیر گزری تھی کہ وہ بھی مشکیزہ کو جو مشکل سے اُٹھتا تھا، بدقّت اُٹھاتے ہوئے واپس آگئے اور حضور کی زیارت سے مشرف ہو کر (اپنی خوش قسمتی پر ناز کرتے اور زبانِ حال سے:

ہم نشیں جب میرے ایام بھلے آئیں گے بن بلائے میرے گھر آپ چلے آئیں گے

پڑھتے ہوئے) حضور سے لپٹ گئے اور حضور پر اپنے ماں باپ کو نثار کرنے لگے، یعنی عرض کرتے تھے کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان! اس کے بعد باغ میں چلنے کی درخواست کی، وہاں پہنچ کر فرش بچھایا اور دین و دنیا کے سردار، مایۂ فخر مہمان کو بٹھا کر ایک خوشہ (جس میں ہر طرح کی کچی پکی اور کچری کھجوریں تھیں) سامنے حاضر کیا۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ سارا خوشہ توڑنے کی کیا ضرورت تھی اس میں ابھی کچھ کچی بھی ہیں جو ضائع ہوں گی، پکی پکی چھانٹ کر کیوں نہ توڑ لیں۔ میزبان نے عرض کیا: تاکہ اپنی پسند سے پکی اور گدری ہر نوع کی حسبِ رغبت نوش فرمائیں، تینوں حضرات نے کھجوریں کھائیں اور پانی پیا۔ اس کے بعد حضور اقدس ﷺ نے جن کا ہر ہر لحظہ تعلیم امت تھا، ارشاد فرمایا کہ اُس ذات پاک کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے،

أبي الهَيْثَم: قال القاري: في رواية عند الطبراني وابن حبان في صحيحه أبي أيوب الأنصاري، فالقضية متعددة، وفي رواية لمسلم: رجل من الأنصار، وهو محتمل لهما، قال المناوي: وانطلاقهم إلى منـــزله لا ينافي كمال شرفهم، فقد استطعم موسى والخضر قبلهم، وكان للنبي ﷺ مندوحة عن ذلك، ولو شاء لكانت جبال تهامة تمشي معه ذهبا، لكن الله سبحانه أراد أن يعزى الخلائق بهم، وأن يستن بهم السنن، ففعلوا ذلك تشريفاً للأمة. وهل خرج ﷺ قاصداً من أول خروجه إلى إنسان معين أو إنما جاء التعيين بالاتفاق؟ الظاهر الثاني.

التّيَهان: بفتح التاء الفوقانية وكسر التحتانية المشددة، وهو لقب، واسمه عامر، وقيل: عتيك، واسم أبي الهيثم مالك.

خدمٌ: بفتحتين، جمع خادم أعم من الذكر والأنثى، وليس المراد نفي الجمع، بل نفي الإفراد، وهذا توطئة لقوله الآتي: "فلم يجدوه". **يستعذب** إلخ: [أي: يأتي لنا بماء عذب من بئر، وكان أكثر مياه المدينة مالحة] يَزعَبُها: بتحتية مفتوحة فزاي ساكنة فعين مهملة مفتوحة، من زعب القربة: ملأها، وقيل: يدفعها لثقلها، يقال: جاءنا سيل يزعب زعبا، أي: يتدافع.

فوضعها، ثم جاء **يلتـــزم** النبي ﷺ، **ويُفَدّيه** بأبيه وأُمه، ثم انطلق **بهم** إلى حَديقته، فبَسَط لهم بِساطا، ثم انطلق إلى نخلة، فجاء **بِقِنْو**، **فوضعه**، فقال النبي ﷺ: **أفلا تَنقَّيت لنا** من رُطَبه؟
يعانقه مدّ لهم فراشا إفراد الجيد من الردي

یہ بھی اُس نعیم میں داخل ہے جن کا سوال قیامت میں ہوگا اور سورۃ الهاكم التكاثر کے ختم پر حق تعالیٰ جل شانہ نے اس کا ذکر فرمایا ہے، اُن کے شکر کے متعلق سوال ہوگا کہ ہماری نعمتوں کا کس درجہ شکر ادا کیا۔ **اللّٰهمّ لا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ**۔ پھر اس وقت کی نعمتوں کے اظہارِ شکر کے طور پر فرمایا کہ ٹھنڈا سایہ، ٹھنڈا پانی اور تروتازہ کھجوریں۔ اس کے بعد میزبان کھانے کی تیاری کے لئے جانے لگے تو حضور نے ارشاد فرمایا کہ فرطِ محبت میں کیفما اتفق مت ذبح کر دینا، بلکہ ایسا جانور ذبح کرنا جو دودھ کا نہ ہو، میزبان نے ایک بکری کا بچّہ ذبح کیا اور بعجلتِ تمام کھانا تیار کر کے حاضرِ خدمت کیا اور مہمانوں نے تناول فرمایا۔ حضور نے اُس وقت یہ ملاحظہ فرما کر کہ مشتاق میزبان سب کام خود ہی کر رہا ہے اور شروع میں میٹھا پانی بھی خود ہی لاتے دیکھا تھا، دریافت فرمایا کہ تمہارے پاس کوئی خادم نہیں؟ نفی میں جواب ملنے پر حضور نے فرمایا کہ اگر کہیں سے غلام آئیں تو تم یاد دلانا، اُس وقت تمہاری ضرورت کا لحاظ رکھا جائے گا۔ اتفاقاً ایک جگہ سے صرف دو غلام آئے تو ابوالہیثم نے حاضر ہو کر وعدۂ عالیجاہ کی یاد دہانی کی۔ حضور نے فرمایا کہ ان دونوں غلاموں میں سے جونسا دل چاہے پسند کر لو جو تمہاری ضرورت کے مناسب ہو۔ (یہ جاں نثار حضور کی موجودگی میں اپنی کیا رائے رکھتے، اس لئے) درخواست کی کہ حضور ہی میرے لئے پسند فرمائیں (وہاں بجز دینداری کے اور کوئی وجہ ترجیح اور پسندیدگی ہو ہی نہیں سکتی تھی، اس لئے) حضور نے ارشاد فرمایا کہ مشورہ دینے والا امین ہوتا ہے، اس لئے میں امین ہونے کی حیثیت سے فلاں غلام کو پسند کرتا ہوں،

يلتـــزم: [أي: يلصق صدره به ويعانقه تبركاً به ﷺ] ويفدّيه: بتشديد الدال من التفدية، وفي نسخة كيرميه، وفي أخرى من الإفداء، وكلاهما بعيد؛ لأن الفداء إنقاذ الأسير بإعطاء شيء، والإفداء قبول فدائه. بهم: الباء للتعدية أو المصاحبة، أي: ذهب معهم، وأنكر القاري الأوّل؛ لعدم ملائمته مقام الإكرام. بقنو: بكسر القاف وسكون النون بوزن حمل، أي: عِذْق كما في رواية مسلم، وهو: الغض فيه بسر وتمر ورطب. فوضعه: [أي: بين أيديهم؛ ليتفكهوا منه قبل الطعام.]
أفلا تنقّيت لنا: [أفلا تخيرت لنا من رطبه وتركت باقيه يترطب فتنتفعون به، فالتنقّي: التخير، والتنقية: التنظيف، والرطب: ثمر النخل إذا أدرك ونضج]

فقال: يا رسول الله! إنّي أردت أن تختاروا - **أو تخيَّروا** - من رُطبه وبُسره، فأكلوا وشربوا من ذلك الماء، فقال النبي ﷺ: هذا والذي نفسي بيده من النعيم الذي **تُسألون** عنه يوم القيامة، ظِلٌّ باردٌ، **ورُطبٌ** طيب، وماءٌ باردٌ،

اس لئے کہ میں نے اُس کو نماز پڑھتے دیکھا، لیکن میری ایک وصیت اس کے بارے میں یاد رکھو کہ اس کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کیجیو! (اول حضور نے مشورہ کے ضابطہ کو ذکر فرما کر گویا اس پر تنبیہ فرمائی کہ میری جو پسندیدگی ہے وہ ذمہ دارانہ اور امانت داری کی ہے، پھر ایک کو پسند فرما کر وجہ ترجیح بھی ظاہر فرمائی کہ وہ نمازی ہے۔ یہ وجہ ہے اُس کو راجح قرار دینے کی۔ ہمارے زمانہ میں ملازم کا نمازی ہونا گویا عیب ہے کہ آقا کے کام کا حرج ہوتا ہے) ابو الہیثم خوش خوش اپنی ضرورتوں کے لئے ایک مددگار ساتھ لے کر گھر گئے اور حضور کا فرمانِ عالی شان بھی بیوی کو سُنا دیا۔ بیوی نے کہا کہ حضور کے ارشاد کی کماحقہ تعمیل نہ ہو سکے گی اور اُس درجہ بھلائی کا معاملہ کہ ارشادِ عالیجاہ کا امتثال ہو جائے، ہم سے نہ ہو سکے گا اس لئے اس کو آزاد ہی کر دو کہ اسی سے امتثالِ ارشاد ممکن ہے۔ سراپا شجاع اور مجسّمِ اخلاص خاوند نے فوراً آزاد کر دیا اور اپنی دقتوں اور تکالیف کی ذرا بھی پرواہ نہ کی۔ حضور اقدس ﷺ کو جب واقعہ اور جاں نثار صحابی کے ایثار کا حال معلوم ہوا تو اظہارِ مسرّت اور بیوی کی مدح کے طور پر ارشاد فرمایا کہ ہر نبی اور اُس کے جانشینوں کے لئے حق تعالیٰ جَلَّ شَانُہٗ دو باطنی مشیر اور صلاح کار پیدا فرماتے ہیں، جن میں سے ایک مشیر تو بھلائی کی ترغیب دیتا ہے اور ہر بُرائی سے روکتا ہے، دوسرا مشیر تباہ و برباد کرنے میں ذرا بھی کمی نہیں کرتا۔ جو شخص اُس کی بُرائی سے بچا دیا جائے وہ ہر قسم کی بُرائی سے روک دیا گیا۔

أو تخَيَّروا: بحذف إحدى التائين، أي: تتخيروا، شك من الراوي، فإن الاختيار والتخير بمعنى التنقية، ومن قال "أو" للتنويع وفرق بينهما فتكلف حتى صار تعسفا. تُسألون: إشارة إلى قوله تعالى: ﴿ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ﴾ [التكاثر: ٨] والمراد السؤال عن القيام بشكره على ما قاله القاضي عياض، وقال النووي: الذي نعتقده أن السؤال ههنا سؤال تعداد النعم، وإعلامه بالامتنان، وإظهار كرمه بإسباغها، لا سؤال محاسبة. قال المناوي: والخبر صريح في رد زعم جمع مفسرين كالواحدي أن السؤال عن النعيم يختص بالكفار، وليس في اللفظ ولا في السنة ما يقتضي الاختصاص بل عدمه، وما نقله عن الحسن أنه لا يسأل أهل النار فباطل قطعا إما عليه أو منه. رطب: قوله: رطبٌ طيب، تذكير الوصف يدل على أن الرطب ليس بجمع، بل هو اسم جنس يطلق على القليل والكثير.

فانطلق أبو الهيثم ليصنع لهم **طعاما** فقال النبي ﷺ: لا تَذْبَحَنّ لنا ذات دَرّ، فذبح لهم **عَنَاقا أو جَدْيا،** فأتاهم بها، فأكلوا، فقال النبي ﷺ: هل لك خادمٌ؟ قال: لا، قال: فإذا أتانا سَبْيٌ فأتِنا، فأتي النبي ﷺ برأسين ليس معهما ثالث، فأتاه أبو الهيثم، فقال النبي ﷺ: اختر منهما، فقال: يا نبيّ الله! اخترلي، فقال النبي ﷺ: إن المستَشَار **مُؤتَمنٌ**، خذ هذا فإني رأيته يُصلّي، **واستوص** به معروفا، فانطلق أبو الهيثم إلى امرأته، فأخبرها بقول رسول الله ﷺ، فقالت امرأته: ما أنت **ببالغ** ما قال فيه النّبي ﷺ إلا أن تعتقه، قال: فهو عتيق،

فائدہ: ابو الہیثم کی بیوی بمنزلہ بہترین مشیر کار کے تھیں، جنھوں نے مشورہ دے کر ایک کارِ خیر یعنی ایک نمازی غلام کو آزاد کرا دیا اور اپنی ضروریات کی ذرا بھی پرواہ نہ کی اور نہ اس کی پرواہ کی کہ کس قدر مشقّتیں اُٹھانے کے بعد خادم ملا ہے، کچھ دن تو اس کی وجہ سے آرام اُٹھالیں، بعد میں آزاد کر دیں گے۔

طعاما: الخبر من مستدلات الشافعي على أن الرطب فاكهة لا طعام، وقال أبو حنيفة: إن الرطب والرمّان ليسا بفاكهة، بل الرطب غذاء والرمان دواء؛ لقوله تعالى: ﴿فِيهِمَا فَاكِهَةٌ وَنَخْلٌ وَرُمَّانٌ﴾ [الرحمن: ٦٨] بناء على أن الأصل في العطف المغايرة، والفاكهة: ما يتفكه به تلذذاً. عناقا: بفتح العين المهملة وتخفيف النون، هي: الأنثى من أولاد المعز.

أو جَديا: شك من الراوي، والعناق بفتح العين: أنثى المعز لها أربعة أشهر، والجدي بفتح الجيم وسكون الدال: ذكر المعز ما لم يبلغ سنة. مُؤتمنٌ: بصيغة المفعول، وهو حديث صحيح كاد أن يكون متواتراً، ففي الجامع الصغير: المستشار مؤتمن، رواه الأربعة عن أبي هريرة، والترمذي عن أم سلمة، وابن ماجة عن ابن مسعود، والطبراني في الكبير عن سمرة، وزاد: إن شاء أشار وإن شاء لم يشر، وفي الأوسط عن علي، وزاد: فإذا استشير فليشر بما هو صانع لنفسه، والمعنى: أن الذي طلب منه المشورة جعله أمينا، فيلزمه رعاية حال المستشير، ولا يحل له كتم أمر فيه صلاحه، فإن فعل خرج عن كونه أمينا، وصار خائنا، قال ذلك إعلاما أو تعليما لأبي الهيثم، أو إحضاراً له من نفسه ليعمل به.

واستوص إلخ: أي: افعل به معروفاً وصية مني، فـ"معروفا" منصوب بـ"استوص"؛ لتضمينه معنى افعل، وقيل: منصوب بنزع الخافض، أو على أنه صفة لمصدر محذوف، أي: استيصاءً معروفاً، وقيل: مأخوذ من استوصى بمعنى أوصى إذا أمر أحداً بشيء، ويعدى بالباء أي: مره بالمعروف، وعظه معروفاً. ببالغ: أي: ما أنت ببالغ حق المعروف الذي وصاك به النبي ﷺ إلّا بعتقه.

فقال النبي ﷺ: إن الله تعالى لم يبعث نبيًا ولا **خليفة** إلا وله **بطانتان: بِطَانة** تأمره بالمعروف، وتنهاه عن المنكر، وبِطَانةٌ لاتألوه **خَبَالا**، ومن يُوقَ بِطَانةَ السُّوء فقد **وقي**. **حدثنا** عمر بن إسماعيل بن **مُجالد** بن سعيد، حدثني أبي، عن **بيان** بن بِشر، حدثني قيس بن أبي حازم قال: **سمعت**(٥) سعدَ بن أبي وقّاص يقول: إني لأوّل رجل **أهراق** دما في سبيل الله،

(فضلا عن غيرهما — السوء والسوء كالكره والكره)

---

(۵) سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اُمتِ محمدیہ میں سب سے پہلا شخص جس نے کسی کافر کا خون بہایا ہو، میں ہی ہوں اور ایسے ہی پہلا وہ شخص جس نے جہاد میں تیر پھینکا ہو، میں ہوں۔ ہم لوگ (یعنی صحابہ کی جماعت ابتدائے اسلام میں) ایسی حالت میں جہاد کیا کرتے کہ ہمارے پاس کھانے کی کوئی چیز نہیں تھی، درختوں کے پتے اور کیکر کی پھلیاں ہم لوگ کھایا کرتے تھے جس کی وجہ سے منہ کے جبڑے زخمی ہوگئے تھے اور پتّے کھانے کی وجہ سے پاخانہ میں بھی اونٹ اور بکری کی طرح مینگنیاں نکلا کرتی تھیں، اس کے بعد بھی قبیلۂ بنو اسد کے لوگ اسلام کے بارے میں مجھ کو دھمکاتے ہیں۔ اگر میرے دین سے ناواقفیت کا یہی حال ہے جیسا یہ لوگ بتاتے ہیں تو ﴿خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ﴾ [الحج: ١١] دنیا اس تنگی و عُسرت میں گئی اور دین کی یہ حالت کہ نماز سے بھی واقفیت نہ ہوئی۔

فائدہ: اس حدیث میں چونکہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کو صرف اس وقت کی تنگی دکھلانا مقصود تھی اس لئے تمام قصّہ کو مختصر کر دیا

خليفة: [العلماء والأمراء والولاة والقضاة.] بطانتان: [المَلَك والشيطان، أو النفس الأمّارة واللّوامة، أو وزيرين: أحدهما صالح والآخر طالح، أو لكل إنسان قوّة ملكيّة تحثّه على الخير، وقوّة حيوانية تحثه على الشرّ.] بطانة إلخ: بكسر الباء الموحدة: صاحب سره الذي يطلعه على خفايا أموره يستشيره فيها، تشبيها له ببطانة الثوب. خَبالا: بمعجمة مفتوحة فموحدة، أي: لا تقصر في إفساد حاله، فالخبال: الإفساد، والألو: التقصير، وعبر ههنا بهذا، وفي بطانة الخير بما سبق تنبيهاً على أنه يكفي في كون الشر السكوت على الفساد، وفي الخير لا يكفي إلا الأمر به.

وقي: [أي: حفظ من الفساد ومن جميع الأسواء والمكاره في المبدأ والمعاد] مُجالد: بضم ميم فجيم فكسر لام، فما في بعض النسخ: بالهاء بدل اللام، تصحيف من الناسخ. بيان: بموحدة مفتوحة فتحتية، ابن بشر بكسرموحدة فسكون معجمة. أهراق: [أراق وصبَّ، أي: أوّل رجل سفك دماً في سبيل الله، أي: من شجّة شجّها المشرك في شعب من شعاب مكة.]

وإني لأول رجل **رمى بسهم** في سبيل الله. لقد رأيتني أغزو في العِصَابة من أصحاب محمد ﷺ، ما نأكل إلّا ورق الشجر **والحُبْلة**، حتى تقرّحتْ **أشداقنا**، حتى أن أحدنا ليضع كما تضع الشاة **والبعير**. وأصبحت **بنو أسدٍ يُعزّرُونَني** في الدين! **لقد خِبْت** إذاً وضلّ عملي.
صارت

کہ مقصد صرف یہ بتانا تھا کہ تنگی اور عسرت کی وجہ سے مجاہدین کو غذا بھی نہ ملتی تھی، یہ اسلامی فوج درختوں کے پتّے کھا کر جہاد کرتی تھی، لیکن حضرت سعد نے اس حدیث میں اپنے کارنامے اور اپنی مساعیِ جمیلہ اور قدیم الاسلام ہونا بیان کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں کوفہ کے امیر تھے۔ کوفہ کے کچھ لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان کی بہت سی شکایات کیں، حتی کہ یہ بھی شکایت کی کہ یہ نماز تک بھی اچھی طرح سے نہیں پڑھتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو بلوایا اور بلا کر ارشاد فرمایا کہ لوگ تمہاری بہت سی شکایات کرتے ہیں، حتی کہ نماز تک کی بھی شکایت کرتے ہیں۔ اس پر انھوں نے اپنی صفائی میں اپنا قدیم الاسلام ہونا، اسلام کے بارے میں مشقتوں کا برداشت کرنا وغیرہ بیان کر کے عرض کیا کہ اس پر یہ لوگ مجھے نماز پر دھمکیاں دیتے ہیں۔ میں نے جس طرح حضور اقدس ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا اُس سے ذرا بھی کوتاہی نہیں کرتا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ کوفہ میں دو آدمی بھیجے کہ وہ وہاں گشت کر کے ان کے متعلقہ شکایات کی تحقیق کر کے آئیں۔ انھوں نے کوئی مسجد کوفہ کی ایسی نہیں چھوڑی جس میں جا کر نمازیوں سے حالات کی تحقیق نہ کی ہو۔

رمى بسهم: [أي: في سرية عبيدة بن الحارث، وهي الثانية من سراياه إلى بطن رابغ، في شوال على رأس ثمانية أشهر من الهجرة.] والحُبْلة: الحبلة بضم مهملة وسكون موحدة: ثمرة السمرة، يشبه اللوبيا، وقيل: ثمر العضاة، والعضاة: كل شجرة يعظم وله شوك. أشداقنا: جمع شدق، في القاموس: الشدق بالكسر ويفتح، والدال مهملة: طفطفة الفم من باطن الخدين، جمعه أشداق، أي: صارت أطراف الفم ذات قروح. والبعير: [يعني: أن فضلتهم تشبه فضلة الشاة والبعير في اليبس؛ لعدم الغذاء المألوف للمعدة، وكان ذلك في سرية الخبط سنة ثمان، وأميرهم أبو عبيدة رضي الله عنه.]

بنو أسد: [أي: ابن خزيمة بن مدركة بن إلياس بن مضر، قال الحافظ: وبنو أسد كانوا فيمن ارتد بعد النبي وتبعوا طليحة بن خويلد الأسدي لما ادّعى النبوّة، ثم قاتلهم خالد بن الوليد رضي الله عنه في عهد أبي بكر رضي الله عنه وكسهم، ورجع بقيتهم إلى الإسلام، وتاب طليحة وحسن إسلامه، وسكن معظمهم الكوفة.] يعزرونني: [أي: يعيبون عَلَيَّ ويلومونني أني لا أحسن الصلاة.] لقد خِبْتُ: [أي: والله لقد خبت، من الخيبة، وهي: الحرمان، أي: حُرمت الخير.]

حدثنا محمد بن بشّار، حدثنا صفوان بن عيسى، حدثنا عمرو بن عيسى **أبو نَعَامة العدويّ**،

سب نے ان کی تعریف کی، البتہ ایک شخص نے یہ کہا کہ جب قسم دے کر پوچھتے ہو تو سچ سچ بتاؤں کہ سعد جہاد کے لئے نہیں نکلتے گویا اپنی جان پیاری ہے، دوسرے یہ کہ تقسیم میں مساوات اور برابری نہیں کرتے اور فیصلہ میں انصاف نہیں کرتے۔ حضرت سعد نے فرمایا کہ تین شکایات کی ہیں اس لئے تین بد دعائیں کرتا ہوں ہر ایک کے مناسب۔ اے اللہ! اگر یہ شخص جھوٹا ہے، محض شہرت اور دنیا کو دکھلانے کی غرض سے کھڑا ہوا ہے کہ بڑے آدمی پر تنقید کرنے سے شہرت ہوا کرتی ہے، تو اس کی عمر بڑھادے اور فقر میں اضافہ کر اور فتنوں میں مبتلا فرما۔ اس کے بعد دیکھنے والا اپنا مشاہدہ بیان کرتا ہے کہ میں نے اس شخص کو دیکھا کہ بڑھاپے کی وجہ سے پلکیں آنکھوں پر گر گئی تھیں اور فقیر ہوگیا تھا، گلی کوچوں میں لڑکیوں کو چھیڑتا تھا اور کوئی پوچھتا کہ یہ کیا حال ہوگیا؟ تو کہتا کہ سعد کی بد دعا لگ گئی۔ **اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَعُوْذُبِكَ مِنْ غَضَبِكَ وَغَضَبِ رَسُوْلِكَ وَغَضَبِ أَوْلِيَاءِكَ**۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں تین قصّوں کی طرف اشارہ فرمایا۔

نمبر ۱: یہ کہ میں سب سے پہلا شخص ہوں جس نے کسی کافر کا خون گرایا۔ یہ ہجرت سے قبل کا واقعہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں لوگ نہایت پریشان اور مصائب میں مبتلا تھے، کفار سے چھپ کر نماز وغیرہ عبادات کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ چند حضرات جن میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ بھی تھے، ایک گھاٹی میں نماز پڑھ رہے تھے کہ مشرکین کی ایک جماعت وہاں پہنچ گئی، ان لوگوں کو بُرا بھلا کہا اور لڑائی پر اُتر آئی تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اونٹ کا ایک جباڑہ وہاں پڑا تھا، اُس کو اُٹھا کر ایک کافر کے مارا جس سے اُس کے خون جاری ہوگیا۔ یہی مراد ہے اللہ کے راستہ میں سب سے پہلے خون گرانے سے۔

نمبر ۲: یہ کہ میں سب سے پہلا شخص ہوں جس نے اللہ کے راستہ میں تیر چلایا۔ یہ ہجرت کے بعد سنہ ۱ ہجری کا واقعہ ہے اور اسلام میں سب سے پہلا سریہ ہے، یعنی سب سے پہلی فوج ہے جس کو حضور نے ہجرت کے بعد حضرت عبیدۃ بن حارث کی ماتحتی میں "رابغ" بھیجا ہے۔ اس میں کفار سے مقابلہ ہوا دونوں جانب سے تیر چلائے گئے، مسلمانوں میں سب سے پہلا تیر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے چلایا تھا۔

أبو نَعَامة العدويّ: "أبو نعامة" بفتح النون على الصحيح، قاله القاري عن المغني، و"العدوي" بفتح العين والدال المهملتين.

قال: **سمعت** [٦] خالد بن عُمَير **وشُوَيسا** أبا الرُّقاد قالا: بعث عمر بن الخطّاب **عُتبة بن غـزوان**

نمبر ۳: تیسرا قصّہ اُس جنگ کا ہے جس کا ذکر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے درختوں کے پتّے کھانے سے فرمایا، یہ قصّہ "سریۂ خبط" کہلاتا ہے جو باختلافِ اقوال سنہ ۵ ہجری یا رجب سنہ ۸ ہجری میں ہوا ہے۔ اس کا مختصر قصّہ یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے تین سو مہاجرین اور انصار کو حضرت ابو عبیدۃ بن الجراح رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں مدینہ منورہ سے پانچ روز کی منزل پر سمندر کے کنارے قبیلہ جہینہ کے مقابلہ کے لیے بھیجا تھا۔ اُس لشکر میں اول تین اونٹ یومیہ ذبح ہوتے تھے اور جب اونٹوں کی قلّت کے خوف سے امیر نے ذبح کی ممانعت فرمادی تو کچھ مقدار کھجوریں تقسیم ہوتی تھیں اور وہ بھی کم ہوتے ہوتے یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ ایک کھجور یومیہ فی آدمی ملتی تھی کہ اُس کو چُوستے رہتے اور پانی پیتے رہتے، لیکن جب وہ بھی ختم ہو چکیں تو درختوں کے پتّے جھاڑ کر کھانے کی نوبت آئی۔ خبط کے معنی پتّے جھاڑنے کے ہیں اسی لئے اس کا نام "سریۂ خبط" مشہور ہوگیا۔ اس کا طویل قصّہ ابتداءً سخت پریشانی اور عسرت کا اور انتہاءً لطف کا ہے جس کو تاریخ اسلام کی طویل کتابوں میں دیکھا جائے۔ مختصر طور پر حکایاتِ صحابہ کے تیسرے باب میں بندہ نے بھی لکھ دیا ہے۔

(٦) خالد بن عمیر اور شویس کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عتبہ بن غزوان کو حکم فرمایا کہ تم اپنے رفقاء کے ساتھ (جو تین سو مجاہد تھے، عجم کی طرف) چلے جاؤ اور جب منتہائے سرزمین عرب پر پہنچو جہاں کہ سرزمینِ عجم بہت قریب رہ جائے تو وہاں قیام کرنا (مقصد اُن کی روانگی کا یہ تھا کہ دربارِ عمری میں یہ اطلاع پہنچی تھی کہ عجم کا ارادہ عرب پر حملہ کرنے کا ہے اور بروایتِ دیگر یزدجر نے عجم سے امداد منگائی ہے جس کا یہ راستہ تھا، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس لشکر کو ناکہ بندی کے لئے ارسال فرمایا تھا) وہ لشکر چلا اور جب مربد بصرہ پر پہنچے تو وہاں عجب طرح کے سفید سفید پتھر نظر پڑے، لوگوں نے اول تعجب سے آپس میں پوچھا کہ یہ کیا چیزیں ہیں؟ تو لوگوں نے کہا کہ یہ بصرہ ہیں (بصرہ اصل لغت میں سفیدی مائل پتھروں کو کہتے ہیں،

وشُوَيسا: مصغرا بمعجمة أوله ومهملة آخره، هو شويس بن حياش. "أبو الـرقاد" بضم الراء بعدها قاف خفيفة.
عُتبة بن غَزوان: [وكان سابع سبعة أسلموا على ظهر الأرض، قال عنه عمر رضي الله عنه، إنّ لعتبة بن غزوان من الإسلام مكانا، كان قائد الجيش، وعلى يده فتح الأُبلّة (مدينة في جوار البصرة ألحقت بها، وغدت جزءاً منها)، وهو أوّل من نـزل البصرة، وهو الذي اختطّها، وكان أوّل من بناه مسجدها العظيم.] بفتح غين وسكون زاي معجمتين، وعتبة من أكابر الصحابة، أسلم قديما، وهاجر الهجرتين، أول من نـزل البصرة، وهو الذي اختطّها.

وقال: **انطلق** أنت ومن معك! حتى إذا كنتم في أقصى أرض العرب وأدنى بلاد العجم، **فأقبَلوا** حتى إذا كانوا **بالمِربد** وَجَدوا هذا **الكَذَّان**،

اس کے بعد پھر شہر کا نام پڑ گیا تو گویا انھوں نے جواب دیا کہ یہ بھی ایک قسم کے پتھر ہیں) اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہدایت کے موافق آگے بڑھے اور جب دجلہ کے چھوٹے پل کے قریب پہنچے تو لوگوں نے تجویز کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی متعینہ جگہ یہی موقع ہے، اس لئے وہاں پڑاؤ ڈال دیا۔ راوی نے اس جگہ تمام قصّہ (یعنی خراسان کے لشکر کے آنے کا اور عتبہ کے فتح کرنے کا پورا قصّہ) مفصل ذکر کیا (مگر امام ترمذی کو چونکہ اس جگہ ذکر کرنے سے مقصود اُس وقت کی تنگ حالی کا بیان کرنا تھا جس کا ذکر اس حدیث کے اخیر میں ہے، اس لئے تمام حدیث کو مختصر کر کے اس جملہ کو ذکر کر دیا)

حضرت عتبہ نے فتح کے بعد ایک خطبہ بھی پڑھا تھا جو عربی حاشیہ میں نقل کیا گیا، اُس میں دنیا کی بے ثباتی، آخرت کا دائمی گھر ہونا وغیرہ امور ارشاد فرمائے تھے۔ چنانچہ حمد و صلوۃ کے بعد فرماتے ہیں کہ دنیا ختم ہو رہی ہے اور منہ پھیر کر جارہی ہے، دنیا کا حصّہ اتنا ہی باقی رہ گیا جیسا کہ کسی برتن کا پانی ختم ہو جائے اور اخیر میں ذرا سا قطرہ اُس میں رہ جائے۔ تم لوگ اس دنیا سے ایک ایسے عالم کی طرف جارہے ہو جو ہمیشہ رہنے والا ہے، کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے، لہذا ضروری ہے کہ بہترین ماحضر کے ساتھ اس عالم سے جاؤ۔ اس لئے کہ ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ جہنم (جو اللہ کے نافرمان لوگوں کا گھر ہے) اتنی گہری ہے کہ اگر اُس کے اوپر کے کنارہ سے ایک ڈھیلا پھینکا جائے تو ستر برس تک بھی وہ جہنم کے نیچے کے حصہ میں نہیں پہنچتا اور آدمیوں سے اس مکان کو بھرا جائے گا۔ کس قدر عبرت کا مقام ہے، نیز ہمیں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جنت (جو اللہ کے فرماں بردار بندوں کا مکان ہے)

انطلق إلخ: [وسبب بعثهم إلى ذلك الموضع: أنّ عمر رضي الله عنه بلغه أنّ العجم قصدوا حرب العرب، فأرسل هذا الجيش لينـــزل بين أرضي العرب والعجم، ويرابطوا هناك، ويمنعوا العجم عن بلاد العرب.] **فأقبَلوا**: قال القاري: فعل ماض من الإقبال، بمعنى توجهوا، قال المناوي: أي: توجهوا إلى المحل الذي أمرهم عمر بالانطلاق إليه، وسبب أمرهم بذلك السير ومكثهم بذلك الموضع: أنه كان محل خروج الهند من الجزائر إلى أرض فارس، وكان يزدجر التمس منهم الإعانة لقتال العرب، فأراد عمر أن يرابطوا بذلك الثغر ليضبطوا ذلك الجهة. **بالمِربد**: بكسر ميم فسكون ففتح موحدة، موضع بالبصرة، وأصلها من: "ربد بالمكان" إذا أقام به، وهو موضع حبس الإبل، أو تخفيف الرطب.

الكَذَّان: بفتح الكاف وتشديد الذال: حجارة رخوة مائلة إلى البياض، والبصرة أيضاً: حجارة رخوة مائلة إلى البياض.

فقالوا: ما هذه؟ قالوا: هذه البصرة، فسَاروا حتى إذا بلغوا حِيَالَ **الجسر الصغير** فقالوا: **ههنا** أُمرتم.
مقابل — أي: في هذا المكان بالإقامة والنـــزول

اس قدر وسیع ہے کہ اس کے دروازہ کی چوڑائی میں ایک جانب سے دوسری جانب تک چالیس برس کی مسافت ہے اور آدمیوں ہی سے وہ بھی پُر کی جائے گی (اس لئے ایسے اعمال اختیار کرو جن کی وجہ سے پہلے مکان سے نجات ملے اور اس مکان میں جو اللہ کی رضا کا مکان ہے، داخلہ نصیب ہو۔ اس کے بعد اپنا گزشتہ حال) بیان کیا کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کے ساتھ اپنی یہ حالت دیکھی ہے کہ میں اُن سات آدمیوں میں سے ایک ہوں جو اُس وقت حضور اقدس ﷺ کے ہمراہ تھے، ہمارے پاس کھانے کے لئے درختوں کے پتّوں کے سوا کچھ بھی نہ تھا، اُن کے کھانے سے ہمارے منہ چھل گئے تھے۔ مجھے اتفاقاً ایک چادر مل گئی تھی جس کو میں نے اپنے اور سعد کے درمیان نصف نصف تقسیم کر لی (حق تعالیٰ جل شانہ نے اُس تنگ حالی اور تکالیف کا دنیا میں بھی یہ اجر مرحمت فرمایا کہ) ہم سات میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو کسی جگہ کا امیر نہ ہو (چونکہ یہ جماعت بڑی تکالیف برداشت کرنے اور مجاہدات کے بعد امیر ہوئی ہے اس لئے اس کا معاملہ اپنی جماعتوں کے ساتھ بہترین معاملہ ہے جو تم کو بعد میں آنے والے امراء کے تجربہ حال سے معلوم ہوگا اس لئے کہ) تم اُن امراء کا عنقریب تجربہ کرنے والے ہو جو بعد میں آنے والے ہیں۔

فقالوا: أي: استفهم بعضهم بعضا. قالوا: أي أجاب بعضهم، فالجملة الأولى استفهام، والثانية جواب البعض، وليس في بعض النسخ ههنا لفظ: "قالوا" فلا يبعد أن يكون همزة الاستفهام مقدرة، وفي معجم البلدان: أن المسلمين حين وافوا مكان البصرة نظروا إليها من بعيد، وأبصروا الحصا عليها فقالوا: "إن هذه أرض بصرة"، يعنون حصبة فسميت بذلك، ثم ذكر أقوالا أخر في وجه تسميتها بذلك.

البصرة: قال القاري: بناها عتبة بن غزوان في خلافة عمر ﷺ سنة سبع عشر، وسكنها الناس سنة ثمان عشر. قيل: لم يعبد بأرضها صنم. وفي فتوح البلدان: لما نـــزل عتبة بن غزوان الخريبة كتب إلى عمر يعلمه نـــزوله إياها، وإنه لابد للمسلمين من منـــزل يشتون به إذا شتوا، ويكنسون فيه إذا انصرفوا من غزوهم، فكتب إليه: أن اجمع أصحابك في موضع واحد، وليكن قريباً من الماء والمرعى، فكتب إليه: إني وجدت أرضا كذا وكذا، فكتب إليه: أن أنـــزلها الناس، فأنـــزلهم إياها، فبنوا مساكن بالقصب، وبنى عتبة مسجداً من قصب، وذلك في سنة أربع عشر، إلى آخر ما بسطه.

الجسر الصغير: كان ذلك الجسر على الدجلة في عرضها، يسير عليه المشاة والركبان، واحترز به عن الجسر الكبير، وهو عند بغداد، بينهما عشرة أيام. ههنا: [أي: في هذا المكان أمركم أمير المؤمنين عمر ﷺ بالإقامة لأجل حفظ بلاد العرب من العجم.]

فنـــزلوا -**فـــذكروا الحديث** بطوله- قال: فقال عتبة بن غزوان: لقد رأيتني وإني لسابع **سبعة** مع رسول الله ﷺ مالنا طعام إلا ورق الشجر، حتى **تقرّحت أشداقنا، فالتقَطتُ بُردةً**

أي صارت ذات قرح

فائدہ: بظاہر حضرت سعد کا مقصد اپنی اس حالت کے بیان کرنے سے دو امر ہیں: اول یہ کہ دین کے بارے میں جو مشقت اٹھائی جاتی ہے اس کا ثمرہ دنیا میں بھی اکثر ملتا ہے، اس لئے تم لوگ جو مشقت برداشت کروگے انشاء اللہ اُس کا ثمرہ پاؤ گے۔ دوسرے یہ کہ اس وقت کے امراء سے اگر کوئی ناگواری کی بات تم کو پیش آئے اُس کو برداشت کرو کہ یہ بہت غنیمت ہے اُن حالات کے اعتبار سے جو عنقریب آنے والے ہیں۔

فذكروا: المراد بالجمع ما فوق الواحد، وفي نسخة: "فذكرا" وهو الظاهر؛ لأن الضمير راجع إلى خالد وشويس، وفي نسخة: "فذكر" بالإفراد، أي: ابن بشار، على ما ذكره ابن حجر والمناوي، أو أبو نعامة، كما اختاره القاري.

الحديث: ذكره الطبرى في تاريخه بهذا السند إلى خالد وشويس قالا: بعث عمر بن الخطاب عتبة بن غزوان، فقال له: انطلق أنت ومن معك، حتى إذا كنتم في أقصى أرض العرب وأدنى العجم فأقيموا، فأقبلوا حتى إذا كانوا بالمربد وجدوا هذا الكذان، قالوا: ما هذه البصرة! فساروا حتى بلغوا حيال الجسر الصغير، فإذا فيه حلفاء وقصب نابتة، فقالوا: ههنا أمرتم، فنـــزلوا دون صاحب الفرات، فأتوه فقالوا: إن ههنا قوماً معهم رأية وهم يريدونك، فأقبل في أربعة آلاف أسوار فقال: ماهم إلا ما أرى، اجعلو في أعناقهم الجبال، وأتوني بهم، فجعل عتبة يرجل وقال: إني شهدت الحرب مع النبي ﷺ، حتى إذا زالت الشمس قال: احملوا، فحملوا عليهم فقتلوهم فلم يبق أحد إلا صاحب الفرات، أخذوه أسيراً، فقال عتبة بن غزوان: ابغوا لنا منـــزلا هو أنزه من هذا، وكان يوم عكاك ودمد، فرفعوا له منبراً، فقام يخطب فقال: إن الدنيا قد تصرمت وولّت حذاءً، ولم يبق منها إلا صبابة كصبابة الإناء، ألا وإنكم منتقلون منها إلى دار القرار، فانتقلوا بخير ما بحضرتكم، وقد ذكرلي: لو أن صخرة ألقيت من شفير جهنم هوت سبعين خريفا، ولتملئنه أوَعجبتم، ولقد ذكرلي: إنما بين مصراعين من مصاريع الجنة ميسرة أربعين عاماً، وليأتين عليه يوم وهو كظيظ، ولقد رأيتني وأنا سابع سبعة، الحديث. وقد ذكر الخطبة الحاكم في المستدرك بسنده إلى حميد بن هلال، عن خالد بن عمير بنحو هذا، وقال: صحيح على شرط مسلم، وأقره عليه الذهبي.

سبعة: [أي: في الإسلام فإنه أسلم بعد ستة نفر، قاله القاري.] **تقرحت أشداقنا:** [أي: ظهر في جوانبها قروح من خشونة ذلك الورق وحرارته.] **فالتقطت:** [أي: أخذت من الأرض، وقال ميرك: الالتقاط: أن يعثر على الشيء من غير قصد وطلب.] **بُردة:** بضم الباء الموحدة وسكون الراء المهملة، الشملة المخطط، وقيل: كساء أسود مربع.

قسمتها بيني وبين **سعد**، فما منا من أولئك السبعة أحد إلا وهو أمير مصر من الأمصار، **وستجرّبون** الأمراء بعدنا. **حدثنا** عبد الله بن عبد الرحمن، حدثنا **روح** بن أسلم أبو حاتم البصريّ، حدثنا حمّاد بن سلمة، حدثنا ثابت، **عن**(٧) أنسٍ رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: لقد **أُخِفت في الله، وما يُخاف** أحد، ولقد أوذيتُ في الله، وما يُؤذَى أحد،
في ابتداء الإسلام

(٧) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اللہ کے راستے میں اُس وقت خوف دلایا گیا ہوں جس وقت کوئی بھی نہیں ڈرایا گیا اور اس قدر ستایا گیا ہوں کہ کوئی شخص بھی نہیں ستایا گیا۔ مجھ پر تیس شب و روز ایسے گزرے ہیں کہ میرے اور بلال کے کھانے کے لئے کوئی چیز ایسی نہیں تھی جس کو کوئی جاندار کھا سکے بجز اُس تھوڑی سی مقدار کے جو بلال کی بغل میں چھپی ہوئی تھی۔

فائدہ: یہ قصّہ جیسا کہ مصنف رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں لکھا ہے، کسی وقت مکہ مکرمہ سے باہر تشریف لے جانے کے زمانہ کا ہے جو ہجرت کا زمانہ نہیں، اس لئے کہ ہجرت کے سفر میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ نہ تھے بلکہ اُس کے علاوہ کسی اور موقع پر یہ قصّہ پیش آیا۔ حضور کے ارشاد میں "اُس وقت خوف دلایا گیا ہوں" کا یہ مطلب ہے کہ ابتدائی زمانہ میں جب میں اکیلا تھا، کوئی رفیق اور ساتھی نہ تھا، اُس وقت مجھے اللہ کے راستہ میں اذیت و تکالیف پہنچائی گئیں اور ڈرایا گیا اور قاعدہ کی بات ہے کہ مجمع میں مصیبت ہلکی بن جاتی ہے اور تنہا شخص کو اذیت زیادہ پہنچتی ہے۔

سعد: أي: ابن أبي وقاص على مافي الأصول المصححة، وفي بعض النسخ: سبعة، وهو سهو؛ لما في رواية مسلم: فقسمتها بيني وبين سعد بن مالك، فاتـزرت بنصفها واتـزر سعد بنصفها، قاله القاري. قلت: ولفظ الحاكم في المستدرك: فشققتها بيني وبين سعد بن أبي وقاص فارس الإسلام. وستجرّبون: [أي: ستجدونهم ليسوا مثلنا في الديانة والإعراض عن الدنيا، وكان الأمر كذلك.] روح: بفتح الراء وسكون الواو وآخره حاء مهملة، و"أسلم" على وزن أكرم. أخِفت في الله: [أي: أخافني المشركون بالتهديد والإيذاء الشديد بسبب إظهاري لدين الله وتبليغه.]
وما يُخاف: بضم أوله، أي: والحال أنه لا يخاف أحد غيرى؛ لأني كنت وحيداً في ابتداء إظهار ديني، أو ما يخاف مثل ما أخفت، وكذا الكلام في قوله: "ولقد أوذيت"، وقال المناوي: أو هو دعاء، أي: حفظ الله المسلمين عن الإخافة، أو مبالغة في الإخافة، وذلك متعارف في اللغة، يقال: لي بلية لا يبلى بها أحد.

ولقد أتت عليّ ثلاثون من بين ليلة ويوم، ومالي ولبلال طعام يأكله ذو كبد إلا شيء يواريه إبط بلال. حدثنا عبد الله بن عبد الرحمن، أنبأنا عفّان بن مسلم، حدثنا أبان بن يزيد العطّار، حدثنا قتادة، عن (٨) أنس بن مالك ﷺ، أن النّبي ﷺ لم يجتمع عنده غَداءٌ ولا عَشَاءٌ من خبزٍ ولحمٍ إلا على ضَفَفٍ. قال عبد الله: قال بعضهم: هو كثرة الأيدى. [كثرة أيديِ الأضياف] حدثنا عبد بن حُميد، حدثنا محمّد بن إسماعيل بن أبي فُديك، حدثنا ابن أبي ذئب، عن مُسلم بن جُندُب، عن (٩) نوفَل بن إياس الهذليّ قال: كان عبد الرحمن بن عوف لنا جليساً،

(٨) حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ کبھی حضور اقدس ﷺ کے دستر خوان پر صبح کے کھانے میں یا شام کے کھانے میں روٹی اور گوشت دونوں چیزیں جمع نہیں ہوتی تھیں مگر حالتِ ضفف میں۔ فائدہ: ضفف کے متعلق علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ چنانچہ حضور کے گزر اوقات کے بارے میں جو باب پہلے ذکر ہو چکا ہے، اُس کی اخیر حدیث کے ذیل میں اس کی مفصل تقریر گزر چکی ہے۔ اگرچہ اس حدیث کا مضمون اُس سے مختلف ہے جو وہاں گزری ہے۔ اس کا بظاہر مطلب یہ ہے کہ جب حضور تنہا ہوتے تھے جب تو جو میسّر ہوتا وہی نوش فرما لیتے خواہ خالی روٹی ہو یا تنہا گوشت ہو، البتہ جب مہمان ہوتے تو اس کا اہتمام فرماتے کہ دونوں چیزوں کو مہیّا کیا جائے اس لئے دونوں کا اجتماع مجمع ہی کے وقت ہوتا تھا۔

(٩) نوفل بن ایاس کہتے ہیں کہ عبد الرحمن بن عوف جو عشرۂ مبشرہ میں سے ایک صحابی ہیں، ہمارے ہم نشین تھے اور حقیقت میں بہترین ہم نشین تھے۔ ایک مرتبہ ہم ان کے ساتھ کسی جگہ سے لوٹے، واپسی میں ان کے ساتھ ہی ان کے مکان پر چلے گئے۔

من بين ليلة: تأكيد للشمول أي: ثلاثون يوما وليلة متواترات ولا ينقص منها شيء. ذو كبد: أي حيوان، أي: ما معنا طعام، سواء يأكله الدّواب أو الإنسان. إبط بلال: [أي: إلا شيء يسير، فكنّى بالمواراة تحت الإبط عن كونه يسيرا جداً. ويعلم من ذلك أنه لم يكن إذ ذاك ظرف يضع الطعام فيه من منديل ونحوه] يعني كان إذا ذاك رفيقي، قال المصنف في جامعه: كان هذا لما خرج من مكة هاربا، واعترضه العصام: بأن بلالاً لم يكن معه حين الهجرة، وقال المناوي: الظاهر أن المصنف لم يرد خروجه مهاجراً فإنه قد قدم أنه خرج قبل الهجرة إلى الطائف وغيره.

ضفف: قوله: ضفف، تقدم الكلام على هذا اللفظ في حديث مالك بن دينار في آخر باب المعيشة المتقدم.

عبد الله: أي: عبد الله بن عبد الرحمن شيخ المصنف.

وكان نعم الجليس، وإنه **انقلب بنا** ذات يوم، حتى إذا دخلنا بيته دخل فاغتسل، ثم خرج، **وأُتينا** بصحفة فيها خبز ولحم، فلمّا وُضِعت بكى عبد الرحمن، فقلت له: يا أبا محمّد! ما يُبْكِيك؟ قال: هلك رسول الله ﷺ، ولم يشبع هو وأهل بيته من خبز الشعير، **فلا أرانا أخِّرنا** لما هو خير لنا.

الباء للتعدية، الصحفة: كاسه، الصحاف جمع [معناه: فارق الدنيا] في سعة عيش علي خلاف ما كان رسول الله ﷺ

انھوں نے گھر جاکر اول غسل کیا، جب وہ غسل سے فارغ ہو چکے تو ایک بڑے برتن میں روٹی اور گوشت لایا گیا۔ عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ اُس کو دیکھ کر رونے لگے۔ میں نے پوچھا: کیا بات ہوئی کیوں روئے؟ کہنے لگے کہ حضور اقدس ﷺ کو وصال تک کبھی بھی اس کی نوبت نہیں آئی کہ آپ نے یا آپ کے گھر والوں نے جَو کی روٹی ہی سے شکم سیری فرمائی ہو۔ اب حضور کے بعد جہاں تک میرا خیال ہے ہم لوگوں کی یہ ثروت کی حالت کسی بہتری کے لئے نہیں ہے۔

فائدہ: حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو ایسی حالتوں میں اس کا خوف ہوتا تھا کہ خدانخواستہ اس وعید میں داخل نہ ہو جائیں کہ تم اپنی خوبیوں کا بدلہ دنیا میں پاچکے ہو۔ جس کا قرآن شریف کی اس آیت میں ذکر ہے: ﴿أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا﴾۔

انقلب بنا: الباء بمعنى مع أو المصاحبة، أي: انقلب معنا أو مصاحباً لنا مع السوق، ويحتمل أن يكون للتعدية، أي: ردنا من الطريق، قاله القاري، واختار المناوي الأخير. وأُتينا: ببناء المجهول من الإتيان، قاله القاري والمناوي.

فلا أرانا: بضم الهمزة على بناء المجهول، أي: فلا أظن إيانا. أخرنا إلخ: [أي: أبقينا موسّعا علينا لما هو خير لنا؛ لأن من وُسِّع عليه يخاف أنه ربما عجّلت له طيباته في الحياة الدنيا.]

بابُ ما جاء في سنّ رسول الله ﷺ
أي: عمره ﷺ

حدثنا أحمد بن منيع، حدثنا رَوح بن عُبادة، حدثنا زكريّا بن إسحاق، حدثنا عمرو بن دينار، **عن**[1] ابن عباس رضي الله عنهما قال: مكث النبي ﷺ بمكة ثلاث عشرة سنةً **يوحى إليه، وبالمدينة عشراً** وتُوفّي وهو **ابن ثلاث** وستين.

باب۔ حضور اقدس ﷺ کی عمر شریف کا ذکر

فائدہ: حضور اقدس ﷺ کی عمر شریف کے بارے میں تین روایتیں وارد ہوئی ہیں، سب سے زیادہ صحیح جو جمہور محدثین اور مؤرخین کے نزدیک راجح ہے وہ یہ ہے کہ حضور کی عمر شریف تریسٹھ سال کی ہوئی ہے، دوسری روایت ساٹھ برس کی بھی وارد ہوئی ہے جس کے متعلق خیال ہے کہ گننے میں بسااوقات کسر کو چھوڑ دیا جاتا ہے، اس لئے ساٹھ کہہ دیا، اور تیسری روایت پینسٹھ کی ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اُس میں سنِ ولادت اور سنِ وفات دونوں کو مستقل سال شمار کر لیا گیا۔

اس باب میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے چھ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں:

(۱) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نبوت کے بعد تیرہ سال مکہ مکرمہ میں رونق افروز رہے، ان تیرہ برس میں وحی نازل ہوتی رہی، اُس کے بعد مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائی اور دس سال مدینہ منورہ میں قیام رہا اور تریسٹھ سال کی عمر میں وصال ہوا۔ **فائدہ:** حضور اقدس ﷺ کی عمر شریف میں مختلف روایات وارد ہوئی ہیں جن کا مختصر تذکرہ کتاب کے شروع میں بھی گزر چکا ہے، محدثین اور اہلِ تاریخ کے نزدیک یہی روایت زیادہ صحیح ہے۔

سنّ رسول الله ﷺ: أي: مقدار عمره الشريف، وسميت الجارحة سنا؛ لأنه يستدل بها على طول عمره، وقال في المصباح: السن إذا عنيت بها العمر مؤنثة؛ لأنها بمعنى المدة. **يوحى إليه:** أي باعتبار مجموعها؛ لأن مدة فترة الوحي وهي سنتان ونصف من جملتها. **وبالمدينة عشرا:** [أي: عشر سنين باتفاق، فإنهم اتفقوا على أنّه أقام بالمدينة بعد الهجرة عشر سنين كما اتفقوا على أنّه أقام بمكة قبل البعثة أربعين سنة، وإنما الخلاف في قدر إقامته بمكة بعد البعثة، والصحيح أنه ثلاث عشر سنة، فيكون عمره الشريف ثلاثا وستين سنة.] **ابن ثلاث:** قال البخاري: هذا أكثر، ورجح أحمد أيضاً هذه الرواية. قال ميرك: في قدر عمره ﷺ ثلاث روايات، وهي أصحها وأشهرها.

حدثنا محمد بن بشّار، حدثنا محمد بن جعفر، عن شعبة، عن أبي إسحاق، عن عامر بن سعد، عن جرير، **عن**(٢) معاوية رضي الله عنه **أنه سمعه** يخطب قال: مات رسول الله ﷺ وهو ابن **ثلاث وستين**، وأبو بكـــر وعمر، **وأنا ابن** ثلاث وستين. **حدثنا** حُسين بن مهديّ البصـــريُ، حدثنا عبد الرزاق، عن **ابن جُريج** عن الزهريّ، عن عروة، **عن**(٣) عائشة رضي الله عنها أن النبي ﷺ مات وهو ابن ثلاث وستين سنة.

أي: ابن حازم الأزدي

---

(٢) امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ خطبہ میں یہ فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ کا وصال تریسٹھ سال کی عمر میں ہوا۔ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما یعنی حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا وصال بھی تریسٹھ سال کی عمر میں ہوا، میری بھی اس وقت تریسٹھ سال کی عمر ہے۔ فائدہ: یعنی کیا بعید ہے کہ مجھے بھی یہ طبعی اتباع نصیب ہو جائے۔ محدثین نے لکھا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ تمنا پوری نہیں ہوئی اس لئے کہ اُن کا وصال تقریباً اسی سال کی عمر میں ہوا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ذکر اس حدیث میں نہیں کیا، حالانکہ ان سے بہت خصوصیت تھی، اس کی وجہ ظاہر ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتقال اسی سال سے زیادہ عمر میں ہوا امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی غرض اس روایت کے ذکر کرنے سے پہلی روایت کی تائید اور تقویت ہے کہ حضور کا وصال تریسٹھ سال کی عمر میں ہوا اور اس بارے میں طبعی اتباع حضراتِ شیخین رضی اللہ عنہما کو بھی نصیب ہوا۔

(٣) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی یہی مروی ہے کہ حضور کا وصال تریسٹھ سال کی عمر میں ہوا۔ فائدہ: اس روایت سے بھی اُس پہلے مضمون کی تقویت مقصود ہے یعنی حضور کا تریسٹھ سال کی عمر میں وصال متعدّد روایات سے ثابت ہے، لہذا اس کے خلاف جو روایتیں ہیں وہ صحیح نہیں ہیں یا اپنے ظاہر پر نہیں ہیں۔

أنه سمعه: يعني أن جريراً سمع معاوية حال كونه خطيباً. ثلاث وستين: [أحسن العمر ثلاث وستون كعمره ﷺ وصاحبيه، ولهذا لمـــا بلغ عمر بعض العارفين هذا السن هـــيّأ له أسباب مماته إيماءً إلى أنه لم يبق له لذّة في بقية حياته.] وأنا ابن إلخ: أي: فأنا متوقع أن أموت في هذا السن موافقة لهم، قال ميرك: لكن لم ينل مطلوبه، بل مات وهو قريب من ثمانين، فقيل: بلغ ثمان وسبعين، وقيل: ثمانين، وقيل: ستا وثمانين. ابن جريج: [عبد الملك بن عبد العزيز بن جريج.]

حدثنا أحمد بن منيع ويعقوب بن إبراهيم الدَّورقيّ قالا: حدثنا **إسماعيل** بن عُلَيّة، عن خالد الحذّاء، حدثني **عمار** مولى بني هاشم، قال: **سمعت**(٤) ابن عباس يقول: توفي رسول الله ﷺ وهو **ابن خمس وستين**. **حدثنا** محمد بن بشّار ومحمد بن أَبانٍ قالا: حدثنا معاذ بن هشام، حدثني أبي، عن قتادة، عن الحسن، **عن**(٥) **دَغْفَل** بن حَنْظَلة أن النبي ﷺ قُبض وهو ابن خمس وستين. **قال** أبو عيسى: ودَغْفَل **لا نعرف له سماعاً** من النبي ﷺ، وكان في زمن النبي ﷺ رجلا. **حدثنا** إسحاق بن موسى الأنصاريّ، حدثنا معن، حدثنا مالك بن أنس، عن ربيعة بن أبي عبد الرحمن،

(من الحفاظ) (أي الترمذي)

---

(۴) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ منقول ہے کہ حضور کا وصال پینسٹھ سال کی عمر میں ہوا۔ **فائدہ**: یہ روایت پہلی سب روایتوں کے خلاف ہے۔ باب کے ختم پر بھی اس کی کچھ گفتگو آئے گی اور پہلے بھی گزر چکی ہے۔

(۵) دغفل بن حنظلہ سدوسی سے بھی یہی روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا وصال پینسٹھ سال کی عمر میں ہوا۔

فائدہ: امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے بعد فرماتے ہیں کہ دغفل حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے اور بڑی عمر کے تھے، مگر حضور سے اُن کی ملاقات ثابت نہیں۔ گویا یہ بھی اشارہ ہے اس طرف کہ ان کی یہ روایت بھی کسی دوسرے سے سُنی ہوئی ہے۔

إسماعيل: ابن إبراهيم، وعُلية بضم عين مهملة وفتح لام وتشديد تحتية، اسم أمه، وكان يكره أن يقال له: ابن عُلية، لكن غلب عليه بالشهرة. عمار: بفتح فتشديد، ابن أبي عمار مولى بني هاشم، وفي نسخة: عمارة، وهو سهو من الكاتب، فإنه ليس من موالي بني هاشم من اسمه عمارة، وأيضاً ليس فيمن روى عن ابن عباس ولا في من روى عنه خالد عمارة.

ابن خمس وستين: قال المناوي: نسبت هذه الرواية إلى الغلط: وقال القاري: هي متأولة بإدخال سنتي الولادة والوفاة، أو حصل فيها اشتباه، وقد أنكر عروة على ابن عباس، ونسبه إلى الغلط، وقال: إنه لم يدرك أول النبوة ولا كثرت صحبته، بخلاف الباقين. دغفل: بفتح الدال المهملة أول الحروف، ثم معجمة ساكنة ففاء مفتوحة كجعفر.

لا نعرف له سماعاً: قال القاري: ويؤيده ما في التقريب: أن دغفل السدوسي مخضرم، وقيل: له صحبة و لم يصح، وقال الحميدي: ذكر أبو عبد الرحمن تقي بن مخلد في سنده أن دغفلا له صحبة.

عن(٦) أنس بن مالك رضي الله عنه **أنه سمعه** يقول: كان رسول الله ﷺ ليس بالطَّويل البَائن، ولا بالقصير، **ولا بالأبيض الأمهق**، ولا بالآدم، ولا بالجَعْد القَطِط، ولا بالسَّبْط. بعثه الله تعالى على رأس أربعين سنة، فأقام بمكّة **عشر سنين**، وبالمدينة عشر سنين، وتوفّاه الله على رأس ستين سنة، وليس في رأسه ولحيته عشرون شعرةً بيضاء. **حدثنا** قتيبة بن سعيد، عن مالك بن أنس، عن ربيعة بن أبي عبد الرحمن، عن أنس بن مالك، نحوه.

[المفرط] [أي قصير قصير] [الشديد الجعودة] [شديد السبوطة] [تقدم هذا الحديث في أول الكتاب]

---

(٦) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نہ زیادہ لمبے قد تھے نہ پستہ قد، (نیز رنگ کے لحاظ سے) نہ بالکل سفید تھے نہ بالکل گندمی رنگ۔ آپ کے بال نہ بالکل پیچیدہ تھے نہ بالکل سیدھے (بلکہ ہلکی سی پیچیدگی اور گھونگریالہ پن لئے ہوئے) چالیس سال کی عمر میں آپ کو نبوت ملی، اُس کے بعد دس سال حضور نے مکہ مکرمہ میں قیام فرمایا اور دس سال مدینہ منوّرہ میں، ساٹھ سال کی عمر میں حضور کا وصال ہوا، اُس وقت آپ کے سر مبارک اور داڑھی میں تقریباً بیس بال بھی سفید نہیں ہوں گے۔

فائدہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث کتاب کے بالکل شروع میں گزر چکی ہے، اُس کے فائدہ میں بھی ان تینوں روایتوں کا ذکر کیا گیا ہے اور مختلف روایات میں توجیہ بھی ذکر کر دی گئی۔ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ عمر شریف کے بارے میں تریسٹھ سال کی روایت صحیح ہے، باقی روایتیں اُس کی طرف راجع کی جاسکتی ہیں، یا اُن میں نیچے کے راویوں سے کسی قسم کی غلطی ہوئی۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس روایت کے متعلق یہ توجیہ کی جاتی ہے کہ گنتی میں بسا اوقات صرف دہائیاں ذکر کر دی جاتی ہیں، اوپر کی اکائیوں کو چھوڑ دیا جایا کرتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے عروۃ بن الزبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی پینسٹھ برس والی روایت کو غلط بتلایا ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اُس کو وضاحت سے تحریر فرمایا ہے۔

أنه سمعه: يعني أن عبد الرحمن سمع عن أنس أنه كان يقول. **ولا بالأبيض الأمهق:** [أي: البالغ في البياض كما في الجصّ، بحيث لا حمرة فيه أصلا، فلا ينافي أنه ﷺ كان أبيض مُشربا بحمرة.] **عشر سنين:** [أي: بعد فترة الوحي، فلا ينافي أنه أقام بها ثلاث عشر سنة. اتفقوا على أنه أقام بالمدينة بعد الهجرة عشر سنين، وبمكة قبل النبوة أربعين سنة وإنما الخلاف في قدر إقامته بمكة بعد النبوة وقبل الهجرة، والصحيح أنه ثلاث عشر سنة، ووجه الخلاف في مدة البعث والدعوة؛ لأن دعوته مجاهرة بعد ثلاث وأربعين بعد نـــزول آية: ﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ﴾. [الحجر:٩٤]

بابُ ما جاء في وفاة رسول الله ﷺ

حدثنا أبو عمّار الحُسين بن حريث وقتيبة بن سعيد وغير واحد، قالوا: حدثنا سفيان بن عيينة،
مصغراً

باب۔ حضور اقدس ﷺ کے وصال کا ذکر

فائدہ: حضور اقدس ﷺ کا وصال باتفاقِ اہلِ تاریخ دو شنبہ کے روز ہوا ہے لیکن تاریخ میں اختلاف ہے۔ اکثر مؤرخین کا قول بارہ ربیع الاوّل کا ہے۔ مگر اُس میں ایک نہایت قوی اشکال ہے، وہ یہ کہ سنہ ۱۰ ھ کی نو ذی الحجہ جس میں حضور اقدس ﷺ حج کے موقع پر عرفات میں تشریف فرماتھے، وہ جمعہ کا دن تھا، اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، نہ محدثین کا نہ مؤرخین کا۔ حدیث کی روایات میں بھی کثرت سے اس کی تصریح ہے کہ حضور کا حج یعنی نو ذی الحجہ جمعہ کو ہوا، اس کے بعد خواہ ذی الحجہ، محرم اور صفر تینوں مہینوں ۳۰دِن کے ہوں یا ۲۹ دِن کے یا بعض مہینے ۲۹ کے اور بعض ۳۰ کے، غرض کسی صورت سے بھی بارہ ربیع الاول دو شنبہ کی نہیں ہوسکتی، اسی لئے بعض محدثین نے دوسرے قول کو ترجیح دی کہ حضور کا وصال دو ربیع الاول کو ہوا۔ حضور کے مرض کی ابتدا سر کے درد سے ہوئی، اُس روز حضور اقدس ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں تھے، اُس کے بعد حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی باری کے دن میں مرض میں شدت پیدا ہوئی، اسی حالت میں حضور بیبیوں کی باری کی تقسیم پوری فرماتے رہے، مگر جب مرض میں زیادہ شدت ہوگئی تو حضور کے ایماء پر تمام بیبیوں نے حضرت عائشہ کے مکان پر بیماری کے ایام گزارنے کو اختیار کر لیا تھا، اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دولت کدہ پر حضور کا وصال ہوا۔

باب: [أي: باب بيان الأحاديث التي وردت في تمام أجله الشريف ﷺ] وفاة: قال القاري: الوفاة بفتح الواو: الموت، من وفى بالتخفيف بمعنى: تم أجله، وتوفي ﷺ يوم الاثنين ضحى من ربيع الأول في السنة الحادية عشرة من الهجرة، قيل: للثنتين خلتا منه، وقيل: لاثنتي عشرة خلت منه وهو الأكثر، ورجح جمع من المحدثين الرواية؛ لورود إشكال على الثانية، وهو أن جمهور أرباب السير على أن وفاته في يوم الاثنين، واتفق أئمة التفسير والحديث والسير على أن عرفة في تلك السنة كانت يوم الجمعة، فلا يمكن أن يكون يوم الاثنين الثاني عشر من ربيع الأول، سواء كانت الشهور ثلاثين يوما أو تسعا وعشرين. وحله أن يقال: يحتمل اختلاف أهل مكة والمدينة في رؤية هلال ذي الحجة، فيكون غرها عند أهل مكة الخميس، وعند أهل المدينة الجمعة، وكان الوقوف برؤية أهل مكة، فلما رجع إلى المدينة اعتبر برؤيتها، وكان الشهور الثلاثة كوامل، فيكون أول ربيع الأول يوم الخميس ويوم الاثنين الثاني عشر منه.

عن الزهريّ عنْ (١) أنس بن مالك رضي الله عنه قال: **آخر نظرة** نظرتُها إلى رسول الله ﷺ: **كشَفَ السِّتارة يومَ الاثنين،**

کل مدتِ مرض بارہ یا چودہ یوم ہے، اور دو شنبہ کے روز چاشت کے وقت وصال ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ وصال دو شنبہ کے روز ہوا اور چاشت کے وقت ہوا۔ اس کے خلاف جو روایت ہو گی اُس کی توجیہ کی ضرورت ہو گی۔

(۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے جس وقت حضور ﷺ کا آخری دیدار نصیب ہوا وہ وقت تھا جب کہ حضور نے مرض الوفات میں دو شنبہ کے روز صبح کی نماز کے وقت دولت کدہ پر پردہ اُٹھایا کہ امتیوں کی نماز کا آخری معائنہ فرمالیں۔ اس وقت آپ کا چہرۂ مبارک صفائی اور انوار اور چمک میں گویا مُصحف شریف کا ایک پاک صاف ورق تھا، لوگ اُس وقت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں صبح کی نماز ادا کر رہے تھے (صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کو دیکھ کر فرطِ خوشی میں پیچھے ہٹنے لگے اس خیال سے کہ شاید آپ تشریف لاتے ہوں، اس لئے کہ اس سے پہلے بھی بیماری کے ایام میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھاتے رہے اور جس وقت حضور کو افاقہ ہوتا تھا، تشریف لا کر جماعت میں شرکت فرماتے تھے) حضور نے اشارہ فرمایا کہ اپنی جگہ کھڑے رہو اور اُسی دن وصال ہو گیا۔

فائدہ: یہ وہی دو شنبہ کے روز کا آخری نظارہ ہے جس پر حضور ﷺ نے یہ انداز فرمایا کہ نظامِ شرعی قائم ہو گیا اور قدیمی رفیق ابو بکر نیابت کا حق ادا کر دے گا اور امت کا بوجھ سنبھال لے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جس کو دنیا کی آنکھوں نے دیکھ لیا کہ حضور کے انتقال کا حادثہ جس کے سامنے دنیا کے سارے ہی حوادث کالعدم اور لاشئی ہیں اور اس کے ساتھ ہی ارتداد کا فتنہ اور ساری دنیا کا مقابلہ۔ لیکن اُس کوہِ استقلال نے سب ہی کو برداشت کیا اور پتھر کی چٹان سے زیادہ سخت بن کر ہر ٹکراؤ کو پاش پاش کر دیا، حق یہ ہے کہ نیابت کا حق ادا کر دیا۔ حضرت عمر جیسا اسلامی ستون کہ دوست دشمن سب ہی اُن کی بہادری، شجاعت، قوت کی دھاگ مانتے ہیں، وہ بھی نرمی کی درخواست کریں اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ان کو بزدلی کا طعنہ دیں۔

آخر نظرة: [يعني آخر نظرة نظرهًا إلى رسول الله ﷺ نظرة إلى وجهه الكريم حين كشف الستارة، أو زمن آخر نظرة نظرهًا إلى رسول الله ﷺ هو يوم الاثنين.] كشف الستارة: أي: أمر بكشف الستارة المعلقة على باب البيت، وكانوا يعلقون الستور على البيوت. يوم الاثنين: منصوب على الظرفية، فلفظ "كشف الستارة" ساد مسد الخبر، أي: آخر نظرة نظرهًا إلى وجهه حين كشف الستاره يوم الاثنين، وقيل: مرفوع على أنه خبره، وقوله: "كشف" بصيغة الماضي المعلوم، حال من رسول الله ﷺ، بتقدير "قد" كما قاله بعضهم، أو بدونها كما جوزه آخرون.

فنظرت إلى وجهه كأنّه ورقة **مُصْحفٍ**، والناس يصلّون **خلف أبي بكر**، فكاد الناس أن يضطربوا، فأشار إلى النّاس أن اثبُتوا، وأبو بكر يؤُمُّهم، وألقى **السّجف**، وتُوفّي رسول الله ﷺ من **آخر ذلك اليوم** (أي: يوم الاثنين). **حدثنا** محمَّد بن مَسْعَدة البصريّ، حدثنا سُلَيم بن أخضر، عن ابن عون، عن إبراهيم، عن الأسود، **عن**(٢) عائشة رضي الله عنها قالت: كنت **مسندة** النبي ﷺ إلى صدري، أو قالت: إلى **حِجري**، فدعا **بطَستٍ** ليبول فيه، **ثم بال فمات** ﷺ.

(۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وصال کے وقت میں نے حضورِ عالی کو اپنے سینہ پر سہارا دے رکھا تھا کہ آپ نے پیشاب کیلئے طشت منگایا اور پیشاب سے فراغت حاصل کی، اُس کے بعد پھر وصال ہوگیا۔ **فائدہ:** حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہ مفاخر میں ہے کہ آخری تلبّس ان کو حاصل ہوا۔ حضور دنیا سے جب تشریف لے گئے اور وصالِ ربّی حاصل ہوا تو سر مبارک ان کی گود میں تھا۔

مُصحف: بتثليث الميم من أصحف بالضم، أي: جعلت فيه الصحف، قال العصام: وجه الفتح والكسر غير ظاهر؛ لأن اسم المحل من الإفعال كمفعوله، ولم يأت اسم الآلة منهما فهوعلى غير القياس، ثم وجه الشبه هو حسن البشرة وصفاء الوجه واستنارته وبهاء النظر، وأغرب الحنفي في قوله: الوجه هو الإهداء والهداية، ولا يظهر أن يكون أمرًا متعلقا بظاهر الصورة، ووجه غرابته لا يخفى. خلف أبي بكر: [أي: قد اقتدوا به في صلاة الصبح بأمره ﷺ.]

السّجف: بفتح السين المـــهملة، وقيل: بكسر وسكون الجيم: الستر.[هو الستارة نفسها، وهذا هو الذي عبر عنه أوّلا بالستارة.]

آخر ذلك اليوم: وهذا ينافي جزم أهل السير، وحكي عليه الاتفاق بأنه توفي حين اشتد الضحى، قال العسقلاني: ويجمع بينهما بأن إطلاق الآخر بمعنى ابتداء الدخول في أول النصف الثاني، وقال ميرك: يجمع بينهما بأن يحمل هذا على تحقق وفاته عند الناس.

مسندة: على بناء الفاعل، أي: جعلت ظهره مسنداً إلى صدري. حجري: [أي: حضني، وهو: مادون الإبط إلى الكشح.]

بطَستٍ: هو الطس في الأصل، والتاء فيه بدل من السين، ولذا يجمع على طساس، ويصغر على طسيس، وفي المغرب: الطست مؤنثة أعجمية والطس تعريبها، وأشكل بتذكير ضمير "ليبول فيه" ووجه بأنه باعتبار معناه من الظرف وغيره.

ثم بال: لعل تراخي البول عن إحضار الطست لضعفه، وفي نسخة: "ثم مال" بالميم، والظاهر أنه تصحيف.

فمات: ظاهره أنه ﷺ مات في حجرها، ويوافقه ما في البخاري عنها: توفي في بيتي في يومي بين سحري ونحري، ولا يعارضه ما للحاكم وابن سعد من طرق: أن رأسه المكرم كان في حجر علي رضي الله عنه؛ لأن كل طريق منها لا يخلو عن شيء، كما ذكره الحافظ العسقلاني، وعلى تقدير صحته يحمل على أنهما تناوباه. قلت: وحالة البول تؤيد حضور الزوجة لا غيرها.

حدثنا قتيبة، حدثنا الليث، عن ابن الهاد، عن موسى بن **سرجَسٍ**، عن القاسم بن محمد، **عن**[(٣)] ابن أبي بكر عائشة رضي الله عنها أنها قالت: رأيت رسول الله ﷺ **وهو بالموت**، وعنده قدح فيه ماء، وهو يُدخِل يده في القدح، ثم **يمسح وجهه** بالماء، ثم يقول: اللّهم أعنّي على **مُنكَراتِ** الموت، أو قال: على **سَكَرات الموت**. **حدثنا** الحسن بن صبّاح البزّار، حدثنا **مُبشِّر** بن إسماعيل، عن عبد الرحمن بن العَلاَء، عن أبيه، عن ابن عمر، **عن**[(٤)] عائشة رضي الله عنها،

---

(٣) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وصال کے وقت حضور اقدس ﷺ کے قریب ایک پیالہ میں پانی رکھا ہوا تھا کہ اُس میں حضور بار بار ہاتھ ڈالتے تھے اور چہرۂ مبارک پر پھیرتے تھے (کہ یہ شدتِ حرارت اور گھبراہٹ کے وقت سکون کا سبب ہوتا ہے) اُس وقت حضور بارگاہِ الٰہی میں یہ دعا فرمارہے تھے کہ یااللہ! موت کی شدائد پر میری امداد فرما۔

فائدہ: یہ ایک جانب امت کو تعلیم ہے تو دوسری جانب نزع کے وقت جب کہ روح بدن سے نکل رہی ہو، نہایت ثبات و استقلال اور اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کی طرف غایتِ توجہ کا مظہر ہے کہ نزع کے وقت جب کہ روح بدن سے جدا ہو رہی ہو، تکلیف کا ہونا طبعی اور فطری امر ہے، اُس وقت اللہ ہی سے استدعا اور سہولت کی طلب تھی۔

(٤) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی شدتِ تکلیف کے بعد مجھے کسی شخص کے مرض الموت میں تکلیف نہ ہونے پر رشک نہیں ہوتا۔ **فائدہ**: اس لئے کہ شدت مرض گناہوں کے سقوط اور مراتب کے بلند ہونے کا سبب ہوتا ہے اور مرض کی شدت پیامِ اجل ہونے کی وجہ سے استغفار کی کثرت اور موت کی تیاری کا ذریعہ ہے۔

سرجَس: كجعفر بمهملات وجيم قاله المناوي، وقال القاري: بفتح فسكون ففتح منصرفا، وفي نسخة بكسر جيم غير مصروف. وهو بالموت: [أي: مشغول به، أو ملتبس به.] يمسح وجهه: [لأنه كان يغمى عليه من شدة المرض، فيفعل ذلك ليفيق، ويسنّ فعل ذلك بمن حضره الموت.] منكَرات: المنكر ضد المعروف، والمراد شدائده ومكروهاته، ولا شك أنها أمور منكرة لايألفه الطبع. سكرات الموت: [أي: استغراقاته، وهذا مما كان بحسب ما يظهر للناس مما يتعلق بحاله الظاهر لأجل زيادة رفع الدرجات والترقي في أعلى المقامات والكرامات، أما حاله ﷺ مع الملائكة، فإنّ جبريل جاءه ثلاثة أيّام، كل يوم يقول له: إن الله أرسلني إليك إكراما وإعظاما وتفضيلا، يسألك عما هو أعلم به منك: كيف تجدك؟ وفي اليوم الثالث جاءه بملك الموت فاستأذنه في قبض روحه الشريفة فأذن له، ففعل.] مُبشِّر: بفتح الموحدة وكسر الشين المعجمة الثقيلة.

قالت: **لا أغبط** أحداً **بِهَون موتٍ** بعد الّذي رأيت من شدّة موت رسول الله ﷺ. قال (بكسر الموحدة من باب ضرب) أبو عيسى: سألت أبا زُرعة، فقلت له: **مَن عبد الرحمن** بن العَلاَء هذا؟ فقال: هو عبد الرحمن بن العَلاَء بن **اللَّجْلاَج**. **حدثنا** أبو كُريب محمد بن العلاء، حدثنا أبو معاوية، عن عبد الرحمن بن أبي بكر- **هو ابن** المُلَيْكِيّ- (هو محمد بن حازم) عن ابن أبي مُلَيْكَة، (مصغراً) **عن**(٥) عائشة رضي الله عنها قالت: لمّا قُبِض رسول الله ﷺ **اختلفوا** في دفنه، فقال أبو بكر: سمعت من رسول الله ﷺ شيئًا ما نسيته،

---

(۵) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور کے وصال کے وقت آپ کے دفن میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا اختلاف ہوا (کسی نے مسجد نبوی کو پسند کیا اور کسی نے آپ کے صحابہ کے قرب کی وجہ سے بقیع کو، کسی کا خیال جدّ ا علیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مدفن پر پہنچانے کا ہوا تو کسی کا وطنِ اصلی مکہ مکرمہ واپس لانے کا۔ غرض مختلف رائیں ہو رہی تھیں) کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے خود حضور اقدس ﷺ سے ایک بات سُنی ہے جو مجھے خوب محفوظ ہے کہ انبیاء کا وصال اُسی جگہ ہوتا ہے جہاں اُن کا دفن پسندیدہ ہو، اس لئے حضور کو آپ کے وصال ہی کی جگہ دفن کرنا چاہئے۔

فائدہ: چونکہ حضور اقدس ﷺ کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے یہ سب امور انجام پانے مقدر ہو چکے تھے اس لئے

لا أغبط: بكسر الموحدة، أي: لا أغار، وفيه إشعار بأنه لو كان كرامة لكان ﷺ أولى به، والتحقيق أن الشدة كانت في مقدمات الموت لا في نفس سكراته، كما يتوهم، فمراد عائشة رضي الله عنها: أني لا أتمنى من غير سبق مرض.

بهَون موت: أي: برفقه، من إضافة الصفة إلى الموصوف، أي: بالموت السهل، والهون مصدر، هان عليه الشيء، أي: خفف. [أي: سهولته، ومرادها بذلك: إزالة ما تقرر في النفوس من تمني سهولة الموت؛ لأنها لما رأت شدة موته ﷺ علمت أنها ليست علامة رديئة، بل مرضية، فليست شدة الموت علامة على سوء حال الميت، كما يتوهم، وليست سهولته علامة على حسن حاله. والحاصل: أن الشدة ليست أمارة على سوء ولا ضده، والسهولة ليست أمارة على خير ولا ضده.]

مَن عبد الرحمن: قال القاري: وإنما استفهم عنه؛ لأن عبد الرحمن بن العلاء متعدد بين الرواة.

اللجلاج: بجيمين وفتح اللام الأولى، كذا في هامش التهذيب عن المغني. هو ابن إلخ: الضمير إلى عبد الرحمن؛ لأن المشهور بهذه النسبة هو عبد الرحمن بنفسه لا أبو بكر. والمليكي بضم الميم مصغراً. اختلفوا: فقيل: في مسجده، وقيل: بالبقيع، وقيل: عند جده إبراهيم عليه السلام، وقيل: بمكة.

قال: ما قبض الله نبـيّاً إلا في الموضع الذي يُحبّ أن يُدفَن فيه، اِدْفِنوه في موضع فراشه.
أي: النبي أو الله

اس نوع کے مسائل بھی خصوصیت سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کو معلوم تھے۔ نمونہ کے طور پر چند حدیثیں مختصر طور پر نقل کرتا ہوں:

نمبر۱: کسی نبی کی وفات اُس وقت تک نہیں ہوتی کہ اُمت میں سے کسی کا مقتدی بن کر نماز نہ پڑھے۔

نمبر۲: زکوۃ وصول کرنے کی حدیثیں اور اس کے نصاب۔

نمبر۳: میرے گھر یعنی قبر اور منبر کا درمیانی حصّہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

نمبر۴: انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔

نمبر۵: حق تعالیٰ جب کسی نبی کو کوئی رزق عطا فرماتے ہیں تو اُس کا متولی وہ شخص ہوتا ہے جو نبی کا خلیفہ ہو۔

نمبر۶: جو شخص خلیفہ اور بادشاہ بنے اور وہ لا پروائی سے کسی کو نائب بنائے اُس پر اللہ جل جلالہ کی لعنت ہے۔ لا پروائی کا مطلب یہ ہے کہ حق کی رعایت نہ کرے۔

نمبر۷: حدِّ زنا کی حدیث۔

نمبر۸: جہاد میں مشورہ کی حدیث۔

نمبر۹: دین کا مدار لا الہ الا اللہ پر ہے۔

نمبر۱۰: خلافت کا قریش میں ہونا۔

نمبر۱۱: انصار کے فضائل اور ان کے بارے میں خلیفہ کو خیر خواہی کی وصیت۔

نمبر۱۲: چوری کی سزا۔

نمبر۱۳: مُنصف متواضع بادشاہ زمین پر اللہ کا سایہ ہے۔

نمبر۱۴: جو یہ چاہے کہ جہنم کی سختی سے محفوظ رہے اور اللہ کے سایہ میں رہے، مؤمنین پر سختی نہ کرے، ان کے ساتھ رحم کا برتاؤ کرے۔

الموضع إلخ: أشكل عليه بنقل موسى عليه السلام يوسف عليه السلام من مصر إلى فلسطين، وأشكل أيضاً أن مقتضى الحديث أن وفاة عيسى عليه السلام تكون في الحجرة الشريفة، والتوجيه في كليهما متسع.

حدثنا محمد بن بشّار، وعباس **العنبريّ**، وسوّار بن عبد الله، وغير واحد قالوا: أخبرنا يحيى بن سعيد، عن سفيان الثوريّ، عن موسى بن أبي عائشة، عن **عُبيد الله** بن عبد الله، **عن**[٦] ابن عباس وعائشة رضي الله عنهما، أن أبا بكر **قَبَّل** النّبي ﷺ بعد ما مات. **حدثنا** نصر بن عليّ الجَهْضَمِيّ، حدثنا مرحوم بن عبد العزيز العطّار، عن أبي عمران **الجَوْني**، عن يزيد بن **بَابَنُوسَ**، **عن**[٧] عائشة رضي الله عنها، أن أبا بكر دخل على النبي ﷺ بعد وفاته، فوضع فمه بين عينيه، ووضع يديه على سَاعِدَيه، وقال: **وانَبِيّاه!** واصَفِيّاه! واخليلاه!.

نمبر ۱۵: جو قوم جہاد چھوڑ دیتی ہے عذابِ عامہ میں مبتلا ہوتی ہے (تاریخ الخلفاء) ان کے علاوہ اور بھی ایسی روایات ہیں جن کا تعلق حضور کے وصال اور وصال کے بعد کے انتظامات سے ہے۔

(۶) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور کے وصال کے بعد تشریف لائے اور آپ کی پیشانی کو بوسہ دیا۔

فائدہ: یہ حدیث مختصر ہے، آئندہ مفصّل قصّہ آرہا ہے۔ یہ بوسہ دینا تبرک اور تیمّن کا تھا جیسا کہ شراح حدیث نے لکھا ہے، اور بندہ کے ناقص خیال میں الوداع کا تھا کہ محبوب کی دائمی مفارقت ہو رہی تھی۔

(۷) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ کے وصال کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے، آپ کی پیشانی پر بوسہ دیا اور آپ کے دونوں بازوؤں پر ہاتھ رکھ کر یہ فرمایا: ہائے نبی! ہائے صفی! اور ہائے خلیل!۔ فائدہ: یہ الفاظ نوحہ کے طور پر نہیں تھے،

العنبريّ: نسبة لبني العنبر، طائفة من تميم. عُبيد الله: مصغرا، ابن عبد الله بن عتبة بن مسعود. قبل: بتشديد الموحدة. قال القاري: بين عينيه كما سيأتي، أو جبهته كما رواه أحمد، قال المناوي: فعله تيمّنا وتبركا واقتداءً بتقبيله ﷺ عثمان بن مظعون. الجوني: بفتح الجيم، نسبة إلى دون بطن من أزد. [اسمه عبد الملك ابن حبيب البصري الأزدي، من علماء البصرة، ثقة، توفي سنة ثمان وعشرون ومائة، خرج له الجماعة.] بابنوس: بموحدة فألف فموحدة ساكنة فنون مضمومة فمهملة، بصريّ كذا في المناوي. وانَبِيّاه: بهاء ساكنة للسكت، تزاد وقفا لإرادة ظهور الألف، قال المناوي: فيه حلّ عد أوصاف الميت من غير نوح ولا ندب، أصله: يا نبيّ الحق، آخره ألف الندبة ليمتد بها الصوت ليمتاز المندوب عن المنادى.

حدثنا بشر بن هلال الصوّاف البصريُّ، حدثنا جعفر بن سليمان، عن ثابت، **عن**(٨) أنس ﷺ قال: لما كان اليوم الّذي دخل فيه رسول الله ﷺ المدينة **أضاء** منها كلُّ شيء، فلمّا كان اليوم الذي مات فيه، أظلم منها كلُّ شيء. وما نَفَضْنا أيدينا من **التراب** وإنا لفي دفنه،

اس لئے کوئی اشکال نہیں ہے، مسند احمد کی روایت میں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور کے سرہانے کی طرف تشریف لائے اور چہرۂ انور پر سر جھکایا اور پیشانی کو بوسہ دیا اور فرمایا: **وانبیاہ!** ہائے نبی، اُس کے بعد سر اُٹھا لیا، پھر سر جھکایا اور پیشانی کو بوسہ دیا اور فرمایا: **واخلیلاہ!**۔

(٨) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس روز حضور اقدس ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تھے، مدینہ کی ہر چیز منوّر اور روشن بن گئی تھی (اور جب انوار کی کثرت ہوتی ہے تو اس قسم کی روشنی محسوس بھی ہو جاتی ہے، رمضان المبارک کی اندھیری راتوں میں بسا اوقات انوار کی کثرت سے روشنی ہو جاتی ہے) اور جس دن حضور کا وصال ہوا ہے مدینہ کی ہر چیز تاریک بن گئی تھی۔ ہم لوگ حضور کے وصال کے بعد مٹی سے ہاتھ جھاڑنے نہ پائے تھے کہ ہم نے اپنے قلوب میں تغیر پایا۔

فائدہ: یہ مطلب نہیں کہ کسی قسم کا اعمال و عقائد میں تغیر ہو گیا تھا بلکہ فیضِ صحبت اور مشاہدۂ ذات کے انوار جو ہر وقت مشاہدہ ہوتے تھے، وہ حاصل نہ رہے تھے، چنانچہ اب بھی سالکین کو مشائخ کے یہاں کی حاضری اور غیبت میں انوار کا بیّن فرق محسوس ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اُن انوار کے حاصل کرنے کے لئے اب مجاہداتِ ذکر کی کثرت اور مراقبہ کا اہتمام کرایا جاتا ہے اور اُس وقت کسی چیز کی بھی ضرورت نہ تھی، جمالِ جہاں آرا کی زیارت ہی سیکڑوں جلووں سے زیادہ تھی اور ایمان واحسان کی اُس انتہائی نسبت کو پیدا کرنے والی تھی جو سیکڑوں مجاہدوں سے بھی پیدا نہیں ہوتی کہ صحابی بننے کے بعد

أضاء: ضاءت وأضاءت بمعنى: استضاءت وصارت مضيئة. قال المناوي: ظاهره أن الإضاءة والإظلام محسوسان معجزة، وأن الإضاءة دامت إلى موته، فعقبها الإظلام من غير مهلة، كما يدل عليه قوله: فلما كان إلخ وقيل: هما معنويان كناية عن صلاح المعاش والمعاد وكمال السرور والنشاط، وعكسه القاري تبعا للطيبي؛ إذ قال: الأظهر أنهما معنويان، خلافا لابن حجر، حيث قال: الظاهر أنهما محسوسان معجزة.[وقيل: الإضاءة كناية عن الفرح التام لسكان المدينة]

التراب: [أي: تراب قبره ﷺ الشريف. ونفض الشيء: تحريكه ليزول عنه الغبار.]

حتى **أنكرنا قلوبنا**. **حدثنا** محمد بن حاتم، حدثنا عامر بن صالح، عن هشام بن عروة، عن أبيه، **عن**(٩) عائشة رضي الله عنها قالت: توفي رسول الله ﷺ **يوم الاثنين**. **حدثنا** محمد بن أبي عمر، حدثنا سفيان بن عيينة، عن جعفر بن محمَّد، **عن**(١٠) **أبيه** قال: قُبض رسول الله ﷺ يوم الاثنين، فمكث ذلك اليوم **وليلة الثلاثاء**، ودُفِن **من الليل**.

اللہ اور اُس کے رسول کی محبت کے مقابلہ میں تن من، جان و مال سب بے حقیقت چیزیں بن جاتی تھیں۔ چنانچہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی پوری زندگی اس کی شاہدِ عدل ہے۔

(۹) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور کا وصال دو شنبہ کے روز ہوا۔

فائدہ: یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ دو شنبہ کے دن حضور کا وصال ہونا محدثین ومؤرخین کا اجماعی مسئلہ ہے۔

(۱۰) امام باقر رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ حضور کا وصال دو شنبہ کے روز ہوا، یہ روز اور سہ شنبہ کا روز انتظام میں گزرا اور منگل بدھ کی درمیان شب میں حضور والا کو قبر شریف میں اُتارا۔ سفیان جو اس حدیث کے راوی ہیں وہ کہتے ہیں کہ امام باقر کی حدیث میں تو یہی ہے جو گزری، لیکن اور روایت میں یہ بھی ہے کہ اخیر حصہ شب میں پھاوڑوں کی آواز آتی تھی۔

حتى أنكرنا قلوبنا: [أي: تغيرت حالها بوفاة النبي ﷺ عما كانت عليه من الرقة والصفا؛ لانقطاع الوحي وبركة الصحبة وفقدان ما كان يحصل لهم من قبل الرسول ﷺ من التأييد والتعليم، ويحتمل أن يراد: إنكار القلوب باعتبار أنها لا تمنع من الإقدام على نفض التراب عليه ﷺ، ويؤيد هذا الاحتمال ما روي عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: قالت فاطمه رضي الله عنها: يا أنس! أطابت أنفسكم أن تحثوا التراب على رسول الله ﷺ.] بصيغة المتكلم للماضي: أي: تغيرت قلوبنا لوفاته ﷺ ولم تبق على ما كانت من الرقة والصفا، وفي الحديث حجة لمشائخ الصوفية، وردٌّ على من أنكر مجاهدات المشائخ مستدلا بأن الصحابة رضي الله عنهم لم يفعلوه. يوم الاثنين: [كما هو متفق عليه عند أرباب النقل.]

عن أبيه: [أي: محمد الباقر بن علي زين العابدين بن الحسين بن علي، توفي سنة ثمان وأربعين ومائة عن خمس وستين سنة، ودفن بالبقيع مع أبيه وجدّه، وهو من التابعين، فالحديث مرسل.] وليلة الثلاثاء: قال المناوي: وفي نسخ بدل ليلة الثلاثاء "يوم الثلثاء"، وقال القاري: قوله: "ليلة الثلاثاء" بالمد، وزيد في بعض النسخ بعده: "ويوم الثلاثاء". من الليل: أي: ليلة الأربعاء على ما عليه الأكثر، وفيه أقوال أخر من ليلة الثلاثاء، ويوم الثلاثاء، وغير ذلك قاله المناوي، وقال القاري: قال في جامع الأصول: دفن ليلة الأربعاء وسط الليل، وقيل: ليلة الثلاثاء، وقيل: يوم الثلاثاء، والأول أكثر.

قال سفيان: وقال غيره: يُسمِع صوت **المساحي** من آخر الليل.

فائدہ: گویا اخیر حصۂ شب میں قبر کھودی گئی۔ اس حدیث میں یہ خلجان کیا جاتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے دفن میں اس قدر تاخیر کیوں کی گئی؟ حالانکہ دفن کی تعجیل میں متعدد روایات وارد ہوئی ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس موقع پر جس قدر مراحل درپیش تھے ان کے لحاظ سے یہ بھی کچھ تاخیر نہیں ہوئی بلکہ تعجیل ہی تھی کہ اول تو اس حادثہ ہائلہ کی وجہ سے ہوش و حواس ہی ابوبکر کے علاوہ کس کے رہ گئے تھے۔ کوئی مدہوش تھا، کوئی حیرت زدہ کہ زبان سے بات نہ نکلتی تھی، کوئی صدمہ کی شدت سے حضور کے وصال کا یقین ہی نہ کرتا تھا، حضرت عمر جیسا بہادر اور استقلال و شجاعت کا مجسمہ بے قابو تھا، اس کے بعد جو مراحلِ انتظامیہ درپیش تھے وہ ایک سے ایک بڑھ کر۔ اس لئے کہ سب سے اہم کام اس وقت خلافت کا مسئلہ تھا کہ تجہیز و تکفین کے ہر ہر جزو میں اُس کی ضرورت تھی کہ ہر جزو میں اختلاف ہو رہا تھا، نیز نبی ہونے کی وجہ سے ہر ہر جزو میں حکم معلوم کرنے کی بھی ضرورت تھی۔

چنانچہ گزشتہ اختلاف سے معلوم ہوگیا کہ کوئی مکہ مکرمہ واپس لے جانے پر مصر تھا اور کوئی مدفنِ ابراہیمی پر لے جانا چاہتا تھا وغیرہ وغیرہ، ایسے ہی تجہیز و تکفین اور صلوۃ الجنازہ میں اشکالات تھے کہ عام لوگوں کی تجہیز و تکفین ہمیشہ دیکھنے میں آئی مگر کسی نبی کو اس سے قبل دفنانے کی نوبت نہ آئی تھی، کس طرح غسل دیا جائے، کس طرح نماز پڑھی جائے، ہر مسئلہ میں احادیث کے معلوم کرنے کی ضرورت تھی، چنانچہ کپڑوں ہی میں حضور کو غسل دیا گیا اور بغیر جماعت کے علیحدہ علیحدہ نماز پڑھی گئی، جیسا کہ آئندہ آرہا ہے اور تمام مسلمانوں کی علیحدہ علیحدہ نماز کے لئے جتنا وقت چاہئے تھا وہ بھی ظاہر ہے۔

المساحي: بفتح الميم وكسر الحاء المهملة جمع مسحاة، وهي كالمجرفة إلا أنها من حديد على ما في الصحاح، وفي النهاية: أن ميمه زائدة؛ لأنه من السحو بمعنى الإزالة والكشف. من آخر الليل: قال القاري: هذا لا ينافي ما في الجامع من أنه وسط الليل؛ لأن المراد بالوسط: الجوف، أو كان الابتداء من الوسط، وانتهى إلى آخر الليل. [وإنما أخّر دفنه ﷺ مع أنّه يسنُّ تعجيله؛ لعدم اتفاقهم على محل دفنه، ووقوع الاضطراب بين الأصحاب، ودهشتهم من ذلك الأمر الهائل الذي لم يقع قبله ولا بعده مثله، وكأنهم أجساد بلا أرواح، وأجسام بلا عقول، حتى أنّ منهم من صار عاجزا عن النطق، ولاشتغالهم بنصب الإمام الذي يتولى مصالح المسلمين.]

(۱۱) **حدثنا** قتيبة بن سعيد، حدثنا عبد العزيز بن محمد، عن شَريك بن عبد الله بن أبي نَمِر، **عن** أبي سلمة بن عبد الرحمن بن عوف رضي الله عنه قال: تُوفّي رسول الله ﷺ يوم الاثنين، ودفن **يوم الثلاثاء.** قال أبو عيسى: هذا حديث غريب. **حدثنا** نصر بن عليّ الجَهْضَمِيّ، أخبرنا عبد الله بن داود، حدثنا سَلَمَة **بن نُبيط، أُخبِرنا** عن نُعَيم بن أبي هند، عن نُبَيط **بن شَرِيط،**

بفتح نون وكسرميم

اس کے علاوہ انصار میں بیعت کا مسئلہ بحث میں آجانے سے یہ مہم اور بھی زیادہ سخت بن گئی تھی کہ اگر کوئی نااہل امیر بن گیا تو دین کا سنبھالنا مشکل پڑ جائے گا اور اُس کو امارت سے ہٹانا ایک مستقل فتنہ کا دروازہ ہوگا، اس لئے اس وقت دین کا تحفظ صرف امارت ہی کے مسئلہ پر موقوف بن گیا تھا۔ چنانچہ شام تک بیعت کا مسئلہ طے ہوا اور دوسرے دن بیعت عامہ ہو جانے کے بعد پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ارشاد کے موافق ہر ہر مرحلہ سہولت سے طے ہوتا گیا۔

(۱۱) ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کا وصال دو شنبہ کے روز ہوا اور سہ شنبہ کو دفن کیے گئے۔

فائدہ: منگل بدھ کی درمیانی شب میں حضور اقدس ﷺ دفن فرمائے گئے جس کو عرفاً منگل کا دن بھی کہا جاسکتا ہے اور بدھ کا دن بھی، اس لئے یہ روایت پہلی روایت کے کچھ خلاف نہیں۔ بعض علماء نے یہ بھی کہا کہ خلافت کے مسئلہ سے فراغت کے بعد سہ شنبہ کے دن میں تجہیز و تکفین کی ابتدا ہوئی اور چہار شنبہ کی شب میں فراغت ہوئی۔

يوم الثلاثاء: قيل: هذا سهو من شريك، وقيل: يجمع بينهما بأن الحديث الأول باعتبار الانتهاء، وهذا باعتبار الابتداء، يعني: الابتداء بتجهيزه في يوم الثلاثاء، وفراغ الدفن من آخر ليلة الأربعاء. بن نبيط: بنون وموحدة تحتية ومهملة مصغراً، وسلمة هذا ولد نبيط بن شريط الآتي، قال الحافظ في ترجمته: سلمة بن نبيط بن شريط بن أنس الأشجعي أبو فراس الكوفي، روى عن أبيه، وقيل: عن رجل، عن أبيه، وعن نعيم بن أبي هند إلى آخر ما قاله.

أخبرنا: ببناء المجهول على ما عليه الأكثر من شارح الشمائل، وقيل ببناء الفاعل، فلفظ "أخبرنا" قبل "سلمة" زائد، ويؤيده فقدانه في بعض النسخ. قال القاري في نسخة صحيحة بخط ميرك: أنبأنا عبد الله بن داود، قال سلمة بن نبيط: أخبرنا بصيغة الفاعل عن نعيم بن أبي هند، قال ميرك: ويؤيده أيضاً ما وقع في بعض النسخ: حدثنا سلمة بن نبيط أن نعيم بن أبي هند. بن شريط: شريط، قال الجزري: بفتح الشين المعجمة صحيح، وبضمها غلط فاحش.

عن(١٢) سالم بن عبيدٍ – وكانت له صحبة – قال: **أغمي** على رسول الله ﷺ في مرضه، فأفاق،
هو صحابي من أصحاب الصفة
فقال: **حضرت الصلوة**؟ فقالوا: نعم،

---

(۱۲) سالم بن عبید صحابی کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کو مرض الوفات میں بار بار غشی ہوتی تھی اور جب افاقہ ہوتا تو زبان سے یہ نکلتا کہ نماز کا وقت ہو گیا یا نہیں؟ اور نماز کا وقت ہو جانے کا حال معلوم ہونے پر چونکہ مسجد تک تشریف لے جانے کی طاقت نہ تھی اس لئے ارشادِ عالی ہوتا کہ بلال سے کہو کہ نماز کی تیاری کریں اور صدیق اکبر نماز پڑھائیں، متعدد مرتبہ ایسا ہی ہوا (لیکن ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ طبعی طور پر نرم دل پیدا ہوئے تھے، رقت اکثر طاری ہو جاتی تھی اور پھر حضور کے ساتھ کا تعلق، اُن کی بیٹی حضرت عائشہ بھی جانتی تھیں کہ میرے باپ سے آپ کی خالی جگہ نہ دیکھی جائے گی اس لئے) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے درخواست کی کہ میرے باپ ابو بکر رقیق القلب ہیں، جب حضور کی جگہ کھڑے ہو کر نماز پڑھائیں گے تو رونے لگیں گے اور نماز پڑھانے کی طاقت نہیں رکھیں گے، اس لئے کسی اور کو فرما دیجئے کہ نماز پڑھائے۔
اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعدد مرتبہ سوال و جواب پر حضور نے ارشاد فرمایا کہ تم یوسف علیہ السلام کے قصہ والی عورتیں بننا چاہتی ہو۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہو کہ نماز پڑھائیں۔
فائدہ: اس قول کی شرح میں کہ "تم یوسف علیہ السلام والی عورتیں ہو" علماء کے چند اقوال ہیں: اول یہ کہ تم سے مراد صرف عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں اور ان عورتوں سے مراد صرف زلیخا ہیں اور جمع کا لفظ تعظیمی محاورہ کے اعتبار سے فرما دیا۔ اس قول کے موافق: (الف) تشبیہ بیجا بات پر اصرار کرنے میں ہے کہ جیسا زلیخا نے ایک ناحق اور نامناسب بات پر حضرت یوسف پر بہت زیادہ اصرار کیا، ایسے ہی تم بھی ایک بے جا بات پر اصرار کر رہی ہو۔ (ب) یہ کہ تشبیہ اس بات میں ہے کہ جیسے زلیخا نے اپنی

أغمي: بصيغة المجهول أي: غشي، وفي الحديث جواز الإغماء على الأنبياء، بخلاف الجنون، فإنه نقص ينافي مقامهم، وقيد الشيخ أبو حامد من الشافعية بغير الطويل، وبه جزم البلقيني، وقال السبكي: ليس إغمائهم كإغماء غيرهم؛ لأنه إنما يستر حواسهم الظاهرة دون قلوبهم وقوتهم الباطنة؛ لأنها إذا عصمت من النوم الأخف فالإغماء بالأولى، وأما الجنون فيمتنع عنهم قليله وكثيره، قال القاري: لأنه مما نفى الله عنهم مطلقا في مواضع. حضرت الصلوة: [أي: أحضرت صلاة العشاء الأخيرة؟ كما ثبت عند البخاري، أي: أحضر وقتها.]

فقال: مُروا بلالا **فليؤذن**، ومُروا أبا بكر فليصُلِّ للناس -أو قال: بالناس- ثم أغمي عليه، فأفاق، فقال: حضرت الصَّلوة؟ قالوا: نعم، فقال: مُروا بلالا فليؤذن، ومُروا أبا بكر فليصل بالناس، فقالت عائشة: إن أبي رجل **أسيف**، إذا قام ذلك المقام بكى، فلا يستطيع، فلو أمرت غيرَه، قال: ثم أغمي عليه، فأفاق، فقال: مُروا بلالا فليؤذّن، ومُروا أبا بكر فليُصلّ بالناس، فإنّكنّ صواحب -أو **صواحبات** - **يوسف**.

ملامت کرنے والیوں کو دعوت کے نام سے بلایا اور ظاہر یہ کیا کہ دعوت مقصود ہے، لیکن اصل مقصد یہ تھا کہ وہ حضرت یوسف کے حسن و جمال کو دیکھ کر زلیخا کو معذور سمجھیں، ایسے ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی ظاہر تو یہ فرماتی ہیں کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ رقیق القلب ہیں، وہ آپ کی جگہ پر کھڑے ہونے کی طاقت نہیں رکھتے، لیکن دل میں یہ ہے جیسا کہ خود حضرت عائشہ سے دوسری جگہ منقول ہے کہ مجھے حضور سے بار بار مراجعت کرنے کا تقاضا اس وجہ سے ہو رہا تھا کہ میرے نزدیک لوگ اُس شخص کو کبھی بھی پسند نہ کریں گے جو حضور کی جگہ کھڑا ہو اور اُس کو منحوس سمجھیں گے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ تم سے مراد حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما ہیں اور حضرت یوسف علیہ السلام والی عورتوں سے مراد وہ عورتیں ہیں جن کو زلیخا نے دعوت کے نام سے بلایا تھا۔ اس قول کے موافق بھی: (الف) تشبیہ بے جا بات پر اصرار میں ہے کہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما بے جا بات پر اصرار فرما رہی تھیں، چنانچہ بعض روایات میں ہے کہ حضرت حفصہ نے بھی اس چیز پر اصرار کیا۔

فليؤذن: بتشديد الذال من التأذين، أي: فليناد بالصلوة، وهو يحتمل كلاً من الأذان والإقامة، والثاني أقرب قاله القاري، وقيل بسكون الهمزة وتخفيف الذال بمعنى: فليعلم. **أسيف**: فعيل بمعنى فاعل من الأسف، وهو شدة الحزن، أي: يغلب عليه الحزن والبكاء. **صواحبات يوسف**: [أي: مثلهن في إظهار خلاف ما يبطنّ، حيث إن زليخا استدعت النسوة، وأظهرت لهن الإكرام بالضيافة، وأضمرت أنهن ينظرن إلى حسن يوسف فيعذرنها في حبه، وعائشة رضي الله عنها أظهرت أن سبب محبتها صرف الإمامة عن أبيها: أنّه رجل أسيف، وأنه لا يستطيع ذلك، وأضمرت أن لا يتشاءم الناس به، لأنها ظنت أنه لا يقوم أحد مقامه إلا تشاءم الناس به، والخطاب وإن كان بلفظ الجمع، لكن المراد به واحدة، وهي عائشة. وكذلك الجمع في قوله: "صواحب" الذي هو جمع صاحبة. وصواحبات الذي هو جمع صواحب، فهو جمع الجمع، والمراد به: امرأة العزيز.]

قال: فأمر بلالا فأذّن، وأُمر أبو بكر **فصلّى بالناس**، ثم إن رسول الله ﷺ وجد خِفّة، فقال: انظروا لي من أتّكئ عليه، **فجاءت بَرِيرَة و رجل آخر**، فَاتّكأ عليهما، فلمّا رآه أبو بكر،

[أي: أعتمد عليه عند الخروج]

(ب) یہ کہ تشبیہ وہی دل کے خلاف بات ظاہر کر کے اصرار کرنے میں ہے کہ (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ذہن میں تو یہ مضمون تھا کہ لوگ حضور کی جگہ حضرت صدیق کو کھڑا ہوا دیکھیں گے تو نحوست کا وسوسہ کریں گے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے بھی موافقت پر اصرار کرایا، اور ان کے دل میں اپنے والد کی بڑھوتری ہو کہ نبی کی نیابت کا حق ادا کرنے کا واہمہ ہو، اس لئے حضور نے ان کو یوسف علیہ السلام کے قصہ والیوں کے ساتھ تشبیہ دی کہ وہ ظاہر میں تو حضرت یوسف علیہ السلام پر زلیخا کی موافقت کا اصرار کر رہی تھیں لیکن در حقیقت ہر ایک اپنی طرف مائل کرنے کا انداز برت رہی تھی۔

بعض علماء نے وجوہِ تشبیہ اور بھی بتلائی ہیں۔ چونکہ حدیث طویل تھی اس لئے اس فائدہ کو مختصر طور پر درمیان میں لکھ دیا۔ آگے بقیہ حدیث کا ترجمہ آتا ہے اور کچھ فوائد بھی مختصر درمیان میں آگئے۔ بعض روایات میں اس جگہ حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد بھی منقول ہے کہ اللہ جل شانہٗ اور مسلمان ابو بکر کے سوا اور کسی کو نہیں مانیں گے) امتثالِ حکم پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی (اور حضور کے وصال تک سترہ نمازیں ادا فرمائیں، اس لئے کہ یہ قصہ جس کا ذکر اوپر سے ہو رہا ہے، پنج شنبہ کی شام کا ہے، پنج شنبہ کے روز حضور اقدس ﷺ کی طبیعت مبارک زیادہ ناساز رہی اور جمعہ کی شب میں عشاء کی نماز کے وقت کی یہ تمام گفتگو ہے اور عشاء کی نماز سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھانا شروع کی اور دو شنبہ کے روز

فصلى بالناس: [أي: تلك الصلوة، ومجموع ما صلى هم سبع عشرة صلاة، كما نقله الدمياطي. أولها عشاء ليلة الجمعة، وآخرها صبح يوم الاثنين الذي توفي فيه رسول الله ﷺ.] فجاءت بريرة: وهي بريرة بنت صفوان، قبطية وحبشية، مولاة عائشة رضي الله عنها. والمراد أنها أرادت توصله إلى الباب، ثم الأصحاب يوصلونه إلى المحراب.

ورجل آخر: قال ميرك: اسمه نوبة بضم النون والموحدة المخففة، كما جاء في بعض الروايات، ووهم من زعم أنه امرأة، قال القاري: في رواية ابن حبان: بريرة ونوبة، وضبطه ابن حجر بضم فسكون ثم قال: إنه أمة هذا، وجاء في رواية الشيخين في سياق آخر رجلان: عباس وعلي، وفي طريق آخر: ويده على الفضل بن عباس ويده على رجل آخر، وجاء في رواية: أحدهما أسامة، وعند الدارقطني: أسامة والفضل، وعند ابن سعد: الفضل وثوبان، وجمعوا بين هذه الروايات على تقدير ثبوت جميعها بتعدّد الخروج، أو بأنهم تناوبوا.

ذهب **لِيَنْكُص، فأومأ** إليه **أن يثبت مكانه، حتى قضى** أبو بكر صلوته. ثم إن رسول الله ﷺ **قُبِض، فقال عمر:** والله **لا أسمع** أحدا يذكر أن رسول الله ﷺ قُبِض إلاضربته بسيفي هذا!

-قال: كان الناس **أُمّيّين** لم يكن فيهم نبيّ قبله-

چاشت کے وقت حضور کا وصال ہوا، اس لئے کل سترہ نمازیں ہوئیں جو مسلسل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور کے شدّتِ مرض کے ایام میں پڑھائیں۔ بندۂ ناکارہ کے نزدیک چونکہ مرض کی ابتدا اس سے بہت پہلے سے تھی اس لئے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان ایام میں بھی کبھی کبھی نماز پڑھائی۔ دورانِ مرض میں ایک مرتبہ حضور کو کچھ افاقہ ہوا تو فرمایا: دیکھو کوئی سہارا دیکر مسجد تک لے جانے والا ہے؟ اس ارشاد پر دو شخصوں نے حضور کا ہاتھ پکڑا اور حضور اُن کے سہارے مسجد تک تشریف لے گئے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور کو دیکھ کر پیچھے ہٹنے کا ارادہ فرمایا تو حضور نے اشارہ سے منع فرمادیا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نماز پوری کر دی (بالآخر دو شنبہ کے روز) حضور کا وصال ہوگیا (صحابہ رضی اللہ عنہم کے اوپر یہ سخت وقت جس قدر بھی مشکل اور کٹھن تھا وہ ظاہر ہے، منافقین اور مخالفین کے فتنے اور حضور کے ۲۳ سالہ باغ کی حفاظت اور ان سب کے ساتھ حضور جیسی قدسی ذات کی مفارقت اور اُس محبوب کی جُدائی جس کی بدولت گھر بار، خویش و اقارب،

لِيَنْكُص: قال الحنفي: بضم الكاف، وقال القاري: الأولى أن يضبط بكسر الكاف طبق ما في القرآن: ﴿عَلَى أَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُونَ﴾ [المؤمنون: ٦٦] بالكسر على ما أجمع عليه القراء السبعة والعشرة وما فوقهم، نعم! قال الزجاج: يجوز ضم الكاف، وكذا جوّزه صاحب الصحاح، أي: ليتأخر والنكوص: الرجوع قهقرى. **فأومأ:** بالهمز على الصحيح، وفي نسخة: فأومى، ولعله مبني على التخفيف، أي: أشار النبي ﷺ. **أن يثبت مكانه:** [أي: ليبقى على إمامته ولا يتأخر عن مكانه.]

حتى قضى: قال المناوي: ظاهره أن النبي ﷺ اقتدى به، وبه صرحت رواية البيهقي، وقال القاري: ظاهره أنه ﷺ رجع، خلافا لابن حجر حيث قال: ظاهره أنه ﷺ اقتدى به، والمعتمد عندنا أن اقتداءه به كان قبل ذلك. **قبض:** [أي: قبض الله روحه الشريفة، وأبو بكر غائب بالعالية عند زوجته خارجة بعد إذنه ﷺ لحكمة إلٰهية.] **قال عمر:** [أي: والحال أنه سلّ سيفه، والحامل له على ذلك: ظنه عدم موته، وأن الذي عرض له غشي تام.] **لا أسمع إلخ:** وكان يقول: إنما أرسل إليه كما أرسل إلى موسى، فلبث عن قومه أربعين ليلة، أو يظن أنه من الغشيان المعتاد له ﷺ.

أميين: [أي: وكان العرب لا يقرؤون ولا يكتبون. هذا هو معنى الأميين في الأصل، والمراد هنا بهم: من لم يحضر موت نبي قبله، فقوله: "لم يكن فيهم نبي قبله" تفسير وبيان للمراد بالأمّيين.]

فأمسك الناس، قالوا: يا سالم! انطلق إلى **صاحب رسول** الله ﷺ، **فَادعُه**، فأتيت أبا بكر، وهو **في المسجد**، فأتيته أبكي دَهِشا،

بفتح الدال وكسر الثاني، أي: متحيراً

مال و متاع سب لٹا دیا تھا اور چونکہ آج صبح سے افاقہ کے آثار معلوم ہو رہے تھے جو در حقیقت سنبھالا تھا نہ کہ افاقہ، اس لئے حضور کے وصال کی خبر کے باوجود بہت جلد خبر مشہور ہو جانے کے بہت سے حضرات کو یقین نہیں آیا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ (جیسے باعظمت اور قوی القلب آدمی بھی بایں فضل و کمال اور بدیں شجاعت و ہمت، تحمل نہ فرما سکے اور از خود رفتہ ہو کر برہنہ تلوار لے کر کھڑے ہو گئے اور یہ) فرمانے لگے کہ واللہ! (حضور کا وصال نہیں ہوا) جو شخص یہ کہے گا کہ حضور کا وصال ہو گیا ہے اُس کی گردن اُڑا دوں گا۔ چونکہ صحابہ کو کسی نبی کی وفات کا پہلے تجربہ نہیں تھا کہ اس سے پہلے کوئی نبی ان میں نہیں ہوا تھا اور عام طور سے اُمی تھے کہ پہلے انبیاء کی کتب اور حالات بھی نہ پڑھ سکتے تھے، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد پر سب ساکت ہو گئے کہ ممکن ہے ایسا ہی ہو۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے سالم سے کہا کہ حضور کے ساتھی ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بلا کر لاؤ (وہ ہی اس طغیانی کے وقت اس کشتی کو کنارے لگائیں گے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ افاقہ کی صورت دیکھ کر

فأمسك الناس: [أي: أمسكوا ألسنتهم عن النطق بموته خوفا من عمر ﷺ.] صاحب: [الذي هو أبو بكر، فإنه متى أُطلق انصرف إليه؛ لكونه كان مشهوراً به بينهم.] فادعه: [أي: ليحضر، فيبيّن الحال ويسكّن الفتنة، فإنه قوي القلب عند الشدائد، وراسخ القلب عند الزلازل.] في المسجد: قال القاري: الظاهر مسجد محلته، وبه جزم النووي وغيره، والظاهر عندي أن المراد: المسجد النبوي؛ لما في جمع الوسائل من رواية: أن أبا بكر أرسل غلامه ليأتيه بخبر رسول الله ﷺ، فجاءه الغلام فقال: سمعت أنهم يقولون: مات محمد ﷺ، فركب أبو بكر على الفور، وقال: وا محمداه! وانقطاع ظهراه! وبكى في الطريق، حتى أتى مسجد رسول الله ﷺ. وأخرج البخاري برواية عائشة: أن أبا بكر ﷺ أقبل على فرس من مسكنه بالسنح حتى نـــزل فدخل المسجد، فلم يكلم الناس حتى دخل على عائشة، فتيمّم رسول الله ﷺ وهو مغشي بثوب حِبَرة، الحديث. وفي المواهب اللدنية عن سالم بن عبيد قال: لما مات رسول الله ﷺ كان أجزع الناس كلهم عمر بن الخطاب، فأخذ بقائم سيفه وقال: لا أسمع أحداً يقول: "مات رسول الله ﷺ" إلاضربته بسيفي هذا، قال: فقال الناس: يا سالم! اطلب صاحب رسول الله ﷺ. قال: فخرجت إلى المسجد فإذا بأبي بكر، فلما رأيته أجهشت بالبكاء، فقال: يا سالم! أمات رسول الله ﷺ؟ الحديث. فالظاهر من هذه الروايات أن المراد: المسجد النبوي، وأن أبا بكر لما استخبر من الغلام، وأجاب بأنه سمع ذلك، رجع أبو بكر من السنح على فرس، ودخل المسجد، فلاقى سالما وسأله تصديق الخبر.

فلما رآني **قال** لي: أُقبِضَ رسول الله ﷺ؟ قلت: إن عمر يقول: لا أسمع أحداً يذكر "أن رسول الله ﷺ قُبِضَ" إلا ضربته بسيفي هذا، فقال لي: انطلق، فانطلقت معه، فجاء هو والنّاس قد دخلوا على رسول الله ﷺ، فقال: يا أيها الناس! **أفرجوا لي**، فجاء حتى **أكبَّ عليه**، ومسّه، **فقال**: ﴿إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ﴾ [الزمر: ٣٠] ثم قالوا: يا صاحب رسول الله ﷺ! أقبض رسول الله ﷺ؟ قال: نعم، فعلموا **أن قد صدق**. قالوا: يا صاحب رسول الله! **أنصلّي** على رسول الله ﷺ؟

من إلا فراج أي: أعطوا لي فرجة فأعطوا فرجة　أي: رسول الله ﷺ　قيل: إنه قبل ناصيته ﷺ

حضور کی اجازت سے گھر والوں کی خبر لینے کے لئے اپنے مکان تشریف لے گئے تھے، جو تقریباً ایک میل تھا) سالم کہتے ہیں کہ میں روتا ہوا متحیرانہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا، وہ اُس وقت مسجد میں تھے، میری مضطربانہ حالت دیکھ کر دریافت فرمایا: کیا حضور کا وصال ہو گیا؟ میں نے اُس کی اطلاع کی اور یہ بھی عرض کیا کہ عمر رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہیں کہ میں جس کو یہ کہتے ہوئے سُنوں گا کہ حضور کا وصال ہو گیا اُس کی گردن اُڑا دوں گا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میرے ساتھ تشریف لائے اور مجمع کو ہٹا کر حضور کے پاس تشریف لے گئے اور حضور کے چہرۂ مبارک پر گہری نظر ڈال کر آپ کی پیشانی کو بوسہ دیا اور یہ آیت پڑھی: ﴿إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُوْنَ﴾۔ [الزمر: ٣٠] اے محمد ﷺ! بے شک تم بھی وفات پانے والے ہو اور وہ سب دشمن بھی مرنے والے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ اے حضور کے رفیق! کیا آپ کی وفات ہو گئی؟ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بے شک آپ دار البقا کو روانہ ہو چکے ہیں، اُس وقت صحابہ رضی اللہ عنہم کو یقین ہو گیا۔ پھر انھوں نے آپ سے دیگر امور دریافت کئے، اس لئے کہ ہر ہر جز میں احتمالِ خصوصیت تھا، اس لئے اول نماز جنازہ کو پوچھا کہ حضور پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟

قال: قال المناوي: وفي نسخ: وقال لي، فجواب "لما" قوله: "قلت: إن عمر". وقال القاري: بالواو قبل "قال" على ما في الأصول المصححة، والظاهر تركها، وقال ميرك: يحتمل أن يقال: جملة حالية أو اعتراضية، وجواب "لما" قوله: "قلت إن عمر ﷺ إلخ". أفرجوا لي: [أي: أوسعوا لي لأجل أن أدخل.] أكبَّ عليه: [فوجده مسجّى ببرد حبرة، فكشف عن وجهه الشريف ﷺ وقبّله، ثم بكى وقال: بأبي أنت وأمّي! لا يجمع الله عليك موتين.]

فقال: [أي: قرأ استدلالًا على موته ﷺ.] أن قد صدق: مخففة من الثقيلة، يعني صدق في إخباره بموته ﷺ لاستدلاله بالآية.

أنصلّي: [وإنّما سألوه؛ لتوهم أنه مغفور له فلا حاجة له إلى الصلاة؛ لأن المقصود منها الدعاء والشفاعة للميت.]

قال: **نعم،** قالوا: وكيف؟ قال: **يدخل** قوم، **فَيكبّرون** ويدعُون ويُصلّون ثم يخرجون، ثم يدخل قوم فيكبرون ويُصلّون ويدعون ثم يخرجون **حتى يدخلَ** الناس.

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پڑھی جائے گی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ کس طرح پڑھیں؟ (تمام اہلِ مدینہ مشتاق ہیں) آپ نے فرمایا کہ ایک ایک جماعت حجرہ کے اندر جائے اور بلا جماعت نماز پڑھ کر چلی آئے، اسی طرح سب لوگ نماز پڑھیں۔ پھر صحابہ نے پوچھا: کیا حضور دفن کیے جائیں گے؟ آپ نے فرمایا کہ یقیناً دفن کیے جائیں گے۔ انھوں نے پوچھا کہ کس جگہ قبر شریف بنائی جائے گی؟ آپ نے فرمایا کہ جس جگہ آپ کا وصال ہوا ہے وہی جگہ مدفن ہے، اس لئے کہ حق تعالیٰ جَلَّ شَانُہٗ نے آپ کا وصال اُسی جگہ فرمایا جو جگہ حق تعالیٰ کو پسندیدہ ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو ہر ہر بات پر اطمینان ہوتا رہا اور "بے شک سچ فرمایا" کہتے رہے۔ پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اہلِ بیت اور حضور کے قریب رشتہ داروں کو تجہیز و تکفین کے انتظام کا حکم فرمایا (اور حفاظتِ اسلام اور رفعِ اختلافات کے لئے کسی شخص کو مدار رائے بنانے کی تجویز شروع ہوئی۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب تلوار سُوتے ہوئے کھڑے تھے اور یہ کہہ رہے تھے کہ جو شخص یہ کہے گا

نعم: [أي: يصلى عليه لمشاركته لأمته في الأحكام، إلّا ما خرج من الخصوصيات لدليل.] **يدخل إلخ:** قيل: إن فوجاً فوجاً دخلوا عليه ﷺ، وكل واحد منهم صلّى عليه على حدة، وروي أن علياً ﷺ قال: لا يؤم أحدكم عليه؛ لأنه إمامكم حال حيوته وحال مماته، وقد ورد في بعض الروايات: أنه ﷺ أوصى على الوجه المذكور؛ ولذا وقع التأخير في دفنه.

فَيكبرون: أي: أربع تكبيرات، و"الواو" لمطلق الجمع، إذ الصلوة مقدمة على الدعاء، وقدم الدعاء؛ لما تقرر أن الاستفهام للتردد في أنه ﷺ هل يحتاج إلى الدعاء؟ فإنه مغفور له لا محالة، فلا حاجة إلى الدعاء، قال القاري: ولم يذكر التسبيح لما هو معلوم من وقوعه بعد التكبير الأول. **حتى يدخلَ:** أي: وهكذا حتى يصلي الناس جميعا، وروى ابن ماجة: أنهم لما فرغوا من جهازه يوم الثلاثاء وضع على سريره في بيته، ثم دخل الناس إرسالا أي: قوما بعد قوم، يُصلّون عليه، حتى إذا فرغوا دخلت النساء، حتى إذا فرغن دخل الصبيان، وما يؤم الناس عليه أحد، وروي عن علي ﷺ: أنه قال: لا يؤم أحدكم عليه؛ لأنه إمامكم حال حيوته وحال مماته، وورد في بعض الروايات أنه ﷺ أوصى على الوجه المذكور، وروى الحاكم في المستدرك والبزار: أن المصطفى حين جمع أهله في بيت عائشة ﷺ قالوا: فمن يصلي عليك؟ قال: إذا غسلتموني وكفنتموني فضعوني على سريري، ثم أخرجوا عني ساعة، فإن أول من يصلي عليّ جبرئيل، ثم ميكائيل، ثم إسرافيل، ثم ملك الموت مع جنوده من الملائكة بأجمعهم، ثم ادخلوا عليّ فوجاً بعد فوج، فصلّوا علي وسلّموا تسليما.

قالوا: يا صاحب رسول الله! **أيدفن** رسول الله ﷺ؟ قال: **نعم** قالوا: أين؟ قال: **في المكان** الذي قبض الله فيه روحه، فإن الله لم يقبض روحه إلا في مكان طيب، فعلموا أن **قد صدق**، ثم أمرهم أن يُغسله **بنو أبيه**. واجتمع المهاجرون يتشاورون، فقالوا: انطلق بنا إلى إخواننا من الأنصار نُدخِلْهم معنا في هذا الأمر [في أمر الخلافة]، **فقالت الأنصار** [ومن جملة القائلين عمر]: مِنّا أمير ومنكم أمير، [أي: في أمر نصب الخلافة لا في أمر الخلافة]

کہ حضور کا وصال ہو گیا، اُس کی گردن اُڑا دوں گا، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے اس مقولہ پر تنبیہ فرمائی اور ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں کلام پاک کی آیت ﴿وما محمد إلا رسول﴾ [آل عمران: ١٤٤] تلاوت فرمائی، اُس کے بعد ارشاد فرمایا کہ جو شخص محمد ﷺ کی پرستش کرتا ہو تو حضور کا تو وصال ہو چکا، لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کی پرستش کرتا ہو تو اللہ زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ لوگ سب کے سب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے خطبہ کی آواز سن کر منبر کی طرف متوجّہ ہو گئے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے اسی خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ دین کی حفاظت کے لئے ایک شخص کی ضرورت ہے جو اس کی نگرانی کرے اور اس کی حفاظت کرے۔ تم لوگ اپنی اپنی رائے اس بارے میں بتاؤ۔ مہاجرین نے آپس میں مشورہ کیا، پھر یہ تجویز ہوا کہ)انصار کی شرکت بھی اس مشورہ میں ضروری ہے، ان کی شرکت سے کوئی امر قرار پانا چاہئے، اس لئے ان کی مجلس میں یہ حضرات گئے، وہاں یہ مسئلہ پہلے سے چھڑا ہوا تھا۔ انصار نے یہ تجویز کی کہ انصار میں ایک امیر مستقل ہو اور مہاجرین میں علیحدہ امیر ہو (اس پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضور کا ارشاد: **"الأئمة من قريش"**

أيدفن: [يعني: يدفن أو يترك بلا دفن على وجه الأرض لسلامته من التغير، أو لانتظار رفعه إلى السماء.]
نعم: [لأن الدفن من سنن سائر الأنبياء والمرسلين.] في المكان إلخ: [ورد أنه استدل على ذلك بقوله: سمعت رسول الله ﷺ يقول: "ما فارق الدنيا نبي قطُّ إلّا يدفن حيث قُبِضَ روحه"، قال علي ﷺ: أنا سمعته أيضًا.] قد صدق: [وبهذا تبين كمال علمه وفضله وإحاطته بكتاب الله وسنة نبيه.] بنو أبيه: وهم علي والعباس وابناه فضل وقثم وأسامة بن زيد وصالح الحبشي. والمراد ببني أبيه: مباشرتهم لغسله، وهو لا ينافي مساعدة غيرهم.
فقالت الأنصار: [يعني: فانطلقوا إليهم، وهم مجتمعون في سقيفة بني ساعدة، فتكلموا معهم في شأن الخلافة، فقال قائلهم-الحباب بن المنذر-: منا أمير ومنكم أمير.]

فقال عمر بن الخطاب ﷺ: **من له مثل** هذه الثلاث: ﴿ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا﴾ [التوبة: ٤٠] **من هما**؟ قال: ثم بسط يده فبايعه، وبايعه الناس بيعة **حسنة جميلة**.

امیر قریش میں سے ہو، نقل کیا) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: کون ہے وہ شخص جس کے لئے ایک ہی واقعہ میں تین فضیلتیں ہوں چہ جائیکہ اور فضائل، اور پھر یہ تین بھی ایسی کہ جن میں ہر ایک کمالِ فضل پر دال ہو: اول حضور اقدس ﷺ کے ساتھ اتحاد و ارتباط اور تنہائی کے وقت ساتھ دینا جس کو حق تعالیٰ جَلَّ شَأْنُهُ ﴿ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ﴾ [التوبة: ٤٠] سے ارشاد فرمارہے ہیں۔ دوسرے حق تعالیٰ جَلَّ شَأْنُهُ ان کو حضور کا ساتھی اور رفیق فرمارہے ہیں۔ تیسرے اللہ کی معیت کہ حضور اقدس ﷺ نے إن الله معنا اللہ ہمارے ساتھ ہے، اُس وقت حضور اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دو ہی حضرات وہاں تھے جن کے متعلق حضور نے "ہمارے ساتھ" فرمایا۔ تم ہی بتاؤ کہ وہ دو کون تھے جن کا آیت میں ذکر ہے؟ کس قدر بڑی ذات ہے ان دونوں حضرات کی (یعنی حضور اقدس ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے برابر کونسی ہستی ہو سکتی ہے)۔ اس کے علاوہ اور بھی گفتگو درمیان میں ہوتی رہی جو مختلف روایات میں وارد ہوئی ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے انصار کی جماعت! تمہیں معلوم ہے کہ حضور نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو مصلے پر کھڑا کیا اور بیماری کے زمانہ میں حکماً نماز پڑھوائی۔ تم میں سے کون گوارا کر سکتا ہے کہ ایسے شخص کو امامت سے ہٹائے جس کو حضور نے امام بنایا ہو؟ انصار نے کہا اللہ کی پناہ! ہم ابو بکر رضی اللہ عنہ کے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیعت کے لئے ہاتھ پھیلا دیا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بیعت کی اُس کے بعد سقیفہ کے سب لوگوں نے برضا و رغبت بیعت کی۔

من له مثل إلخ: أي: من ثبت له مثل هذه الفضائل الثلاثة التي لأبي بكر، فهو استفهام إنكاري على الأنصار، حيث توهموا أن لهم حقا في الخلافة؛ إذ جعل رسوله ثاني اثنين، والثانية إثبات الصحبة، والثالثة إثبات المعية.

من هما: الاستفهام للتقرير والتفخيم، أي: من الاثنان المذكوران في هذه الآية، أي: هل هما إلا النبي وأبو بكر، والاستفهام للتقرير والتفخيم، أو للتهويل، وأبعد الحنفي إذ قال: يجوز أن يرجع الضمير إلى الأميرين، فحينئذٍ يكون الاستفهام للإنكار والتحقير. **حسنةً جميلة**: لوقوعها عن ظهور واتفاق من أهل الحل والعقد، ولذا أكّده بقوله: "جميلة" قاله المناوي، قال القاري: لا إكراهاً ولا إجباراً ولا ترغيباً ولا ترهيباً.

حدثنا نصر بن عليّ، حدثنا عبد الله بن الزبير - شيخ باهليّ قديم بصريّ -، حدثنا ثابت البُنانيّ، **عن**(١٣) أنس بن مالك رضي الله عنه قال: لما وجد رسول الله ﷺ من كَرْب الموت ما وجد، قالت فاطمة رضي الله عنها: **واكَرْباه!** فقال النبي ﷺ: **لا كَرْب** على أبيك بعد اليوم، إنه قد حضر من أبيك **ما ليس بتارك** منه أحدا، -الوفاة- **يوم القيامة.** **حدثنا** أبو الخطاب زياد بن يحيى البصريّ ونصر بن عليّ قالا: حدثنا عبد ربّه بن بَارق الحنفيّ قال: سمعت جدّي -أبا أمي-
بيان للجد

فائدہ: یہ ابتدائی بیعت تھی جو انصار کی مجلس میں ہوئی، اُس کے بعد دوسرے دن مسجد نبوی میں بیعتِ عامہ ہوئی، جس میں اول حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک خطبہ دیا جس میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے فضائل بھی تھے اور دیگر امور ارشاد فرمائے، اُس کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ایک طویل خطبہ ارشاد فرمایا جس میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اللہ کی قسم! میں کبھی بھی خلیفہ بننے کا خواہشمند نہیں ہوا، نہ مجھے کبھی اس کی ترغیب ہوئی، نہ کبھی بھی پوشیدگی میں یا علانیہ اس کے حصول کی دعا کی، اپنے انکار پر امت میں فتنہ پیدا ہو جانے کے ڈر سے میں نے اس کو قبول کیا ہے، مجھے اس میں کوئی راحت نہیں ہے اور جو کام مجھ پر ڈال دیا گیا میری طاقت سے باہر ہے۔ اللہ ہی کی مدد سے کچھ کام چل سکتا ہے۔

(۱۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جب مرض الوفات کی سخت تکلیف برداشت فرما رہے تھے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ ہائے ابا کی تکلیف! حضور نے ارشاد فرمایا کہ آج کے بعد تیرے باپ پر کچھ تکلیف نہیں رہے گی، بے شک آج تیرے باپ پر وہ اٹل چیز اُتری ہے یعنی موت جو قیامت تک کبھی کسی سے ٹلنے والی نہیں۔

فائدہ: "ہائے" کا لفظ عربی میں اظہارِ افسوس کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ مقصود رنج کا اظہار ہے۔

واكَرْباه: بفتح الكاف وسكون الراء وهاء ساكنة في آخره، غم يأخذ بالنفس إذا اشتد عليه. لاكرب إلخ: [للانتقال حينئذٍ إلى الحضرة القدسية، فكربه سريع الزوال، ينتقل بعده إلى أحسن النعيم.] ما ليس بتارك: أي: أمر عظيم، ليس الله عزوجلّ بتارك من ذلك الأمر أحداً، والوفاة بيان لـِ"ما"، وفي نسخة: "الموافاة" بدل الوفاة، وهو بمعني: الإتيان والملاقاة، وقيل: يفسر الموافاة ههنا بالوفاة. يوم القيامة: منصوب بنـــزع الخافض، وهو كلمة "إلى"، وجوز أن يكون مفعولا فيه، ويراد به يوم الوفاة؛ لأن يوم موت كل أحد يوم قيامته كما ورد.

سماك بن الوليد يُحدّث: أنه **سمع**[14] ابن عباس ﷠ يحدّث: أنه سمع رسول الله ﷺ يقول: من كان له **فَرَطان** من أمّتي أدخله الله تعالى بهما الجنة. فقالت له عائشة ﵂: فمن كان له فَرَطٌ من أمّتك؟ قال: ولمَن كان له فَرَط، **يا مُوَفَّقة!** قالت: فمن لم يكن له فَرَط من أمّتك؟ قال: فأنا فرط لأمتي، **لَنْ يُّصابوا بمثلي.**

---

(۱۴) ابن عباس ﷠ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کے دو بچّے ذخیرۂ آخرت بن جائیں تو حق تعالیٰ جَلّ شَانُہٗ اُن کی بدولت اُس کو ضرور جنّت میں داخل فرمائیں گے۔ حضرت عائشہ ﵂ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! جس کا ایک ہی بچّہ ذخیرہ بنا ہو اُس کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جس کا ایک ہی بچّہ چل دیا ہو وہ بھی بخش دیا جائے گا۔ حضرت عائشہ ﵂ نے پوچھا کہ جس کا ایک بھی بچّہ نہ مرا ہو؟ تو آپ نے فرمایا کہ اُن کے لئے میں ذخیرہ بنوں گا اس لئے کہ میری وفات کا رنج آل و اولاد سب سے زیادہ ہوگا۔ **فائدہ:** یقیناً حضور کی جدائی ایسی ہی چیز ہے کہ ماں باپ، اعزہ احباب، بیوی، اولاد ہر شخص کی جدائی اور موت حضور کی جدائی اور وفات کے مقابلہ میں کوئی بھی حقیقت نہیں رکھتی۔ اسی لئے ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب کسی شخص کو کوئی مصیبت پہنچے تو میری جدائی کی مصیبت سے تسلی حاصل کرے۔ یعنی یہ سوچے کہ جب حضور کی مفارقت پر صبر کر لیا تو اُس کے مقابلہ میں یہ کیا حقیقت رکھتی ہے۔

فرطان: بفتح الفاء والراء تثنية فرط، وهو المتقدم في طلب الماء، فيهيّئ لهم الأرشاء والدلاء، ويمدد الحياض، ويسقى لهم، فعل بمعنى فاعل كتبع بمعني تابع. [أي: الولدان صغيران يموتان قبله، فإنهما يوم القيامة يهيئان نـــزلا ومنـــزلا في الجنة.]
يا موفقة: لتعلم شرائع الدين أو في الخيرات، أو الأسئلة الواقعة موقعها، أو المعنى: وفقك الله لما يحصل بسبب السؤال عنه، وهذا تحريض لها على السؤال. لن يّصابوا بمثلي: [كما ورد في مسلم: "إذا أراد الله بأمّة خيرا قبض نبيها قبلها فجعله لها فَرَطا وسلفًا بين يديها، وإذا أراد هلاك أمّة عذّبها، ونبيها حيٌّ فأهلكها وهو ينظر، فأقرّ عينه بهلاكها حين كذبوه وعصوا أمره".]

بابُ ما جاء في ميراث رسول الله ﷺ

حدثنا أحمد بن منيع، حدثنا حسين بن محمد، حدثنا إسرائيل، عن أبي إسحاق،

باب۔ حضور اقدس ﷺ کی میراث کا ذکر

فائدہ: اس باب میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے سات حدیثیں ذکر فرمائی ہیں، سب کا حاصل یہی ہے کہ آپ کا جملہ متروکہ مال صدقہ ہے، وہ وارثوں پر تقسیم نہیں ہوگا۔ یہ علماء کا اجماعی مسئلہ ہے اس میں کسی عالم کا بھی اہلِ سنت والجماعت میں سے خلاف نہیں ہے کہ حضور کے ترکہ میں وراثت نہ تھی، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ حکم حضور اقدس ﷺ کے ساتھ خاص تھا یا تمام انبیاء کا یہی حکم ہے؟ جمہور علماء کی یہی رائے ہے کہ تمام انبیاء کا یہی حکم ہے کہ ان کے متروکہ مال کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔

اس کی وجوہ میں علماء کے متعدّد اقوال ہیں اور متعدد وجوہ ہونے میں بھی کوئی اشکال نہیں ہے۔ مختصراً چند وجوہ لکھی جاتی ہیں:

نمبر ۱: انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں لہٰذا ان کی ملک باقی رہتی ہے، اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ کی بیبیوں سے کسی کے نکاح کرنے کی قرآن پاک میں صاف لفظوں میں ممانعت وارد ہوئی ہے۔

نمبر ۲: نبی کی کوئی چیز زندگی میں بھی ملک نہیں ہوتی، وہ متولیانہ تصرف کرتے ہیں۔ صوفیہ میں بھی یہ مقولہ مشہور ہے: **الصوفي لا يملك** صوفی مالک کسی چیز کا نہیں ہوتا۔ یہ مطلب نہیں کہ شرعاً مالک نہیں ہوتا بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ ان ناپائیدار چیزوں کو اپنی نہیں سمجھتا۔

نمبر ۳: دنیا کی ہر چیز اللہ کی ملک ہے اور نبی اللہ کا خلیفہ ہونے کی حیثیت سے تصرف کرتا ہے۔

نمبر ۴: اگر انبیاء کے مال میں میراث جاری ہو تو احتمال ہے کہ کوئی بد نصیب وارث مال کی طمع میں نبی کی ہلاکت کا ذریعہ بنے یا تمنّا کرے اور دونوں چیزیں اُس کی بربادی کا سبب ہوں گی۔

نمبر ۵: لوگوں کو یہ واہمہ نہ گزرے کہ نبوت کا دعویٰ مال جمع کرنے کے واسطے اور اپنے اہل و عیال کو مالدار چھوڑ کر جانے کے واسطے ہے۔

نمبر ۶: مال کے زنگ اور میل کچیل سے ان کی قدسی ذات کو محفوظ رکھنے کی وجہ سے ہے۔

ميراث: أصله مِوراث، قلبت الواو ياء؛ لسكونها وانكسار ما قبلها، مصدر بمعنى الموروث، أي: المخلف من مال. والمراد نفي ميراثه ﷺ.

عن[1] عمرو بن الحارث - أخي جُويرِية، له صحبة - قال: **ما ترك** رسول الله ﷺ **إلا سلاحه، وبغلته، وأرضا جعلها صدقة.**

صحابي قليل الحديث — في سبيل الله

نمبر ۷: نبی تمام امت کے لئے بمنزلہ باپ کے ہے، لہذا اُس کا مال تمام اولاد کا مال ہے وغیرہ وغیرہ۔ اللہ کے احکامات کی حکمتیں بے نہایت ہوتی ہیں آدمی اپنی اپنی سمجھ کے موافق حکمتوں کا بیان کرتے ہیں، ان کے علاوہ نہ معلوم کتنی حکمتیں اللہ کے علم میں ہیں۔

(۱) عمرو بن الحارث رضی اللہ عنہ جو ام المؤمنین جویریہ رضی اللہ عنہا کے بھائی ہیں، یہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے اپنے ترکہ میں صرف ہتھیار اور (اپنی سواری کا) خچر اور کچھ حصہ زمین کا چھوڑا تھا اور اُن کو بھی صدقہ فرماگئے تھے۔ **فائدہ:** چونکہ یہ چیزیں صدقہ کے حدود میں داخل ہوگئی تھیں اس لئے ان میں میراث جاری نہیں ہوئی۔ حضور اقدس ﷺ کے استعمالی کپڑوں کا ذکر معمولی چیز ہونے کی وجہ سے نہیں کیا گیا۔

ما ترك إلخ: [الحصر في الثلاثة التي ذكرها في هذا الخبر إضافي، و إلا فقد ترك ثيابه وأمتعة بيته، لكنها لم تذكر؛ لكونها يسيرة بالنسبة إلى المذكورات.] سلاحه: بكسر السين، أي: مما كان يختص بلبسه من نحو: سيف ورمح ودرع ومغفرة.

وبغلته: البيضاء التي يختص بركوبها هي "الدلدل"، وكان له بغال أخر، وقد أخرجه البخاري بسنده إلى عمرو بن الحارث بلفظ: ما ترك رسول الله ﷺ عند موته درهما، ولا ديناراً، ولا عبداً، ولا أمة، ولا شيئاً إلا بغلته البيضاء، وسلاحه، وأرضا جعلها صدقة. قال العيني رحمه الله: كانت له ﷺ ست بغال: بغلة شهباء، يقال لها: الدلدل، أهداها له المقوقس، وبغلة يقال لها: فضة، أهداها له فروة الجذامي، فوهبها لأبي بكر، وبغلة بعثها صاحب دومة الجندل، وبغلة أهداها ملك إيلة، يقال لها: إيلية، وقال مسلم: كانت بيضاء، وبغلة أهداها النجاشي، وبغلة أهداها كسرى، و لم يثبت، و لم يكن فيها بيضاء إلا الإيلية، و لم يذكر أهل السير بغلة بقيت بعده ﷺ إلا الدلدل. قالوا: إنها عمرت حتى كانت عند علي رضي الله عنه وبعده عند عبد الله بن جعفر، وكان يحش لها الشعير لتأكله لضعفها، والظاهر أنها هي التي في الحديث؛ لأن الشهبة غلبة البياض على السواد، ومنه تسمى الشهباء بيضاء، مختصراً.

وأرضا: [وهي نصف أرض فَدَك، وثلث أرض وادي القرى، وسهمه من خُمُس خيبر، وحصته من أرض بني النضير.]

جعلها صدقة: قيل: الضمير راجع إلى الثلاثة؛ لقوله عليه السلام: "نحن معاشر الأنبياء، لا نورث، ما تركناه صدقة"، والظاهر أنها للأرض؛ لأن المراد بقوله: "جعلها صدقة" بين كونها من الصدقات حال حيوته، و لم يضف الأرض إليه كالأولين لاختصاصهما به دونها، إذ نفعها كان عاما له و لغيره من عياله.

حدثنا محمد بن المثنّى، حدثنا أبو الوليد، حدثنا حمّاد بن سلمة، عن محمد بن عمرو، عن أبي سلمة، **عن**(٢) أبي هريرة رضي الله عنه قال: جاءت فاطمة إلى أبي بكر رضي الله عنهما، فقالت: من يرثك؟ فقال: **أهلي** وولدي. فقالت: مالي لا أرث أبي؟ فقال أبو بكر: سمعت رسول الله ﷺ يقول: "**لا نُورَث**"، [بحكم الكتاب والسنة] ولكنّي أعول على من كان رسول الله ﷺ يَعُوله،

---

(٢) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائیں اور دریافت فرمایا کہ تمہارا کون وارث ہوگا؟ انھوں نے فرمایا کہ میرے اہل وعیال۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: پھر میں اپنے والد کے متروکہ کی وارث کیوں نہیں بنی؟ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ البتہ (میں وقف کا متولی ہونے کی وجہ سے) جن لوگوں کا روزینہ حضور اقدس ﷺ نے مقرر فرما رکھا تھا اُس کو میں بھی ادا کروں گا اور جن لوگوں پر حضور اقدس ﷺ خرچ فرمایا کرتے تھے اُن پر میں بھی خرچ کروں گا۔

فائدہ: بظاہر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا یہ خیال فرماتی تھیں کہ بادشاہ ہونے کی وجہ سے حضور کے مال کو ترکۂ میراثی قرار نہیں دیا گیا، اس لئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ تمہارا بھی کوئی وارث ہوگا یا نہیں؟ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے شرعی مسئلہ کے موافق جواب مرحمت فرمایا ورنہ ان کی اپنی وصیت کے موافق جس میں اُنھوں نے فرمایا کہ اس مال کو بیت المال

أهلي: أدخل أباه أبا قحافة في الأهل تغليبا، فلا ضير في حصره الوارث في الأهل والولد، ونص على الولد مع دخوله في الأهل؛ لأنه مناط مقصود فاطمة. لا نُورَث: بضم النون وسكون الواو وفتح الراء، وفي نسخة بكسر الراء، وفي المغرب: كسر الراء خطأ رواية، يعني يصح [راية، إذ المعنى: لا نترك ميراثا لأحد لمصيره صدقة، حتى زعم بعضهم أنه الأظهر معنى، ففي الصحاح والمغرب: يقال: أورثه مالا: تركه ميراثا له، ثم قال ميرك: أصل المجهول لا يورث منا، فحذف "من"، واستتر ضمير المتكلم في الفعل، فانقلب الفعل من الغائب إلى المتكلم، ولا يخفى أن هذا مبني على أنه لا يتعدى إلى المفعول الثاني بنفسه، على ماذهب إليه صاحب القاموس وغيره، وأما على ما جعله بعض اللغويين متعديا إليه بنفسه فلا حذف ولا تحويل، ففي التاج للبيهقي: أنه يتعدى إلى المفعول الثاني بنفسه، وبـــ "من"، فيقال: ورث أباه مالا، فالأب والمال كلاهما موروث، وقول فاطمة في هذا الحديث: "من يرثك"، "ومالي لا أرث أبي" موافق له. [والحكمة في عدم الإرث من الأنبياء: أن لا يتمنى بعض الورثة موهم فيهلك، وأن لا يظن هم أهم راغبون في الدنيا وجمعها لورثتهم، وأن لا يرغب الناس في الدنيا وجمعها.]

وأنفق على من كان رسول الله ﷺ ينفق عليه. **حدثنا** محمد بن المثنى، حدثنا يحيى بن كثير العنبريّ أبو غسان، حدثنا شعبة، عن عمرو بن مُرّة، **عن** [٣] أبي **البختري**،

میں واپس کر دینا، اُس کے موافق حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا بھی کوئی وارث نہیں ہوا۔ حضور کا یہ ارشاد کہ "ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا"، مشہور حدیث ہے جو مختلف الفاظ سے نقل کی گئی ہے۔ بعض روایات میں اتنا ہی ہے جو اوپر ذکر کیا گیا، بعض روایات میں ہے کہ ہم انبیاء کی جماعت کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے "مسوّی" میں لکھا ہے۔ یہ مضمون کہ حضور کا کوئی وارث نہیں ہے، دس صحابہ سے زیادہ حضرات سے منقول ہے۔

(۳) **ابوالبختری** رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما دونوں حضرات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اُن کے پاس تشریف لائے، ہر ایک دوسرے پر اعتراض کر رہا تھا اور اُس کو انتظام کے نا قابل بتا رہا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اکابر صحابہ: حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ان سب حضرات کو متوجّہ فرما کر یہ کہا کہ تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں! کیا تم سب نے حضور سے نہیں سُنا کہ نبی کا تمام مال صدقہ ہوتا ہے، بجز اُس کے جو وہ اپنے اہل کو کھلائے، ہم انبیاء کی جماعت کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے۔ اس حدیث میں ایک قصّہ ہے۔ **فائدہ:** امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا مقصود صرف میراث نہ ہونے کا ذکر تھا وہ حاصل ہو گیا تھا اس لئے پورا قصّہ طویل ہونے کی وجہ سے ذکر نہیں فرمایا۔ امام ابو داوٗد نے اس کو ذرا تفصیل سے ذکر کیا اور تھوڑا سا ذکر کرنے کے بعد

وأنفق: الظاهر أنه عطف تفسير كما قاله الحنفي، ويمكن أن يفرق بينهما، بأن يخص قوله: "أعول" بأهل بيته كما يشير إليه لفظ العيال، ويراد بقوله: "أنفق" غير أهل بيته، فاندفع ما جزم به ابن حجر من: أنه جمع بينهما تأكيداً.

البَخْتَريّ: بفتح الموحدة وإسكان الخاء المعجمة وفتح الفوقانية، هو سعيد بن فيروز بن أبي عمر بن أبي عمران، فما قيل: بالحاء المهملة، منسوب إلى البحتر بمعنى: حسن المشي، ليس بشيء، قاله القاري، والحديث أخرجه أبو داود برواية عمرو بن مرزوق، عن شعبة، عن عمرو بن مرة، عن أبي البختري قال: سمعت حديثا من رجل فأعجبني فقلت: اكتبه لي، فأتى به مكتوبا مذبراً: دخل العباس وعلي ﷺ على عمر ﷺ، الحديث مختصراً، وأحال بعض متنه على حديث مالك بن أوس، وقال الحافظ في التقريب: "أبو البختري، عن رجل" لعله مالك بن أوس. وفي الشمائل ترك الواسطة فليحرر، وفي التهذيب: كان كثير الحديث يرسل حديثه، ويروي عن الصحابة، و لم يسمع من كثير أحد، وفيه أيضاً أنه عن عمر مرسل.

أن العبّاس وعليّا جاءا إلى عمر يختصمان، يقول كل واحد منهما لصاحبه: أنت كذا، أنت كذا. فقال عمر [في أيام خلافته] لطلحة والزبير وعبد الرحمن بن عوف وسعدٍ رضي الله عنهم: نشدتكم [سوگند دادن] بالله، أسمعتم رسولَ الله ﷺ يقول: "كل مال نبيّ صدقة إلا ما أطعمه الله، إنا لا نُورَث"؟ وفي الحديث **قصة**. **حدثنا** محمد بن المثنّى، حدثنا صفوان بن عيسى، عن أسامة بن زيد، عن الزهريّ، عن عروة،

مالک بن اوس رضی اللہ عنہ کی حدیث پر جو نمبر ۶ پر آرہی ہے، حوالہ کر دیا، اس لئے کہ مالک بن اوس کی روایت مشہور تھی، حدیث کی سب کتابوں میں کثرت سے ذکر کی گئی۔ بخاری شریف، مسلم شریف اور خود ابو داؤد شریف میں مفصّل مذکور تھی اس لئے ایک قصّہ کو پورا پورا ہر جگہ ذکر کرنا تطویل کا سبب تھا۔

ابو داؤد شریف کی روایت کا ترجمہ یہ ہے کہ ابو البختری کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص سے ایک حدیث سُنی جو مجھے بہت پسند آئی، میں نے اُن سے درخواست کی کہ یہ حدیث مجھے لکھ دیجئے تو وہ ایک نہایت پختہ تحریر لائے۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ یہ شخص غالباً مالک بن اوس ہی ہیں۔ اُس تحریر میں یہ لکھا تھا کہ حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اُس وقت حضرات طلحہ، زبیر، سعد اور عبد الرحمن رضوان اللہ علیہم اجمعین پہلے سے موجود تھے، وہ دونوں حضرات یعنی حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما آپس میں جھگڑ رہے تھے یعنی ایک دوسرے کو بدنظمی کا الزام دے رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت طلحہ وغیرہ چاروں حضرات کو مخاطب بنا کر یہ دریافت فرمایا۔ کیا تم لوگ یہ نہیں جانتے کہ حضور نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ نبی کا ہر مال صدقہ ہوتا ہے مگر وہ مال جو وہ اپنے اہل وعیال کو کھلائے یا پہنائے اس لئے کہ ہم لوگوں کا (یعنی انبیاء کا) کوئی وارث نہیں ہوتا؟ ان چاروں حضرات نے اقرار کیا کہ بے شک حضور نے ایسا فرمایا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ پس حضور اقدس ﷺ اپنی حیات میں اس میں سے اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتے رہے اور جو بچ جاتا تھا اُس کو صدقہ کر دیتے تھے۔ حضور کے وصال کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے اور اپنی دو سالہ زندگی میں وہی عمل درآمد کرتے رہے جو حضور اقدس ﷺ کا معمول تھا۔ اس کے بعد امام ابو داؤد کہتے ہیں کہ مالک بن اوس کی حدیث کے قریب قریب آگے سارا قصّہ ہے۔

قصة: [كما سيذكره في الحديث السادس من الباب أي: في حديث مالك بن أوس.] قصة أخرجها أبو داود وغيره مفصلاً بطرق.

عن[٤] عائشة رضي الله عنها، أن رسول الله ﷺ قال: لا نُورَث، **ما تركنا** فهو صدقة. **حدثنا** محمد بن بشّار، حدثنا عبد الرحمن بن مهديّ، حدثنا سفيان، عن أبي الزِّناد، عن **الأعرج**، **عن**[٥] أبي هريرة رضي الله عنه، عن النبي ﷺ قال: **لا يَقسِم** ورثتي **ديناراً** ولا درهما، ما تركت بعد نفقة **نسائي ومؤنة عاملي**، فهو صدقة.

---

(۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی یہی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا، ہم انبیاء کی جماعت جو مال چھوڑتی ہے وہ صدقہ ہوتا ہے۔ **فائدہ:** یعنی صدقات کے مواقع میں خرچ کیا جاتا ہے۔

(۵) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے ورثہ دینار اور درہم تقسیم نہ کریں۔ میرے ترکہ سے اہل و عیال کا نفقہ اور میرے عامل کا نفقہ نکالنے کے بعد جو کچھ بچے وہ صدقہ ہے۔ **فائدہ:** عامل سے مراد وہ شخص بھی بتلایا گیا ہے جو حضور ﷺ کے بعد خلیفہ وقت ہونے والا ہو اور وہ بھی کہا گیا ہے جو زمینوں کی پیداوار جمع کر کے لانے والا ہو، یعنی ان زمینوں کا منتظم اور نگراں ہو۔ دونوں محتمل ہیں کہ خلیفہ کی تنخواہ بھی بیت المال کے ذمہ ہے اور ہر وقت کے نگراں اور منتظم کو اُس وقف سے **حق الخدمة** لینے کا حق ہے، دینار و درہم کی تخصیص مقصود نہیں ہے۔

ما تركنا: "ما" موصولة، والعائد محذوف، أي: ما تركناه، وقوله: "صدقة" خبر "ما"، والفاء لتضمن المبتدأ معنى الشرط.
الأعرج: [هو عبد الرحمن بن هرمز كان يكتب المصاحف.] لا يَقسم: بفتح التحتية، والنفي بمعنى النهي أبلغ من النهي الصريح.
ديناراً إلخ: التقييد بهما بناءً على الأغلب من المخلفات، أو لأن مرجع الكل في القسمة إليهما، أو المعنى ما يساوي قيمتهما، فهو أولى مما قاله ابن حجر من أن التقييد بهما للتنبيه على أن مافوقهما بذلك أولى قاله القاري، ووافق المناوي ابن حجر. نسائي: [أي: زوجاتي، فنفقتهنّ واجبة في تركته ﷺ مدة حياتهنّ، لأنهن في معنى المعتدات لحرمة نكاحهن أبداً، ولذلك اختُصِصْن بسكنى بيوتهن مدة حياتهن.]
ومؤُنة: المؤنة: الثقل، فعولة من مانت القوم احتملت مؤنتهم، وفي الصحاح: المؤنة تهمز ولا تهمز. قال الفراء: مفعلة من الأين وهو التعب والشدة، وقيل: مفعلة من الأون، وهي الخرج والعدل؛ لأنها تثقل على الإنسان.
عاملي: هو الخليفة بعده أو القائم على تلك الصدقة، والناظر فيها وخادمه في حوائطه ووكيله وأجيره، أو كل عامل للمسلمين، وكان عليه السلام يأخذ من صفاياه نفقة أهله، ثم أبو بكر رضي الله عنه، ثم عمر رضي الله عنه، واستغنى عنه عثمان رضي الله عنه بماله فأقطعها مروان وغيره من أقاربه، فلم تـزل في أيديهم حتى رده عمر رضي الله عنه بن عبد العزيز.

حدثنا الحسن بن عليّ **الخلّال**، حدثنا بشر بن عمر قال: سمعت مالك بن أنس، عن الزهريّ، **عن**(٦) مالك بن أوس بن **الحَدَثَان** قال: دخلت على عمر، فدخل عليه عبد الرحمن بن عوف وطلحة وسعد، وجاء علي والعباس يختصمان.

تمثیل کے طور پر ذکر کیا جاتا ہے جیسا کہ یہ کہہ دیا جائے کہ روپیہ پیسہ تقسیم نہ کریں کہ اور چیزیں بطریقِ اولی داخل ہو گئیں، یا یہ کہا جائے کہ تقسیم ہمیشہ قیمت لگا کر ہوتی ہے جو روپیہ پیسہ ہی کی طرف لوٹ آئے۔

(٦) مالک بن اوس کہتے ہیں کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اُن کے پاس عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اور طلحہ رضی اللہ عنہ اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی تشریف لائے (اُس کے تھوڑی دیر بعد) حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ جھگڑتے ہوئے تشریف لائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سب حضرات کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اُس ذات پاک کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس کے حکم سے زمین وآسمان قائم ہیں، کیا تمہیں حضور کے اس ارشاد کا علم ہے کہ ہم انبیاء کی جماعت کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے، جو کچھ ہم ترکہ چھوڑ جاتے ہیں وہ سب صدقہ ہوتا ہے؟ اُن سب حضرات نے فرمایا کہ بے شک یہ حضور نے ارشاد فرمایا ہے۔ اس حدیث میں ایک طویل قصّہ ہے۔

فائدہ: یہ وہی قصّہ ہے جس کی طرف نمبر ۳ پر ابوالبختری کی روایت میں بھی اشارہ گزر چکا ہے۔ قصّہ طویل ہے اور حدیث کی تقریباً ساری کتب میں مختصر یا مفصّل نقل کیا گیا ہے۔ بخاری شریف کی حدیث سے اس کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے اور توضیح کے طور پر فتح الباری وغیرہ سے دوسری روایات میں جو اضافے ہیں وہ بھی بقدرِ ضرورت ساتھ ہی ذکر کیے جا رہے ہیں۔

مالک بن اوس کہتے ہیں کہ میں اپنے گھر تھا، دن کچھ چڑھ گیا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قاصد مجھے بلانے آیا، میں حاضرِ خدمت ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک بوریے پر بیٹھے ہوئے تھے جس پر کوئی اور کپڑا بھی بچھا ہوا نہ تھا۔ میں سلام کر کے بیٹھ گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تمہاری قوم کے کچھ ضرورت مند لوگ آئے تھے، میں نے اُن کو کچھ دینے کو کہہ دیا ہے، تم اس کو لیجا کر ان پر تقسیم کر دو۔ میں نے عرض کیا کہ تقسیم کے لئے کسی اور کو تجویز فرمادیتے تو اچھا تھا۔ ارشاد فرمایا کہ نہیں، تم ہی تقسیم کر دو۔

الخلال: بفتح المعجمة وتشديد اللام الأولى. الحَدَثَان: بمهملتين المفتوحتين فالمثلثة.

فقال لهم عمر: **أَنشُدكم** بالذي بإذنه تقوم السَّماء والأرض، أتعلمون أن رسول الله ﷺ قال: لا نُورَث، ما تركنا صدقة؟ فقالوا: **اللّٰهم** نعم. وفي الحديث **قصة طويلة**. **حدثنا** محمد بن بشّار، حدثنا عبد الرحمن بن مهديّ، حدثنا سفيان، عن عاصم بن بَهْدَلَةَ عن **زِرّ بن حُبيش**،

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ آپ کے خادم جن کا نام یرفا تھا، حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرات عثمان، عبد الرحمن بن عوف، زبیر اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم حاضری کی اجازت چاہتے ہیں۔ بعض روایات میں حضرت طلحہ کا بھی شمار ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حاضری کی اجازت دے دی۔ یہ حضرات تشریف لے آئے اور سلام کر کے بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر میں یرفا دوبارہ آئے اور عرض کیا کہ حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما حاضری کی اجازت چاہتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اجازت فرمادی، وہ دونوں تشریف لائے اور سلام کر کے بیٹھ گئے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے اور اس ظالم کے درمیان میں فیصلہ کر دیجئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو "ظالم" کے علاوہ اور بھی کچھ سخت لفظ کہے، دونوں حضرات میں آپس میں سخت کلامی ہوگئی۔ حضرت عثمان وغیرہ حضرات جو پہلے سے بیٹھے تھے، انھوں نے ان کی تائید اور سفارش کی کہ آپ ان کا فیصلہ ضرور کر دیجئے اور ایک کو دوسرے سے نجات دیجئے۔ مسلم کی روایت میں یہ بھی ہے۔ مالک بن اوس کہتے ہیں کہ مجھے ان کی سفارش اور تائید کے انداز سے یہ خیال ہوا کہ ان دونوں حضرات نے ان سب حضرات کو اپنی تائید ہی کے لئے آگے بھیجا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ذرا ٹھہرو۔ اس کے بعد اُس جماعت کی طرف خطاب کر کے فرمایا۔ تم کو اُس پاک ذات کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس کے حکم سے آسمان زمین قائم ہیں، کیا تم کو معلوم ہے حضور نے ارشاد فرمایا کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا، ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں صدقہ ہوتا ہے؟ اُس جماعت نے اقرار کیا کہ بے شک! حضور نے یہ ارشاد فرمایا۔

أَنشُدكم: بفتح الهمزة وضم المعجمة، أي: أسألكم أو أقسم عليكم قاله القاري. زاد المناوي: من أنشد، وهو رفع الصوت. اللّٰهم: صدر الكلام به لتأكيد الحكم كما هو العرف، وللاحتياط والتحرز عن الوقوع في الغلط. والميم فيه بدل حرف النداء، والمقصود من النداء في حقه سبحانه هو التضرع والتذلل لا حقيقة النداء؛ فإنه ليس ببعيد ولا بغائب قاله القاري. قصة طويلة: [بسطها مسلم في صحيحه في أبواب الفيء.] زرّ بن حُبيش: بكسر الزاي وتشديد الراء، وحبيش بضم الحاء المهملة تصغير حبش.

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان دونوں حضرات عباس و علی رضی اللہ عنہما کی طرف متوجہ ہوئے اور اسی طرح ان سے بھی قسم دے کر دریافت کیا۔ ان دونوں حضرات نے بھی اس کا اقرار کیا۔ اُس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شروع سے سُنو! اللہ جل شانہ نے یہ فیئ کا مال (باغ وغیرہ) مخصوص طور پر حضور کو دیا، کسی دوسرے کی اس میں شرکت نہ تھی، لیکن حضور نے اس کو اپنے لئے مخصوص نہیں فرمایا بلکہ تم لوگوں پر تقسیم کر دیا اور بہت تھوڑا سا حصّہ زمین کا اپنے اور اپنے عیال کے گزران کے لئے رکھا اور اُس میں بھی گھروں میں تھوڑا سا دینے کے بعد جو بچتا وہ اللہ کے راستہ میں خرچ فرما دیتے تھے۔ میں تم لوگوں کو قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا ایسا ہی تھا یا نہیں؟ اول ان پانچوں کو قسم دے کر ان سے اس کی تصدیق کرائی، اُس کے بعد ان دونوں حضرات سے قسم دے کر تصدیق کرائی۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کے بعد حضور کا وصال ہو گیا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے اور اُنھوں نے اس سب پیداوار میں اُسی طرز کو جاری رکھا جو حضور کا معمول تھا اور اللہ پاک کی قسم! ابو بکر اپنے اس رویّہ میں نیکی پر تھے، رہِ راست پر تھے، حق کا اتباع کرنے والے تھے، لیکن تم لوگوں نے ان کو چناں چنیں سمجھا، تم (حضرت عباس) اپنے بھتیجے (ﷺ) کی میراث طلب کرنے آئے اور تم (حضرت علی) اپنی بیوی کے حصّہ کا مطالبہ کرنے آئے۔

حضرت ابو بکر نے حضور کا ارشاد کہ "ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا" سنایا، تم نے ان کی بات کو صحیح نہ سمجھا، اس کے بعد حضرت ابو بکر نے وفات پائی اور میں خلیفہ بنا اور اپنی خلافت کے ابتدائی دو سال تک حضور اقدس ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے طریقہ کے موافق اُس میں عمل کرتا رہا اور اللہ جلّ شانُہٗ خوب جانتا ہے کہ میں اپنے اس طرز میں سچا ہوں، نیکی پر عمل کرنے والا ہوں، حق کا اتباع کرنے والا ہوں۔ اُس کے بعد تم دونوں میرے پاس آئے اور وہی ایک کلمہ، ایک بات، بھتیجے کی میراث کا مطالبہ اور بیوی کا حصّہ۔ میں نے تم سے حضور کا ارشاد کہ "ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا" سُنا دیا، اُس کے بعد میں نے مناسب سمجھا کہ بطور تولیت کے تمہارے حوالے کر دوں تو میں نے تم سے عہد و پیان لیا کہ تم اس میں اُسی طرح عمل درآمد کرو گے جس طرح حضور اقدس ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دو برس تک میں خود عمل کرتا رہا ہوں۔ تم نے اس کو قبول کیا اور اس طرح میں نے اس کو تمہارے حوالہ کیا۔ تمہیں قسم دے کر پوچھتا ہوں! کیا میں نے اسی طرح حوالہ نہیں کیا تھا؟ اُس جماعت نے بھی اس کا اقرار کیا اور ان دونوں حضرات نے بھی اس کا اقرار کیا۔

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اب تم اس کے خلاف مجھ سے فیصلہ کرانا چاہتے ہو، اُس ذات کی قسم جس کے حکم سے آسمان وزمین قائم ہیں، اس کے خلاف ہر گز فیصلہ نہ کروں گا۔ اگر تم اس کے انتظام سے عاجز ہو تو مجھے واپس کر دو، میں خود انتظام کر لوں گا۔ یہ ہے وہ طویل قصّہ جس کی طرف امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ کیا ہے کہ اس حدیث میں طویل قصّہ ہے۔ اس میں چند امور قابل لحاظ ہیں:

۱: حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ظالم وغیرہ الفاظ سے تعبیر کیا اور دونوں حضرات میں سخت کلامی ہوئی، یہ چیز بظاہر مستبعد معلوم ہوتی ہے، مگر ایک تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے چچا ہیں، اس حیثیت سے ان کو تنبیہ کا حق ہے، دوسرے جب وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ناحق سمجھ رہے ہیں جس کی تفصیل آگے آرہی ہے تو ان کے فعل کو ظلم سمجھنا ہی چاہئے۔

۲: یہ کہ جب حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کو یہ حدیث معلوم تھی جیسا کہ انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوال پر اقرار کیا تو پھر کیوں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا اور کیوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا؟ اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ پہلے سے معلوم نہ تھی، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے کہنے سے معلوم ہوئی تو پھر جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اس حدیث کی وجہ سے انکار فرما چکے تھے تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دوبارہ کیوں سوال کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث تو یقیناً اُن کو معلوم تھی مگر بظاہر اس حدیث کو وہ مخصوص سمجھتے تھے، مثلاً: درہم اور دینار ہی کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہوں، جیسا کہ پہلے ایک حدیث میں ان دونوں کا ذکر آچکا ہے، لیکن اور سب حضرات کے نزدیک سب چیزوں کو شامل ہے، جیسا کہ بہت سی حدیثوں میں ''جو کچھ میں چھوڑوں وہ صدقہ ہے'' کا لفظ آیا ہے۔

اس صورت میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے اولاً سوال اپنے اُس خیال کے موافق ہو کہ یہ حضرات اُس کو خصوصیت پر سمجھتے تھے اور اُس کے بعد دوبارہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ان سے سوال اس خیال سے ہو کہ شاید حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے ان دونوں حضرات کے موافق ہو، یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اس کو مخصوص خیال فرماتے ہوں، لیکن مطالبہ کے بعد معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے بھی وہی ہے جو اور سب حضرات کی ہے اور حدیث کے الفاظ کا ظاہر بھی یہی ہے کہ یہ ارشاد سب چیزوں کو شامل ہے، کسی چیز کی تخصیص نہیں۔

یہاں ایک نہایت اہم اور ضروری چیز یہ ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ جب حضراتِ شیخین رضی اللہ عنہما کے متعلق ہم لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ حضور اقدس ﷺ کے پاک ارشاد کی وجہ سے میراث تقسیم کرنے سے معذور و مجبور تھے اور باوجود ان حضرات کے اصرار کے تقسیم نہ فرمایا، وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ ان اکابر کی شان میں کسی قسم کا سوءِ ظن کرنا کہ حب مال کی وجہ سے بار بار اصرار کرتے تھے اور حضور کے اس صاف اور صریح ارشاد کے خلاف عمل چاہتے تھے، انتہائی بے ادبی ہے، اُن کا اصرار اس وجہ سے تھا کہ یہ حضرات اس کو ایک شرعی حق سمجھتے تھے اسی وجہ سے اپنی تحقیق کے خلاف ہونے کی وجہ سے مخالفت کرنے والوں پر انکار کرتے تھے، جس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اس کلام سے ظاہر کیا کہ تم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو چناں چنیں سمجھا۔

۳: یہ کہ جب حضرت ابو بکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے انکار پر اور حضور کے اس ارشاد پر کہ "ہمارا کوئی وارث نہیں بنتا" ان دونوں حضرات نے متفقہ طور پر اپنی ولایت میں لے لیا تھا تو اب آپس میں جھگڑا پیدا ہو جانے کی کیا وجہ ہے جس کی وجہ سے آپس میں سخت کلامی کی نوبت آئی اور اب تقسیم کی استدعا کس وجہ سے تھی جب کہ پہلے ہی سے تقسیم کا انکار ہوتا چلا آیا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ چیز تو محقق ہوگئی تھی کہ اس میں میراث جاری نہیں ہوتی اسی وجہ سے حضراتِ شیخین رضی اللہ عنہما نے انکار بھی کر دیا تھا اور ان حضرات نے قبول بھی کر لیا تھا، اس کے باوجود پھر ان دونوں حضرات کا آپس میں تقسیم کے مطالبہ کی وجہ میرے والد صاحب نے یہ ارشاد فرمائی تھی کہ کیفیتِ خرچ میں دونوں میں کثرت سے اختلاف ہوتا تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نہایت منتظم اور مدبّر تھے، دور اندیش تھے، وہ ہر مال کو نہایت احتیاط سے خرچ فرمانا چاہتے تھے اور ضرورت کے مواقع کے لئے پس انداز اور ذخیرہ فراہم رکھنا چاہتے تھے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نہایت فیاض، سخی، زاہد اور متوکل تھے، حضور کے طرز کے موافق جو آیا فوراً تقسیم کر دینا چاہتے تھے کہ ایک درہم بھی باقی نہ بچے، اس وجہ سے دونوں حضرات میں ہر وقت کشاکشی پیش آتی تھی۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں دار قطنی کی روایت سے نقل کیا ہے کہ ان حضرات کا آپس کا اختلاف میراث کے بارے میں نہیں تھا۔ بلکہ تولیت اور مصارف کے بارے میں تھا کہ اس پیداوار کو کس طرح صرف کیا جائے۔ امام ابو داؤد نے لکھا ہے کہ ان دونوں حضرات کی درخواست یہ تھی کہ اس مال کو دونوں میں نصف نصف تقسیم کر دیا جائے، نہ یہ کہ حضور کے ارشاد کے بعد اب میراث کا مطالبہ تھا۔

عنْ[7] عائشة رضی اللہ عنہا قـــالت: ما تــرك رسول الله ﷺ ديناراً ولا درهماً ولا شاةً ولا بعيراً.
قال: وأشك في العبد والأمة. مملوکین

۴: یہ کہ جب یہ حضرات تولیت علیحدہ کرنا چاہتے تھے، میراث نہیں چاہتے تھے تو پھر عمر رضی اللہ عنہ کو کیا مانع تھا؟ اس میں بظاہر کوئی اشکال نہ تھا کہ ہر ایک کا تولیت نامہ علیحدہ ہوتا، وہ اپنی رائے سے اپنی پیداوار کو جلدی یا بدیر تقسیم کرتا۔ اس کی وجہ علماء نے لکھی ہے کہ اس صورت میں بعد میں میراث بن جانے کا احتمال تھا اور اس پر استدلال کی گنجائش ملتی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے پہلے فیصلے سے رجوع کر لیا۔ اس لئے کہ دونوں میں نصف نصف تقسیم ہی میراث کی تقسیم تھی کہ آدھا بیٹی کا حصّہ ہے اور آدھا عصبہ ہونے کی وجہ سے چچا کا۔ اس لئے اگر یہ فیصلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ منظور فرما لیتے تو بعد میں آنے والوں کو اس جائیداد کے میراث ہونے کے لئے حضرت عمر کا یہ فیصلہ ہی دلیل اور حجت بن جاتا۔

۵: یہ کہ ابتداءً ان حضرات اہل بیت کا خیال اگرچہ یہی تھا کہ یہ میراث ہے اور اسی لئے اس کا حضرات شیخین سے مطالبہ ہوا مگر اخیر میں ان حضرات کی رائے بھی شیخین کی رائے کے موافق ہوگئی تھی، اسی لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں اس کو اسی طرح باقی رکھا، ورنہ اگر وہ میراث سمجھتے تو اپنی خلافت کے زمانہ میں اُس کو تقسیم کر دیتے۔ ابتدا میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مشترک تولیت رہی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اس سے علیحدگی اختیار فرمالی، تنہا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قبضہ میں رہی، پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے، پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے، پھر علی بن حسین کے (فتح الباری)۔ یہ چند ضروری ابحاث مختصر طور پر اس قصّہ کے متعلق ذکر کر دی گئیں ہیں، ان کے علاوہ اور بھی ابحاث اس میں ہیں جن کو اختصار کی وجہ سے ترک کر دیا گیا۔

(۷) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ دینار چھوڑا، نہ درہم، نہ بکری، نہ اونٹ۔ راوی کہتے ہیں کہ مجھے غلام اور باندی کے ذکر میں شک ہوگیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بھی فرمایا تھا کہ "نہ غلام، نہ باندی" یا نہیں فرمایا۔

فائدہ: کسی نقل کرنے والے کو اس روایت میں تردد ہوگیا اس لئے انھوں نے اس پر متنبہ کر دیا۔ دوسری روایات میں اس کی تصریح ہے کہ نہ غلام نہ باندی۔

قال: أي: زر الراوي عن عائشة على ما هو الظاهر، كما قال به ميرك، وجزم به ابن حجر، ويحتمل أن يكون فاعله راو آخر دونه. قال القاري: شك الراوي في أن عائشة رضي الله عنها هل ذكرهما أم لا، وإلا ففي البخاري عن جويرية: ولا عبداً ولا أمة.

بابُ ما جاء في رؤية رسول الله ﷺ في المنام

حدثنا محمد بن بشّار، حدثنا عبد الرحمن بن مهديّ، حدثنا سفيان، عن أبي إسحاق، عن أبي الأحوص،

باب۔ حضور اقدس ﷺ کو خواب میں دیکھنے کا تذکرہ

فائدہ: خواب کی حقیقت کیاہے اور یہ واقعی چیز ہے یا مجرّد خیالات ہیں۔ طویل بحثیں ہیں جو اس جگہ کے مناسب نہیں ہیں۔ مثلاً اطباء کا خیال ہے کہ آدمی کے مزاج میں جس خلط کا غلبہ ہوتا ہے اُس کے مناسبات خیال میں آتے ہیں، جیسے کسی کا مزاج بلغمی ہو تو پانی اور اُس کے متعلقات دریا، سمندر، پانی میں تیرنا وغیرہ دیکھے گا اور جس کے اندر صفرا کا غلبہ ہو وہ آگ اور اُس کے متعلقات دیکھے گا یا ہوا میں اُڑنا وغیرہ، اسی طرح دوسرے اخلاط دم اور سودا کا حال ہے۔ فلاسفہ کے نزدیک جو واقعات عالم میں رونما ہوتے ہیں ان کی صورتِ مثالیہ فوٹو کی طرح سے عالم بالا میں منقوش ہے، اس لئے نفس کے سامنے ان میں سے کوئی چیز آتی ہے تو اُس کا انعکاس ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ اقوال مختلفہ ہیں۔ اہل سنت کے نزدیک یہ تصورات ہیں

رؤية: اختلفوا في أن الرؤية والرؤيا متحدتان أو مختلفتان، والأظهر أن الأولى أعم؛ ولذا قيدها المصنف بالمنام، وقال صاحب الكشاف: الرؤيا بمعنى الرؤية إلا أنها مختصة بما كان منها في المنام، وقال الواحدي: الرؤيا مصدر كالبشرى والسقيا، إلا أنه لما صار اسما لهذا المتخيل في المنام جرى مجرى الأسماء. قال المناوي: اختلفوا في الرؤيا، وطال خبطهم فللأطبّاء والحكماء والمنجمين والمعتزلة فيه كلام، كله رجم بالغيب، فالطبيعيون جعلوها لغلبة الأخلاط، وكثير من الحكماء ذكروا أن الصور منقوشة في ظل العرش، فعند زوال الحجب الظلمانية تنتقش الصور الغيبة في غيب النفس، ومال إليه ابن عربي، وزعم متقدموا المعتزلة أنه تخيلات لا حقيقة لها، والقاضي أبو بكر أنها خواطر واعتقادات، وقال القاري: حقق البيضاوي في تفسيره أنها انطباع الصورة المنحدرة من أفق المتخيلة إلى الحس المشترك، والصادقة منها إنما تكون باتصال النفس بالملكوت؛ لما بينهما من المناسبة عند فراغها عن تدبير البدن، ثم المتخيلة تحاكيه بصورة تناسبه فترسلها إلى الحس المشترك فتصير مشاهدة، ثم إن كانت شديدة المناسبة لذلك المعنى بحيث لا يكون التفاوت إلا بالكلية والجزئية استغنت الرؤيا عن التعبير وإلا احتاجت إليه. وقال المناوي: مذهب أهل السنة أن حقيقة الرؤيا خلق الله تعالى في قلب النائم اعتقادات كخلقها في قلب اليقظان، وهو سبحانه وتعالى يفعل ما يشاء، وخلقها علم على أمور أخر يلحقها في ثاني الحال، كالغيم علما على المطر، وبسط شيء من ذلك في هامش الكوكب الدري.

جن کو حق تعالیٰ شانہ بندہ کے دل میں پیدا کرتے ہیں جو کبھی بواسطہ فرشتے کے پیدا کیے جاتے ہیں اور کبھی شیطان کے ذریعہ سے۔ علماء نے لکھا ہے کہ خواب تین طرح کا ہوتا ہے: ایک تو اُس فرشتہ کے تصرف سے ہوتا ہے جو اُس پر مقرر ہے، یہ حق ہوتا ہے اور دوسرا شیطانی اثر سے ہوتا ہے کہ شیطان اپنے تصرف سے کچھ مثالیں اور تصویریں دکھاتا ہے۔ تیسرے نفسانی خطرات بھی اس کا سبب ہوتے ہیں کہ جس قسم کے خیالات جاگتے ہوئے آتے ہیں وہی سوتے ہوئے دل میں گزرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے پاک ارشاد سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ ابو داؤد شریف میں حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ذکر کیا ہے کہ خواب تین طرح کا ہوتا ہے: ایک رؤیا صالحہ یعنی مبارک خواب۔ یہ اللہ کی طرف سے بشارت ہوتی ہے۔ دوسرا اڈراؤنا خواب جو شیطان کی طرف سے رنج پہنچانا ہوتا ہے۔ تیسرا وہ خواب جو آدمی کے اپنے خیالات اور وساوس ہوتے ہیں۔

علمائے تعبیر نے لکھا ہے کہ جو فرشتہ خواب دکھانے پر متعین ہے اُس کا نام "صدیقون" ہے، جو مثالوں سے آدمیوں کو خواب کی شکل میں سمجھاتا ہے۔ یہ عام خواب کے متعلق ہے۔ حضور اقدس ﷺ کی زیارت اگر خواب میں ہو تو وہ تصرّفاتِ شیطانی سے خالی ہوتی ہے۔ خود نبی کریم ﷺ کا ارشاد متعدّد احادیث میں آرہا ہے کہ جس نے مجھ کو خواب میں دیکھا اُس نے حقیقتاً مجھ ہی کو خواب میں دیکھا، اس لئے کہ شیطان کو یہ قدرت نہیں ہے کہ وہ میری صورت بنالے۔ اس کے باوجود اگر کوئی شخص نبی کریم ﷺ کی خواب میں زیارت ایسی طرح کرے کہ حضور کی شان کے مناسب نہیں ہے، مثلاً: جو حلیہ شریف آپ کا شروع کتاب میں گزرا ہے، اُس کے خلاف دیکھے۔ یا کوئی ایسی بات دیکھے جو آقائے نامدار ﷺ کی بیماری یا پریشانی وغیرہ کو ظاہر کرے، یا کسی ایسے کام کا حکم کرتے یا منع کرتے ہوئے دیکھے جو خلافِ شرع ہو۔ یا شانِ نبوی کے مناسب نہ ہو تو وہ دیکھنے والے کی غلطی، کوتاہی اور قصور کی بنا پر ہوتا ہے، اس کو شراح و مشائخ آئینہ سے تشبیہ دیا کرتے ہیں کہ ایک شے کو اگر سُرخ آئینہ میں دیکھو تو سُرخ نظر آتی ہے اور سبز میں سبز ایسے ہی سیاہ سفید اور لمبی چوڑی، غرض مختلف الانواع نظر آتی ہے۔ اسی طرح خواب میں ذات تو نبی کریم ﷺ ہی کی نظر آتی ہے لیکن اُس ذات اقدس کے ساتھ جو احوال اوراوصاف نظر آتے ہیں وہ خواب دیکھنے والے کے تخیل اور ادراک کا اثر ہے کہ جس قسم کے احوال دیکھنے والے کے ہونگے ویسی ہی صفات کے ساتھ زیارت نصیب ہوگی، مثلاً: بعض صوفیہ نے لکھا ہے کہ جو شخص خواب میں دیکھے کہ نبی کریم ﷺ اس کو دنیا کمانے کی ترغیب دے رہے ہیں تو اس میں دیکھنے والے کی ظلمت کا شمول ہے کہ وہ کسی مکروہ فعل کے ارتکاب میں بلاارادہ مبتلا ہے۔

عن[1] عبد الله رضي الله عنه، عن النبي ﷺ قال: **من رآني في المنام فقد رآني، فإن الشيطان لا يتمثّل بي. حدثنا** محمد بن بشّار ومحمد بن المثنّى قالا: حدثنا محمد بن جعفر، حدثنا شعبة، عن **أبي حَصين**، عن أبي صالح، **عن**[2] أبي هُريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: من رآني في المنام فقد رآني،

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں سات حدیثیں ذکر فرمائی ہیں:

(۱) عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے مجھے خواب میں دیکھا اُس نے حقیقتاً مجھ ہی کو دیکھا ہے، اس لئے کہ شیطان میری صورت نہیں بنا سکتا۔

(۲) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی آپ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ جس نے خواب میں مجھے دیکھا اُس نے حقیقتاً مجھ ہی کو دیکھا ہے، اس لئے کہ شیطان میری صورت نہیں بنا سکتا۔ **فائدہ:** حق تعالیٰ جَلَّ شانُہٗ نے جیسا کہ عالمِ حیات میں حضور اقدس ﷺ کو شیطان کے اثر سے محفوظ فرما دیا تھا ایسے ہی حضور کے وصال کے بعد بھی شیطان کو یہ قدرت مرحمت نہیں فرمائی کہ وہ آپ کی صورت بنا سکے۔ یہ امر طے شدہ ہے۔ اس کے بعد یہ بحث ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی ذات مبارک بعینہٖ نظر آتی ہے یعنی یہ کہ دیکھنے والے میں اتنی قوت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ ذات اقدس ہی کی زیارت اپنی جگہ پر کرے یا صورتِ مثالی کی زیارت ہوتی ہے،

من رآني: [أي: من رآني في حالة النوم فقد رآني حقا، أو فكأنما رآني في اليقظة، فهو على التشبيه والتمثيل.] **المنام:** قال المناوي: أي: في حال المنام، وقول العصام: "في وقت النوم" فيه نظر. وفي البذل عن فتح الودود: قيل: هذا مختص بصورة المعهودة، فيعرض على الشمائل الشريفة المعلومة، فإن طابقت الصورة المرئية تلك الشمائل فهي رؤياحق، وإلا فالله أعلم بذلك، وقيل: بل في أي صورة كانت، وقد رجحه كثير بأن الاختلاف إنما يجيء من أحوال الرائي، كذا في هامش الكوكب.

فقد رأبي: استشكل في الحديث: بأن الشرط والجزاء متحدان، وأجيب: بأن اتحادهما دال على التناهي في المبالغة، أي: فقد رأى حقيقتي على كمالها لا شبهة ولا ارتياب.

فإن الشيطان: [أي: لا يستطيع ذلك؛ لأن الله سبحانه وتعالى جعله محفوظا من الشيطان في الخارج، فكذلك في المنام، سواء رآه على صفته المعروفه أو غيرها، وإنما ذلك يختلف باختلاف حال الرائي.] **لا يتمثّل:** قال بعض شراح المصابيح: ومثله في ذلك جميع الأنبياء والملائكة. وما ذكره احتمال جزم به البغوي في شرح التنبيه، وقال: كذلك حكم القمرين والنجوم والسحاب الذي ينـــزل فيه الغيث، لايتمثل الشيطان بشيء منها. **أبي حصين:** بفتح مهملة أول الحروف، ثم صاد مهملة مكسورة. قال المناوي وتبعه البيجوري: هو أحمد بن عبد الله بن يونس التميمي. وليس بصواب عندي، بل الظاهر أنه عثمان بن عاصم الأسدي، فإن أحمد من العاشرة، كيف يروي عن الصحابي.

فإنَّ الشيطان لا يتصوّر -أو قال: لا يتشبّه- بي. **حدثنا** قتيبة، حدثنا خَلَف (بفتحتين) بن خليفة، عن أبي مالك الأشجعيّ، **عن**[٣] أبيه قال: قال رسول الله ﷺ: من رآني في المنام فقد رآني. قال أبو عيسى: وأبو مالك هذا هو سعد بن طارق بن أشيم. **وطارق** بن **أشيم** هو من أصحاب النبي ﷺ، وقد روى عن النبي ﷺ أحاديث. **وسمعت** عليَّ بن حُجر يقول: قال خَلَف بن خليفة: رأيت **عمرو** بن حُريث صاحب النبيّ ﷺ وأنا غلام صغير.

جیسے کوئی شخص آڑ میں بیٹھ کر اپنے سامنے ذرا فاصلے سے ایک آئینہ رکھ لے اور دوسرا شخص جو اس آڑ کے پیچھے ہے، جو اس آئینہ کو دیکھے تو اس آئینہ میں اس بیٹھنے والے شخص کی مثال ہوگی، بعینہ اُس کی ذات آئینہ میں نہیں آرہی ہے۔ صوفیہ کا قول ہے کہ دونوں طرح زیارت ہوتی ہے، بعض لوگوں کو بعینہ ذاتِ اقدس کی زیارت ہوتی ہے اور بعض کو آئینہ کی طرح۔ مثال کی یہی وجہ ہے کہ بعض مرتبہ دوسرے لوگوں کی صورت میں حضور کی زیارت ہوتی ہے کہ گویا وہ آئینہ ہے نبی کریم ﷺ کی صورت کا۔

(۳) طارق بن اشیم سے بھی یہ ارشاد نبوی منقول ہے کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے حقیقتاً مجھ ہی کو دیکھا، اس لئے کہ شیطان میری صورت نہیں بنا سکتا۔ فائدہ: ان روایات پر یہ اشکال ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ایک ہی وقت

طارق: أي: والد أبي مالك، صحابي قد روى عنه ﷺ غير هذاالحديث فثبت صحبته ﷺ. أشيم: بهمزة مفتوحة فمعجمة فتحتية مفتوحة. وسمعت: ذكره المصنف استطرادا، ولما أنه إن ثبت فيحصل للمصنف علو الإسناد، فإن بين المصنف وبين النبي ﷺ على هذا ثلاثة: علي، وخلف، وعمرو، إلا أنهم اختلفوا في سماع خلف عن عمرو كما سيأتي.

عمرو: اختلف في سماع خلف عن عمرو. قال الحافظ في تهذيبه: قال عبدالله بن أحمد بن حنبل: سمعت أبي يقول: قال رجل لسفيان بن عيينة: يا أبا محمد! عندنا رجل يقال له: خلف بن خليفة، يزعم أنه رأى عمرو بن حريث، فقال: كذب، لعلّه رأى جعفر بن عمرو بن حريث. وقال أبو الحسن الميموني: سمعت أبا عبد الله لسائل هل رأى خلف عمرواً؟ قال: لا، ولكنه عندي شبه عليه، هذا ابن عيينة وشعبة والحجاج لم يروا عمرو بن حريث، ويراه خلف هذا، وقد روى عن خلف بن خليفة: فرض لي عمر بن عبدالعزيز وأنا ابن ثمان سنين، وعلي هذا فيكون مولده ٩١ أو ٩٢: لأن ولاية عمر كانت ٩٩ فيبعد إدراكه لعمرو بن حريث بعداً بينا، فإن عمرواً توفي سنة ٨٥. قال الحافظ في التقريب في ترجمة خلف: ادعى أنه رأى عمرو ابن حريث الصحابي فأنكر عليه ذلك ابن عيينة وأحمد.

حدثنا قتيبة هو ابن سعيد، حدثنا عبد الواحد بن زياد، **عن**[٤] عاصم بن كليب قال: حدثني أبي، أنه سمع أبا هُريرة يقول: قال رسول الله ﷺ: من رآني في المنام فقد رآني، فإن الشيطان **لايتمثّلني**. قال أبي: فحدّثتُ به ابن عباس، فقلت: قد رأيتُه، فذكرت الحسن بن علي، فقلت: شبّهتُه به. فقال ابن عباس: إنه **كان يُشبِهه**.

میں مختلف شہروں میں، مختلف ملکوں میں مختلف لوگ زیارت کرتے ہیں، حضور ﷺ بیک وقت کہاں کہاں تشریف لے جا سکتے ہیں، کچھ وقعت نہیں رکھتا، اس لئے کہ مختلف لوگوں کی زیارت کے لئے یہ ضروری نہیں کہ حضور ﷺ سب جگہ تشریف لے جائیں، بلکہ ایک ہی جگہ سب کو زیارت ہو سکتی ہے کہ آفتاب اپنی جگہ قائم ہے اور مختلف لوگ دور دور کے شہروں سے اس کو دیکھتے ہیں اور پھر جس قسم کی عینک سبز، سرخ، سیاہ لگا کر دیکھیں گے آفتاب ویسا ہی نظر آئے گا حالانکہ آفتاب ایک ہی صورت پر ہے۔

(۴) کلیب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد سنایا کہ جو مجھے خواب میں دیکھے وہ حقیقتاً مجھ ہی کو خواب میں دیکھتا ہے، اس لئے کہ شیطان میرا شبیہ نہیں بن سکتا۔ کلیب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے تذکرہ کیا اور یہ بھی کہا کہ مجھے خواب میں زیارت اقدس میسّر ہوئی ہے، اس وقت مجھے امام حسن رضی اللہ عنہ کا خیال آیا، میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں نے اس خواب کی صورت کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی صورت کے بہت مشابہ پایا۔ اس پر ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اسکی تصدیق فرمائی کہ واقعی حضرت حسن رضی اللہ عنہ آپ کے بہت مشابہ تھے۔ فائدہ: بعض روایات میں آیا ہے کہ سینہ اور اسکے اوپر کا حصہ بدن کا تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا حضور اقدس ﷺ کے مشابہ تھا اور بدن کا نیچے کا حصہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا حضور اقدس ﷺ کے زیادہ مشابہ تھا۔

لا يتمثّلني: لأنه تعالى وإن أمكنه في التصور بأي صورة أراد لم يمكنه من التصور بصورته ﷺ. قال المناوي: حكي من البارزي واليافعي والجيلي والشاذلي والمرسي وعلي وفا والقطب القسطلاني وغيرهم أنهم رأوه ﷺ يقظة، قال ابن أبي جمرة: ومنكر ذلك إن كان ممن يكذب بكرامات الأولياء فلا كلام معه، وإن لم يكن فهذه منها؛ إذ يكشف لهم بخرق العادة علي أشياء في العالم العلوي والسفلي. كان يشبهه: قال القاري: أي: الحسن كان يشبه النبي ﷺ، وعكسه المناوي، قال: أي: النبي ﷺ كان يشبه الحسن، وكل منهما رجّح مختاره وتعقب عكسه. والأوجه عندي ما قال القاري.

حدثنا محمد بن بشّار، حدثنا ابن أبي عديّ ومحمد بن جعفر قالا: حدثنا عوف بن أبي جميلة، عن (٥) يزيد الفارسيّ - وكان يكتب المصاحف - قال: رأيت النبي ﷺ في المنام زمن ابن عبّاس، فقلت لابن عباس: إني رأيت رسول الله ﷺ في النوم، فقال ابن عباس: إن رسول الله ﷺ كان يقول: إنّ الشيطان لا يستطيع أن يتشبّه بي، فمن رآني في النوم فقد رآني، هل تستطيع أن تنعت هذا الرجل الذي رأيته في النوم؟ قال: نعم، أنعت لك: رجلا بين الرَّجُلين جسمه ولحمه، أسمر إلى البياض، أكحل العينين، حسنُ الضَّحِك، جميل دوائر الوجه،

سواد العينين خِلقة

(٥) یزید فارسی کلام اللہ شریف لکھا کرتے تھے، ایک مرتبہ خواب میں حضور ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس وقت زندہ تھے، ان سے خواب عرض کیا۔ انھوں نے اول ارشادِ نبوی سنایا کہ جو مجھے خواب میں دیکھتا ہے وہ حقیقتاً مجھ ہی کو دیکھتا ہے، اس لئے کہ شیطان میری صورت نہیں بنا سکتا۔ یہ ارشاد سنا کر پوچھا: کیا خواب کی دیکھی ہوئی صورت کا حلیہ بیان کر سکتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ آپ کا بدن اور آپ کا قامت دونوں چیزیں معتدل اور درمیانی (یعنی جسم نہ زیادہ موٹا نہ زیادہ دبلا، ایسے ہی قد نہ زیادہ لمبا نہ زیادہ پست، بلکہ معتدل) آپ کا رنگ گندمی مائل بہ سفیدی، خندہ دہن، خوبصورت گول چہرہ، ڈاڑھی نہایت گنجان جو پورے چہرے کا احاطہ کیے ہوئے تھی اور سینہ کے ابتدائی حصہ پر پھیلی ہوئی تھی۔ عوف جو اس روایت کے ایک راوی ہیں وہ کہتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں رہا کہ میرے استاد یزید نے جو اس خواب کے دیکھنے والے ہیں، ان مذکورہ صفات کے ساتھ اور کیا کیا صفتیں بیان فرمائی تھیں۔

وكان يكتب إلخ: وكان يكتب المصاحف، إشارة الي بركة عمله وشرفه؛ فلذا رأى هذه الرؤيا العظيمة. قال: [أي: الرائي، وهو يزيد الفارسي.] رجلا: أي هو رجل بين الرجلين، أي: بين كثيراللحم وقليله، أو بين البائن والقصير، والمعنى: أنه متوسط بينهما، والظرف خبر مقدم لقوله: "جسمه ولحمه"، أو هو فاعل الظرف قاله القاري، وكذا قال المناوي: إن "جسمه" مبتدأ مؤخر، و"بين رجلين" خبره، أو هو فاعل الظرف. أسمر: [أي: أحمر، لأن السمرة تطلق على الحمرة.]
إلى البياض: [مائلا إلى البياض؛ لأنه كان أبيض مشربا بحمرة.] حسن الضحك: [لأنه كان يتبسم في غالب أحواله.]
دوائر الوجه: [أي: حسن أطراف الوجه، فالمراد بالدوائر الأطراف.]

قد ملأت لحيته **ما بين هذه** إلى هذه، قد ملأت نحره - قال عوف: **ولا أدري** ما كان مع هذا النعت -، فقال ابن عباس: لو رأيته في اليَقَظَة ما استطعت أن تنعته **فوق هذا**. **قال أبو عيسي:** ويزيد الفارسيّ هو يزيد بن **هُرمُز**، وهو أقدم من يزيد الرّقاشي، وروى يزيد الفارسيّ عن ابن عباس أحاديث، ويزيد الرّقاشيّ لم يُدرك ابن عباس. وهو يزيد بن أبان الرّقاشيّ، وهو يروي عن أنس بن مالك، ويزيد الفارسيّ ويزيد الرقاشي كلاهما من أهل البصرة، **وعوف** بن أبي جميلة: هو عوف الأعرابيّ.

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر تم حضور ﷺ کو عالمِ حیات میں دیکھتے تو اس سے زیادہ حلیہ اقدس نہ بتا سکتے، گویا بالکل ہی صحیح حلیہ بیان کردیا **فائدہ:** چنانچہ اس کتاب شمائل کے سب سے پہلے باب میں جو حضور اقدس ﷺ کا حلیہ مبارک نقل کیا گیا ہے، وہ ان ہی صفات کے ساتھ ذکر کیا گیا، جیسا کہ مفصل گذر چکا۔

مابين هذه: قال القاري: أي: من الأذن إلي الأذن الأخرى، إشارة الي عرضها. **ولا أدري**: قال القاري: فيه إشعار بأنه ذكر نعوتا أخر وإنه نسيها، وهذا هو الظاهر المتبادر كما لا يخفى، ثم رأيت شارحاً صرح به، حيث قال: وعن بعضهم أن "ما" استفهامية، بأن قال الراوي شيئا آخر فنسيه عوف، فقال على طريق الاستفهام: ولا أدري ما كان الخ. قلت: وهو أوجه مما قال المناوي، ولفظه: أي: لا أعلم الذي وجد من صفاته في الخارج مع هذا النعت، هل هو مطابق أو لا.

فوق هذا: [أي: فما رأيته في النوم موافق لما عليه في الواقع.] **قال أبو عيسى** الخ: غرض المصنف بيان أن مسمى يزيد رجلان متقاربا العصر، فهذا الذي رآه عليه السلام في المنام هو يزيد بن هرمز رأى ابن عباس، وروى عنه، ويزيد الآخر الرقاشي غير يزيد بن هرمز، لاغبار عليه، وأما كون يزيد الفارسي هو ابن هرمز كما جزم به المصنف، مختلف فيه عند أهل الرجال، قال الحافظ في ترجمة ابن هرمز: قال ابن ابي حاتم: اختلفوا هل هو يزيد الفارسي أو غيره؟ فقال ابن مهدي وأحمد: هو ابن هرمز، وأنكر يحيى القطان أن يكونا واحداً، وسمعت أبي يقول: يزيد بن هرمز هذا ليس يزيد الفارسي. ثم ترجم الحافظ ليزيد الفارسي مستقلا، وقال فيه: قال بعضهم: إنه هو يزيد بن هرمز، والصحيح أنه غيره.

هُرمُز: بضم الهاء والميم، ممنوع من الصرف. **وعوف**: هذا كلام مستأنف، يعني عوف الراوي عن يزيد هو عوف الأعرابي، نبه بذلك لشهرته به، قال الحافظ في تهذيبه: عوف بن أبي جميلة المعروف بالأعرابي.

حدثنا أبو داود سليمان بن سَلْم البَلْخيّ، حدثنا النّضر بن شميل قال: قال عوف الأعرابيّ: **أنا أكبر** من قتادة. **حدثنا** عبد الله بن أبي زياد، حدثنا يعقوب بن إبراهيم بن سعد، حدثنا **ابن أخي** ابن شهاب الزهريّ، عن **عمّه** قال: قال أبو سلمة: قال أبو قتادة:[٦] قال رسول الله ﷺ: من رآني **يعني** في النوم فقد **رأى** الحقّ. **حدثنا عبد الله** بن عبد الرحمن، أخبرنا **مُعَلّى** بن أسد، حدثنا عبد العزيز بن المختار، حدثنا ثابت، **عن**[٧] أنس رضي الله عنه أن رسول الله قال: من رآني في المنام فقد رآني،

(٦) ابوقتادہ سے بھی حضور ﷺ کا یہ ارشاد مروی ہے کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے واقعی امر دیکھا۔

فائدہ: یعنی حقیقتاً مجھ ہی کو دیکھا، یہ نہیں کہ شیطان کسی اور چیز کو دکھائے اور مجھے بتائے۔ بعض علماء نے اسکا مطلب لکھا ہے کہ یہ سچا خواب ہے، خیالات کا مجموعہ نہیں ہے۔

(٧) انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ جو شخص مجھے خواب میں دیکھے اس نے حقیقتاً مجھ ہی کو دیکھا، اس لئے کہ شیطان میری صورت نہیں بنا سکتا۔ حضور ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ مومن کا (وہ خواب جو فرشتہ کے اثر سے ہوتا ہے) نبوت کے چھیالیس جزو میں سے ایک جزو ہوتا ہے۔

أنا أكبر: من قتادة، لعل غرض المصنف بذكر هذا القول أن رواية قتادة عن ابن عباس معروفة، ولما كان عوف أكبر منه فروايته عن الراوي عن ابن عباس غير مستبعد. **ابن أخي**: فإن الزهري هو محمد بن مسلم، وابن أخيه هذا هو محمد بن عبدالله بن مسلم، فالابن الأول مرفوع، والابن الثاني مجرور. **عمّه**: وهو محمد بن مسلم المعروف بابن شهاب الزهري.

يعني: تفسير من أحد الرواة، ولعل الراوي نسي لفظ الشيخ فزاد لفظ "يعني" كما هو المعروف عند المحدثين.

رأى: أي: الرؤية المتحققة الصحيحة أي: الثابتة لا أضغاث فيها ولا أحلام، ذكره الكرماني، وقال المناوي: أي: رأى الأمر الثابت لا الموهوم، فهو في معنى رآني، و"الحق" مفعول به، وفي نسخة: رآني الحق، وعليه فـ "الحق" مفعول مطلق.

حدثنا عبد الله إلخ: إيراد المصنف هذا الأثر والذي بعده مع عدم ملا يمتهما لعنوان الباب بمنـزلة الوصية منه رحمه الله بالاحتياط في الأخذ، واعتبار من يؤخذ عنه، ولذا التزم أكثر المحدثين بيان تراجمهم في أول مؤلفاتهم أو أواخرها، واتباعاً لصنيعهم ذكرت أسماء مشائخي ههنا أولا، لكن لما ذكرت ذلك بشيء من التفصيل في مقدمة أوجز المسالك حذفتها في النظر الثاني من ههنا. من أراد الاطلاع فعليه بمقدمة الأوجز. **مُعَلّى**: بضم ففتح فمشددة مفتوحة.

فإن الشيطان **لايتخيّل** بي. **قال:** و رؤيا المؤمن جزء من **ستة وأربعين جزءاً** من النبوة. **حدثنا محمد** بن عليّ قال: سمعت **أبي يقول:** قال[1]

فائدہ: علماء نے اس کے مطلب میں مختلف عنوانات اختیار فرمائے ہیں، بالخصوص حافظِ حدیث ابن حجر نے شرح بخاری میں بہت تفصیل سے اس کے متعلق علماء کے اقوال کو ذکر کیا ہے اور صاحبِ تبریز نے بھی بہت زیادہ تفصیل اس کی ذکر کی ہے۔ لیکن ملا علی قاری وغیرہ حضرات نے لکھا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ چونکہ اس کو علمِ نبوت کا ایک جزو فرمایا ہے اور علومِ نبوی انبیاء ہی کے ساتھ مخصوص ہوتے ہیں اس لئے اس کو بھی انبیا ہی کے ساتھ مخصوص سمجھنا چاہیئے۔ مجملاً اتنا معلوم ہونا کافی ہے کہ مبارک اور اچھا خواب ایک بڑی بشارت ہے جو نبوت کے اجزا میں سے ایک جزو ہے، اتنا ہی اس کی شرافت اور عظمت وبرکت کے لئے کافی ہے، باقی نبوت کے چھیالیس جزو نبی ہی صحیح طور پر معلوم کر سکتے ہیں، اس لئے وہی اس جزو کو صحیح طور پر سمجھ سکتے ہیں کہ یہ چھیالیسواں جزو کیسے ہوا۔ حضور اکرم ﷺ کے خواب میں دیکھنے کا ذکر ختم ہو چکا۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کو دو اثروں پر ختم کیا ہے، جو حقیقت میں دو نصیحتیں ہیں اور مہتم بالشان تنبیہیں ہیں۔ اول یہ کہ کسی چیز پر حکم لگانا اٹکل سے نہیں ہونا چاہئے بلکہ دین کا مدار حضور کے اتباع پر ہے، لہذا ہر فیصلہ میں حضور ﷺ کا اتباع کرنا چاہئے۔ دوسرے یہ کہ ہر کس و ناکس کی بات نہ سننی چاہئے بلکہ دیندار شخص کی بات ماننا چاہئے، بے دین قابلِ اتباع نہیں ہے، درحقیقت ہر دو نصیحتیں اہم ہیں۔

(۱) عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ بڑے آئمہ حدیث میں ہیں، فقہا اور صوفیہ میں بھی ان کا شمار ہے، بڑے شیخ عابد زاہد تھے اور حدیث کے حافظوں میں گنے جاتے ہیں، تاریخ کی کتابوں میں بڑے فضائل ان کے لکھے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر کبھی قاضی اور فیصل کنندہ بننے کی نوبت آئے تو منقولات کا اتباع کیجیو۔

لايتخيّل: قال المناوي: فمعني التخيل يقرب من معنى التصور، وقال القاري: أي: فلا تكون رؤياي عن أضغاث. قال: [أي: أنس على ما هو ظاهر صنيع المصنف، ولا يبعد أن يكون الضمير له ﷺ، بل هو الأقرب؛ لأن الأشهر هذا مرفوع.] ستة وأربعين جزءاً: [وجه ذلك على ما قيل: إن زمن الوحي ثلاث وعشرون سنة، وأوّل ما ابتدئ ﷺ بالرؤيا الصالحة، وكان زمنها ستة أشهر.] أبي يقول: [أي: علي، وهو علي بن الحسن بن شقيق المروزي.]

عبد الله بن المبارك: إذا **ابتُلِيتَ** بالقضاء، **فعليك بالأثر.** **حدثنا** محمّد بن عليّ، حدثنا النضر، أخبرنا ابن عوف، **عن**(۲) **ابن سيرين قال: هذا الحديث** دين،

[بالحكم بين الناس]

فائدہ: مقصود یہ کہ خودرائی اور اپنی عقل پر گھمنڈ نہیں کرنا چاہئے بلکہ اکابر کے کلام، احادیث اور اقوالِ صحابہ کا اتباع کرنا چاہئے، یہ امام ابن مبارک کی نصیحت ہے جو عام ہے، ہر فیصلہ کے متعلق یہی بات ہے خواہ وہ فیصلہ قضا کے قبیلہ سے ہو یا کوئی اور فیصلہ ہو، جیسا کہ ابھی گذرا۔ امام ترمذی نے ان کا یہ ارشاد نصیحتِ عامہ کے قبیلہ سے ذکر کیا ہے جیسا کہ عام شراح شمائل کی رائے ہے۔ بندہ کے نزدیک اس باب سے بھی اس کو ایک خاص مناسبت ہو سکتی ہے، وہ یہ کہ خواب کی تعبیر بھی ایک فیصلہ ہے اس لئے اس میں بھی اپنی رائے سے غتربودنہ کرنا چاہئے، بلکہ اسلاف کی تعبیروں کو دیکھنا چاہئے۔ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین رحمہم اللہ سے بکثرت خوابوں کی تعبیریں نقل کی گئی ہیں۔ فنِّ تعبیر کے علماء نے لکھا ہے کہ تعبیر دینے والا شخص ضروری ہے کہ سمجھدار، متقی، پرہیزگار، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا واقف ہو۔ عرب کے لغات اور زبان زد مثالوں کو جانتا ہو وغیرہ وغیرہ، بہت سی شرائط اور آداب علم تعبیر کی کتابوں میں لکھے ہیں۔

(۲) ابن سیرین کہتے ہیں کہ علم حدیث (اور ایسے ہی اور دینی علوم سب) دین میں داخل ہیں، لہذا علم حاصل کرنے سے قبل یہ دیکھو کہ اس دین کو کس شخص سے حاصل کر رہے ہو۔

عبد الله بن المبارك: [وهو أبو عبد الرحمن، شيخ الإسلام، ولد سنة ثمان عشر ومائة، وتوفي سنة إحدى وثمانين ومائة، وقبره بـــ "هِيَت" يُزار ويتبرّك به.] **ابتُلِيتَ:** بصيغة المجهول، والخطاب عام، وعدّه بلية؛ لشدة خطره، ولذا اجتنب عنه أبو حنيفة وسائر الأتقياء. **فعليك:** اسم فعل بمعني ألزم، ويزاد الباء في معموله كثيرا لضعفه في العمل. **بالأثر:** [أي: الحديث المنقول عن النبي ﷺ والخلفاء الراشدين في أحكامهم وأقضيتهم، ولا تعتمد، أيها القاضي! على رأيك، وقال النووي رحمه الله: الأثر عند المحدثين يعم على المرفوع والموقوف، والمختار إطلاقه على المروي، مطلقا.]

ابن سيرين: [وهو محمد بن سيرين، وسيرين اسم أمّه، وهي مولاة أمّ سلمة أُمّ المؤمنين رضي الله عنها.] **قال:** [أي: ابن سيرين، وهذا الأثر مسوق لبيان الاحتياط في الرواية والتثبت في النقل.] **هذا الحديث:** وهذا الأثر أخرجه صاحب المشكوة برواية مسلم، وقال صاحب التنقيح: أخرجه مرفوعا الحاكم في تاريخه، وابن عدي في الكامل عن أنس، وأبو نصر السجزي في الإبانة، وقال: غريب عن أبي هريرة، لكن في إسناد المرفوع ضعف، والصحيح أنه قول ابن سيرين. وقال المناوي: روى الخطيب وغيره عن الحبر: لاتاخذوا الحديث إلا عمّن تجيزون شهادته. ورقم عليه في الجامع الصغير بالضعف.

فانظروا عمّن تأخذون **دينكم**.

فائدہ: ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے وقت کے امام اور مشہور بڑے تابعی ہیں، بہت سے صحابہ کرام سے علوم حاصل کیے، فنِ تعبیر کے بھی امام ہیں، خواب کی تعبیر میں ان کے ارشادات حجت ہیں۔ ان کے ارشاد کا مقصود یہ ہے کہ جس سے دین حاصل کرو اس کی دیانت، تقوی، مذہب، مسلک اچھی طرح تحقیق کرلو۔ ایسا نہ کرو کہ ہر شخص کے کہنے پر عمل کرلو خواہ وہ کیسا ہی بے دین ہو، اس لئے کہ اس کی بد دینی اثر کیے بغیر نہیں رہے گی۔

بعض روایات میں خود نبی کریم ﷺ سے بھی اس مضمون کی تائید ہوتی ہے۔ یہ نصیحت عامہ ہے جیسا کہ پہلے نمبر پر گزر چکا ہے اور اس باب کے ساتھ بھی مناسبت ہو سکتی ہے کہ علم تعبیر بھی ایک اہم علم ہے، جبکہ خواب نبوت کے اجزا میں سے ایک جزو ہوتا ہے۔ تو اس کی تعبیر جتنی بھی مہتم بالشان ہو، ظاہر ہے۔ اس لئے بغور دیکھا کرو کہ کس سے تعبیر لے رہے ہو، وہ اس کا اہل ہے یا نہیں۔ اس مناسبت سے گویا امام ترمذی نے اس کو ذکر کیا، لیکن ابن سیرین کا کلام اور احادیث کا مضمون خواب کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر علم کو شامل ہے، اور جتنا مہتم بالشان علم ہوگا اتنی ہی زیادہ واقف سے معلوم کرنے کی ضرورت ہوگی۔ اس ہمارے زمانہ میں جو قیامت کے بہت ہی قریب ہے، ایک یہ بھی سخت مضرت کی بات ہوگئی ہے کہ ہر شخص خواہ کتنا ہی جاہل، کتنا ہی بددین ہو، تھوڑی سی صفائیِ تقریر و تحریر سے علامہ اور مولانا بن جاتا ہے اور رنگین کپڑوں سے صوفی اور مقتدا بن جاتا ہے۔

دينكم: قال ميرك: وقع في أكثر الروايات بلفظ: إن هذا العلم دين الخ كما رواه مسلم وغيره. قال القاري: وفي رواية الديلمي عن ابن عمر رضي الله عنه مرفوعا بلفظ: العلم دين، والصلوة دين، فانظروا عمن تأخذون هذا العلم، وكيف تصلون هذه الصلوة، فإنكم تسألون يوم القيمة. قال الطيـبي: التعريف فيه للعهد، وهو ما جاء به الرسول ﷺ من الكتاب والسنة، وهما أصول الدين. والمراد بالمأخوذ منه العدول الثقات المتقنون، هذا، وأنا معترف بأن مشائخي كلهم ثقات عدول كما ذكرت شيئا من مآثرهم في مقدمة الأوجز. فإنا افتخرنا بحمد الله تعالى بمشائخي العظام، وأقول مختصراً:

أولئك أشياخي فجئني بمثلهم إذا جمعتنا يا جرير المجامع

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العلمين، والصلوة والسلام على سيدنا ومولانا محمد وآله وصحبه أجمعين، برحمتك يا أرحم الراحمين. الثامن من أخرى الجمادين سنة ٤٤ هـ الجمعة، هذا أوان الفراغ من ابتداء تاليفي لهذه التعليقات، ثم كررت النظر عليها في سنة ستين بعد ألف وثلاث مائة، وأضفت بعض الحواشي، ووقع الفراغ عنها ليلة الاثنين الرابع والعشرين من ذي الحجة، جعله الله تعالى خالصا لوجهه الكريم، فإنه بر، جواد، غفور، رحيم.

عام لوگ ابتداءً ایک عام غلط فہمی کی وجہ سے ان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور پھر اپنی ناواقفیت سے ان کا شکار بن جاتے ہیں، وہ غلط فہمی یہ ہے کہ عامتہً قلوب میں یہ سما گیا ہے کہ: **انظروا إلى ما قال، ولا تنظروا إلى من قال.** (آدمی کو یہ دیکھنا چاہئے کہ کیا کہا، یہ نہیں دیکھنا چاہئے کہ کس نے کہا) حالانکہ یہ مضمون فی نفسہ اگرچہ صحیح ہے لیکن اس شخص کے لئے ہے جو سمجھ سکتا ہو کہ کیا کہا، جو کہا وہ حق کہا یا باطل اور غلط کہا۔ لیکن جو لوگ اپنی ناواقفیتِ دینی کی وجہ سے کھرے کھوٹے، صحیح اور غلط میں تمیز نہ کرسکتے ہوں ان کو ہر شخص کی بات سننا مناسب نہیں کہ اسکا نتیجہ مآل کار مضرت و نقصان ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ میں کوئی دعویدار اگر ولایت، امامت، نبوت رسالت حتی کہ خدائی تک کا بھی نعوذ باللہ دعوی کرے تو ایک گروہ فوراً اس کا تابع بن جاتا ہے۔ **وإلى الله المشتكى وهو المستعان۔**

الحمد للہ والمنۃ کہ ۸ جمادی الاخری سن ۱۳۴۴ ھ شبِ جمعہ میں اس ترجمہ سے فراغت ہوئی۔ فقط

زکریا عفی عنہ کاندھلوی

مقیم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

چونکہ اس ناکارہ کو اپنی ناقابلیت کا اعتراف ہے اس لئے اس ترجمہ کو نظر ثانی کے لئے اپنے محترم بزرگ الفاضل العلامہ مولانا عبدالرحمن صاحب صدر المدرسین مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے حوالہ کیا، مولانا نے اپنے مشاغل عُلیہ اور عدیم الفرصتی کے باوجود اس کی بالاستیعاب نظر ثانی فرما کر اکثر جگہ اصلاح بھی فرمائی۔ **فجزاهم الله تعالى عني خير الجزاء.** اور اخیر میں یہ عبارت بھی تحریر فرمائی: الحمد للہ کہ یہ عاجز بھی ۲۷ رجب سن ۱۳۴۴ھ بروز پنجشنبہ کو اس کے دیکھنے سے فارغ ہوا۔

مکرر آنکہ یہ ترجمہ ابتداءً سن ۴۴ھ میں لکھا گیا تھا جیسا کہ عبارت مندرجہ بالا سے معلوم ہوا، اس کے بعد متعدّد مرتبہ اس کے طبع ہونے کی نوبت آئی اور ہر مرتبہ طباعت کی غلطیوں میں اضافہ ہوتا رہا۔ اب بھی عرصہ سے کامیاب ہو جانے کی وجہ سے طباعت کا تقاضہ ہوا۔ میرے مخلص محسن مولوی نصیر الدین ناظم کتب خانہ نے کثرتِ اغلاطِ طباعت کی وجہ سے اس کی نظر ثانی پر اصرار کیا، میں ایک سال تک اپنی مشغولی کے عذر سے انکار کرتا رہا مگر وجہِ اصرار قوی تھی کہ واقعی طباعت میں بعض غلطیاں فحش واقع ہوگئی تھیں اس لئے نظر ثانی شروع کی۔ مصنف کی نظر ثانی میں بلا قصد بھی کمی زیادتی ہو ہی جایا کرتی ہے،

اس لئے کہیں کہیں کمی اور اکثر جگہ زیادتی ہوتی رہی، ہر چند اختصار کی کوشش کی مگر پھر بھی بہت سی جگہ اضافہ ہو ہی گیا۔ فالحمد للہ ثم الحمد للہ کہ آج ۲۴ ذی الحجہ سن ۶۰ھ شبِ دوشنبہ میں اس نظرِ ثانی سے فراغت ہوئی۔ حق تعالی شانہ اپنے حبیب کے اخلاق کا کچھ حصہ اس سیہ کار کو بھی ان احادیث کے طفیل نصیب فرمائے تو اس کے کرم اور لطف سے بعید نہیں۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين، والصلوة والسلام على خير خلقه
سيدنا ونبينا ومولانا محمد وآله وصحبه أجمعين ط